بہنوں کا اپنا ماہنامہ

شعاع

نومبر 2013

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام
www.paksociety.com

پہلی شعاع — رضیہ جمیل — 10
حمد — خالد بزمی — 11
نعت — احمد ندیم قاسمی — 11
نبیؐ کی باتیں — ادارہ — 12

انٹرویو

دستک — شاہین رشید — 24
بندھن — صبا فیصل — 278
شعاع کے ساتھ — ادارہ — 276
شادی مبارک ہو — بشریٰ گوندل — 30
شاعری — سعدیہ ریاض — 274

ناول

ایک تھی مثال — رخسانہ نگار عدنان — 244
رقص بسمل — نبیلہ عزیز — 36

ناولٹ

دیمک زدہ محبت — صائمہ اکرم — 156

مکمل ناول

محبت من محرم — سمیرا حمید — 118
ہم جب ملے — سائرہ رضا — 194
اُترن — عفت سحر پاشا — 62

افسانے

ٹھوکر — سیما بنت عاصم — 188
اے جنونِ قلب — مصباح علی — 104
عید اسپیشل — قانتہ رابعہ — 54
طاقِ نسیاں — امتل عزیز شہزاد — 57

نظمیں، غزلیں

غزل — محمود شام — 265
غزل — باقی احمد پوری — 265

مستقل سلسلے

خط آپ کے — رضیہ جمیل — 17
مسکراہٹیں — صبا سحر — 266
آئینہ خانے میں — تبصیر نشاط — 282
بالوں سے خوشبوئے — شگفتہ جاہ — 268
تاریخ کے جھروکے — امت الصبور — 284
کھلتا کسی پہ — خالدہ جیلانی — 272
موسم کے نگوان — خالدہ جیلانی — 288
خوبصورت بنئے — ادارہ — 290

زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری

پاکستان (سالانہ) ----- 600 روپے
ایشیا، افریقہ، یورپ ---- 5000 روپے
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا --- 6000 روپے

انتباہ: ماہنامہ شعاع ڈائجسٹ کے جملہ حقوق محفوظ ہیں، پبلشر کی تحریری اجازت کے بغیر اس رسالے کی کسی بھی کہانی، ناول، یا سلسلہ کو کسی بھی انداز سے نہ تو شائع کیا جاسکتا ہے، نہ کسی بھی ٹی وی چینل پر ڈرامہ، ڈرامائی تشکیل اور سلسلہ وار قسط کے طور پر یا کسی بھی شکل میں پیش کیا جاسکتا ہے۔ خلاف ورزی کرنے کی صورت میں قانونی کارروائی عمل میں لائی جاسکتی ہے۔

نومبر 2013
جلد 28 شمارہ 3
قیمت 50 روپے

خط و کتابت کا پتہ: ماہنامہ شعاع، 37 - اُردو بازار، کراچی۔

رضیہ جمیل نے دین حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا - مقام: ۲ ابی ۶ پی ای سی ایچ ایس سوسائٹی کراچی

Phone: 32721777, 32726617, 021-32022494 Fax: 0092-21-32766872
Email: shuaa@khawateendigest.com website: www.khawateendigest.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

رگھیر جیگل

شعاع

نومبر کا شمارہ لیے حاضر ہیں۔
نومبر میں نئے اسلامی سال کا آغاز بھی ہو رہا ہے۔
محرم الحرام۔ اسلامی سال کا پہلا مہینہ جو حق گوئی، بہادری، شجاعت، صبر و استقامت کے ایک عظیم واقعہ کی یاد دلاتا ہے۔ ایک ایسی جنگ جس کا مقصد حق و صداقت کا بول بالا کرنا تھا۔ جس کا واحد پیغام تھا، اللہ کی سرزمین پر اللہ تعالیٰ کا نظام۔ اللہ کی سرزمین سے ظلم و جبر کا خاتمہ اور عدل و انصاف کا قیام۔ امام عالی مقام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہیتے نواسے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دختر عظیم فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا اور پسر شجاعت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے تھے۔ ایک طرف امام عالی مقام اور آپ رضی اللہ عنہ کے بہتر رفقاء تھے۔ دوسری طرف لاکھوں کا لشکر۔ آپ رضی اللہ عنہ چاہتے تو باطل قوتوں سے مفاہمت کر کے اپنی زندگی بچا لیتے لیکن آپ رضی اللہ عنہ نے بادشاہت اور آمریت کو تسلیم نہیں کیا۔ اعلا انسانی اقدار کی بقا کے لیے اپنی، اپنے اہل خاندان اور رفقاء کی قربانی دے کر وہ مثال قائم کی جس کی عظمت کو پوری دنیا نے تسلیم کیا ہے۔
امام عالی مقام کی شہادت نے وہ عظیم تاریخ رقم کی ہے جو تا قیامت راہ حق پر چلنے والوں کے لیے رہنما اور مشعل راہ بنی رہے گی۔

سائرہ رضا کا مکمل ناول۔ جب ہم ملے،

نوال کا کردار آپ کو یاد ہوگا۔ ذہین۔ خود اعتماد، حساس۔ ایک مثالی بیٹی۔
پچھلے سال نومبر کے شمارے میں سائرہ رضا کا مکمل ناول "پہلی بار جب ہم ملے" شائع ہوا تھا، نوال اس ناول کا مرکزی کردار تھی۔ اس شمارے میں شائع ہونے والا سائرہ رضا کا ناول "جب ہم ملے"، اسی کہانی کا تسلسل ہے۔ ناول کا اختتام ایک سوالیہ نشان پر ہوا تھا۔ سائرہ رضا نے اس میں اس گتھی کو سلجھایا ہے۔
زندہ لوگوں کی جائز خواہشات، روایات سے زیادہ اہم ہوتی ہیں۔ وقت کے ساتھ آگے بڑھنے والے، وقت کا ساتھ دینے والے ہی زندگی کو جیتے ہیں۔
نوال اس حقیقت کو منوا سکی یا ناکام ٹھہری۔ قارئین اس ناول کو پڑھ کر جان سکیں گی۔ پڑھ کر اپنی رائے ضرور لکھیے گا۔

اس شمارے میں،

، عفت سحر طاہر کا مکمل ناول۔ اُترن، ، سائرہ رضا کا مکمل ناول۔ جب ہم ملے،
، سمیرا حمید کا مکمل ناول۔ محبت من محرم، ، دیمک زدہ محبت۔ صائمہ اکرم کا ناول تکمیل کے مراحل میں،
، قانتہ رابعہ، مصباح علی، امتل عزیز شہزاد اور سیمانت عاصم کے افسانے،
، رخسانہ نگار عدنان اور نبیلہ عزیز کے ناول،
، بندھن۔ ٹی وی فنکارہ صبا فیصل اور فیصل سلیم، ، معروف شخصیات سے گفتگو کا سلسلہ۔ دستک،
، پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری باتیں۔ احادیث کا سلسلہ،
، خط آپ کے، شاعری سچ بولتی ہے، شعاع کے ساتھ ساتھ اور دیگر مستقل سلسلے شامل ہیں۔
شعاع کا یہ شمارہ آپ کو کیسا لگا؛ ہمیں اپنی رائے سے آگاہ کیجیے گا۔

باری تعالیٰ

حمد

اندھیرے چیر کر اُن میں اُجالا تُو ہی کرتا ہے
ہر ایسا کام اے اللہ تعالیٰ تُو ہی کرتا ہے

شکستِ فاش دیتا ہے ہمیشہ تُو ہی باطل کو
ہر اک موقع پہ حق کا بول بالا تُو ہی کرتا ہے

جہاں میں وقتِ پیدائش سے لے کر آخری دم تک
ہر انسان اور ہر حیوان کو پالا تُو ہی کرتا ہے

بسا اوقات ہم مایوس ہو جاتے ہیں گھبرا کر
ہر ایسے وقت میں مشکل کو ٹالا تو ہی کرتا ہے

زمیں پر گُل شگفتہ، آسماں پر نجم رخشندہ
ہے یہ کام تیرے کرنے والا تُو ہی کرتا ہے

یہ بزمی اور اس جیسے کروڑوں ہی بشر ہوں گے
بچا کر جن کو گرنے سے سنبھالا تُو ہی کرتا ہے

خالد بزمی

رسول مقبول

نعت

دل میں اُترے حرف سے مجھ کو ملا پتا ترا
معجزۂ حسنِ صوت کا، زمزمۂ صدا ترا

ہے مرا اوجِ فن ترے حسنِ کلام کا غلام
بات تھی جاں فزا تری، لہجہ تھا دلربا ترا

جاں تری سر بہ سر جمال، دل ترا آئینہ مثال
تجھ کو ترے عدو نے بھی دیکھا تو ہو گیا ترا

اے مرے شاہِ شرق و غرب، نانِ جویں غذا تری
اے مرے بوریا نشیں، سارا جہاں گدا ترا

میرا تو کائنات میں تیرے سوا کوئی نہیں
ارض تری، سما ترا، بندے ترے، خدا ترا

احمد ندیم قاسمی

WWW.PAKSOCIETY.COM

ادارہ

شادی کی عملی باتیں

نکاح سے متعلق احکام و مسائل

نکاح کی فضیلت

حضرت علقمہ بن قیس رحمتہ اللہ علیہ سے روایت ہے انہوں نے کہا۔ ”میں منیٰ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ انہیں الگ لے گئے میں پاس بیٹھا تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا۔

”کیا آپ پسند فرماتے ہیں کہ میں ایک کنواری لڑکی سے آپ کی شادی کروادوں جس سے آپ کو گزرے وقت کی کچھ باتیں یاد آجائیں؟“

جب حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو محسوس ہوا کہ حضرت عثمان بن رضی اللہ عنہ کو اس کے سوا اور کوئی کام نہیں (جس کے لیے وہ انہیں الگ لے گئے تھے) تو مجھے ہاتھ سے اشارہ کیا۔ میں حاضر ہوا تو وہ فرمارہے تھے۔

”اگر آپ نے یہ بات کہی ہے تو (اچھی بات ہی کی ہے کیونکہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

”اے جوانوں کی جماعت! تم میں سے جو شخص نکاح کی طاقت رکھتا ہے اسے چاہیے کہ شادی کرلے اس کی وجہ سے نظر نیچی رہتی ہے اور جسم (بدکاری سے) محفوظ رہتا ہے اور جسے (نکاح کی) طاقت نہ ہو تو اسے چاہیے کہ روزہ رکھے کیونکہ روزہ خواہش کو کچل دیتا ہے۔“

فوائد و مسائل : 1۔ گزرے وقتوں کی یاد سے مراد یہ ہے کہ جس طرح آپ پہلے ازدواجی زندگی گزار رہے تھے اور اطمینان و مسرت کا وقت گزر رہا تھا اب پھر آپ کو شادی کی ضرورت ہے تاکہ آپ کو دوبارہ وہی خوشی اور وہی اطمینان و سکون حاصل ہو جس کا حصول شادی کے بغیر ممکن نہیں۔

2۔ شادی شدہ زندگی میں میاں بیوی کی عمر میں تفاوت کو بہت زیادہ اہمیت حاصل نہیں۔ اگر ذہنی ہم آہنگی موجود ہو اور مرد اس قابل ہو کہ اپنی بیوی کی فطری ضروریات خوش اسلوبی سے پوری کرسکے تو ادھیڑ عمر مرد کم عمر عورت سے نکاح کرسکتا ہے۔

3۔ تین افراد میں سے دو افراد کا تیسرے کو الگ کر کے بات چیت کرنا منع ہے لیکن اگر تیسرے آدمی کی دل شکنی کا اندیشہ نہ ہو تو بعض حالات میں اس کی گنجائش ہے، ویسے بھی مذکورہ بالا واقعہ میں دونوں کے الگ ہو جانے کے باوجود حضرت علقمہ رحمتہ اللہ اتنے دور نہیں تھے کہ ان کی بات چیت نہ سن سکیں۔

4۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو اس وقت نکاح کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی اس لیے انہوں نے یہ نہیں فرمایا کہ لڑکی والوں سے رابطہ قائم کیا جائے، البتہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خیر خواہی کا شکریہ ادا کرنے کے لیے فرمادیا کہ نکاح واقعی ایک اہم اور مفید چیز ہے۔

5۔ نکاح کی طاقت رکھنے کا مطلب جسمانی طور پر نکاح کے قابل ہونا اور مالی طور پر بیوی کے لازمی

اخراجات پورے کرنے کے قابل ہونا ہے۔ موجودہ معاشرے میں رائج رسم و رواج پر کیے جانے والے بے جا اخراجات کی طاقت مراد نہیں۔ معاشرے سے ان فضول رسموں کو ختم کرنے کی کوشش کی جانی چاہیے۔

6۔ نکاح کا سب سے بڑا فائدہ گناہ کی زندگی سے حفاظت اور جنسی خواہشات کی جائز ذریعے سے تکمیل ہے۔ نکاح کرتے وقت یہ مقصد پیش نظر رکھنا چاہیے دوسرے فوائد خود ہی حاصل ہو جائیں گے۔

7۔ فحاشی سے بچاؤ اسلامی معاشرے کی ایک اہم خوبی ہے، اس کے حصول کے لیے ہر جائز ذریعہ اختیار کرنا چاہیے اور فحاشی کا ہر راستہ بند کرنا چاہیے۔

8۔ اسلامی شریعت کی یہ خوبی ہے کہ یہ انسان کی فطرت کے مطالبات کی نفی نہیں کرتی بلکہ ان کے حصول کے جائز ذرائع مہیا کرتی ہے۔

9۔ روزہ رکھ کر انسان نامناسب خیالات اور جذبات کو کنٹرول کرسکتا ہے۔ اس وجہ سے فطری خواہش بھی بے لگام نہیں ہوتی، اس لیے اگر کسی نوجوان لڑکے یا لڑکی کی شادی میں کسی وجہ سے تاخیر ہو جائے تو اسے چاہیے کہ نفلی روزے کثرت سے رکھے اور جذبات میں ہیجان پیدا کرنے والے ماحول، اس قسم کے لٹریچر کے مطالعے، جذبات انگیز نغمات سننے اور فلمیں وغیرہ دیکھنے سے پرہیز کرے تاکہ جوانی کا جوش گناہ میں ملوث نہ کرسکے۔

نکاح سنت ہے

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

”نکاح میرا طریقہ ہے اور جو شخص میرے طریقے پر عمل نہیں کرتا اس کا مجھ سے تعلق نہیں۔ شادیاں کیا کرو کیونکہ میں تمہاری کثرت کی بنا پر دوسری امتوں پر فخر کروں گا، جو (مالی طور پر) استطاعت رکھتا ہو وہ (ضرور) نکاح کرے اور جسے (رشتہ) نہ ملے، وہ روزے رکھا کرے کیونکہ روزہ خواہش کو کچل دیتا ہے۔“

فوائد و مسائل :

1۔ نکاح میرا طریقہ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اہل و عیال والی زندگی گزارنا اسلام کا ایک اہم اصول ہے۔ یہود و نصاریٰ اور ہندوؤں وغیرہ کا طریقہ یہ ہے کہ ان کے ہاں غیر شادی شدہ زندگی گزارنا اور بزعم خویش عبادت و ریاضت میں مشغول رہنا افضل اور قابل تعریف سمجھا جاتا ہے۔

2۔ نکاح کا ایک روحانی فائدہ یہ بھی ہے کہ اولاد کی صحیح تربیت کر کے انہیں اسلامی معاشرے کے مفید ارکان بنانا بھی ایک اہم دینی خدمت ہے اور دوسروں کو اچھے کاموں کی ترغیب دلانے سے خود سیدھی راہ پر گامزن رہنا آسان ہو جاتا ہے۔

3۔ مسلمانوں کے لیے اولاد کی کثرت شرعاً مطلوب ہے، لہٰذا اس کے لیے کوشش کرنا، یعنی نکاح کرنا اور ازدواجی تعلقات قائم رکھنا بھی شرعاً مستحسن ہے۔

4۔ نکاح روحانی ترقی میں رکاوٹ نہیں۔

محبت رکھنے والوں کے لیے

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

”آپس میں محبت رکھنے والوں کے لیے نکاح جیسی کوئی چیز نہیں دیکھی گئی۔“

فوائد و مسائل :

1۔ دو خاندانوں میں دوستانہ تعلقات ہوں تو انہیں قائم رکھنے اور مضبوط کرنے کے لیے ایک دوسرے سے رشتہ لینا دینا چاہیے۔

2۔ کسی مرد اور عورت کا ایک دوسرے کی طرف میلان ہو جائے تو ناجائز تعلقات قائم کرنے کے بجائے نکاح کا جائز تعلق قائم کرلینا بہتر ہے، تاہم اس میں نکاح کی دیگر شرائط، یعنی عورت کے سرپرست کی اجازت، حق مہر، ایجاب و قبول اور گواہوں کی موجودگی

WWW.PAKSOCIETY.COM

وغیرہ کا پایا جانا ضروری ہے۔

بے نکاح رہنا منع ہے

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کو بے نکاح رہنے کی اجازت نہیں دی۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں اجازت دے دیتے تو ہم لوگ خصی ہو جاتے۔" بخاری

فوائد و مسائل :

1۔ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ عبادت کا بہت شوق رکھتے تھے۔ انہوں نے سوچا کہ نکاح کر کے بیوی بچوں کے معاملات میں مشغول ہونے سے نفلی عبادات، یعنی نفلی نماز روزے کے مواقع کم ہو جاتے ہیں، اس لیے بہتر ہے نکاح نہ کیا جائے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بے نکاح رہنے کی اجازت نہ دی۔

2۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھے بغیر کوئی کام نہیں کرتے تھے کیونکہ ممکن ہے ایک کام بظاہر نیکی کا ہو اور بہت اچھا معلوم ہوتا ہو لیکن شریعت کی رو سے وہ صحیح نہ ہو۔

3۔ بدعت بھی بظاہر نیکی ہوتی ہے۔ لیکن اس کے ظاہری نیکی ہونے سے دھوکا نہیں کھانا چاہیے۔ خلاف سنت کام کتنا ہی اچھا معلوم ہوتا ہو، اس سے پرہیز کرنا ضروری ہے۔

4۔ اللہ کا قرب حاصل کرنے کا طریقہ یہ نہیں کہ ہندو جوگیوں یا عیسائی راہبوں کی طرح حلال چیزوں سے بھی پرہیز کیا جائے بلکہ کھانے، پینے اور دیگر معاملات میں شرعی ہدایات پر عمل کرنے سے اللہ کا قرب حاصل ہوتا ہے۔

حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بے نکاح رہنے سے منع فرمایا۔

فوائد و مسائل :

1۔ بے نکاح رہنے کو نیکی سمجھنا غلط ہے، خواہ یہ تصوف کے نام پر ہو یا قلندری کے نام پر یا کسی اور نام سے۔

2۔ نکاح تمام انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔

3۔ انبیائے کرام نوری مخلوق نہیں بلکہ اشرف المخلوقات انسان ہیں، اس لیے وہ نکاح بھی کرتے تھے اور ان کی اولاد بھی ہوتی تھی۔

خاوند پر بیوی کے حقوق

حضرت حکیم بن معاویہ اپنے والد حضرت معاویہ (ابن حیدہ رضی اللہ عنہ) سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے فرمایا ایک آدمی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا۔

"خاوند پر عورت کا کیا حق ہے؟"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب کھانا کھائے تو اسے بھی کھلائے، جب کپڑا پہنے تو اسے بھی پہنائے، چہرے پر نہ مارے، اسے برا بھلا نہ کہے اور گھر ہی میں (اس سے) علیحدگی اختیار کیے رکھے۔"

فوائد و مسائل :

1۔ اسلام نے معاشرے کو صحیح بنیادوں پر قائم کرنے کے لیے ہر فرد کے حقوق و فرائض کا تعین کر دیا ہے۔ ان کو پیش نظر رکھ کر معاشرے میں امن قائم کیا جا سکتا ہے۔

2۔ جس طرح مردوں کے حقوق ہیں، اسی طرح عورتوں کے بھی حقوق ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ **ولهن مثل الذى عليهن بالمعروف** (البقرۃ ۲۲۸) ترجمہ "اور دستور کے مطابق عورتوں کے لیے مردوں پر ویسے ہی حقوق ہیں جیسے مردوں کے لیے عورتوں پر ہیں۔"

3۔ گھر میں امن و سکون قائم رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ دونوں ایک دوسرے کے حقوق کا خیال رکھیں۔

عورت کی بنیادی ضروریات، یعنی خوراک، لباس اور رہائش وغیرہ مہیا کرنا مرد کا فرض ہے۔

4۔ مرد کو حق حاصل ہے کہ عورت کو غلطی پر مناسب تنبیہ کرے۔

5۔ اگر معمولی تنبیہ کا اثر نہ ہو تو معمولی سی جسمانی سزا بھی دی جا سکتی ہے لیکن چہرے پر مارنا منع ہے۔

لا یقبح کا ایک مفہوم یہ ہے کہ ڈانٹتے وقت نامناسب الفاظ استعمال نہ کرے، جیسے عربوں میں رواج تھا کہ وہ کہتے۔ قبح اللہ وجھک "اللہ تیرے چہرے کو قبیح کر دے۔" یا فبحک اللہ "اللہ تجھے بدصورت کر دے۔" اس طرح کی گالی اور بددعا سے اجتناب کرنا چاہیے۔ دوسرا مفہوم یہ ہے کہ چہرے پر نہ مارے، زور سے مارنے سے چہرے پر نشان پڑ جائے گا اور چہرہ بدصورت ہو جائے گا، اس لیے فرمایا کہ اسے بدصورت نہ بنا دے۔

6۔ تنبیہ کے لیے ناراضی کا اظہار کرتے ہوئے وقتی طور پر بول چال بند کرنا جائز ہے لیکن بیوی کو گھر سے نکال دینا یا خود گھر سے کئی دن کے لیے باہر چلے جانا مناسب نہیں۔ گھر میں دونوں کی موجودگی سے ناراضی جلد دور ہو جانے کی امید ہوتی ہے۔

عورتوں کے حقوق

حضرت عمرو بن احوص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ حجۃ الوداع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ موجود تھے۔ (اس دوران میں) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی حمد و ثنا کی اور وعظ و نصیحت فرمائی (اس میں آپ نے کئی باتیں ارشاد فرمائیں) پھر فرمایا۔

"عورتوں کے بارے میں خیر کی وصیت قبول کرو کیونکہ وہ تمہارے پاس قیدی ہیں۔ تمہیں ان پر اس کے سوا کوئی اختیار نہیں۔ الّا یہ کہ وہ واضح بے شرمی کا کوئی کام کریں۔ اگر وہ ایسی حرکت کریں تو ان سے بستروں میں الگ ہو جاؤ اور انہیں مارو لیکن سخت پٹائی نہ ہو۔ (اس تنبیہ کے نتیجے میں) اگر وہ تمہاری اطاعت کرنے لگ جائیں تو ان پر (سختی کرنے کی) راہ تلاش نہ کرو یقیناً" تمہاری عورتوں پر تمہارا حق ہے اور تمہاری عورتوں کا تم پر حق ہے۔

تمہاری عورتوں پر تمہارا حق تو یہ ہے کہ وہ تمہارے بستروں پر اسے نہ بٹھائیں جس (کے گھر میں آنے) کو تم ناپسند کرتے ہو اور تمہارے گھر میں اس فرد کو آنے کی اجازت نہ دیں جسے تم ناپسند کرتے ہو۔ سنو! تم پر عورتوں کا یہ حق ہے کہ ان کے لباس اور خوراک کے بارے میں ان سے اچھا سلوک کرو۔"

فوائد و مسائل :

1۔ وصیت تاکیدی نصیحت کو کہتے ہیں، جس پر عمل کرنا بہت ضروری سمجھا جاتا ہے۔ "وصیت قبول کرو" کا مطلب یہ ہے کہ میں تمہیں وصیت کرتا ہوں۔ بہت سے صحابہ کرام جو حجۃ الوداع میں حاضر تھے، ان کے لیے ممکن ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی وہ آخری ملاقات ہو کیونکہ اس سے تین ماہ بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دار فانی سے کوچ فرما گئے۔ ان کے لیے یہ خطبہ واقعی آخری نصیحت (وصیت) بن گیا۔

2۔ خطاب اگرچہ حجۃ الوداع میں حاضر ہونے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا گیا تھا، تاہم یہ حکم قیامت تک آنے والے تمام مومنوں کے لیے ہے۔

3۔ مرد کو چاہیے کہ بیوی کے اخلاق و کردار کی نگرانی کرے، تاہم بلاوجہ شکوک و شبہات میں مبتلا رہنا درست نہیں، جب تک کوئی واضح مشکوک صورت سامنے نہ آئے۔

4۔ واضح بے حیائی سے مراد ایسی حرکات ہیں جن پر روک ٹوک نہ کرنے سے بدکاری تک نوبت پہنچ سکتی ہے۔ زنا کا ارتکاب ہو جانے کی صورت میں دوسرے احکام ہیں جو قرآن و حدیث میں اپنے مقام پر مذکور ہیں۔

5۔ جب محسوس ہو کہ عورت اپنی غلطی پر پشیمان ہے اور اصلاح پر آمادہ ہے تو اس سے معمول کے

WWW.PAKSOCIETY.COM

تعلقات قائم کر لینے چاہئیں اور بار بار گزشتہ غلطیوں کا طعنہ نہیں دینا چاہیے۔

6۔ بعض اوقات صورت حال اس قدر خراب ہو جاتی ہے کہ جسمانی سزا ناگزیر ہو جاتی ہے لیکن یہ اصلاح کی کوشش کا آخری درجہ ہے' جہاں تک ممکن ہو' معاملات کو اس مرحلے پر نہیں پہنچنے دینا چاہیے۔

7۔ اگر جسمانی سزا ضروری محسوس ہو تو اس میں بھی نرمی کا پہلو مدنظر ہونا چاہیے' یعنی صرف اس حد تک سختی کی جائے یا سزا دی جائے جو تنبیہہ کے لیے ضروری ہو' اس سے زیادہ نہیں' کیونکہ مقصود اصلاح ہے' غصہ نکالنا یا بدلہ لینا نہیں۔

8۔ مہمانوں کی تکریم ضروری ہے لیکن اگر کوئی ایسا شخص آتا ہے جسے خاوند اچھا نہیں سمجھتا تو عورت کو چاہیے کہ خاوند کے جذبات کا خیال رکھتے ہوئے اسے اجازت دینے سے معذرت کر لے' یا کہہ دے کہ مرد گھر میں نہیں' پھر آجائیے گا۔

9۔ ناپسندیدہ شخص کو بستر پر نہ بٹھانے کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ غیر مردوں سے ناجائز تعلقات استوار کرنے کی راہ ہموار نہ کی جائے۔ ان سے نرم لہجے میں ہنس ہنس کر بات کرنے کے بجائے سنجیدگی سے مختصر بات کر کے فارغ کر دیا جائے۔ امام خطابی فرماتے ہیں۔ "اس کا مطلب یہ ہے کہ اجنبی مردوں کو گپ شپ کے لیے اپنے پاس گھر میں آنے کی اجازت نہ دیں' جیسے عرب میں یہ رواج تھا اور اسے عیب نہیں سمجھا جاتا تھا۔ پردے کا حکم نازل ہونے کے بعد اس سے منع کر دیا گیا۔" (حاشیہ سنن ابن ماجہ از محمد فواد عبدالباقی) ہمارے ہاں دیہات میں' جہاں پردے کا اہتمام نہیں کیا جاتا اب بھی یہ صورت حال موجود ہے جو شرعی طور پر ممنوع ہے۔

10۔ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ عورت اپنے محرم رشتہ داروں کو بھی خاوند کی اجازت کے بغیر گھر میں نہ آنے دے لیکن زیادہ صحیح یہ معلوم ہوتا ہے کہ خاوند کو ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ عورت کے محرم مردوں پر پابندی لگائے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے رضاعی چچا کو گھر میں آنے کی اجازت نہیں دی تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "وہ تمہارا چچا ہے' اسے آنے کی اجازت دو۔"

لباس اور خوراک کے بارے میں اچھا سلوک یہ ہے کہ اپنی حیثیت کے مطابق اچھا لباس اور مناسب خوراک مہیا کرے لیکن ایسے لباس سے منع کرنا چاہیے جو شریعت کی تعلیمات کے مطابق نہ ہو۔

شوہر کی خوشنودی

ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا' آپ فرما رہے تھے۔

"جو عورت اس حال میں فوت ہوئی کہ اس کا خاوند اس سے خوش تھا تو وہ جنت میں جائے گی۔"

بہترین عورت

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"دنیا (عارضی) فائدے کی چیز ہے اور دنیا کے ساز و سامان میں نیک عورت سے بہتر کوئی چیز نہیں۔"

فوائد و مسائل :

1۔ دنیا کی چیزوں سے حلال طریقے سے فائدہ حاصل کرنا جائز ہے۔ ترک دنیا جائز نہیں۔

2۔ دنیا کی چیزیں اس انداز سے استعمال کرنی چاہئیں کہ آخرت میں فائدہ حاصل ہو۔

3۔ نیک عورت ایک بڑی نعمت ہے کیونکہ وہ دنیا کے معاملات میں بھی اچھی مشیر ثابت ہوتی ہے' اچھی شریک حیات ہوتی ہے اور آخرت کے معاملات میں بھی خاوند سے تعاون کرتی ہے۔ اس طرح دونوں کو بلند درجات حاصل ہو جاتے ہیں۔

4۔ نیک مرد بھی عورت کے لیے ایک ایسی ہی نعمت ہے۔

دگھنیہ جمیل

خط بھجوانے کے لیے پتا

ماہنامہ شعاع - 37 - اردو بازار، کراچی۔

Email: info@khawateendigest.com
shuaamonthly@yahoo.com

آپ کے خط اور ان کے جوابات لیے حاضر ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے آپ کی سلامتی' عافیت اور خوشیوں کے لیے دعائیں۔

اللہ تعالیٰ آپ کو' ہم سب کو' ہمارے پیارے وطن کو اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ آمین۔

پہلا خط کوٹ مومن سے نیلم شہزادی کا ہے۔ لکھتی ہیں۔

پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری باتیں ہمیشہ کی طرح بہت پیاری تھیں۔ "ایک تھی مثال" میں بشریٰ کے ساتھ اچھا نہیں ہوا' مگر اسی کا نام زندگی ہے۔ رخسانہ جی آپ کے ناول میں دربدر بھٹکتی وہ پیاری سی لڑکی ہی درحقیقت "مثال" ہوگی (اہم... ذاتی خیال ہے)۔ "محبت جیت کی صورت" پسند نہیں آئی (معذرت)۔ نبیلہ عزیز جی آپ کی سلسلہ وار آمد سے کس قدر خوشی ہوئی؟ لفظوں میں اظہار ممکن نہیں "دیمک زدہ محبت" تو واقعی فلمی فلمی سا ہے۔ محبت من محرم بہت اچھی اسٹوری ہے۔

حیا بخاری کا خط پڑھ کر ہمیں بھی حیرانی ہوئی' بھئی شاہ غلطی کیوں نہیں کر سکتے؟ انسان تو ہے ہی خطا کا پتلا..... کنیز نبوی بی سے عشق پر رقم جذبوں کو جھلسا دینے والی تحریر لکھوائیں (گزارش) نوال افضل گھمن کے نام سے بہت مانوسیت ہو گئی ہے۔ ان کے انتخاب وغیرہ کو بارہا پڑھتی ہوں رابعہ بصری کا تعارف اچھا لگا' خاص طور پر پسندیدہ کتابوں اور پسندیدہ مصنفین کا پڑھ کر خوشی ہوئی۔ "کاہے کو بیاہی بدیس" بہت شاندار تھی۔ کیا انیسہ سلیم کا "ترک رسوم" کتابی شکل میں ہے؟ انیسہ جی پلیز زیدو عظمی+سارہ سے ملاقات کروائیں۔

ج - پیاری نیلم! شعاع سے آپ کی وابستگی کے بارے میں جان کر بہت خوشی ہوئی آپ شعاع اتنی توجہ سے پڑھتی ہیں اور ناول افسانے ہی نہیں سلسلوں پر بھی آپ کی گہری نظر ہے۔ کنیز نبوی ناول لکھ رہی ہیں۔ جلد ہی آپ ان کی تحریر پڑھیں گی۔ انیسہ سلیم کا سلسلہ کتابی شکل میں نہیں آیا۔

کاہے کو بیاہی بدیس صوفیہ سرور کی اثر انگیز تحریر تھی۔ یہ نئی مصنفہ ہیں اور ہمیں ان سے بہت توقعات ہیں۔

اپنی فرخندہ آپی کا ہماری طرف سے شکریہ ادا کر دیجئے گا۔

سارہ' مریم' طوبیٰ' کرن اور اشعاع نے سنجر پور سے شرکت کی ہے۔ لکھتی ہیں۔

اپنا خط نہ پا کر اتنا غصہ آیا کہ جی چاہا سب کے خط پھاڑ ڈالوں۔ صائمہ جی بہت اچھے طریقے سے کہانی آگے بڑھا رہی ہیں۔ ہمارے اندازے کے مطابق ثنائلہ کے ماموں کا بیٹا رامس ہے۔ ماہم اور ثمن کا کردار ذرا بھی اچھا نہیں لگتا۔ سارا دن بنتی سنورتی رہتی ہیں۔ ہے "رقص بسمل" بہت اچھی جا رہی ہے۔ یہ تو پہلی قسط میں ہی پتا چل گیا تھا کہ ماورا کا ہیرو تیمور ہے۔ ویسے نبیلہ آپ کی ہر کہانی کا ہیرو ایک جیسا ہی کیوں ہوتا ہے؟ "ایک تھی مثال" میں بشریٰ کو طلاق نہیں ہونی چاہیے تھا۔ اتنا بڑا جھگڑا تو نہیں تھا کہ نوبت طلاق تک پہنچ گئی۔ دو بے نام کردار ان میں ایک تو مثال ہے دوسرا واثق ہوگا۔ عاصمہ کا اس بار ذکر ہی نہیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

تھا۔ پلیز کہانی کو تیزی سے آگے بڑھائیں۔ سمیرا حمید کی کہانی بہت اچھی جارہی ہے۔ ناولٹ اچھا تھا ایک جگہ رائٹر کا نام رخسانہ لکھا ہوا تھا تو ایک جگہ مہوش افتخار۔ افسانوں میں "کاہے کو بیاہی بدیس" اچھا لگا۔ باقی انٹرویو اور مستقل سلسلے اچھے تھے۔

ج ۔ سارہ، مریم، طوبیٰ، کرن اور ایشاع خط شائع نہیں ہوا تو اتنا غصہ؟ غصہ شیطان سے ہے اچھی بات نہیں۔۔۔ بشریٰ کو طلاق اسی غصہ کی وجہ سے ہوئی۔ اور دونوں کا گھر اجڑ گیا ناولٹ مہوش افتخار کا تھا۔ سہوا" رخسانہ نگار کا نام لگ گیا۔

فوزیہ ثمروٹ اور طیبہ عمران نے گجرات سے شرکت کی ہے۔ لکھتی ہیں۔

اجی ابھی مجھے میری جالی بھیجی ہانیہ عمران کا میسج اس کی ماں کی طرف سے ملا "پیاری پھپھو جانو کیا کر رہی ہو؟" اس ظالم نے میری ہانیہ کو یہ نہیں بتایا کہ آج اس کی پھپھو کی سالگرہ ہے بندہ وش ہی کر دیتا ہے پر ناجی سب سے پہلے صائمہ اکرم کا "دیمک زدہ محبت" پڑھا۔ واہ صائمہ جی کیا جوڑیاں سیٹ کی ہیں آپ نے اور کہانی کے ایک بدصورت کردار ماہم کو جب یہ سب پتا چلے گا تو کیا حالت ہوگی اس کی۔ سکینہ کا قبرستان کا ذکر، آپریشن کے بعد سکینہ کے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔ پلیز اس کردار کو زندہ رہنا چاہیے۔

سمیرا حمید، محبت من محرم زبردست تحریر تھی۔ مجھے لگتا ہے افق کی ماں کا تعلق ہوگا عدن کے باپ کے ساتھ۔ یہ تو اب آگے جا کر ہی کھلے گا کہ غلام علی غلام افق کا تایا، چچا ہے۔

ج ۔ پیاری فوزیہ! آپ اداس نہ ہوں ہم آپ کو سالگرہ پر وش کر رہے ہیں۔ آئندہ آنے والا ہر دن آپ کے لیے خوشی لے کر آئے۔

سمیرا حمید کے ناول میں تو آپ کے اندازے بالکل غلط ہیں۔ رخسانہ نگار کے ناول میں دیکھتے ہیں، آگے کیا ہوتا ہے۔ سکینہ میں ایک خامی ہے وہ محبت کرنا تو جانتی ہے، مگر محبت کی قدر کرنا نہیں جانتی۔ ڈاکٹر خاور جیسے مکمل لوگ اس سے ہمدردی تو کر سکتے ہیں، مگر محبت نہیں اور جو اس سے محبت کرتا ہے، وہ اس کو دھتکار رہی ہے تو آپ خود سوچیں اس کا انجام اچھا کیسے ہو سکتا ہے۔ زندگی کے خواب اپنی جگہ لیکن حقیقتوں کا سامنا بھی کرنا چاہیے اور انہیں تسلیم بھی کرنا چاہیے سراب کے پیچھے دوڑنے والے بالآخر ایک دن تھک کر گر جاتے ہیں۔

ثمینہ اکرم نے لیاری کراچی سے لکھا ہے۔

"پیارے نبی کی پیاری باتیں" کو اس مرتبہ میں نے کئی بار پڑھا۔۔ بندھن میں ایاز احمد، کنول ایاز سے ملاقات اچھی رہی۔ اس کے بعد "آپ کے خط" کی طرف پیش قدمی کی، سب سے پہلا خط ہماری پیاری رائٹر حیا بخاری کا تھا۔ ایک بار نہیں، بار بار پڑھا۔ ایک قلم کار نے ایک قاری کی کمی کو محسوس کیا۔ "بوند بوند تماشا" پر تبصرہ پڑھ کر ہر ذوق قاری کی طرح مجھے بھی بے حد دکھ ہوا۔ کہانیوں میں سب سے پہلے "محبت من محرم" پڑھا۔

افق کا کردار پڑھ کر مجھے آسیہ رزاقی کے ناولز کی ہیروئن یاد آگئیں۔ ایسی باہمت، حوصلہ مند اور محنتی لڑکی جو ہر طرح کے مصائب و مشکلات سے نبرد آزما ہو کر اپنی زندگی کی جنگ لڑتی ہے۔ خالدہ نثار کا "محبت جیت کی صورت" ناول پڑھا۔ "انا اور ضد ساتھ لے کر جینے والے ہمیشہ تنہا رہ جاتے ہیں۔" افسانہ "بارہ رنگوں کا سوٹ" بہت اچھا لگا۔ مہوش افتخار کا ناولٹ "میرے ہم سفر" کچھ نیا نہیں لگا۔ وہی بدگمانی، شکوک و شبہات اور آخر میں سب کچھ کلیئر۔۔۔

ثریا انجم کی تحریر "در اور دیوار" سے ایک اچھا میسج ملا۔ اللہ تعالیٰ نے اسی لیے محرم اور نامحرم کا فرق رکھا ہے۔ "ایک تھی مثال" اس بار کہانی دل کو دکھی کر گئی۔

11 نومبر 2012ء کی رات میرے شہزادے بیٹے کا جان لیوا ایکسیڈنٹ ہوا۔ جس کی یاد سے میرے دل کا ہر کونا مہکتا ہے۔

ج ۔ پیاری ثمینہ! یہ حقیقت ہے کہ شعاع کی قارئین اور مصنفین کے درمیان ایک ان دیکھا رشتہ ہے اور وہ ایک دوسرے کی تکلیف کو اسی طرح محسوس کرتی ہیں جیسے کسی اپنے کی تکلیف کو محسوس کیا جاتا ہے۔

عدیل کا کردار الجھا ہوا نہیں ہے۔ جب دو عزیز ترین رشتوں کے درمیان کشمکش ہو تو انسان اسی طرح بے بس

ہوتا ہے۔ کبھی ماں کی طرف اور کبھی بیوی کی طرف۔۔۔ بہن دکھی تھی۔ ماں کے آنسو دل پر اثر کر رہے تھے۔ اپنی بات کے جواب میں ایسے میں بشریٰ کا مٹھائی لے کر آنا اسے اشتعال دلا گیا اور وہ ایسا فیصلہ کر بیٹھا جس سے عرش کے کنگرے ہل جاتے ہیں۔ اگر بشریٰ تھوڑا سمجھ داری سے کام لیتی اور ٹھنڈے دل سے اسے سمجھاتی تو شاید حالات اس نہج پر نہ آتے۔

راولپنڈی سے مسرت ناز نے شرکت کی ہے، لکھتی ہیں۔

اکتوبر کے اس شمارے میں مکمل ناول "محبت جیت کی صورت" بہت بہترین ناول تھا۔ بعض اوقات ماں، باپ اولاد کے معاملے میں ایسا ہی کرتے ہیں۔ یہ نہیں سوچتے کہ اولاد کا مستقبل کیا ہوگا۔ روحینہ کا فیصلہ اس کہانی میں، ایسا لگا جیسے یہ میری آواز تھی۔ "محبت کی بددعا سے ڈر لگتا ہے۔" یہ الفاظ پڑھ کر آنکھوں میں آنسو آگئے۔ میں نے اس سال فروری میں ایک تحریر بھیجی تھی۔ اس کا نام "اونٹھاں والے" تھا۔ میں جاننا چاہتی ہوں کہ کیا "اونٹھاں والے" قابل اشاعت ہے یا نہیں۔

ج ۔ پیاری مسرت! شعاع میں کوئی تحریر ناولٹ، افسانہ، ناول یا کسی سلسلے کے لیے انتخاب بھجوانے کے لیے پوچھنے کی قطعاً" ضرورت نہیں۔ شعاع آپ کا پرچا ہے۔ آپ کی کہانی "اونٹھاں والے" اچھی ہے۔ ان شاء اللہ جلد شائع ہو جائے گی آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے۔ آپ کچھ اور بھی لکھیں۔

کوثر خالد جڑانوالہ سے شریک محفل ہیں۔

"ایک تھی مثال" دکھ دے گئی۔ پہلے سے یہ بات معلوم تھی۔ محبت من محرم اس بار ہزاروں جملے ایسے کہ ہر اک پہ جاں نکلے۔ ان شاء اللہ افق کا اینڈ ہیپی ہی ہوگا۔

"محبت جیت کی صورت" نہایت سبق آموز، خدا کرے تاثیر لائے۔ "دیمک زدہ محبت" اچھا موڑ آگیا ہے۔ ہم جمیلہ مائی کی باتیں ہر پل سننے کے لیے بیتاب ملیں گے۔ "میرے ہم سفر" عبرت انگیز۔ "بارہ رنگوں کا سوٹ" الحمد اللہ، اللہ نے ہمیں جوانی میں ایسی خواہشوں سے دور رکھا۔ ہمیں صرف پیار کی تلاش رہی۔ "رات کا رنگ" اگر ہم رات کے رنگوں کے لیے ہر پل تیار رہیں تو روشنی ہی مقدر بنتی ہے۔ "کاہے کو بیاہی بدیس" صوفیہ تم نے رلا دیا۔ "اک لمحہ" اینڈ پر پڑھا اور یہ لمحہ تمام رسالے پر بھاری رہا۔ "تاریخ کے جھروکے" مائی فیورٹ، بہت بہت مزا آتا ہے۔ اس بار ڈاکٹر عبدالقدیر کا پڑھ کر خاص مزہ آیا وہ پہلے ہی میرے موسٹ فیورٹ ہیں۔ اب تو شعاع میں ان کا تازہ انٹرویو ہماری خواہش ہے۔

ج ۔ پیاری کوثر! تفصیلی تبصرہ بہت اچھا لگا۔ آپ نے ہر سلسلے پر بڑی باریک بینی سے تبصرہ کیا۔ شعاع کی پسندیدگی کے لیے تہ دل سے شکریہ۔ ڈاکٹر قدیر خان کا انٹرویو تو ہماری بھی دلی خواہش ہے۔ کبھی موقع ملا تو ضرور کریں گے۔

آئینہ بچہ اور مشعال بچہ لکھتی ہیں۔

جون، جولائی، اگست کے شماروں پر تبصرہ لے کر ہم بڑی مشکل سے آپ کی محفل میں تشریف لائے ہیں۔ جون کے اجالوں کے سفر، نے جو کسک دل میں پیدا کی، جولائی کی "برف کی تتلیوں" نے ختم کر دی۔ یعنی حق دار (چچازاد) کو اس کا حق دے دیا۔ "بوند بوند تماشا اور امتحان شیشہ کا" بنت حوا کی بے بسی ظاہر کرتے غصہ دلا گئے۔ حیرت مجھے سعدیہ ملک پر ہے، مزے سے راحت جبیں کی تحریر میں کمزور پہلوؤں کی نشاندہی کی — اور اس نے بھی زیادہ حیرت سارہ، مریم، جو سنجر پور سے بولیں ان پر، طاہرہ بتول میں آپ کے دکھ میں برابر کی شریک ہوں، اگر ایک ہفتہ کچھ پڑھنے کو نہ ملے تو میرا دم گھٹنے لگتا ہے کجا پورا ماہ۔ میری

اعتذاز

پچھلے ماہ اکتوبر کے شمارے میں مہوش افتخار کا ناولٹ "میرے ہم سفر" شائع ہوا تھا۔ کہانی پر مہوش افتخار کا نام تھا لیکن فہرست میں رخسانہ نگار عدنان کا نام لگ گیا۔ اس سہو کے لیے ہم دونوں مصنفین اور قارئین سے معذرت خواہ ہیں۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

ناقص رائے کے مطابق آپ کو ہر حال میں ڈائجسٹ پڑھنا چاہئیں۔ یہ آپ کا حق بھی ہے اور خوشی بھی۔

اقصیٰ بتول نے بالکل غلط لکھا محبت تو اب دنیا کے ساتھ ساتھ شعاع میں بھی خال خال ہی ملتی ہے۔ وہ بھی سچائی' حقائق' روایات کے تڑکوں کے ساتھ "دہرا معیار' عید اور عیدیاں' ایک ہی تصویر کے دو رخ۔ ویسے یہ ساس' نندوں والی باتیں مجھے نہیں بھائیں۔ عید کے شمارے میں ان کے بجائے کچھ چٹپٹا ہونا چاہیے تھا۔

ج ۔ آئینہ! آپ نے بہت تفصیلی اور دلچسپ تبصرہ کیا اور یقین کیجئے کہ ہمیں بہت پسند بھی آیا ہے۔ ہم بارہا اعتراف کر چکے ہیں کہ شعاع کی قارئین بہت ذہین ہیں۔ کہانیوں کے بارے میں اتنے درست اندازے لگانا اور ان کی اصل روح کو سمجھنا ان کی ذہانت کو ظاہر کرتا ہے۔ صفحات کی مجبوری نہ ہوتی تو ہم آپ کے خط کا ایک لفظ بھی نہ کاٹتے' شعاع کی پسندیدگی کے لیے تہ دل سے شکریہ۔

افشاں حاجی جعفر کراچی لیاری دریا آباد سے شریک محفل ہیں' لکھا ہے۔

اکتوبر کا ٹائٹل بہت اچھا تھا۔ پیارے نبی کی پیاری باتیں بھی بہت اچھی تھیں۔ اس بار صائمہ اکرم کا "دیمک زدہ محبت" تو بہت بہت اچھا تھا۔ مکمل ناول میں خالدہ نثار کا "محبت جیت کی صورت میں" اچھا تھا۔ پورا شعاع قابل تعریف تھا۔

ج ۔ افشاں! اللہ تعالیٰ آپ کے والد صاحب کی مغفرت کرے۔ (آمین)

شعاع کی پسندیدگی کے لیے شکریہ قبول کریں۔ آپ کے بھائی لکھنے' پڑھنے کے شوق میں تعاون کرتے ہیں۔ یہ جان کر بہت خوشی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ سب کے بھائیوں کو یہ توفیق دے امید ہے کہ آئندہ بھی خط لکھ کر اپنی رائے کا اظہار کرتی رہیں گی۔

رابعہ تحسین نے ممتاز آباد ملتان سے شرکت کی ہے' لکھتی ہیں۔

میں نے آپ کے رسالے سے بہت کچھ سیکھا ہے۔ جو قدم قدم پر میرے کام آیا۔ یقین کیجئے اگر آپ میرے سامنے ہوں تو میں آپ کو سیلوٹ ضرور کروں گی۔

"محبت جیت کی صورت" عجیب لگا۔ سب کچھ تھا۔ لیکن بے ساختگی نہیں تھی۔ خاص کر روحینہ کے کردار میں۔ "اک لمحہ" صبیحہ اقبال' شاباش "ایک تھی مثال" اچھا جا رہا ہے۔ پلیز لمبا نہ کرنا۔ "محبت' من' محرم" اچھا ہے۔ زبردست ہے۔ مجھے یہ ناول ڈپٹی نذیر احمد کے ناولوں کی طرح پھیپھسا سا لگا۔ کیونکہ پلاٹ طے شدہ لگ رہا ہے۔ لیکن ایک چیز کی خوشی ہے کہ گوہر خاتون کو محنت کا صلہ مل رہا ہے۔ کیونکہ میں خود گھر میں اجرت پر سلائی کرتی ہوں۔ لیکن بچوں کے جوڑے کے کوئی بھی پچاس یا ساٹھ روپے سے زیادہ نہیں معاوضہ دیتا۔ بلکہ لوگ اسے بھی زیادہ کہتے ہیں۔ مجبوری ہے پر چلو اتنے پیسوں میں سبزی تو آتی ہے۔ مجھے سب سے اچھی کہانی میرے ہم سفر لگی۔ کتنے اچھے پیارے ہیرو ہیروئن تھے۔ "در اور دیوار" کے بارے میں میرا کہنا ہے کہ اس کہانی کو ضرور پڑھیں' بلکہ بار بار پڑھیں۔

ج ۔ پیاری رابعہ! شعاع کی محفل میں خوش آمدید۔ ہمیں افسوس ہے کہ آپ کی فرمائش پوری نہیں کی جا سکتی۔ میڈم نور جہاں اور خالدہ ریاست کا کوئی انٹرویو ہمارے ہاں شائع نہیں ہوا۔ البتہ خالدہ ریاست پر ایک مضمون ضرور شائع ہوا تھا۔

بہت اچھی بات ہے کہ آپ کام کرتی ہیں۔ معاوضہ کم ضرور ہے' لیکن اللہ تعالیٰ کسی کی محنت کو رائیگاں نہیں کرتا۔ ان شاء اللہ کبھی نہ کبھی آپ کو اپنی محنت کا پورا اجر ضرور ملے گا۔ آئندہ خط لکھ کر نہ پھاڑیے گا۔ "فورا" پوسٹ کر دیجئے گا۔

سائرہ ارم لکھتی ہیں

پنجاب کے ایک چھوٹے سے گاؤں میں رہتی ہوں اور بی اے کر رہی ہوں۔ شعاع اور خواتین کو کب پڑھنا شروع کیا' کچھ یاد نہیں۔ حمد و نعت کے بعد سب سے پہلے سمیرا حمید کو پڑھا۔ سمیرا جی ویری گڈ' مگر پلیز کبھی کبھار کچھ ہلکا پھلکا بھی' کیونکہ آپ کی تحریریں پڑھ کے میں سب سے پہلے یہ سوچتی ہوں کہ سمیرا جی کے اردگرد کیا سب اتنے سنجیدہ لوگ بستے ہیں کہ یہ لڑکی کبھی دل کھول کے نہ ہنسی۔ نبیلہ عزیز کی تو بات ہی نہ کریں۔ ہمارا نبیلہ جی کی وجہ سے جھگڑا ہو جاتا ہے کہ اب ڈائجسٹ پہلے کون پڑھے۔ افسانے ابھی سارے پڑھے نہیں۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیش کش

(WWW.PAKSOCIETY.COM)

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے آپ کیلئے پیش کیا۔

ہم خاص کیوں ہیں؟؟؟؟؟

یہ واحد ویب سائٹ ہے جہاں سے تمام ماہنامہ ڈائجسٹ، ناول، عمران سیریز، شاعری کی کتابیں، بچوں کی کہانیاں، اور اسلامی کتابیں ڈائریکٹ ڈاؤن لوڈ کرنے کے ساتھ ساتھ آن لائن پڑھ بھی سکتے ہیں۔

fb.com/paksociety

twitter.com/paksociety1

ہائی کوالٹی پی ڈی ایف

اگر آپ کو ویب سائٹ پسند آئی ہے تو پوسٹ کے آخر میں اپنا تبصرہ ضرور دیں۔

اپنا تبصرہ صرف پوسٹ تک محدود رکھیں۔ درخواست کے لئے رابطہ کا صفحہ استعمال کریں۔

اپنے دوست احباب کو بھی پاک سوسائٹی کے بارے میں بتائیں۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی انتظامیہ سے مالی تعاون کیجئے۔ تاکہ یہ منفرد ویب سائٹ آپ کیلئے جاری رکھی جا سکیں۔

پاکستانیوں کی ویب سائٹ

WWW.Paksociety.Com

Library For Pakistan

WWW.PAKSOCIETY.COM

ج ۔ سائرہ! آپ نے خط لکھا' بہت خوشی ہوئی اور اس سے زیادہ خوشی یہ جان کر ہوئی کہ آپ گاؤں میں رہ کر بی اے کر رہی ہیں اگر کسی وجہ سے خط یا دوسری کوئی تحریر شائع نہ ہو تو اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ مایوس ہو جائیں۔ خط شائع نہ ہونے کی کوئی بھی وجہ ہو سکتی ہے۔ شعاع کی پسندیدگی کے لیے شکریہ۔

نوشابہ اکبر نے مٹھیالی اٹک سے شرکت کی ہے' لکھتی ہیں۔

ہمارے گاؤں میں ایک ہی دکان ہے جہاں سے شعاع بڑی مشکل سے ملتا ہے۔ خالدہ نثار کا ناول "محبت جیت کی صورت" بہت بہت اچھا تھا۔ سروق پر ماڈل بہت اچھی لگ رہی تھی۔ پیارے نبی کی پیاری باتیں پڑھنے سے ایمان تازہ ہو گیا' میری ایک چھوٹی سی ریکویسٹ بھی ہے ایف ایم 101 کے آر جے حسین رضا کا انٹرویو بھی شامل کریں۔ مہوش افتخار کا "میرے ہم سفر" دل کو بھا گیا' افسانے تو سب اچھے تھے لیکن "مصباح علی" کا افسانہ "رات کا رنگ" اور "صوفیہ سرور" کے افسانے بہت اچھے لگے۔ رابعہ بصری! آپ نے تو میری ہی اسٹوری لکھ دی۔ آپ کے بارے میں پڑھ کر بہت خوشی ہوئی۔

ج ۔ نوشابہ! شعاع کی بزم میں خوش آمدید۔ ہمیں اندازہ ہے۔ شعاع حاصل کرنے کے لیے آپ کو کن دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہو گا۔ شعاع کی کامیابی کا راز آپ لوگوں کی یہ محبتیں ہی تو ہیں۔ آئندہ بھی خط لکھ کر اپنی رائے سے آگاہ کرتی رہیے گا۔

اقراء نے لیہ سے شرکت کی ہے' لکھتی ہیں۔

رقص بسمل بہت اچھا ناول ہے محبت من محرم کچھ خاص نہیں لگا اور میرا پسندیدہ ناول دیمک زدہ محبت ہے افسانوں میں کاہے کو بیاہی صوفیہ سرور نے تو مجھے رلا ہی ڈالا۔ ایک اور سلسلہ شروع کر دیں' ستاروں سے قسمت کا حال جس میں ہم سوالات بھیج کر اپنے مستقبل کے بارے میں جان سکیں۔

ج ۔ پیاری اقراء شعاع کی محفل میں خوش آمدید جو لوگ کوشش کرتے ہیں' اللہ تعالیٰ انہیں کامیابی دیتا ہے۔ آپ زحمت کی' آپ کا خط شامل ہے۔

شعاع کی پسندیدگی کے لیے شکریہ۔ ستاروں کے ذریعے قسمت کا احوال بتانے کا کوئی بھی سلسلہ ہم شروع نہیں کر سکتے۔ ہمیں اس پر یقین نہیں ہے۔ قسمت کا حال نہ کوئی جان سکتا ہے نہ بتا سکتا ہے۔ اور نہ کوئی ہونی کو ٹال سکتا ہے یہ صرف اللہ کو معلوم ہے۔ اندرا گاندھی نے سولہ نجومی ملازم رکھے ہوئے تھے جو روزانہ اسے ستاروں کی چال بتاتے تھے' لیکن ان سولہ نجومیوں میں سے ایک بھی یہ نہ بتا سکا کہ اس کے باڈی گارڈ کے دستہ میں ایک آدمی اس کے لیے غلط ارادے رکھتا ہے اور ایک دن وہ اس کے ہاتھوں قتل ہو گی۔ اس کا بیٹا نجے گاندھی ایک تقریب میں بم بلاسٹ ہونے سے مارا گیا۔ تو آپ خود سوچیں اس علم کی کیا حقیقت ہے۔

سدرہ بتول ملتان سے شریک محفل ہیں' لکھا ہے۔

سب سے پہلے "ایک تھی مثال" پر تبصرہ کروں گی اتنا بڑا فیصلہ کر لیا عدیل نے سچ میں بہت دکھ ہوا۔ کیا عدیل کو اپنی ماں اور بہن کا بالکل پتا نہیں تھا کہ فوراً" جذباتی ہو گیا۔ نبیلہ عزیز کا رقص بسمل بھی ٹھیک جا رہا ہے اور محبت من محرم میں تو ہمیں یوں لگا جیسے کسی گارمنٹس فیکٹری میں آ گئے اور پھر فرزام کی شادی' سچ میں اچھی قسط تھی اس دفعہ۔ محبت جیت کی صورت ایک ٹپیکل اسٹوری تھی جہاں ہیرو ہیروئن شروع میں ایک دوسرے کی شکل دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتے اور بعد میں ایک دوسرے کے علاوہ کوئی نظر ہی نہیں آتا' لیکن چلیں کوئی نہیں۔ ناٹ بیڈ.....

"دیمک زدہ محبت" بھی اچھی جا رہی ہے' لیکن بہت سلو بھی۔ سکینہ اور ڈاکٹر خاور کے درمیان آنکھ مچولی کب تک چلے گی۔ افسانہ تو ہر دفعہ ایک سے بڑھ کر ایک ہوتا ہے بارہ رنگوں کا سوٹ بہت اچھا تھا۔ اس کے علاوہ مصباح علی کا افسانہ بھی بہت مزے کا تھا۔ "کاہے کو بیاہی" آپ کو ایک بات بتاتی ہوں میری ایک فرینڈ نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ جہیز ایک لعنت ہے اس لیے آپ کو مجھے جہیز نہیں دینا چاہیے اور نہ یہ لعنت میں اپنے ساتھ لے کر جاؤں گی تو اس کے والدین نے کہا اگر یہ لعنت نہیں لے کر جاؤ گی تو سسرال میں زیادہ لعنت ملامت ملے گی۔ "در اور دیوار" ایک لمحہ" بھی بہت اچھے تھے۔ اس دفعہ انٹرویو کسی کا بھی اچھا نہیں تھا۔ (بہت معذرت کے ساتھ)۔

ج ۔ سدرہ! ہر سلسلے کے لیے بھجوانے کے لیے صفحے پر سلسلے کا نام لکھ دیں تو اچھا ہے ورنہ ضروری نہیں ہے

کیونکہ ہم انتخاب خود ہی کرتے ہیں۔ تمام سلسلوں کے لیے انتخاب ایک ہی لفافے میں بھجوا سکتی ہیں' شعاع کے ساتھ ساتھ" میں آپ کے جوابات باری آنے پر ضرور شائع ہوں گے۔

اقصیٰ بتول نے نیالا ہور سے لکھا ہے

واہ بھئی اس بار تو ٹائٹل بے حد خوب صورت تھا۔ سب سے پہلے مثال صاحبہ کی طرف پہنچے۔ اف رخسانہ جی کیا غضب کر دیا آپ نے۔ مائیں ایسا کیوں کرتی ہیں۔ پہلے تو خود بیاہ کر لاتی ہیں' پھر خود ہی برباد کر دیتی ہیں۔ دوسرا پراسرار کریکٹر سو فیصد مثال کا ہے۔ رقص بسمل نارمل جا رہا ہے۔ شکر ہے "دیمک زدہ محبت" میں بھی کوئی ہل جل ہوئی۔ بارہ رنگوں کا سوٹ بہت سبق آموز لگا۔ اک رات کا رنگ' مصباح علی نے خوب لکھا ناظمہ عذرا کی نوک جھونک نے مزہ دیا۔ محبت جیت کی صورت کچھ خاص نہیں لگا۔ پرانا موضوع تھا۔ ایسی کہانیوں میں کسی بھی ٹینشن زدہ شخص کو شراب نوشی یا کچھ اور غلط کام پر بہت نارمل انداز میں دکھایا جاتا ہے۔ جبکہ لفظ کچھ ایسے ہونے چاہئیں کہ سننے والے' پڑھنے والے کو اس کام سے نفرت محسوس ہو۔ صبیحہ اقبال نے اچھا لکھا۔ سادہ لفظوں میں گہری نصیحت کر گئیں۔ مہوش افتخار آپ نے بھی بہت پیارا لکھا۔ صوفیہ سرور آپ نے تو رلا دیا۔

میرے پاس شاید لفظ نہیں کہ اس درد کو بیان کروں جو میں نے دل و روح کی گہرائی سے محسوس کیا۔ در اور دیوار ثریا انجم نے بھی بہت اچھا لکھا' بلاشبہ جو حدود اللہ نے مقرر کی ہیں۔ ان سے تجاوز کا نتیجہ غلط ہی نکلتا ہے اور اب باری ہے سمیرا حمید کی۔ سمیرا جی بے حد بے حد خوب صورت لکھ رہی ہیں آپ۔ خدا کرے زور قلم اور زیادہ اور سائرہ رضا آپ کدھر ہیں؟

ج ۔ پیاری اقصیٰ! ہمیں افسوس ہے کہ پچھلی بار صفحات کی مجبوری کی وجہ سے آپ کا خط شامل نہ کر سکے۔ شراب نوشی حرام ہے اور اسلام میں کسی بھی نشہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ یہ بات بارہا لکھی جا چکی ہے۔ آئندہ مزید خیال رکھیں گے۔ اس کا ذکر قابل نفرت الفاظ میں کیا جائے۔

سائرہ رضا کا ناول اس ماہ شامل اشاعت ہے۔

چک 108 شمالی سرگودھا سے ہما شیراز تشریف لائی ہیں لکھا ہے۔

"محبت من محرم" آنکھوں سے آنسو نکلنے کی کسر باقی رہ گئی۔ میرا دل چاہتا ہے کہ میں امان عرف عدن کو شوٹ کر دوں۔ ماریہ نے عدن کے منہ پر جوتے مارے' بہت خوشی ہوئی "دیمک زدہ محبت" صائمہ اکرم پتہ نہیں اتنا اچھا کیسے لکھ لیتی ہیں۔ میں نے تو آج تک گاؤں میں کسی بڑے بوڑھے کے منہ سے ایسی باتیں نہیں سنیں جیسی سکینہ کے اماں ابا کرتے ہیں۔ ویری اسٹرنج۔ "نبیلہ عزیز" آپ نے تو اس دفعہ خوش کر دیا۔ تیمور حیدر کے ساتھ تو بہت ہی اچھا ہوا ہے۔ لیکن پلیز نبیلہ جی آفاق کا بھی تھوڑا سا بتائیں کیا وہ کھسکا ہوا ہے!" ایک تھی مثال" عدیل نے واقعی اپنے بیوقوف ہونے کا ثبوت دے دیا۔ "محبت جیت کی صورت" خالدہ نثار کی اسٹوری مجھے بہت اچھی لگی۔ یہ اسٹوری میں پہلے بھی پڑھ چکی ہوں۔

"اک لمحہ" میرے خیال سے ہر اجیسے لوگوں کو یہ پڑھ کے عقل آجانی چاہیے۔

ج: پیاری ہما! ہمیں بے حد افسوس ہے کہ آپ کے خط تاخیر سے ملنے کے باعث شامل نہ ہو سکے اور آپ کو مایوسی ہوئی۔ آپ کی کہانی ابھی پڑھی نہیں گئی۔

سرورق کی شخصیت	
ماڈل	عائشہ
میک اپ	روز بیوٹی پارلر
فوٹو گرافر	موسیٰ رضا

ملدسنامہ خواتین ڈائجسٹ اور ادارہ خواتین ڈائجسٹ کے تحت شائع ہونے والے پرچوں ماہنامہ شعاع اور ماہنامہ کرن میں شائع ہونے والی ہر تحریر کے حقوق طبع و نقل بحق ادارہ محفوظ ہیں۔ کسی بھی فرد یا ادارے کے لیے اس کے کسی بھی حصے کی اشاعت یا کسی بھی ٹی وی چینل پہ ڈراما' ڈرامائی تشکیل اور سلسلہ وار قسط کے کسی بھی طرح کے استعمال سے پہلے پبلشر سے تحریری اجازت لینا ضروری ہے۔ بہ صورت دیگر ادارہ قانونی چارہ جوئی کا حق رکھتا ہے۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

دستک دستک دستک

شاہین رشید

حصار میں ہیں؟"

"ارے نہیں! لیکن وہ میری زندگی کا ایک بہترین رول تھا۔ بیوہ خواتین کے مسائل اور ان کی خواہشات پر مبنی کھیل تھا۔ جب میں نے یہ ڈراما کیا تو میری شادی کو دو ہی سال ہوئے تھے تو گھر والوں نے اور خاص طور پر میرے شوہر اور میری ساس نے بہت مائنڈ کیا تھا کہ میں نے اس قسم کا رول کیوں کیا اور جب یہ سیریل آن ایر آتا تھا تو نہ گھر والے دیکھتے تھے اور نہ ہی سسرال والے خیر۔"

"آپ کو احساس ہوا کہ آپ نے ایک غلط وقت میں اس رول کا انتخاب کیا؟"

"اللہ تعالیٰ میرے شوہر کی لمبی عمر کرے۔ میں جب بھی یہ رول کرتی۔ گھر والوں کا ری ایکشن یہی ہوتا کہ

علیشبہ

"کیا حال ہیں جی۔۔۔ اور کہاں غائب ہیں؟"

"بالکل ٹھیک۔۔۔ اور کچھ گھریلو ذمہ داریوں کی وجہ سے غائب ہوں۔ لیکن ایسا نہیں ہے کہ میں نے فیلڈ سے کنارہ کشی اختیار کرلی ہے۔ بلکہ بہت جلد آپ کو اسکرین پہ نظر آؤں گی۔"

"سنا یہی تھا کہ آپ نے فیلڈ چھوڑ دی ہے؟"

"نہیں! نہیں۔۔۔ ایسا ہرگز نہیں ہے۔۔۔ میں نے بتایا نا کہ کچھ گھریلو ذمہ داریاں تھیں اور پھر ایسا کوئی رول ملا بھی نہیں کہ فوراً قبول کرلیتی۔"

"اک نظر میری طرف" کے بعد آپ کا کوئی قابل ذکر سیریل نظر نہیں آیا۔۔۔ کیا ابھی تک اسی رول کے کیوں کیا۔۔۔ لیکن میں سمجھتی ہوں کہ آرٹسٹ کو ہر طرح کے رول کرنے چاہئیں۔ آرٹسٹ خود تو ویسا نہیں ہوتا۔ وہ تو رول کے اندر ہوتا ہے۔"

"اپنے اور کن کرداروں کو یادگار کہیں گی؟"

"میں سمجھتی ہوں کہ میں نے اب تک جتنا بھی کام کیا ہے۔ وہ سب یادگار ہی ہے۔ کیونکہ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ میرے تمام سیریلز ہٹ گئے ہیں۔ خواہ وہ "اک نظر میری طرف" ہو۔ "میں عبدالقادر ہوں، چاند پر دستک، آذر کی آئے گی بارات" ہو یا "میرے چارہ گر"۔ "یعنی کی آئے گی بارات" ہو "تنہائیاں" "دیسی کڑیاں" اور "میرے درد کو جو زباں ملے"۔ سب ہی بہت ہٹ گئے اور سب میں ہی میرے کردار کو پسند کیا گیا۔"

"علیشبہ! آپ کے بارے میں سنا ہے کہ آپ کم عمری میں ہی اس فیلڈ میں آگئی تھیں؟"

"جی! بالکل ٹھیک سنا ہے آپ نے۔ میں تقریباً" دس یا گیارہ سال کی تھی تو مجھے ایک کمرشل کی آفر آئی تھی۔ گھر والوں نے بڑی مشکل سے اجازت دی کیونکہ ہمارا تعلق پٹھان گھرانے سے ہے اور ابھی کام کی ابتدا ہی ہوئی تھی کہ پشاور سیٹل ہونا پڑا۔ ہم تقریباً" چار سال پشاور رہے۔"

"شوبز کی دنیا سے تو کٹ آف ہوگئی ہوں گی آپ؟"

"جی بالکل۔۔۔ سمجھئے کہ چار سال کا گیپ آگیا۔ پھر جب چار سال کے بعد واپس آئی تو "آگ" ٹی وی پر اپلائی کیا۔ مجھے "وی جے" کے لیے منتخب کرلیا گیا اور میں نے "فائر ورکس" کے نام سے میوزک کا پروگرام کیا۔ اس پروگرام نے بھی مجھے بہت پہچان دی۔ بس تو پھر جب "وی جے" سے دل بھر گیا تو اداکاری کی طرف آگئی۔"

"اور جب اداکاری سے دل بھر گیا تو؟"

"تو کچھ بھی نہیں۔۔۔ گھر بیٹھ جاؤں گی۔۔۔ ویسے اداکاری سے دل نہیں بھرے گا۔ کیونکہ اداکاری میں ورائٹی بہت ہے۔ جس کام میں یکسانیت ہو دل اسی سے بھر تا ہے۔"

"کچھ اپنے بارے میں بتائیں؟"

"سب کو سب کچھ پتا ہے میرے بارے میں اور میری بہنوں کے بارے میں۔ چلیں! پھر بھی بتا دیتی ہوں کہ 16 ستمبر 1985ء کو پیدا ہوئی۔ اصل نام صائمہ تھا۔ مگر میٹرک کے بعد نام تبدیل کرلیا۔ بس ایسے ہی۔۔۔ پٹھان فیملی سے تعلق ہے۔ بھائی کوئی نہیں ہے۔ بس ہم چار بہنیں ہی ہیں اور ہم تین بہنیں اسی فیلڈ میں ہیں۔ میں نے بی ایس سی تک تعلیم حاصل کی ہے۔"

"اور شادی؟"

"جی میری شادی 2009ء میں "رعیان درانی" سے ہوئی۔ میری پسند کو گھر والوں نے بھی پسند کیا اور دونوں گھرانوں کی رضامندی سے ہماری شادی ہوئی۔"

"میاں صاحب آپ کے کام کو پسند کرتے ہیں؟"

"جی بہت۔۔۔ میں ان کی اجازت سے اس فیلڈ میں مسلسل کام کر رہی ہوں۔ لیکن ساتھ ساتھ مجھے اپنی گھریلو ذمہ داریوں کا بھی احساس ہے اور میری پہلی ترجیح میرا گھر ہے۔۔۔ کھانا میں زیادہ تر خود ہی پکاتی ہوں کیونکہ مجھے کوکنگ کا شوق ہے۔"

"ہوں گڈ۔۔۔ اب جب آپ کا نیا سیریل آئے گا تو تفصیلی بات کروں گی۔"

"جی ضرور۔۔۔"

صنم بلوچ

"کیسی ہو صنم۔۔۔ اور آج کل تمہارا مارننگ شو تو اچھا جا رہا ہے۔ لیکن اگر ڈراموں کی بات کریں تو "کنکر" بہت اچھا جا رہا ہے۔ کیا رسپانس مل رہا ہے؟"

"بہت اچھا۔۔۔ بہت پسند کیا جا رہا ہے۔ بلکہ میں

WWW.PAKSOCIETY.COM

جہاں جاتی ہوں۔ اسی پہ بات ہو رہی ہوتی ہے۔"

"اچھا گڈ۔۔۔ کیا رائے ہے لوگوں کی؟"

"مختلف لوگوں کی مختلف رائے ہے۔ کوئی کرن (ڈرامے کا کردار) کو برا کہہ رہا ہے تو کوئی سکندر کو برا کہہ رہا ہے۔ ملی جلی رائے ہے۔ ویسے زیادہ تر لوگ تو کرن کو برا کہہ رہے ہیں۔"

"تم کیا کہتی ہو؟"

"دیکھیں! جہاں لڑکی اسٹرانگ ہوتی ہے۔ پڑھی لکھی ہو اور یہ سمجھتی ہے کہ میں اپنا بوجھ خود اٹھا سکتی ہوں تو وہاں لڑکی کی یہ اکڑ ٹھیک ہے۔ مگر جہاں لڑکی کمزور ہوتی ہے۔ وہاں وہ ہر بات کو برداشت کرنے پر مجبور ہو جاتی ہے اور پھر یہی مجبوری مرد کو مزید خراب کرتی ہے۔"

"گویا اسٹرانگ لڑکی کو طلاق لے کر گھر بیٹھ جانا چاہیے؟"

"طلاق کا فعل برا ہے۔ صلح کی گنجائش رکھنی چاہیے اور دونوں کو بیٹھ کر یہ فیصلہ کرنا چاہیے کہ ہمیں اپنی آئندہ زندگی میں کیا کرنا ہے اور کن اصولوں کے تحت زندگی گزارنی چاہیے۔"

"خیر! دیکھتے ہیں کہ اس سیریل کا کیا اختتام ہوگا؟"

"ہاں! ضرور دیکھیے گا۔ عمیرہ احمد بہت بڑی رائٹر ہیں۔ کوئی نہ کوئی پیغام ضرور ہوتا ہے ان کی تحریروں میں۔ وہ میری پسندیدہ رائٹر ہیں۔"

"اور آج کل کیا کیا پروجیکٹس زیر تکمیل ہیں اور کیا کیا تکمیل کے مراحل طے کر چکے ہیں؟"

"بس جی! کچھ زیر تکمیل بھی ہیں۔ کچھ مکمل بھی ہو گئے ہیں۔ کام اتنا ہی کرتی ہوں۔ جتنا آسانی سے کر سکوں۔ کیونکہ مارننگ شو بھی کرنا ہوتا ہے تو پھر اتنا ٹائم نہیں دے پاتی۔"

"تم نے ایک بار کہا تھا کہ مارننگ شو کی وجہ سے میں ڈراموں کو وقت نہیں دے پاتی۔ اس لیے تم نے مارننگ شو کو خیرباد کہہ دیا تھا۔ پھر دوبارہ جوائن کرنے کی وجہ؟"

"اس لیے کہ ایک تو مجھے مزہ لگ گیا تھا مارننگ شو کا اور دوسری بات یہ کہ میں ڈراموں میں کم کام کرتی ہوں۔ مگر بہت سوچ بچار کے بعد۔۔۔ ایک کے بعد ایک ڈراموں میں آکر لوگوں کو بور نہیں کرنا چاہتی۔ میری خواہش ہوتی ہے کہ لوگ میرا نام پڑھتے ہی یہ سوچنے پر مجبور ہو جائیں کہ اس سیریل میں صنم ہے تو سیریل یقیناً اچھا ہی ہوگا۔"

"مطلب، کیسے اندازہ ہوتا ہے کہ تمہارا کردار ہٹ جائے گا؟ رائٹر کا نام پڑھ کر یا صرف اپنا کردار پڑھ کر؟"

"نہ رائٹر کا نام پڑھ کر نہ اپنا کردار پڑھ کر۔ بلکہ میں پوری کہانی پڑھتی ہوں۔ اس میں اپنا کردار دیکھتی ہوں اور پھر مطمئن ہو کر کام کرنے کی ہامی بھرتی ہوں۔"

"رائٹر تمہارے کام سے مطمئن ہوتی ہیں؟ کبھی کسی نے خود سے کہا کہ آپ اچھا کام کر رہی ہیں؟"

"جی! عمیرہ احمد خود سے فون کر کے مجھے کہتی ہیں کہ تم اچھا کام کر رہی ہو۔ تب دل بہت خوش ہوتا ہے اور مزید اچھا کام کرنے کو بھی دل چاہتا ہے۔ پھر مہرین جبار کی بھی عادت ہے کہ وہ میری بہت حوصلہ افزائی کرتی ہیں۔"

"صنم! تمہیں بولڈ کرداروں میں نہیں دیکھا۔ آفرز نہیں آئیں یا تمہیں پسند نہیں ہیں؟"

"آفرز تو بہت ہوتی ہیں۔ لیکن میری طبیعت کا حصہ نہیں ہے بولڈنس۔۔۔ مطلب میں ویسے بہت بولڈ ہوں۔ مگر لباس کے معاملے میں نہیں۔ مجھے تو بغیر آستین کے کپڑے پہننے بھی پسند نہیں ہیں۔ بہت مشرقی ٹائپ کی لڑکی ہوں۔"

"اچھا۔۔۔! تو پھر کیا شادی کے بعد شوبز چھوڑ دیں گی؟"

"نہیں نہیں۔۔۔ شوبز میں تو میں اب بھی کم ہی آتی ہوں اور بہت ڈیسنٹ رول میں۔۔۔ لیکن اگر میرا شریک سفر کہے گا کہ کام نہیں کرو تو نہیں کروں گی۔ کیونکہ مجھے گھر میں رہنا اور گھرداری کرنا بھی بہت اچھا لگتا ہے۔ گھر میں ہوتی ہوں تو بہت سادگی کے ساتھ

WWW.PAKSOCIETY.COM

بغیر میک اپ کے رہتی ہوں۔"

"ایوارڈ ملے تمہیں؟"

"جی ڈراما سیریل "داستان" میں بہترین اداکارہ کا لکس ایوارڈ، پاکستان میڈیا کا ایوارڈ 2011ء میں اور پی ٹی وی ایوارڈ بھی مل چکا ہے۔"

"شہرت مسئلہ بنتی ہے؟"

"نہیں! کیونکہ سر پر سوار نہیں کیا۔ کبھی مسئلہ بنی تو شوبز کو خدا حافظ کہہ دوں گی۔"

مایا علی

"کیسی ہیں جناب؟"

"اللہ کا شکر ہے۔"

"اک نئی سنڈریلا" کے بعد ایک بار پھر آپ اسکرین پہ چھائی ہوئی ہیں۔ بہت اچھا پرفارم کر رہی ہیں "کھویا کھویا چاند" میں۔"

"شکریہ۔ لوگ بھی تعریف کر رہے ہیں تو اچھا لگ رہا ہے۔ محنت وصول ہو جاتی ہے۔"

"اک نئی سنڈریلا" کے بعد آپ غائب کہاں ہو گئی تھیں؟"

"اچھا ہے نا گیپ دینا۔ لوگ یاد تو کریں کہ "مایا علی" آئی تھی کسی ڈرامے میں۔ اب نظر نہیں آتی۔ اب گیپ کے بعد آئی ہوں تو لوگوں نے بہت پسند کیا ہے اور مجھے خود بھی اچھا لگ رہا ہے۔"

"تو گیپ کی وجہ کیا تھی؟"

"کوئی خاص نہیں۔ ریکارڈنگز چل رہی تھیں۔ بس اسی لیے گیپ آگیا۔ اچھے کردار ملتے رہیں گے تو ان شاء اللہ آپ سب کو نظر آتی رہوں گی۔"

"اچھے کردار کا کیا پیمانہ ہے آپ کی نظر میں؟"

"وہ کردار جس پر کہانی بیس (Base) کرتی ہو۔ پھر میری ایک بہت ہی اچھی ساتھی فنکارہ صنم بلوچ نے ایک پتے کی بات مجھے بتائی ہے کہ کردار کو قبول کرنے سے پہلے اسکرپٹ کا مطالعہ ضرور کر لیا کرو۔ کیونکہ اسی سے اندازہ ہوتا ہے کہ جو کردار آپ کو آفر ہوا ہے اس میں کتنی جان ہے۔ بس میں نے یہ بات گرہ سے باندھ لی ہے۔"

"آپ نے ایک انٹرویو میں بتایا تھا کہ جب آپ اس فیلڈ میں آئیں تو والدین راضی نہیں تھے۔ کیوں؟"

"والدین نہیں، صرف والد۔ امی تو ہمیشہ سے چاہتی تھیں کہ میں اس فیلڈ میں آؤں اور انہی کی سپورٹ کی وجہ سے ہی تو میں اس فیلڈ میں آئی ہوں۔ مجھے یاد ہے کہ "ماس کمیونیکیشن" کی طالبہ ہونے کی وجہ سے ایک نیوز چینل میں انٹرن شپ کی تو اسی چینل سے ایک پروگرام کی میزبانی کی آفر آگئی اور میں نے اس پیشکش کو قبول کر کے چند پروگرام کیے تو والد صاحب نہ صرف خاصے ناراض ہوئے۔ بلکہ انہوں نے کئی دن تک مجھ سے بات بھی نہیں کی۔"

"اچھا...؟ مگر اب تو والدین چاہتے ہیں کہ ہمارے بچے اس فیلڈ میں آئیں۔ کیونکہ اب تو یہ فیلڈ بھی باقاعدہ ایک "پروفیشنل" فیلڈ ہے؟"

"جی! جی بالکل... مگر بتا نہیں۔ کیونکہ والد صاحب

کو کچھ اعتراض تھا۔ خیر! پھر سب کے کہنے پر اور اس بات پر کہ آپ کو کبھی شکایت کا موقع نہیں دوں گی۔ والد صاحب مان ہی گئے اور اب وہ خاصے خوش ہیں میرے اس فیلڈ میں آنے پر۔"

"کیا آپ اپنے خاندان کی پہلی لڑکی ہیں، جو اس فیلڈ میں آئی ہیں اور آپ کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑا؟"

"جی... میں پہلی لڑکی ہوں، جو اس فیلڈ میں آئی ہوں۔ اسی لیے مجھے مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ اب اگر کوئی اور اس فیلڈ میں آنا چاہے گا تو میرا نہیں خیال کہ اسے کسی بھی قسم کی مشکل ہوگی۔ کیونکہ میری مثال سامنے ہوگی سب کے۔"

"کھویا کھویا چاند" اور اس سے پہلے "اک نئی سنڈریلا" ملک کے پہاڑی مقامات پر عکس بند کیا گیا۔ کیا محسوس کیا اپنے ملک کے بارے میں؟"

"یہی کہ اپنا ملک بہت خوب صورت ہے۔ ہم دوسرے ملکوں کی خوب صورتی کی تعریف کرتے ہیں جبکہ ہمارا ملک خوب صورتی سے بھرا پڑا ہے۔ "اک نئی سنڈریلا" میں جتنے خوب صورت مناظر میں نے اپنے ملک کے دیکھے۔ اپنی لائف میں کبھی نہیں دیکھے تھے اور ان مناظر کو دیکھ کر ہی مجھے اندازہ ہوا کہ ہمارا ملک کتنا خوب صورت ہے۔"

"کن مقامات پر یہ شوٹ ہوا تھا؟"

"مری کی اور راولا کوٹ کی خوب صورت وادیوں میں... سچ بہت مزہ آیا تھا۔ پہلا سیریل اور اتنی حسین اور دلکش جگہیں۔ کبھی نہیں بھول پاؤں گی اس سیریل کو اور ان حسین مناظر کو جن میں ہم نے شوٹ کیا۔"

"محنت سے سب کچھ حاصل ہوا ہے یا قسمت سے؟"

"میرا خیال ہے کہ محنت سے ہی سب کچھ حاصل ہوتا ہے۔"

☆

کرن

ماہنامہ

نومبر 2013 کا شمارہ شائع ہو گیا

- "فیضان خواجہ" سے شاہین رشید کی ملاقات،
- "میری بھی سنئیے" میں ثیبو شریف کی باتیں،
- "آواز کی دنیا" سے عظمیٰ بلوچ کی گفتگو،
- "مقابل ہے آئینہ" میں سونیا ربانی،
- نبیلہ عزیز اور فوزیہ یاسمین کے ناولز کی اقساط،
- شفق افتخار، فرح بخاری، فاخرہ گل، فرحین اظفر اور فرحت عمران کے مکمل ناول،
- سعدیہ عزیز آفریدی، ریحانہ امجد بخاری، سدرۃ المنتہیٰ مصباح نوشین اور لبنیٰ طاہر کے ناولٹ،
- سیدہ ضوباریہ، بشریٰ احمد، نورعین، صائمہ نصیر احمد کے افسانے اور مستقل سلسلے،

اس شمارے کے ساتھ کرن کتاب

کرن کتاب

"طب نبوی ﷺ سے علاج"

کرن کے ہر شمارے کے ساتھ کرن کتاب علیحدہ سے ہدیتہً پیش خدمت ہے۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

شادی مبارک ہو

عنبرین ہمراہ عدیل گوندل

تہمینہ ہمراہ عنصر عباس

بشریٰ گوندل

خوشیاں بعض اوقات دبے پاؤں اور بہت آہستہ آہستہ دل کی دہلیز کو چھونے لگتی ہیں اور گھر کے دیوار و در بھی ان خوشیوں بھرے لمحات کو بڑی دیر تک محسوس کرتے رہتے ہیں اور جب شادی کے شادیانے بجتے ہیں پھر تو خوشیوں کا انداز ہی نرالا ہوتا ہے' رنگ ہی جدا ہوتے ہیں' بہت دیر تک رہنے والے سچے اور پکے رنگ.....!

قارئین کرام..... آج میں نے آپ سے شیئر کرنی ہے میری نند اور میرے دیور کی ایک ہی دن بھگتائی جانے والی شادی کی گہما گہمی..... حالانکہ ہم نے بہت رولا ڈالا کہ کچھ دنوں کا درمیان میں وقفہ رکھ لیں۔ اس طرح عنبرین کیا انجوائے کرے گی عنصر کی شادی کو..... مگر ہماری تجویز کو نامعقول قرار دے دیا گیا اور شادی کی ڈیٹ فکس ہوگئی۔ پھر سب کی دوڑیں لگ گئیں۔ آنٹی نازیہ (عنبرین کی ساس) جب بھی آتیں مجھ سے پوچھتیں۔

"تم نے اپنے جوڑے بننے کے لیے دے دیئے ہیں؟" اور میں ہنس دیتی۔

"کہاں..... ابھی بری اور جہیز کی خریداری تو مکمل ہوجائے پھر دیکھیں گے۔"

"میرا تو مشورہ ہے کہ پہلے ہم لڑکیاں لڑکیاں جا کے اپنے ڈریسز کے آرڈر دے آئیں۔"

"ماما! آپ لڑکی ہیں کیا۔۔۔؟" شہرینہ حیران ہو کر پوچھتی۔

"تو اور کیا! میں کہیں سے سیاس لگتی ہوں؟" اور میں جلدی سے نفی میں سر ہلاتی کہ وہ اتنی ینگ' اسمارٹ اور ایکٹو ہیں کہ جوان بچوں کی ماں نہیں لگتیں اور پھر..... ویل ایجوکیٹڈ' ڈیسنٹ اور بہت نفیس طبیعت کے حامل عدیل بھائی اور بھی ساری خوبیوں کے مالک ہیں۔

میں تو برملا عنبرین سے کہتی ہوں کہ "وہ تمہاری کسی نیکی کا صلہ ہیں' قدر کرنا ان کی۔"

"آپ نے بشریٰ باجی ہماری شادی کی مبارک باد کوئی نہیں دی۔" عدیل بھائی جب بھی آتے ہیں شکوہ کرتے ہیں۔ میں اگرچہ ان کے اصرار کو بہ خوبی سمجھ رہی تھی کہ وہ ڈائجسٹ کے ذریعے مبارک بادی وصول کرنا چاہتے ہیں لیکن میں کنفیوژ تھی کہ دو شادیوں میں رونما سینکڑوں قصے کس طرح احاطۂ تحریر میں لاؤں۔ کون سی بات رہنے دوں' کون سی بتاؤں' کس کا ذکر گول کروں کس کو ہائی لائٹ۔

عابدہ باجی کی دن رات کی بھاگ دوڑ..... میرے میاں خوشنود صاحب کے چھوٹے پسینے..... عمران بھائی کی مسقط سے واپسی۔

عنبرین کی فرینڈز عینی اور صبا دوپہر کو اس وقت آگئیں' جب عنبرین پارلر جا چکی تھی۔ میں نے بھی ڈھولک ان کے سامنے رکھ دی کہ۔ "لو! رات کے لیے ریہرسل کرو۔ لوگ کہتے ہیں دور کے ڈھول سہانے۔ لیکن ڈھول قریب بجتے بھی اتنے ہی سہانے لگتے ہیں۔

مجھے زبردست تاکید کی گئی تھی کہ تمہیں مہمانوں سے پہلے ہال میں موجود ہونا چاہیے' کیونکہ میں گھر کی بڑی بہو عنصر اور عنبرین کی اکلوتی بھابھی ہوں۔ جبکہ محسن اور زاہد کی شادی پر تو تہمینہ بھی ساتھ ہوگی ان شاء اللہ اور میں جلدی کرتے کرتے بھی جب ہال میں پہنچی تو کافی مہمان آچکے تھے۔ کیمرے کی آنکھ روشن ہوئی تو میں تیار ہوگئی کہ دو چار فوٹو بنوالوں۔ یادگار کے طور پر' کہ عابدہ باجی (کزن) نے مجھے کھینچ لیا۔

"شرم کرو' تمہیں تصویریں بنوانے کی پڑی ہے اور مہمان ہال میں انٹر ہو کر خود اپنے لیے نشستیں ڈھونڈ رہے ہیں۔"

"کیوں' نشستیں گھوگئی ہیں کیا؟" میں بدحواس ہو کر پلٹی کیونکہ میری ساری توجہ اب بھی کیمرے کی گہری و شوخ آنکھ پر تھی جو کسی اور جانب متوجہ ہوچکی تھی۔

"لاحول ولا..... یہ کوئی قومی اسمبلی کی نشستیں تھوڑی ہیں کہ ایک بار اگر کھو گئیں تو پھر پانچ سال کے بعد ملیں گی۔" میں بڑبڑائی اور کچھ دیر کے لیے کیمرہ بھول بھال کر مہمانوں کی طرف بڑھ گئی۔

"واہ بھئی۔ بڑی پیاری لگ رہی ہو۔" کئی سے لوگوں نے میری تعریف کی۔

میں نے دل میں شکر ادا کیا کہ فیشل وغیرہ کا رزلٹ یقیناً "اچھا ہی آیا ہے چلو شکر ہے پیسے پورے ہوگئے لیکن ایک ویٹر نے آکر میری کٹنگ کا' فیشل اور میک اپ کا ستیاناس کرتے ہوئے میرے جوان جہان ارمانوں پر پانی ڈال دیا۔

"آنٹی جی! مبارک ہو۔" وہ کوک لے کر آیا اور سب کی ہنسی کے فوارے چھوٹ گئے۔ اقرا' روبینہ' مریم' صائمہ' ربیعہ' سمیرا' کلثوم..... سب دانت نکال رہی تھیں اور میں ہکا بکا کھڑی تھی۔

"آنٹی جی! پانچ سو کا نوٹ نکالیں' وہ بے چارہ کب سے کھڑا ہے۔" وہ باقاعدہ مذاق اڑانے لگیں۔

"تم لوگ اپنے حسن کا صدقہ دے دو ننھی کا کیاں!" میں جل گئی مگر وہ بھی ڈھیٹ تھا' پانچ سو کا نوٹ لے کر ہی ٹلا۔

عنصر بھائی اور عنبرین کو مہندی کی رسم کے لیے پھولوں اور نوٹوں کی برسات میں اسٹیج پر بٹھایا گیا۔ دونوں ہی پیارے لگ رہے تھے۔ عنصر بھائی نے اسی سال فریضہ حج ادا کیا تھا چنانچہ ان کے چہرے کا نور سب کو متاثر کر رہا تھا۔ دونوں بہن بھائی ساتھ ساتھ بیٹھے

WWW.PAKSOCIETY.COM

بہت شاندار لگ رہے تھے اور اداس بھی۔ سب کی آنکھیں بھیگ گئیں کہ خوشی کے اس اہم موقع پر امی ابو نہیں ہیں۔ ماں باپ کی کمی تو پوری زندگی ہی محسوس ہوتی ہے اور اس کمی کو کوئی بھی رشتہ پورا نہیں کرسکتا۔

سسرال کی طرف سے آئے پیلے جوڑے اور پھولوں کے خوشنما گہنوں میں عنبرین بہت معصوم اور پیاری لگ رہی تھی۔ نظر لگ جانے کی حد تک۔ اور نظر تو لگ ہی جاتی ہے جیسے مجھے لگ گئی تھی (خدا جانے کس کی) مجھے اچانک گرمی کا شدید احساس ہوا تھا۔ میں فوراً" مہندی کا تھال رکھ کے پلٹی مگر یہ کیا۔۔۔ اف میرا پیپسی براؤن خوبصورت نیا نکور سوٹ۔ جسے آگ پکڑ چکی تھی۔ صدمے سے میرا برا حال تھا۔ ربیعہ کو روتے دیکھا تو پتا چلا کہ تھال میں جلتی موم بتیوں سے اس کے بالوں کو آگ لگ گئی تھی۔ میں اسے چپ کرانے لگی۔

"پھپھو! شکر ہے ہمارے بالوں کو آگ نہیں لگی۔" نور فاطمہ اور نوال معصومیت سے بولیں تو میں ہنس دی۔ ایسے موقعوں پر ہر کسی کو اپنی اپنی پڑی ہوتی ہے۔

تقریباً" گیارہ بجے مہندی کی خوبصورت تقریب اختتام پذیر ہوگئی۔

اگلے دن چونکہ دو بارا تیں تھیں۔ اس لیے بھاگ دوڑ اور افراتفری بھی زیادہ تھی کیونکہ عنبرین کی رخصتی کے بعد عنصر کی بارات لے کر بھلوال جانا تھا اور انہوں نے پابندی وقت کی خاص تاکید کی تھی۔

"یا اللہ! ہر کام خوش اسلوبی سے ہو۔"

دل میں دعائیں مانگتے ہوئے ہم لوگ فٹافٹ تیار ہو کر ہال میں پہنچے۔ مہمان آنا شروع ہو چکے تھے۔ بارات آنے سے پہلے پری دکھائی تھی اور گھڑولی کی رسم کرنی تھی۔ قارئین گھڑولی ہمارے ہاں کی ایک خوبصورت رسم ہے۔ پھولوں کی لڑیوں سے سجا گھڑا چچی، مامی یا بھابھی اٹھاتی ہے اور گھر کے سربراہ سے پیسے وصول کرتی ہے۔ مووی اور کیمروں کی تیز چکاچوند روشنیوں اور کزنز، بہنوں کے جھرمٹ میں میرے سر پر گھڑولی رکھی گئی اور چچی کوثر نے دھمال ڈال کر پورے ہال کو قہقہے لگانے پر مجبور کردیا۔

تقریب گھڑولی کو سب لوگ سراہ رہے تھے اور میرا خیال ہے اس میں زیادہ کمال چچی کوثر کا ہی تھا۔ ابھی یہ رسم ختم ہی ہوئی تھی کہ بارات آگئی بینڈ باجے کے ساتھ۔ ہڑبونگ مچ گئی تھی اور ہمارے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ پھولوں کا ٹوکرا نہیں مل رہا تھا۔ ہم لوگ حیران پریشان ادھر ادھر اور باراتی خواتین ہال میں داخل ہو کر "جھاں" ڈال رہی تھیں اور ساتھ ساتھ شکوے بھی جاری تھے کہ پھولوں سے استقبال ہونا چاہیے تھا ہمارا۔۔۔ عابدہ باجی کے دماغ نے ہی کام کیا بولیں۔

"وہ پھول ہم نے اس لیے نہیں پھینکے کہ پاؤں کے نیچے آکر مسلے جاتے ہیں اور آپ لوگوں کے سلپ ہونے کا خطرہ الگ۔"

"چلو خیر ہے۔" میں نے آنٹی نازیہ کو گلے لگایا۔

"آپ اتنی پیاری لگ رہی ہیں کہ پھولوں کی کیا اوقات۔"

"ہیں واقعی۔۔۔؟" وہ پورے دل سے خوش ہوئیں۔ "اور میں کوئی لگ رہی ہوں دولہے کی اماں۔۔۔؟"

"نہیں۔ بالکل بھی نہیں۔" میں نے پرزور نفی کی کہ وہ واقعی بہت پیاری لگ رہی تھیں اور شہرینہ بھی گرین سوٹ میں بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔ انجینئرنگ یونیورسٹی میں پڑھنے والی شہرینہ اسکول کی طالبہ ہی لگتی ہے۔ حماد بھی بڑا پیارا لگ رہا تھا" آنٹی کے تینوں بچے بہت بہت سلجھے ہوئے، با اخلاق ہیں یقیناً" والدین کی اچھی تربیت کا نتیجہ ہے۔

شہزادوں سی آن بان رکھنے والے عدیل بھائی دولہے راجہ کے روپ میں بہت شاندار لگ رہے تھے اور ان کے پہلو میں بیٹھی ہوئی عنبرین۔۔۔ پرفیکٹ اور بیوٹی فل کپل۔۔۔ اور جب وہ فیملی فوٹو شوٹ کرا رہے تھے تو

WWW.PAKSOCIETY.COM

میں نے آگے بڑھ کر انکل ظفر اور آنٹی نازیہ کو مبارک باد دی کہ اللہ ان کی فیملی کو نظر بد سے محفوظ رکھے۔

عدیل بھائی! آپ نروس تو نہیں ہو رہے؟" عدیل بھائی کو اسٹیج پر سالیوں کے جھرمٹ میں تیسری مرتبہ ماتھے سے پسینہ صاف کرتے دیکھ کر میں نے پوچھا۔

"نہیں نہیں، کوئی نہیں۔" وہ اس روز وکیلوں والی ساری تیزی اور چرب زبانی بھولے ہوئے تھے۔

"اپنے حق میں بولیں۔ اس طرح تو لگ ہی نہیں رہا کہ آپ لاء جیسے شعبے سے وابستہ ہیں۔ جبکہ سنا ہے وہاں تو گونگے بھی بول پڑتے ہیں۔"

پھر مجھے پتا چلا گیا کہ درحقیقت وہ شرما نہیں رہے تھے بلکہ ان کی ساری کی ساری توجہ اپنے جوتے کی طرف تھی کہ ان کی ذرا سی چوک سے پاؤں پکڑ کے بیٹھی سالیاں فائدہ نہ اٹھالیں۔

"یہ مٹھائی صرف دولہا کے کھانے کے لیے ہے؟" انکل عظمت نے پوچھا جو ایک صوفے پر اپنی دونوں بیویوں کے درمیان بیٹھے چہک رہے تھے۔

"جی ہاں۔" میں نے کہا۔ "کیونکہ آپ دو دفعہ کھا چکے ہیں۔"

"دودھ کے پیسے نکالیں، جلدی کریں۔" اقرار نے اصرار کیا۔

"آپ ڈیمانڈ کریں۔" انکل عظمت نے نوٹوں کی گڈی لہرائی۔

میں نے کہا۔ "زیادہ نہیں، کیونکہ گھر کی بات ہے، اس لیے صرف پانچ لاکھ۔"

"اوئے! ایک جوتے کی اتنی قیمت؟" لمبی ناک والا کاشی شہ بالا بن کے کچھ زیادہ ہی شوخ ہو رہا تھا۔

"کبھی زندگی میں اکٹھی اتنی رقم دیکھی ہے؟" یہ سوال حماد نے کیا۔

"آج دیکھ لیں گے۔" اقرا نے آرام سے کہا۔

"تم نے آج قتل ہو جانا ہے کاشی کے بچے!" میں نے اس کے ہاتھوں پہ بیگ مارا۔

"قتل تو ہو چکا ہوں، اتنی خوبصورت تیار شیار لڑکیوں کو دیکھ کر۔"

اس کی ٹھنڈی آہ پر میں ہنس پڑی۔ "شرم کرو تم!"

"ارے دودھ تو آپ لوگوں نے پلایا ہی نہیں۔" حماد کو اچانک دودھ کی طلب ہوئی۔ میں نے فوراً اپنے بیگ سے نکال کے سعد حسن کا فیڈر پیش کیا تو سب کے قہقہے نکل گئے۔

"رکھ لے یار! اگلے سال کام آئے گا۔" یہ کاشف کی سرگوشی تھی، جو ہم سب نے سن لی۔

پھر رخصتی ہوئی اور یہ باراتی بھی عنصر بھائی کی بارات کے ساتھ اپنے بینڈ باجے سمیت شامل ہو گئے۔

وہاں جا کے زاہد کے دوستوں نے زبردست بھنگڑا ڈالا اور نوٹوں کی بارش کر دی۔ ہمارا شاندار طریقے سے استقبال کیا گیا۔ میرا دو سال کا بیٹا سعد حسن چاچو کاشہ بالا بنا ہوا تھا لیکن وہاں جا کے میری گود سے نہ اترا۔

وہاں سے شام ڈھلے ہی دلہن لے کر گھر کو لوٹے۔ تہمینہ بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔ ہر کوئی سراہ رہا تھا۔

گھر آتے ہی کسی گاڑی کی ڈکی سے پھولوں کا وہ گمشدہ ٹوکرا مل گیا تو سب نے جی بھر کے دلہن پر پھول پھینکے۔ فوٹو شوٹ ہو رہا تھا اور میں نے ہائی ہیل پاؤں سے اتار کر ہاتھوں میں پکڑ رکھی تھی کیونکہ پاؤں سوج چکے تھے۔ سعد حسن کو تہمینہ کی گود میں بٹھایا تھا۔ یہ ہمارے ہاں کی رسم ہے۔ چھوٹا بچہ دلہن کی گود میں بٹھا کے اس سے پیسے وصول کیے جاتے ہیں۔

خوبصورت رسموں، ڈھیروں رونقوں کے ساتھ یہ دونوں شادیاں اختتام پذیر ہوئیں۔

اللہ رب العزت تہمینہ اور عنصر عباس کو، عنبرین اور عدیل گوندل کو ہمیشہ شاد و آباد اور ہنستا بستا رکھے۔ ثم آمین۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

نبیلہ عزیز

تھوڑی سی محبت

ماورا مرتضیٰ' عافیہ بیگم کی اکلوتی بیٹی ہے۔ فارہ کے ساتھ یونیورسٹی میں پڑھتی ہے۔ عافیہ بیگم اس کا اپنی سہیلیوں سے زیادہ ملنا جلنا پسند نہیں کرتیں۔ اس کے علاوہ بھی اس پر بہت ساری پابندیاں لگاتی ہیں جبکہ ماورا خود اعتماد اور اچھی لڑکی ہے۔ عافیہ بیگم اکثر اس سے ناراض رہتی ہیں۔ البتہ بی گل اس کی حمایتی ہیں۔

فارہ اپنی ثمینہ خالہ کے بیٹے آفاق یزدانی سے منسوب ہے۔ دو سال پہلے یہ نسبت آفاق کی پسند سے ٹھہرائی گئی تھی مگر اب وہ فارہ سے قطعی لاتعلق ہے۔ فارہ کی والدہ منزہ رحیم اپنی بہن ثمینہ یزدانی سے ملنے کراچی جاتی ہیں۔ آفاق انہیں ایئر پورٹ لینے نہیں جاتا۔ مجبوراً "ساشا کو جانا پڑتا ہے۔ وہ آفاق کی بدتہذیبی پر خفا ہو کر واپس چلی جاتی ہیں۔

منزہ' ثمینہ اور نیرہ کے بھائی رضا حیدر کے دو بچے ہیں۔ تیمور حیدر اور عزت حیدر۔ تیمور حیدر بزنس مین ہے اور بے حد شان دار پرسنالٹی کا مالک ہے۔ ولید رحمٰن اس کا بیسٹ فرینڈ ہے۔ اس سے حیثیت میں کم ہے مگر دونوں کے درمیان اسٹیٹس حائل نہیں ہے۔ نیرہ کے بیٹے سے فارہ کی بہن حمنہ بیاہی ہوئی ہے۔

عزت اپنی آنکھوں سے یونیورسٹی میں بم دھماکا ہوتے دیکھ کر اپنے حواس کھو دیتی ہے۔ ولید اسے دیکھ کر اس کی جانب لپکتا ہے اور اسے سنبھال کر تیمور کو فون کرتا ہے۔ تیمور اسے اسپتال لے جاتا ہے۔ عزت کے ساتھ یہ حادثاتی ملاقات ولید کو ایک خوشگوار حصار میں باندھ لیتی ہے۔ عزت بھی ولید کے بارے میں سوچنے لگتی ہے اور ڈھکے چھپے لفظوں میں ولید سے اپنی کیفیت کا اظہار بھی کر دیتی ہے مگر ولید انجان بن جاتا ہے۔

عمیں سوچنے لگتی ہے۔ عافیہ بیگم 'ماورا کو موبائل خریدنے کی اجازت دے دیتی ہیں۔ تیمور ایک میٹنگ کے سلسلے میں فیصل آباد جاتا ہے۔ واپسی میں ٹریفک جام میں اس کی نظر بس میں بیٹھی ماورا پر پڑ جاتی ہے۔ وہ اسے دیکھتا رہ جاتا ہے۔

آفاق فون کر کے فارہ سے شادی کرنے سے انکار کر دیتا ہے۔ فارہ بہت روتی ہے۔ ثمینہ اور اشتیاق یزدانی کو علم ہوتا ہے تو انہیں سخت صدمہ ہوتا ہے۔ ثمینہ کی طبیعت بگڑنے لگتی ہے۔

۵
پانچویں قسط

WWW.PAKSOCIETY.COM

اس کے قدم پتھرا گئے تھے اور چہرے پہ اک طمانچہ سا پڑا تھا۔
آخر اس کے ماں باپ نے اس کے ہاتھ کے لمس کو اور اس کے بازو کے سہارے کو دھتکار دیا۔ اس کے لیے اس سے بڑی ذلالت اور اس سے بڑی اذیت اور کیا ہو سکتی تھی بھلا؟ اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا چھا گیا اور کانوں میں سائیں سائیں سی ہونے لگی۔
"اٹھو ثمینہ! اندر چلو۔" انہوں نے خود آگے بڑھ کے ثمینہ یزدانی کو سہارا دے کر اٹھایا اور اپنے ساتھ اندر لے گئے۔ آفاق وہیں کا وہیں کھڑا رہ گیا۔

☆ ☆ ☆

اشتیاق یزدانی خاصی گہری نیند سو رہے تھے۔ جب کسی کے کراہنے کی آواز پہ ان کی نیند کا تسلسل ٹوٹ گیا۔ انہوں نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ کمرے میں ملگجا سا اندھیرا تھا اور کراہنے کی آواز باتھ روم کی طرف سے آ رہی تھی۔ وہ ایک دم اٹھ کر بیٹھ گئے اور فوراً" ہاتھ بڑھا کے سائیڈ ٹیبل پہ رکھا لیمپ جلا دیا۔
"ثمینہ!" انہوں نے بیڈ کی طرف دیکھا۔ بیڈ خالی تھا۔ اشتیاق یزدانی کے چھکے چھوٹ گئے تھے۔ وہ ایک دم اٹھ کر باتھ روم کی طرف بھاگے۔
"ثمینہ! ثمینہ!" وہ باتھ روم کے باس ہی قالین پہ اوندھے منہ گری ہوئی تھیں۔ انہوں نے ان کے قریب دوزانو بیٹھتے ہوئے بمشکل انہیں سیدھا کیا۔ لیکن ان کے پکارنے کے باوجود ثمینہ یزدانی کے منہ سے کراہنے کی آواز کے سوا اور کوئی آواز ہی نہیں نکل رہی تھی۔
"ثمینہ! کیا ہوا ہے تمہیں؟ آنکھیں کھولو۔ ثمینہ۔" اشتیاق یزدانی حد سے زیادہ پریشان ہو گئے۔ ثمینہ یزدانی کی اس تشویشناک حالت پہ ان کے ہاتھ پیر پھول گئے اور چہرے پہ ہوائیاں اڑنے لگیں۔
"ثمینہ!" انہیں بار بار پکارنے کے بعد جب کچھ نہ سوجھا تو وہ انہیں وہیں چھوڑ کر بوکھلائے ہوئے باہر کی طرف لپکے اور ملازموں کو زور زور سے آوازیں دیتے ہوئے سیڑھیاں اتر آئے۔
"ساجدہ! ساجدہ! راجو! راجو! کہاں ہو تم لوگ؟" انہوں نے باہر لان میں نکلتے ہی ملازموں کو اور بھی زور سے پکارا تھا اور جیسے جیسے ان کی آواز کانوں میں پڑتی گئی تھی۔ سب کے سب ملازم گہری نیند سے اٹھنے کے باوجود بھی بھاگے آئے تھے۔
"غفور! تم جلدی سے گاڑی نکالو۔ بیگم صاحبہ کو لے کر اسپتال جانا ہے۔" وہ ڈرائیور کو گاڑی نکالنے کا کہہ کر دوبارہ اپنے بیڈ روم کی طرف بھاگے اور پھر بڑی مشکل سے ملازموں کی مدد سے ثمینہ یزدانی کو اٹھا کر گاڑی تک لے آئے اور ابھی انہیں گاڑی میں ڈال ہی رہے تھے کہ باہر شور کی آواز سن کر گہری نیند سویا آفاق بھی اٹھ کر باہر نکل آیا۔
"ساجدہ! کیا ہوا ہے؟ یہ شور کیسا ہے؟" آفاق نے باہر سے سنائی دینے والی ملازموں کی اور اشتیاق یزدانی کی آوازوں کے متعلق پوچھا۔
"ارے صاحب جی! آپ کو نہیں پتا؟ بیگم صاحبہ کی طبیعت خراب ہو گئی ہے۔ کچھ ہوش نہیں ہے۔ اسی لیے بڑے صاحب جی ان کو لے کر اسپتال جا رہے ہیں۔" ساجدہ نے عجلت میں بتایا اور ثمینہ یزدانی کا دوپٹا لے کر باہر چلی گئی۔
آفاق دم بخود سا رہ گیا۔ اس کے قدموں تلے سے زمین سرک گئی۔ اس کی ماں بیمار تھی، بے ہوش تھی اور اسے کسی نے خبر ہی نہیں دی۔ وہ مطمئن بے خبر سوتا رہا۔ ماں کی طبیعت کا احساس ہوتے ہی وہ ایک دم سرپٹ بھاگا۔

لیکن تب تک اشتیاق یزدانی گاڑی میں سوار ہو چکے تھے۔
"پاپا! پلیز رکیے۔ کہاں جا رہے ہیں آپ؟ کیا ہوا ہے مما کو؟ آپ۔ آپ نے مجھے بتایا بھی نہیں؟" وہ گیٹ کی طرف سرکتی گاڑی کی کھڑکی میں جھکتے ہوئے خاصے روہانسے لہجے میں بولا۔
"ہمارا تم سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہم تمہارے لیے مر چکے ہیں۔" انہوں نے انتہائی سخت اور تلخ انداز میں کہتے ہوئے ڈرائیور کو اشارہ کیا اور ڈرائیور ان کے اشارے پہ رفتار بڑھاتے ہوئے گاڑی نکال لے گیا۔
آفاق اپنے باپ کی اتنی بے گانگی اور لاتعلقی پہ ششدر سا ہو گیا۔ انہوں نے کتنی آسانی سے اسے پرایا اور خود سے الگ کر دیا تھا۔ کچھ بتائے بغیر ہی چلے گئے تھے۔

☆ ☆ ☆

"بھائی! بھائی! اٹھیں پلیز۔ مجھے اسکول ڈراپ کر دیں۔ میں لیٹ ہو رہی ہوں۔" ککو نے انتہائی گہری نیند سوئے ولید کو کندھے سے پکڑ کے جھنجھوڑ دیا اور وہ جو تقریباً" صبح چار بجے آ کر بستر پہ گرتے ہی نیند سے بے سدھ ہو گیا تھا اس اچانک حملے پہ ہڑبڑا گیا۔
"کیا بات ہے ککو! کیوں جگا رہی ہو؟" ولید نے کافی بوکھلائے ہوئے انداز میں پوچھا۔
"مجھے اسکول جانا ہے۔ میں لیٹ ہو رہی ہوں۔ پلیز! مجھے ڈراپ کر دیں۔" ککو نے ایک بار پھر جیسے التجا کی۔
"میں ڈراپ کر دوں؟ تو وحید کہاں ہے؟" اس نے چھوٹے بھائی کا پوچھا۔
"بیمار ہے۔ بخار ہے اسے۔" ککو جھنجھلائی۔
"اوہ! تو یہ مسئلہ ہے۔" وہ سنتے ہی اٹھ کے بیٹھ گیا اور اپنے سوئے ہوئے اعصاب کو ٹھکانے پہ لانے کی کوشش کی۔
"اچھا! ٹھیک ہے۔ تم تیار ہو جاؤ۔ میں تمہیں چھوڑ آتا ہوں۔" وہ اپنے اوپر سے چادر پرے ہٹا کر بستر سے اٹھ کھڑا ہوا۔
"بھائی! میں آل ریڈی تیار ہوں۔ بس آپ کے تیار ہونے کا انتظار ہے۔" ککو اس کی غائب دماغی پہ خفگی سے بولی۔
"اوہ! سوری سویٹ ہارٹ۔ مجھے بھی بس تیار ہی سمجھو۔ تم چلو۔ میں آیا۔" اس نے ککو کے خفگی بھرے انداز پہ مسکراتے ہوئے اس کا گال تھپکا۔ وہ سر ہلا کر باہر نکل گئی۔ اس کے پیچھے دو منٹ بعد اپنا تولیہ کندھے پہ ڈالے وہ بھی اپنے کمرے سے باہر آیا اور انتہائی ڈھیلے ڈھالے اور سست سے انداز میں قدم اٹھاتے ہوئے باتھ روم کی طرف بڑھ گیا۔
"ارے! اس نے تمہیں جگا دیا؟" زبیدہ بیگم دوسرے کمرے سے وحید اور ککو کے کپڑے دھونے کے لیے لے کر ابھی باہر ہی نکل رہی تھیں کہ ولید کو دیکھ کر ٹھٹک گئیں۔ کیونکہ انہیں پتا تھا کہ ولید رات بھر کام کرنے کے بعد صبح منہ اندھیرے تھکا ہوا آیا تھا۔
"ظاہر ہے جگانا تو تھا ہی۔ وہ بے چاری اور کیا کرتی؟" ولید نے کندھے اچکائے۔
"لیکن میں نے اسے کہا بھی تھا کہ اسے میں چھوڑ آتی ہوں۔ پھر بھی وہ باز نہیں آئی۔" زبیدہ بیگم کو بیٹی پہ غصہ آیا۔
"تو اچھا کیا نا اس نے کہ مجھے جگا دیا۔ آپ اتنی دور کیسے جاتیں اور کیسے آتیں۔ اس نے تو آپ کا بھلا ہی سوچا ہے نا؟" ولید نے نرمی سے سر جھٹک کر دوبارہ باتھ روم کی طرف قدم بڑھا دیے۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

"میرے بھلے کو چھوڑو۔ مجھے تو تمہاری فکر ہو رہی ہے۔ تمہاری نیند بھی پوری نہیں ہو سکی۔" وہ متفکر ہونے لگیں۔

"ارے ڈونٹ وری امی۔۔۔! نیند پوری نہ ہونا تو اب روٹین کا حصہ ہے اور روٹین کے ساتھ انسان خود بخود ایڈجسٹ ہو جاتا ہے۔ اس میں اتنا پریشان ہونے کی کیا بات ہے بھلا؟"

وہ لاپروائی سے کہتا نہانے کے لیے باتھ روم میں گھس گیا۔ زبیدہ بیگم افسوس سے سر ہلاتی ہوئی اپنے کام میں مصروف ہو گئیں۔ وہ ان تینوں، بہن بھائیوں کے بغیر دھلے کپڑے الگ الگ کر کے رکھنے لگیں۔ کیونکہ وہ پہلے ولید اور وحید کے کپڑے دھو کر رکھتی تھیں اور بعد میں ککو کی اور اپنی باری آتی تھی۔ اس وقت بھی وہ ایسا ہی کر رہی تھیں کہ اتنے میں ولید نہا کر باتھ روم سے نکل بھی آیا اور بالوں میں تولیہ رگڑتے ہوئے کمرے کی طرف بڑھ ہی رہا تھا کہ اچانک چارپائی پہ رکھے کپڑوں کے ڈھیر پہ نظر پڑتے ہی وہ ایک دم ٹھٹک گیا اور بے ساختہ پکار اٹھا۔

"امی۔۔۔!" اس نے اتنے دل دہلا دینے والے انداز میں پکارا کہ زبیدہ بیگم کے ہاتھ سے سرف کا پیکٹ چھوٹ کر پورے زور و شور سے گھومتی واشنگ مشین میں جا گرا۔

"ہائے میرے اللہ۔۔۔! کیا ہو گیا؟" وہ دل پہ ہاتھ رکھتے ہوئے اس کی طرف پلٹیں۔

"میری بلیو شرٹ۔۔۔" وہ تیر کی سی تیزی سے لپک کے کپڑوں کے ڈھیر کے پاس آیا اور اس میں سے اپنی بلیو اور بلیک لائننگ والی شرٹ کھینچ کے نکال لی۔

"ارے۔۔۔! کیا ہو گیا ہے تمہاری بلیو شرٹ کو؟" زبیدہ بیگم کا دل ابھی تک ٹھکانے پر نہیں آیا تھا۔

"ہوا نہیں ہے۔۔۔ مگر ہونے ہی والا تھا کہ میری نظر پڑ گئی اور یہ شرٹ بال بال بچ گئی۔ وہ تو بھلا ہو ککو کا جس نے آج مجھے زبردستی جگا دیا۔ ورنہ آپ نے تو میرے کف افسوس ملنے کا پورا پورا انتظام کر رکھا تھا۔ مگر وہ کیا کہتے ہیں کہ اللہ کی رحمت تو بس بہانہ تلاش کرتی ہے۔" ولید اس شرٹ کو بڑی چاہ سے جھاڑ پونچھ کے پلٹ گیا۔

"مگر یہ شرٹ تو ابھی دھلی کہاں۔۔۔ اتنے دنوں سے کھونٹی سے لٹکی ہوئی تھی۔" وہ حیران ہوئیں۔

"یہ شرٹ دھل چکی ہے امی۔۔۔ اور اتنے دنوں سے کھونٹی سے نہیں، میرے دل سے لٹکی ہوئی تھی۔" وہ آہستگی سے زیر لب کہتا ہوا ذرا سا مسکرایا۔

"کیا۔۔۔؟ کیا کہا تم نے۔۔۔؟" وہ اس کی بات سن نہیں سکی تھیں۔

"کچھ نہیں۔۔۔! میں بس یہ کہہ رہا ہوں کہ اس شرٹ کو دھونے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لیے میں اب اسے الماری میں رکھ رہا ہوں۔" وہ ذرا سا رکنے کے بعد پھر کمرے کی طرف بڑھا۔

"کیوں۔۔۔؟ ایسی کیا بات ہے اس شرٹ میں کہ اسے دھونے کی بھی ضرورت نہیں ہے؟" وہ مسلسل حیرانی کی زد میں تھیں کیونکہ ولید کا لہجہ کچھ اور ہی ہو رہا تھا۔

"امی۔۔۔! یوں سمجھ لیں کہ ساری بات ہی اسی ایک شرٹ میں ہے۔" وہ جاتے جاتے پھر ٹھہرا۔

"اچھا۔۔۔! تو یہ بات ہے۔" وہ جیسے کچھ کچھ سمجھ گئی تھیں۔

"ہوں۔۔۔ یہی بات ہے۔" اس نے مبہم سا اقرار کیا۔

"کون ہے وہ۔۔۔؟" زبیدہ بیگم کا انداز دوستانہ ہو گیا۔

"میرے نزدیک۔۔۔ خوشبو کا پیکر۔۔۔" اس نے ایسے مسحور لہجے میں بتایا جیسے اس کے لہجے میں اس کی خوشبو بس گئی ہو۔

"بھائی۔۔۔!" ککو اسے ابھی تک کندھے پہ تولیہ ڈالے کھڑے دیکھ کر ایک دم چیخ اٹھی۔ ولید اس کی چیخ پہ گڑبڑا کے اس خوشبو کے حصار سے باہر آیا۔

"اوہ نو۔۔۔!" اس نے سر پہ ہاتھ مارتے ہوئے برآمدے میں لگے وال کلاک کی سمت دیکھا۔

"بس یار بس۔۔۔! میں دو منٹ میں آیا۔" وہ ککو سے کہتا اپنے کمرے کی طرف بھاگا اور اپنی شرٹ الماری میں رکھنے کے بعد دوسری شرٹ پہن کر بٹن بند کرتا ہوا باہر نکل آیا۔

"چلو۔۔۔! آجاؤ اب۔۔۔" وہ ککو کو اشارہ کرتے ہوئے بائیک نکالنے لگا۔

"او کے امی۔۔۔! خدا حافظ۔۔۔" اور پھر وہ، سن بھائی آگے پیچھے خدا حافظ کہتے گھر سے باہر نکل گئے۔

☆ ☆ ☆

صبح کا وقت تھا اور کراچی کی سڑکیں تھیں۔ جن پہ اس وقت ٹریفک کا اتنا ہجوم تھا کہ تل دھرنے کو بھی جگہ نہیں تھی۔ جب روڈ پہ کوئی سگنل سرخ ہوتا تو آگے پیچھے ایک دوسرے کے تعاقب میں بھاگتی دوڑتی گاڑیاں ایک ہی جگہ پہ چابی والے کھلونے کی طرح اسٹاپ ہو جاتیں اور ان رکی ہوئی گاڑیوں میں بیٹھے لوگ بے چینی کے مارے حرکت میں آجاتے۔

اور ولید رحمان گاڑیوں میں بیٹھے لوگوں کی بے چینی سے لطف اندوز ہوتا اپنی بائیک پہ بیٹھا گنگناتے ہوئے ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ جب اس نے ذرا فاصلے پہ کھڑی گاڑی میں بیٹھی ایک خوب صورت لڑکی کو دیکھ کر مسکراہٹ اچھالی۔ جواباً وہ لڑکی بھی مسکرائی۔ جس پہ ولید نے دوبارہ اپنے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔

"بھائی۔۔۔!" ککو نے اسے پیچھے سے کافی آہستگی سے پکارا۔

"ہوں۔۔۔؟" اس نے فوراً گردن موڑ کر ککو کو دیکھنے کی کوشش کی۔

"لیفٹ سائیڈ پہ بھی ایک گاڑی ہے۔ وہ لڑکی بھی آپ کو ہی دیکھ رہی ہے۔ اس کی طرف بھی دیکھیں نا۔ کتنی پیاری ہے وہ۔۔۔" ککو نے اسے کسی اور طرف متوجہ کرنا چاہا۔

"ککو۔۔۔!" ولید نے اسے سرزنش کرتے ہوئے گردن موڑ کر اسے دیکھنا چاہا۔ مگر ککو کو دیکھنے کی کوشش میں اس کی نظر بائیں طرف کھڑی اس گاڑی پہ جا پڑی۔ جس میں بیٹھی لڑکی بقول ککو کے اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

"عزت۔۔۔" ولید کے ہونٹوں پہ اک غیر محسوس سی جنبش ہوئی۔

اور وہ لڑکی اس غیر محسوس سی جنبش سے بھی پہچان گئی تھی کہ اس کے ہونٹوں نے کس کا نام چھوا ہے۔ وہ بہت دیر سے اسے ہی تو دیکھ رہی تھی۔ لیکن وہ نجانے کہاں کہاں اور کس کس کو دیکھ رہا تھا۔ مگر عزت حیدر کی طرف دیکھتے ہی وہ ٹھٹک گیا اور اس کے ہونٹوں کی گنگناہٹ ایک دم تھم سی گئی۔ پھر وہ آہستگی سے نظریں پھیر کر دوبارہ دوسری طرف دیکھنے لگا۔

بے ساختہ عزت نے اسے پکار کر متوجہ کرنا چاہا۔ لیکن پھر اس کی بائیک کے پیچھے بیٹھی یونیفارم میں ملبوس انتہائی نوعمر سی لڑکی کو دیکھ کر اسے خود پہ قابو پانا پڑا اور وہ اسے پکارتے پکارتے رک گئی۔ اتنے میں سگنل بھی گرین ہو گیا۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ گاڑی بڑھا کے اس کی بائیک کے آگے لے آتی، وہ ایک دم اپنی بائیک اڑا لے گیا اور دوبارہ پلٹ کر دیکھنے کی زحمت بھی گوارا نہیں کی عزت لب بھینچتے ہوئے اسٹیئرنگ پہ مکا رسید کر کے رہ گئی۔

☆ ☆ ☆

اتنے سارے لوگوں میں آفاق یزدانی مجرم بنا کھڑا تھا۔

کیونکہ ثمینہ یزدانی کو ہارٹ اٹیک ہوا تھا اور تقریباً سب ہی اس ہارٹ اٹیک کا ذمہ دار آفاق یزدانی کو ہی سمجھ رہے تھے۔ آخر رات کو ہی تو ثمینہ یزدانی کو پتا چلا تھا کہ آفاق نے فارہ کو فون کال کی تھی اور اس فون کال میں اس نے فارہ سے جو کچھ کہا تھا اسے جان کر وہ دل پہ صدمہ نہیں سہار پائی تھیں اور رات کے تین بجے انہیں دل کا دورہ

WWW.PAKSOCIETY.COM

پڑا تھا۔ حالانکہ وہ اپنے بستر سے ٹھیک ٹھاک اٹھی تھیں اور واش روم سے واپس آتے ہوئے اچانک سینے میں اٹھنے والے درد سے دوہری ہو کر نیچے فرش پہ جا گری تھیں۔ تب سے اب تک بے ہوش پڑی تھیں۔ وہ سب ان کے ہوش میں آنے کے منتظر بیٹھے ان کی زندگی کے لیے دعا کر رہے تھے۔

جبکہ وہ دونوں باپ بیٹا اپنی اپنی جگہ پہ چپ' خاموش اور گم صم سے بیٹھے تھے۔ کیونکہ چار سال پہلے بھی ان کا ایک ناقابل تلافی نقصان ہو چکا تھا اور اس نقصان کے بعد وہ دوبارہ کسی ایسے نقصان کا حوصلہ اور ہمت نہیں رکھتے تھے' جو انہیں ایک بار پھر خالی کر کے رکھ دیتا۔ اسی نقصان کو سوچتے ہوئے وہ اندر سے خوف زدہ سے بیٹھے تھے۔ لیکن زبان سے اظہار نہیں کر پا رہے تھے۔

البتہ وہاں موجود سب جانتے تھے کہ وہ دونوں باپ بیٹا کیوں چپ ہیں۔ اور کس خوف نے ان کی قوت گویائی سلب کر رکھی ہے۔

اسی لیے رضا حیدر نے اپنے برابر بیٹھے اشتیاق یزدانی کے کندھے پہ ہاتھ رکھتے ہوئے انہیں تسلی دینے کی کوشش کی' مگر وہ کہاں جانتے تھے کہ وہ کس کیفیت کی زد میں ہیں۔

"دیکھو۔! تم لوگ پریشان نہ ہو ان شاء اللہ۔! ثمینہ جلدی ٹھیک ہو جائے گی۔ اللہ سے ہمیشہ بہتری کی امید رکھنی چاہیے۔ ابھی تو اسے اپنے بیٹے کی شادی کرنی ہے۔ اس کی خوشیاں دیکھنی ہیں۔ اپنے ارمان پورے کرنے ہیں۔" رضا حیدر نے ان کا کندھا تھپکا۔

"ہونہہ۔! کیسی شادی۔؟ کیسی خوشیاں۔؟ اور کیسے ارمان حیدر بھائی۔؟ ہمارا کوئی بیٹا نہیں ہے جس کی شادی جس کی خوشیاں اور جس کے ارمان ہم پورے کریں گے۔ ہمارا صرف ایک ہی بیٹا تھا اور وہ چار سال پہلے مر چکا ہے۔" اشتیاق یزدانی کے ایسے سفاک الفاظ پہ رابعہ بیگم' منزہ رحیم اور نیوہ احمد کے دل مٹھی میں آ گئے۔

آفاق نے بھی اپنے باپ کی ایسی سفاک اور دل چیر دینے والی بات پہ گردن موڑ کر ان کے چہرے کی سمت دیکھا۔ ان کے چہرے کے تاثرات بہت پتھریلے سے محسوس ہو رہے تھے۔ آفاق ان کے ایسے رویے پہ لب بھینچ کے رہ گیا۔ وہ اندر ہی اندر دوہری اذیت کا شکار تھا۔ لیکن اپنی اس اذیت کو بیان نہیں کر پا رہا تھا اور کوئی اسے یا اس کی اذیت کو سمجھ نہیں سکتا تھا۔

اس کے سگے ماں باپ بھی نہیں۔۔۔

بلکہ وہ بھی نہیں' جو اس کے بہت قریب' اس کے سینے کے اندر' اس کے دل میں رہتی تھی اور دل میں رہ کر بھی دل کی حرکات و سکنات سے انجان اور بے خبر ہی تھی۔

آفاق ایک دم وہاں سے اٹھ کر باہر نکل آیا اور طویل راہداری عبور کر کے باہر سیڑھیوں پر آ کھڑا ہوا تھا اس نے اپنے دونوں ہاتھ سر پر رکھ لیے۔ اس کے پاس اپنی اور اپنے ماں باپ کی اذیت کا کوئی حل نہیں تھا۔

اور جو حل تھا۔۔۔ وہ اسے کر نہیں سکتا تھا۔

مگر اب اس کے ارد گرد بے بسی کا گھیرا تنگ ہوتا جا رہا تھا اور اسے لگ رہا تھا کہ وہ کسی بھی وقت ہتھیار ڈال دے گا اور اس بے بسی کے ہاتھوں مجبور ہو جائے گا۔ آخر کب تک وہ اکیلا اس بے بسی کی جنگ کو لڑ سکتا تھا؟

"آفاق۔۔۔!" اس کے بالکل برابر سے تیمور حیدر کی آواز سنائی دی اس نے چونک کر اپنے ہاتھ نیچے گرا لیے۔

"کیا پرابلم ہے۔۔۔؟" تیمور اس کے برابر کھڑا سامنے مین گیٹ سے لوگوں کی آمد و رفت دیکھ رہا تھا۔ البتہ مخاطب وہ اسی سے تھا۔

"نتھنگ۔۔۔!" آفاق نے آہستگی سے نفی میں سر ہلایا اور گہری سانس کھینچتے ہوئے دونوں ہاتھ پینٹ کی جیبوں میں پھنسا کر وہ بھی سامنے مین گیٹ کی طرف ہی دیکھنے لگا۔

"کسی کو پسند کرتے ہو۔۔۔؟" تیمور نے انتہائی سنجیدگی سے استفسار کیا۔

"ہاں۔۔۔!" اس نے بڑے ٹھہرے ہوئے سے لہجے میں اعتراف کیا۔

"کس کو۔۔۔؟" تیمور حیدر کا سوال بہت ہی فطری تھا۔

"فارہ رحیم کو۔۔۔" آفاق کا جواب بہت ہی چونکا دینے والا تھا۔

"واٹ۔۔۔ فارہ کو۔۔۔؟ تو پھر۔۔۔ تو پھر تم اس سے شادی سے انکار کیوں کر رہے ہو۔۔۔؟" تیمور کو اچنبھا ہوا۔

"ہونہہ۔۔۔! کب کر رہا ہوں یار۔۔۔؟" اس نے تلخی سے کہتے ہوئے سر جھٹکا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا۔۔۔؟ تم کہہ کیا رہے ہو؟" تیمور کو الجھن ہوئی۔

"میرا کوئی مطلب نہیں ہے۔ میں صرف یہ کہہ رہا ہوں کہ میں فارہ سے شادی سے انکار نہیں کر رہا۔ اگر میرے ماں باپ اس طرح خوش ہوتے ہیں۔۔۔ تو ایسے ہی سہی۔ وہ اپنی خوشی اپنے ارمان پورے کر لیں۔ وہ جب کہیں گے میں فارہ کو لے آؤں گا۔ میری طرف سے کوئی انکار نہیں ہے۔" آفاق بے تاثر سے انداز میں کہہ کر وہاں سے ہٹ گیا۔

اور تیمور اس کے ایسے اقرار پر مزید الجھن کا شکار ہو گیا (یعنی وہ یہ سب ماں باپ کے لیے کر رہا تھا۔۔۔ اپنے لیے نہیں؟

☆ ☆ ☆

"بال دیکھے ہیں اپنے۔۔۔ کتنے خشک اور بے رونق ہو رہے ہیں؟" بی گل نے اپنے قدموں کے قریب نیچے فرش پہ بیٹھی ماورا کے بالوں کو الٹ پلٹ کر دیکھتے ہوئے خفگی کا اظہار کیا۔

"بالکل ہماری زندگی کی طرح۔۔۔ خشک اور بے رونق۔" ماورا نے لقمہ دیا۔ سلائی مشین پہ جھکی بی گل کاکرتا سلائی کرتی عافیہ بیگم کے ہاتھ ٹھٹکے۔ انہوں نے ذرا کی ذرا نظر اٹھا کر ماورا کو دیکھا' لیکن وہ اپنے ہاتھ میں پکڑے موبائل کی طرف متوجہ تھی۔

"میرا بچہ۔! اپنے بالوں کو بھی خشک اور بے رونق انسان خود بناتا ہے اور اپنی زندگی کو بھی خشک اور بے رونق خود ہی کرتا ہے۔ انسان کے بال اور زندگی انسان سے اس کی توجہ مانگتے ہیں۔ توجہ نہ دو تو بال اور زندگی —— اجاڑ' ویران اور بے رنگ ہو جاتے ہیں۔ الجھتے ہیں تو پھر الجھتے ہی چلے جاتے ہیں۔ لاکھ سنوارو۔ پھر نہیں سنورتے بلکہ ان کو سنوارنے میں الٹا تکلیف ہوتی ہے اور جب انسان اس تکلیف سے گزرتا ہے۔۔۔ تو پھر سوچتا ہے کہ وہ پہلے ہی توجہ دے لیتا تو اچھا ہوتا۔ کیونکہ بالوں کو اور زندگی کو چمک دار بنانے کے لیے بڑے بڑے طریقے اور بڑے بڑے حربے آزمانے پڑتے ہیں۔" بی گل تیل کی شیشی اٹھا کر ماورا کے بالوں میں مساج کرنے لگیں۔

"لیکن بی گل۔۔۔! میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں' جو توجہ نہیں دیتے۔ میں طریقے بھی آزماؤں گی اور حربے بھی اور دیکھیے گا' زندگی کیسے چمک دار ہوتی ہے" ماورا نے نظر اٹھا کر عافیہ بیگم کو دیکھا۔ لیکن وہ سلائی مشین کے سامنے بیٹھی بی گل کا کرتا سلائی کرنے میں مصروف تھیں۔ ماورا کی بات پہ انہوں نے کوئی رد عمل ظاہر نہیں کیا۔ یوں جیسے اس کی بات سنی ہی نہ ہو۔

"ان شاء اللہ۔۔۔ ایسا ہی ہو گا۔" بی گل نے صدق دل سے کہا۔ عافیہ بیگم اندر ہی اندر ان کی بات پہ کڑھ کے رہ گئیں' لیکن کہا پھر بھی کچھ نہیں۔

"آمین۔۔۔" ماورا نے بھی جواباً بڑے دل سے آمین کہا۔

اور بی گل ابھی اس کے بالوں میں تیل سے مساج کر ہی رہی تھیں کہ اچانک ماورا کا موبائل بج اٹھا موبائل

WWW.PAKSOCIETY.COM

چونکہ پہلے ہی اس کے ہاتھ میں تھا۔ اس لیے فارہ کا نمبر اس نے پہلی نظر میں ہی پہچان لیا۔
"کس کا فون ہے۔۔۔؟" بی گل نے ہاتھ روک کر پوچھا۔
"فارہ کا۔۔۔!" وہ کہتے ہوئے فرش سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ عافیہ بیگم نے چونک کر دیکھا۔ ماورا موبائل لے کر سیڑھیاں چڑھ رہی تھی۔
"اب موبائل لے کر دیا ہے تو پھر فون تو آئیں گے نا۔۔۔ صرف پاس رکھنے کے لیے، گیم کھیلنے کے لیے یا محض دیکھنے کے لیے تو نہیں لیا نا اس نے۔۔۔؟" بی گل نے تیل کی شیشی کا ڈھکن بند کرتے ہوئے کہا اور گھٹنوں پہ ہاتھ رکھ کے اٹھ کھڑی ہوئیں۔ عافیہ بیگم ایک بار پھر چپ چاپ دوبارہ اپنے کام کی طرف متوجہ ہو گئیں، لیکن اس کے باوجود ان کا دھیان ماورا کی آواز کی طرف ہی تھا، جو نیٹ ورک اور سگنلز پرابلم کی وجہ سے فون سننے کے لیے چھت پہ چلی گئی تھی۔
"ہاں، ہاں کہو۔۔۔ میں سن رہی ہوں۔" ماورا ایک ہاتھ میں موبائل پکڑے فون سن رہی تھی اور دوسرے ہاتھ سے اپنے تیل لگے بالوں کو سمیٹنے کی کوشش کر رہی تھی۔
"ماورا۔۔۔! وہ۔۔۔ وہ۔۔۔ شادی کے لیے مان گیا ہے۔" فارہ کے لہجے میں دکھ کی لرزش تھی۔
"کون۔۔۔؟" ماورا کا دھیان اپنے گھر کے ساتھ والی چھت کی طرف چلا گیا تھا۔ اس لیے بے دھیانی سے پوچھ بیٹھی۔
"وہی جو معذرت خواہ ہو رہا تھا۔" فارہ کے اندر کی تلخی لہجے میں امڈی۔
"اچھا۔۔۔ اچھا۔۔۔ وہی جو محبت میں غلام نہیں ہوا۔ مگر معذرت خواہ ہو گیا تھا؟" ماورا کو جیسے یاد آ گیا۔
"ہاں۔۔۔! وہی۔۔۔" اب کی بار فارہ کا لہجہ دھیما ہو گیا۔
"تو کیا اب وہ غلام ہونے کے لیے تیار ہے؟" ماورا کے لہجے کی کاٹ کبھی کبھی بہت نمایاں ہو جاتی تھی اور وہ اسے چھپانے کی کوشش بھی نہیں کرتی تھی۔
"یہ تو مجھے نہیں پتا۔۔۔! بس اتنی خبر پہنچی ہے کہ وہ شادی کے لیے تیار ہے۔" فارہ کے لہجے میں کسی خوشی کی کوئی جھلک نہیں تھی۔
"ویسے ذہن میں یہ سوال اٹھتا ہے کہ آخر وہ تیار کیسے ہو گیا؟" ماورا نے وجہ جاننی چاہی۔
"دو روز پہلے ثمینہ آنٹی کو ہارٹ اٹیک ہوا تھا۔" فارہ نے آہستگی سے بتایا۔
"اوہ۔۔۔ اچھا اچھا۔۔۔ تو اس غلام کی رضامندی کے پیچھے وجہ ہارٹ اٹیک ہے؟" ماورا نے پرسوچ اور سمجھنے والے انداز میں کہتے ہوئے سر ہلایا۔
"ہوں۔۔۔! بالکل۔۔۔" فارہ نے اعتراف کیا۔
"صدقے جاؤں اس ہارٹ اٹیک کے۔۔۔" ماورا کی طرف سے طنز کا ایک اور نشتر چلایا گیا۔ فارہ خاموش ہی رہی۔

"تو پھر اب آپ جناب کا کیا ارادہ ہے۔۔۔" ماورا نے آگے کا پوچھا۔
"میرا کوئی ارادہ نہیں ہے۔" فارہ کا جواب انکار میں تھا۔
"مطلب۔۔۔؟" ماورا کا سوال نا سمجھی لیے ہوئے تھا۔
"مطلب یہ کہ میں یہ شادی نہیں کروں گی۔" فارہ نے اسے صاف صاف اپنے ارادے سے آگاہ کیا۔
"ہونہہ۔۔۔! کون کہتا ہے کہ تم یہ شادی نہیں کرو گی؟" ماورا کے لہجے میں استہزا اترا ہوا تھا۔
"کیا مطلب ہے تمہارا۔۔۔؟" فارہ چونکی۔

"میرا مطلب ہے کہ تم یہ شادی کرو گی اور ضرور کرو گی۔ کیونکہ تمہاری رسی تو پہلے ہی محبت جیسے مداری کے ہاتھ میں ہے۔ مداری نچائے گا اور تم ناچو گی۔۔۔ اقرار کرو تب بھی۔۔۔ انکار کرو تب بھی۔۔۔ ناچنا تو تمہاری قسمت میں لکھا ہے۔ اس لیے ناچنا تو پڑے گا ہر صورت میں اور ہر حال میں۔۔۔ کیونکہ زندگی میں انسان کو صرف دو ہی چیزیں نچاتی ہیں۔ ایک اس کی مجبوری اور دوسری اس کی محبت۔۔۔ یہاں بھی یہ معاملہ صاف ظاہر ہے۔ آفاق یزدانی مجبوری میں ناچ رہا ہے اور فارہ رحیم محبت میں۔۔۔ اس لیے انکار کی تو کوئی گنجائش ہی نہیں نکلتی۔" ماورا نے کہتے ہوئے کندھے اچکائے۔
"لیکن ماورا۔۔۔! میں اس کی مجبوری سے شادی نہیں کروں گی۔ وہ میری محبت کو بیاہنے کے لیے تیار نہیں ہوا تو میں اس کی مجبوری کو بیاہنے کے لیے کیسے مان جاؤں؟ کیا اس کی مجبوری بڑی ہے میری محبت سے۔۔۔؟" آج لگ رہا تھا کہ فارہ کا دل بہت ٹوٹا ہوا تھا۔ جس کی نوکیلی کرچیاں اس کے لہجے اور اس کے لفظوں سے ہی محسوس ہو رہی تھیں۔
"بڑی تو ہے نا۔۔۔! آخر ہارٹ اٹیک ہوا ہے اس کی مدر کو۔۔۔"
"ان کو ہارٹ اٹیک ہوا ہے ماورا۔۔۔! لیکن میرا ہارٹ فیل ہو سکتا تھا۔ جب اس نے معذرت کی تھی۔" فارہ بپھر گئی۔
"تمہارا ہارٹ فیل ہوتا۔۔۔ تو ہو سکتا تھا کہ وہ بھی تمہاری محبت کو بیاہنے کے تیار ہو جاتا۔ مگر تمہارا ہارٹ فیل نہیں ہوا۔ اس لیے وہ بھی تیار نہیں ہوا۔ لیکن اب اس کی مدر کو ہارٹ اٹیک ہوا ہے تو وہ مجبوری کو بیاہنے کے لیے مان گیا ہے اور تمہیں کیا ہے؟ بیاہنے دو۔۔۔ بیاہ اچھا ہوتا ہے اور ویسے بھی محبت کو بیاہے یا مجبوری کو، بات تو ایک ہی ہے نا۔۔۔؟" ماورا نے اسے سکون سے مشورہ دیا فارہ حیرت زدہ سی رہ گئی۔
"یہ تم کہہ رہی ہو ماورا۔۔۔؟"
"جی ہاں۔۔۔ یہ میں کہہ رہی ہوں۔ کیونکہ میں نہیں چاہتی کہ دوسرا ہارٹ اٹیک تمہاری مدر کو آئے اور دو روز بعد تم مجھے کال کر کے کہو کہ میں شادی کے لیے مان گئی ہوں ماورا! کیونکہ دو روز پہلے میری ممی کو ہارٹ اٹیک ہوا ہے۔" ماورا نے اس کی ممکنہ رضامندی کا نقشہ ابھی سے کھینچ دیا۔ فارہ ایک دم چپ ہو گئی۔ کیونکہ ماورا کچھ غلط بھی تو نہیں کہہ رہی تھی۔ آخر آفاق یزدانی کے انکار سے اتنی بڑی مصیبت آ سکتی تھی تو پھر اس کے انکار سے بھی کوئی طوفان اٹھ سکتا تھا۔ جس کو محض سوچ کر ہی فارہ کا دل لرز گیا۔
"بہتر ہے کہ تم دونوں ایک ہی ہارٹ اٹیک سے مان جاؤ۔ تاکہ دوسرے کی ضرورت ہی پیش نہ آئے۔ دیکھو میں تمہاری دوست ہوں۔ میں کبھی بھی تمہیں غلط مشورہ نہیں دوں گی، لیکن اس مشورے پہ عمل کرنا تمہاری اپنی مرضی پہ ڈپینڈ کرتا ہے۔ تم خود سمجھ دار ہو۔ اپنے انکار کا ارادہ اقرار میں بدل دو۔ کیونکہ زندگی کے اس موڑ پہ اس کی مجبوری اور تمہاری محبت کو تمہارے اقرار کی ضرورت ہے۔ اب قسمت میں آگے کیا لکھا ہے۔۔۔ یہ تم آگے جا کر دیکھنا۔" ماورا نے بات ختم کرتے ہوئے فیصلہ قسمت پہ اور فارہ کی مرضی پہ چھوڑ دیا تھا۔
لیکن فارہ اس وقت کچھ بھی کہنے کی حالت میں نہیں رہی تھی۔ اس نے کچھ بھی کہے بغیر آہستگی سے فون بند کر ڈالا۔ ماورا ایک دم سے ساکت ہو جانے والے موبائل کو دیکھتی رہ گئی اور پھر فارہ کی حرکت پہ خفگی سے سر جھٹک کر قدم سیڑھیوں کی طرف بڑھا دیے۔ کیونکہ سامنے والے گھر کی چھت پر کھڑا لڑکا مسلسل اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ وہ اس لڑکے کو گھورتی ہوئی نیچے اتر آئی۔
وہ لڑکا یقیناً کوئی اجنبی تھا۔ کیونکہ اگر اس محلے کا رہنے والا ہوتا تو اسے پتا ہوتا کہ وہ کس مزاج کی اور کس ٹائپ کی لڑکی ہے۔ اس لیے اسے تاڑنے کی جرات کبھی بھی نہ کرتا۔ جیسے محلے کے باقی لڑکے نہیں کرتے تھے۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

☆ ☆ ☆

"مجھے... مجھے... ایک بار... صرف ایک بار اس سے پوچھنا تو چاہیے تھا کہ وہ عزت حیدر کے جذبات اور احساسات کو اگر جھٹک کر گیا ہے تو وجہ کیا تھی؟ کیا میں اسے اچھی نہیں لگی؟ یا اسے کوئی اور اچھی لگتی ہے؟ یوں بغیر کسی وجہ کے اور بغیر کسی دلیل کے تو تم میری ذات کی نفی نہیں کر سکتے ناولید رحمان... اور نہ ہی مجھ سے اس طرح منہ موڑ سکتے ہو... تمہیں کچھ تو کہنا ہوگا... تمہیں کچھ تو بتانا ہوگا۔"

وہ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے بیٹھی ٹی وی دیکھ رہی تھی۔ جب اس کا دھیان خود بخود ہی ولید رحمان کی طرف چلا گیا اور وہ بے چینی سے ٹی وی کے چینل بدلنے لگی۔ اسے ولید رحمان سے بات کرنے کا طریقہ سمجھ میں نہیں آرہا تھا اور دماغ مسلسل حل سوچنے میں لگا ہوا تھا اور مختلف آئیڈیاز اس کے سامنے رکھ رہا تھا۔ جن کی وہ مسلسل نفی کیے جا رہی تھی۔

اس کے گھر کا ایڈریس کیا ہے؟ یہ بھی نہیں معلوم...

وہ کہاں اور کیا جاب کرتا ہے؟ یہ بھی نہیں معلوم...

یہاں تک کہ اس کا نمبر کیا ہے؟ یہ بھی نہیں معلوم...

"نمبر...؟"

وہ سوچتے سوچتے نمبر پہ آکر اٹک گئی۔ کیونکہ اگر اسے نمبر مل جاتا تو وہ آسانی سے اس سے بات کر سکتی تھی۔ مگر سوال یہ تھا کہ نمبر ملتا کہاں سے؟ اس کے ذہن نے خود ہی سوال اٹھایا۔

"تیمور بھائی...!" اور جواب میں ذہن خود ہی تیمور کی طرف چل نکلا۔ لیکن دوسرا سوال ذرا مشکل میں ڈالنے والا تھا۔

"مگر میں تیمور بھائی سے ان کے دوست کا نمبر کیسے مانگ سکتی ہوں بھلا؟ کیسے کہہ سکتی ہوں کہ تیمور بھائی مجھے ولید رحمان کا نمبر چاہیے... میں اس سے بات کرنا چاہتی ہوں۔ مجھے اس سے کچھ پوچھنا ہے۔"

تیمور کی طرف چلتے چلتے اس کے سوچ کے قدم ٹھٹک گئے۔ وہ راستے سے پلٹ آئی۔

بے شک ان دونوں، بہن بھائی کے درمیان بہت زیادہ انڈر اسٹینڈنگ تھی۔ لیکن ایسے معاملے پہ آکر تو ہر بھائی کی طرح اس کی غیرت بھی اس کی راہ میں رکاوٹ بن کر کھڑی ہو سکتی تھی۔ وہ اس کی غیرت کو آزمانے اور چھیڑنے کا رسک نہیں لے سکتی تھی۔

مگر مسئلہ یہ بھی تھا کہ تیمور کے سوا ولید رحمان کا نمبر یا ایڈریس بھی تو کہیں اور سے نہیں مل سکتا تھا۔ ولید کا نمبر تیمور کے موبائل میں محفوظ تھا اور موبائل تیمور کے پاس تھا۔

"موبائل...؟" پہلے نمبر اور اب موبائل پہ اس کی سوئی اٹک گئی تھی۔ اچانک وہ کچھ سوچتے سوچتے ٹی وی کا ریموٹ بیڈ پہ اچھال کر بیڈ سے اٹھ کھڑی ہوئی اور اپنے چہرے کے تمام تاثرات پر قابو پاتے ہوئے سلیپر پہن کر باہر نکل آئی۔ اس کا رخ تیمور کے بیڈ روم کی طرف تھا۔

لیکن بیڈ روم کے دروازے کے قریب پہنچ کر اس کے قدم رک گئے۔ چند لمحے دروازے کے باہر ٹھہر کر اسے اپنی ساری ہمتیں مجتمع کرنی پڑیں اور اس کے بعد کہیں اس نے تیمور کے بیڈ روم کے دروازے پہ دستک دینے کی جرات کی تھی۔

"ہوں...! کون...؟" اندر سے اس کی مصروف سی آواز سنائی دی۔ عزت نے دروازہ ذرا سا دھکیل کر اندر جھانکا۔

"مے آئی کم ان سر...؟" عزت نے خاصے خوشگوار موڈ میں پوچھا۔ تیمور ایک دم چونک گیا۔

"اوہ یس ڈارلنگ...! کم ان... کم ان... آخر تمہیں اجازت کی کیا ضرورت؟" تیمور نے اسے دیکھتے ہی بے اختیار اپنے سامنے بیڈ پہ رکھے لیپ ٹاپ کو پیچھے سرکا دیا اور اپنی پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہوا۔ وہ دروازے کو ذرا اور دھکیلتی ہوئی اندر آگئی۔

"ہائے... کیا ہو رہا ہے اس وقت؟" وہ متوازن قدموں سے چلتی اس کے بیڈ کے کنارے پہ آکے ٹک گئی۔

"بس... وہی جو روز ہوتا ہے۔ کام کام اور کام..." تیمور نے کندھے اچکاتے ہوئے بیڈ پہ بکھرے کاغذات، فائلز اور لیپ ٹاپ کی سمت اشارہ کیا۔

"مگر مجھے تو اس کام کی کچھ سمجھ نہیں آرہی۔" عزت نے حیرت سے کہا۔

"وہ کیوں...؟" تیمور کو اس کی حیرت پہ حیرت ہوئی۔

"وہ اس لیے کہ ٹی وی بھی چل رہا ہے، لیپ ٹاپ بھی آن ہے اور فائلز بھی کھلی پڑی ہیں۔ اس لیے سمجھ میں نہیں آرہا کہ آپ کیا اور کس نوعیت کا کام کر رہے ہیں؟" عزت کی مصنوعی حیرت ہنوز تھی۔ تیمور اس کی حیرت کا مفہوم جان کر بے ساختہ قہقہہ لگا کر ہنسا۔

"بس یار...! میرا کام کچھ ایسا ہی ہوتا ہے۔ ایک ہی وقت میں کئی کام کرنے پڑتے ہیں اور اس وقت بھی یہی ہو رہا ہے۔ کام بھی کر رہا ہوں اور ساتھ ساتھ نیوز بھی سن رہا ہوں۔ کیونکہ اتنی فرصت تو ملے گی نہیں کہ میں یہ دونوں کام الگ الگ وقت پہ کر سکوں۔ اس لیے مجھ جیسے آدمی کو سب کچھ ساتھ ساتھ کرنا پڑتا ہے اور ابھی تو شکر ہے کہ فون بند ہے۔ ورنہ وہ بھی کام کے دوران بھی کان سے لگا ہوتا۔" تیمور بے چارگی سے بتاتے ہوئے مسکرایا اور عزت کو سن کر افسوس ہونے لگا۔

"ہوں... کافی ٹف روٹین ہے آپ کی بھی... اتنا کام کرتے ہیں آپ... میں نے خوامخواہ آپ کو ڈسٹرب کر دیا آکر..." عزت معذرت خواہانہ سے لہجے میں بولی۔

"ارے نہیں نہیں میری جان...! مجھے تو بہت خوشی ہوئی ہے تمہیں یہاں دیکھ کر... البتہ یہ اور بات ہے کہ تم یہاں کسی کام سے آئی ہو۔" تیمور نے پر شفقت لہجے میں کہتے ہوئے اس کا ہاتھ پکڑ کر نرمی سے تھپکا عزت ایک دم ٹھٹک گئی۔

"کیا مطلب...؟ آپ کو کیسے پتا کہ میں یہاں کسی کام سے آئی ہوں؟" عزت نے تیمور کے ہاتھ میں تھمے اپنے ہاتھ کو بمشکل لرزنے سے روکا۔ کیونکہ تیمور کی بات پہ اس کے اندر کا چور بدک گیا۔ تیمور مسکرا دیا۔

"ٹائم دیکھو..." اس نے وال کلاک کی سمت اشارہ کیا۔ جہاں اس وقت رات کے ایک بجنے میں محض چار منٹ باقی تھے۔

"جی... وہ میں بھی جاگ رہی تھی۔ اس لیے چلی آئی۔" اس نے وال کلاک سے نظر ہٹا کر چہرہ جھکا لیا۔

"جاگ کیوں رہی تھیں...؟" تیمور نے نرمی سے پوچھا۔

"بس ایسے ہی ایک فرینڈ سے ٹیکسٹ چیٹ ہو رہی تھی۔ لیکن میسج سینڈ کرتے کرتے اچانک نیٹ ورک میں کوئی پرابلم آگیا ہے اور میسج سینڈ نہیں ہو رہا۔ نہ ہی کال مل رہی ہے۔ اس لیے..." اس نے کہتے ہوئے بات ادھوری چھوڑ دی اور تیمور اس کا کام سمجھ گیا۔

"اس لیے تمہیں میرا موبائل چاہیے... ہے نا...؟" تیمور نے اس کی ادھوری بات کو مکمل کیا۔

"جی... بس تھوڑی دیر کے لیے..." اس نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے تیزی سے کہا۔

"پاگل...! جب ضرورت ہے تو پھر تھوڑی دیر کیا اور زیادہ دیر کیا... وہ چارجنگ پہ لگا ہے، لے جاؤ۔" تیمور نے

WWW.PAKSOCIETY.COM

اس کے سر پہ چپت لگاتے ہوئے کہا اور بیڈ کی دوسری سائیڈ ٹیبل کی طرف اشارہ کیا۔
"تھینک یو بھائی۔۔۔! تھینک یو سو مچ۔" وہ تیزی سے اٹھی اور اس کا موبائل چارجنگ سے ہٹا کر باہر نکل آئی اپنے بیڈ روم کی طرف واپس آتے ہوئے اپنے ہاتھ میں تھمے تیمور کے موبائل کو دیکھ کر اس کے من کی کلی کھل اٹھی تھی۔
پھر اپنے بیڈ روم میں آکر دروازہ مقفل کیا اور پھر اپنے بیڈ پہ اطمینان سے بیٹھنے کے بعد اس نے تیمور کے موبائل میں محفوظ تمام کانٹیکٹ نمبرز سے ڈبلیو تلاش کیا۔ ولید کا نمبر ٹاپ پر آگیا۔ جس کو بڑی احتیاط سے اپنے موبائل میں محفوظ کرتے ہوئے وہ کچھ دیر کے لیے مطمئن ہوگئی۔ کیونکہ اب اسے ولید رحمان سے بات کرنے کے لیے لائحہ عمل تیار کرنا تھا۔

☼ ☼ ☼

ولید اپنی کسی رپورٹ کی تیاری کے سلسلے میں نیوز چینل کے آفس میں مسلسل بھاگ دوڑ کر رہا تھا۔ جب اچانک اس کا موبائل بجنے لگا۔ پہلے تو وہ نظر انداز کیے اپنے کام میں لگا رہا۔ لیکن جب موبائل کی گھنٹی متواتر بجتی رہی تو مجبوراً "اسے موبائل نکال کر دیکھنا ہی پڑا۔ اسے موبائل کی اسکرین پہ ایک انجان نمبر نظر آیا تجسس کے باعث اس نے فوراً "فون ریسیو کیا۔
"ہیلو۔۔۔!" عجلت کے باوجود اس نے اپنے لہجے میں سکون اور ٹھہراؤ رکھا۔
"ولید رحمان۔۔۔؟" دوسری طرف نسوانی آواز تھی اور آواز بھی وہ جس کو سن کر ولید اپنے اندر تک ٹھٹک گیا۔ حالانکہ یہ آواز فون پہ وہ پہلی بار سن رہا تھا۔ لیکن پہچانی ایسے تھی۔ جیسے صدیوں سے سنتا آرہا ہو۔
"آپ کی خاموشی بتا رہی ہے کہ آپ ولید رحمان ہی ہیں۔۔۔؟" اس کے لہجے کا سکون ولید کے سکون سے بھی زیادہ دبیز تھا۔
"جی۔۔۔! میں ولید رحمان ہی ہوں اور آپ۔۔۔؟" اس نے اجنبی ہو جانا چاہا۔
"آپ کی خاموشی یہ بھی بتا رہی ہے کہ آپ مجھے پہچان کر ہی خاموش ہوئے ہیں۔" اس کا جواب استہزائیہ سا تھا۔
"آپ نے فون کیوں کیا۔۔۔؟" ولید نے دوٹوک انداز اپنایا۔
"آپ کو خاموش کرنے کے لیے۔۔۔" اس کا لہجہ پل بھر میں بدلا۔
"کیا مطلب۔۔۔؟" وہ الجھا۔
"ولید صاحب۔۔۔! مطلب پوچھنا آسان ہوتا ہے۔ لیکن مطلب سمجھنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ آپ اگر مطلب سمجھنے کا وعدہ کریں تو مطلب بتاتی ہوں۔ ورنہ رہنے دیں۔" وہ بھی اپنی طرز کی ایک ہی لڑکی تھی۔
"میں بہت مصروف ہوں۔ مجھے اس وقت کچھ سمجھ میں نہیں آرہا۔" اس نے ٹالنا چاہا۔
"مصروف تھے تو مطلب کیوں پوچھا؟ اور اگر پوچھ ہی لیا ہے تو ذرا سا حوصلہ پیدا کریں خود میں۔۔۔ ساری بات کہہ دوں گی۔ بس آپ کی مصروفیت سے چند پل درکار ہیں۔ پھر آپ کو میرے فون کا مطلب بھی سمجھ میں آجائے گا اور اپنی خاموشی کی وجہ بھی پتا چل جائے گی۔" اس کا لہجہ مبہم سا انداز لیے ہوئے تھا۔
ولید تذبذب کا شکار ہوگیا۔ اسے واقعی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کہے اور دوسری طرف وہ خفگی سے جھنجھلانے لگی۔
"ولید رحمان۔۔۔! آپ کو بات نہیں کرنی تو فون بند کردیں یوں چپ ہو جانے کا کیا مطلب۔۔۔؟" اس کی خفگی اور

جھنجھلاہٹ اس کے لہجے سے ہی نمایاں ہو رہی تھی۔
"نہیں۔۔۔! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں واقعی بہت مصروف ہوں۔" ولید نے اپنے لہجے اور انداز کی اجنبیت پر قابو پانے کی کوشش کی۔
"آپ فارغ کب ہوں گے۔۔۔؟ وقت بتا دیں۔۔۔ میں کال کرلوں گی۔" اس نے اس کی مصروفیت کا حل نکالا۔
"میری فراغت کا ٹائم مقرر نہیں ہے۔۔۔ ایم سوری۔" ولید نے معذرت کی۔
"اوکے۔۔۔! ایز یو وش۔۔۔ آپ کے پاس وقت نہیں ہے۔۔۔ میں کال نہیں کروں گی۔ مگر اس وقت آخری بات یہ بتا دیں کہ آپ تیمور حیدر کی بہن کو اگنور کیوں کر رہے ہیں؟" اب وہ دوٹوک ہوئی تھی۔
"کیونکہ وہ تیمور حیدر کی بہن ہے۔" ولید کا جواب برجستہ آیا۔
"اور اگر وہ تیمور حیدر کی بہن نہ ہوتی تو۔۔۔؟" اس کی برجستگی بھی کمال کی تھی۔
"تو سچویشن کچھ اور ہوتی۔" وہ بھی بے ساختہ کہہ گیا۔
"سچویشن کچھ اور ہوتی۔۔۔ مطلب۔۔۔؟" وہ الجھی۔
"مطلب یہ کہ شاید پھر میں اپنی مصروفیت سے ٹائم نکال ہی لیتا۔" اس نے اپنی مجبوری بتائی۔
"اوہ۔۔۔! تو پھر یوں کہیں نا کہ آپ صرف تیمور حیدر کی بہن کے لیے مصروف ہیں۔ ورنہ آپ کے پاس سب کے لیے فراغت ہے۔۔۔ سب کے لیے ٹائم ہے۔" دوسری طرف اس کا لہجہ بجھ گیا اور ولید کو ایک بار پھر سنبھلنا پڑا۔
"نہیں۔۔۔! میں نے یہ تو نہیں کہا۔" اس نے اس کی بات کی نفی کی۔
"آپ نے جو کہا، میں نے سن لیا۔ کوشش کروں گی کہ آئندہ آپ کی مصروفیت میں خلل نہ ڈالوں۔۔۔ البتہ اس کوشش میں میں کہاں تک کامیاب ہوتی ہوں۔ اس کا کوئی اندازہ نہیں۔ مگر پھر بھی کوشش ضرور کروں گی۔۔۔ اللہ حافظ۔۔۔" اگلے ہی پل اس نے بات ختم کر کے فون بند کردیا۔ اپنی ٹیبل کے قریب کھڑا ولید اپنے موبائل کو دیکھتا رہ گیا۔
"عزت حیدر۔۔۔!" وہ زیر لب بڑبڑایا اور پھر بے ساختہ لب بھینچ لیے۔
"تم نہیں جانتیں۔۔۔ تم کچھ بھی نہیں جانتیں عزت حیدر۔۔۔ زندگی میں سب کچھ بتانے کے لیے نہیں ہوتا۔ کچھ خاموش ہو جانے کے لیے بھی ہوتا ہے۔ محسوس ہو جانے کے لیے بھی ہوتا ہے اور بھول جانے کے لیے بھی ہوتا ہے۔" وہ دل ہی دل میں بولا اور پلٹ گیا۔

میرے جسم سے اس کی خوشبو آج بھی آتی ہے
میں نے فرصت میں کبھی خود سے لگایا تھا اسے

☼ ☼ ☼

ثمینہ یزدانی کے اسپتال سے فارغ ہو کر گھر آتے ہی شادی کے ہنگامے جاگ اٹھے۔ اشتیاق یزدانی اور ثمینہ یزدانی اتنے خوش تھے آج کل کہ کوئی بھی ان کی خوشی کی انتہا کا اندازہ نہیں لگا سکتا تھا۔ آفاق ان کی اس قدر خوشی دیکھ کر اندر سے اور بھی افسردہ ہوگیا۔ اس کی آنکھیں بھر آئیں۔
اس کے ماں باپ کب سے اس مسرت کے انتظار میں جی رہے تھے اور وہ انہیں یہ خوشی دے ہی نہیں پا رہا تھا، لیکن اب جب انہیں اس خوشی کا پروانہ دے دیا تھا تو اسے اپنا دل بھی کچھ ہلکا پھلکا سا محسوس ہو رہا تھا۔ دل کے بوجھ میں ذرا کمی محسوس ہوئی دل کی دھڑکن بھی بڑی سبک رفتاری سے دھڑکنے کا کام کرنے لگی۔ وہ شادی کے تمام

WWW.PAKSOCIETY.COM

ہنگاموں اور تیاریوں کو کافی دلچسپی سے انجوائے کر رہا تھا۔
ہر پریشانی اور ہر اذیت کو بھول کر وہ دو سال پہلے والا آفاق یزدانی بن چکا تھا۔ جس کے خواب و خیال کی دنیا سے لے کر حقیقت کی دنیا تک صرف اور صرف فارہ رحیم کا راج تھا۔ اور اس دنیا میں وہ اس کے تابع رہتا تھا۔ اس کا غلام بن کے۔۔۔
جہاں وہ اس کی پلکوں کی جنبش پہ حرکت کرتا تھا اور اس کی آنکھ کے اشاروں پہ سر جھکاتا تھا اور اگر وہ ابرو اچکا کر دیکھ لیتی تو جان پہ بن آتی تھی۔
اور ایسا ہی اس کے ساتھ آج کل بھی ہو رہا تھا۔ دل غلامی پہ آمادہ اور دماغ دلیلوں پہ بضد تھا۔
لیکن کامیابی آج کل دل کو ہی حاصل تھی۔ کیونکہ دل نے دماغ کی طرف سے کان بند کر لیے تھے۔ وہ کچھ بھی سننے کے لیے تیار نہیں تھا۔ بس اپنی ہی موج میں رواں تھا اور زندگی کو انتہائی قریب سے محسوس کر رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

"السلام علیکم بابا۔۔۔! کیسے ہیں آپ۔۔۔؟" تیمور تیار ہو کر آفس کے لیے نکل رہا تھا۔ جب اسے رضا حیدر کے بلاوے پہ ان کے بیڈ روم میں آنا پڑا تھا۔
"وعلیکم السلام۔۔۔! جیتے رہو' خوش رہو۔ میں ٹھیک ہوں۔ تم سناؤ کیسے ہو۔۔۔؟" وہ بیڈ پہ لیٹے ہوئے تھے۔ اسے دیکھ کر تکیے کا سہارا لیتے ہوئے اٹھ بیٹھے اور بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا لی۔
"اللہ کا شکر ہے۔ میں بھی ٹھیک ہوں۔ بس آفس کے لیے نکل ہی رہا تھا کہ آپ کا پیغام پہنچ گیا۔" تیمور نے کندھے اچکائے۔
"ہاں۔۔۔! وہ دراصل تمہیں یہ بتانا تھا کہ تمہیں فیصل آباد جانا ہے۔ ثمینہ اور اشتیاق کے ساتھ۔۔۔" رضا حیدر نے اپنے چہرے پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے اپنی طبیعت کو ذرا فریش کرنا چاہا۔
"فیصل آباد۔۔۔ ثمینہ آنٹی اور اشتیاق انکل کے ساتھ۔۔۔ مگر کیوں۔۔۔؟" اس نے حیرانی سے سوال کیا۔
"وہ لوگ آفاق اور فارہ کی شادی کی ڈیٹ فکس کرنے کے لیے جا رہے ہیں۔ انہوں نے مجھے بھی ساتھ چلنے کو کہا تھا' مگر تم جانتے ہو کہ میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ آج شام چھ بجے ڈاکٹر کے ساتھ اپائنٹمنٹ بھی ہے اس لیے میں نے ثمینہ سے کہہ دیا تھا کہ تم لوگوں کے ساتھ میرے بجائے تیمور چلا جائے گا اور تمہارے جانے کا سن کر وہ بہت خوش بھی ہے کیونکہ اسے پتا ہے کہ تم مجھ سے بھی زیادہ اچھے طریقے سے سارے معاملات طے کر لو گے۔" انہوں نے اسے آمادہ کرنا چاہا۔
"معاملات۔۔۔! کیسے معاملات بابا جان۔۔۔؟ آپ کو پتا بھی ہے کہ میں صرف بزنس کے معاملات ہی طے کر سکتا ہوں اس کے علاوہ مجھے کسی اور چیز کی کوئی خبر نہیں ہے اور یہ شادی بیاہ کی تو بالکل بھی نہیں۔۔۔" تیمور بدک گیا۔
"خبر رکھو گے تو خبر ہو گی نا۔۔۔؟ اور ویسے بھی یہ کون سا مشکل کام ہے۔ صرف ایک دوسرے سے مشورے کے ساتھ ڈیٹ فکس کرنی ہے اور مہندی' مایوں' بارات اور رخصتی کی ٹائمنگ طے کرنی ہے۔ باقی کوئی چھوٹا موٹا مسئلہ ہوا تو وہ بھی ڈسکس کر لینا۔ بس اتنا سا تو کام ہے۔" انہوں نے بڑی سہولت سے اس سارے کام کو اتنا سا کام کہہ کر بات ہی ختم کر ڈالی تھی۔
"مگر بابا۔۔۔! مجھے یہاں کام ہے۔ میں آفس چھوڑ کے کیسے جا سکتا ہوں بھلا۔۔۔؟" وہ جھنجھلانے لگا۔
"جیسے اپنے کسی کام سے جاتے ہو۔۔۔؟" رضا حیدر سکون میں تھے۔
"مگر میں فیصل آباد۔۔۔" تیمور کچھ کہتے کہتے رک گیا۔ اسے فیصل آباد کی سڑکوں پہ ڈھلنے والی ایک ہنگامہ خیز شام

یاد آ گئی اور فیصل آباد کے لیے ناپسندیدگی کے الفاظ منہ میں ہی رہ گئے۔
"جانتا ہوں' تمہیں فیصل آباد پسند نہیں ہے۔ مگر پھر بھی دعا ہے کہ تمہیں فیصل آباد پسند آ جائے اور ایسا پسند آئے کہ تم بار بار وہیں جاؤ اور بھاگ بھاگ کر جاؤ۔" وہ کہتے ہوئے مسکرائے۔
"نہیں۔۔۔! ایسی بات نہیں ہے' فیصل آباد اتنا برا بھی نہیں ہے۔ بس کسی شہر' کسی جگہ پہ دل لگنے کی بات ہوتی ہے۔ دل لگ جائے تو سب کچھ پسند آ جاتا ہے۔" وہ بہت آہستگی سے بولا۔
"اوہ۔۔۔! یعنی اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہمیں یہ دعا کرنی چاہیے کہ اللہ کرے تمہارا فیصل آباد میں دل لگ جائے؟" وہ معنی خیزی سے گویا ہوئے۔
"دعا تو بہت اچھی ہے' کریں گے تو اور اچھی ہو جائے گی۔ فیصل آباد میں آنا جانا آسان ہو جائے گا میرا۔۔۔" تیمور اپنے خیال کی بیچ پہ کسی کا پیکر سجا کے مسکرایا۔
"ہائیں۔۔۔؟ یہ تم کہہ رہے ہو۔۔۔؟" نہیں حیرت کا جھٹکا لگا۔
"جی۔۔۔! یہ میں ہی کہہ رہا ہوں۔ آپ بس دعا کیجیے۔ میں فیصل آباد میں دل لگانے کے لیے تیار ہوں۔ میرا مطلب ہے کہ فیصل آباد جانے کے لیے تیار ہوں۔ آپ ثمینہ آنٹی کو بتا دیجیے۔" وہ کہہ کر باہر نکل گیا۔
اور رضا حیدر حیران پریشان رہ گئے کہ تیمور کے منہ سے ایسی بات۔۔۔؟ حیرت ہی تو تھی۔

☆ ☆ ☆

"فارہ۔۔۔! میں نہیں آ سکتی۔۔۔ تمہیں پتا تو ہے کہ میرا تمہارے گھر آنا کتنا مشکل ہے؟ امی اجازت نہیں دیں گی۔" ماورا نے اسے ٹالنا چاہا۔
"مگر ماورا۔۔۔! تم پہلے بھی تو ایک دو بار میرے گھر آ چکی ہو نا۔ وہ بھی آنٹی کی اجازت کے بغیر۔۔۔ تو پھر اب کیوں نہیں۔۔۔؟" فارہ آفاق کی وجہ سے پہلے ہی ایک عجیب سی کشمکش کا شکار تھی' اب ماورا کے انکار پہ مزید روہانسی سی ہونے لگی۔
"فارہ۔۔۔! فارہ۔۔۔! پلیز۔۔۔ پہلے کے آنے میں اور اب کے آنے میں بہت فرق ہے یار۔۔۔ پہلے میں دن کے وقت آئی تھی۔ وہ بھی صرف دس پندرہ منٹ کے لیے اور اب تم رات کے وقت آنے کا کہہ رہی ہو۔ وہ بھی دو تین گھنٹوں کے لیے۔۔۔ تو پھر تم خود سوچو کہ ایسے ٹائم میں' میں امی کی اجازت کے بغیر گھر سے کیسے باہر نکل سکتی ہوں۔۔۔؟" ماورا نے الٹا اس سے سوال کیا۔
"مگر میں اور کیا کروں۔۔۔؟ کس سے کہوں کہ میں اکیلی ہوں۔۔۔ اور مجھے کسی کی ہیلپ کی ضرورت ہے۔ یہاں میری کوئی کزن نہیں ہے اور نہ ہی تمہارے سوا اور کوئی دوست ہے۔" فارہ تو جیسے رو دینے کو تھی۔
اور ماورا چند ثانیے کے لیے خاموش ہو گئی۔ اسے فارہ کے بارے میں سوچ کر اس پہ ترس آیا۔
"ماورا۔۔۔! بتاؤ نا اور کس سے کہوں۔۔۔؟" کس سے التجا کروں کہ میری شادی ہے اور مجھے کسی دوست کے سہارے اور اپنائیت کی ضرورت ہے؟ میں اتنی خوشی کے باوجود اندر سے بہت پریشان ہوں اور مجھے اس پریشانی میں کوئی تسلی دینے والا چاہیے۔ کوئی ایسا جو مجھے۔۔۔ میری تکلیف اور میری اذیت سمیت سمجھ سکے۔"
فارہ کہتے کہتے رو پڑی اور پہلی بار ایسا ہوا تھا کہ ماورا کے پاس کہنے کے لیے کچھ بھی نہیں رہا تھا۔ وہ کوئی طنز اور کوئی چوٹ نہیں کر سکی اور نہ ہی اس نے کوئی سخت سست الفاظ کہے۔ بلکہ چپ کی چپ رہ گئی۔ فارہ نے آہستگی سے فون بند کر دیا۔
"ارے۔۔۔! چپ کیوں ہو گئی ہو بچے۔۔۔؟ سہیلی ناراض ہو گئی کیا؟" بی گل کے سوال پہ وہ چونک گئی اور پھر

WWW.PAKSOCIETY.COM

سیڑھیوں سے اٹھ کر صحن میں بچھی ان کی چارپائی پہ آبیٹھی۔
"سہیلی ناراض ہوجائے تو کیا کرنا چاہیے۔۔۔؟" اس نے حد درجہ سنجیدگی سے استفسار کیا۔
"تو سہیلی کو سہیلی بن کر منانا چاہیے۔" بی گل کا جواب پر سکون سا تھا۔
"اگر منانا مشکل ہو تو۔۔۔؟"
"تو پھر سہیلی آسانی سے کھو جاتی ہے۔۔۔ اور جو آسانی سے کھو جاتے ہیں' وہ بڑی مشکل سے ملتے ہیں۔" بی گل نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر نرمی سے تھپکا۔
"مگر بی گل میں اسے کھونا نہیں چاہتی۔" ماورا نے بے حد آہستگی سے نفی میں گردن ہلائی۔
"تو پھر منالو۔۔۔" ان کا وہی مشورہ تھا۔
"ہوں۔۔۔! اب یہی سوچ رہی ہوں کہ منانا تو پڑے گا ہی۔۔۔ مگر اس کو منانے سے پہلے امی کو منانا زیادہ ضروری ہے۔" ماورا کا انداز کافی پر سوچ سا تھا۔
"تو ٹھیک ہے نا۔۔۔ جو زیادہ ضروری ہے' پہلے وہ کرلو۔" وہ تو ہر بات پہ متفق اور پر سکون ہی تھیں۔
"لیکن امی آئیں گی تو تب نا۔۔۔؟ پہلے تو کبھی اتنی دیر نہیں لگائی انہوں نے۔۔۔" ماورا نے موبائل اسکرین پہ ٹائم دیکھتے ہوئے کہا۔
"بیٹا۔۔۔! بازار میں دیر ہو ہی جاتی ہے۔ ابھی آجائے گی۔ فکر نہ کرو۔۔۔" بی گل اٹھ کر بیٹھ گئیں۔
اور ماورا عافیہ بیگم کا انتظار کرنے لگی۔ کیونکہ اسے فارہ کے پاس پہنچنا تھا اور وہ لیٹ ہو رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

عافیہ بیگم کو ماورا کے جانے کا سن کر یوں لگا۔ جیسے کرنٹ چھو گیا ہو۔ وہ بدک گئیں۔ انہوں نے ماورا کو خاصی سخت نظروں سے دیکھا۔
"امی پلیز۔۔۔! میری اور کوئی دوست نہیں ہے اور نہ ہی میرا کسی کے گھر آنا جانا ہے۔ بس صرف یہی ایک دوست ہے اور اب وہ بھی چار دن کی مہمان ہے۔ شادی ہوگئی تو کراچی چلی جائے گی۔ بعد میں پھر کب ملاقات ہوگی یہ تو ہمیں بھی نہیں پتا۔۔۔؟ لیکن پلیز جتنا عرصہ وہ یہاں ہے اور جب تک اس کی شادی کا فنکشن ہے۔ تب تک ہمیں ایک دوسرے سے ملنے کی اور فنکشن اٹینڈ کرنے کی اجازت دے دیں۔۔۔ صرف اس بات پہ بھروسا رکھ کے کہ اللہ کے کرم سے اگر پہلے کبھی کچھ نہیں ہوا تو ان شاء اللہ اب بھی کچھ نہیں ہوگا۔ آپ کی بیٹی ماورا مرتضیٰ آپ کو کبھی شکایت کا موقع نہیں دے گی۔" ماورا نے بڑے مضبوط لہجے میں انہیں یقین دلایا۔ جس پہ انہوں نے بی گل کی سمت دیکھا۔ وہ تو ازل سے اسی کی طرف دار تھیں اور اسی کی حمایت میں بولتی تھیں۔ اس وقت بھی انہوں نے اسی کی حمایت میں سر ہلایا۔
"جانے دو عافیہ۔۔۔! اللہ پہ بھروسا رکھو۔۔۔ اپنے خوف کو اپنی بیٹی کی خوشیوں کے آڑے مت آنے دو' اسے زندگی جی لینے دو اپنی۔۔۔" انہوں نے آگے بڑھ کے عافیہ بیگم کے سر پہ ہاتھ رکھ کے ان کی ہمت بندھائی اور انہیں تسلی دینے کی کوشش کی۔
"امی۔۔۔! میں آپ کے جسم کا۔۔۔ آپ کی ذات کا حصہ ہوں۔ میں آپ کا اپنا آپ ہوں۔ کیا آپ کو اپنے آپ پہ بھی یقین نہیں ہے۔۔۔؟" ماورا کا لہجہ اور سوال دونوں ہی بہت عجیب سے ہو رہے تھے۔
اور وقتی طور پر عافیہ بیگم کے پاس کہنے کے لیے کچھ بھی نہیں رہا تھا۔ وہ اپنی جگہ پہ جوں کی توں چپ چاپ بیٹھی رہ گئیں۔

"عافیہ۔۔۔!" بی گل کی آواز پہ وہ کسی گہرے خیال اور کسی گہری دلیل سے چونک گئیں اور پھر ایک گہری سانس کھینچتے ہوئے ان دونوں کی سمت دیکھا۔
"ٹھیک ہے۔۔۔! تم جا سکتی ہو۔۔۔ مگر اتنا یاد رکھنا کہ تم میری زندگی بھر کی جمع پونجی ہو۔ اگر اس جمع پونجی کو ذرا سا بھی نقصان پہنچا تو زندہ میں بھی نہیں رہوں گی۔ کیونکہ میں پہلے بھی یہ نقصان اٹھا چکی ہوں۔ اب اور حوصلہ نہیں ہے مجھ میں۔۔۔" عافیہ بیگم بھیگے لہجے میں کہہ کر وہاں رکی نہیں تھیں۔ وہ فوراً" ہی اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی تھیں اور وہ دونوں دیکھتی رہ گئیں۔
"بی گل!" ماورا نے خاصی بے بسی سے ان کے چہرے کی سمت دیکھا۔
"بس۔۔۔ بس۔۔۔" تم جانے کی تیاری کرو۔ سب ٹھیک ہوجائے گا۔ فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ انہوں نے ماورا کو پریشان ہونے سے روکا۔
اور پھر وہ بی گل کے کہنے پہ دل پہ افسردگی اور بدمزگی کا بوجھ لیے اٹھ گئی تھی۔ لیکن پندرہ بیس منٹ کے بعد وہ تیار ہو کر باہر نکلی تو تب بھی اس کا یہی حال تھا۔
"بی گل۔۔۔" میرا کہیں بھی جانے کو دل نہیں چاہ رہا۔ میں کیا کروں؟ کیا کروں آخر؟ ماورا خاصی بددل ہو رہی تھی۔ لیکن بی گل نے اس کا حوصلہ گرنے نہیں دیا۔
"دیکھو بیٹا! تم اس وقت کچھ مت سوچو۔ صرف یہ سوچو کہ تمہاری سہیلی تم سے ناراض ہے اور تمہیں اسے کسی بھی طریقے منانا ہے۔ اس کی ناراضی کا مان رکھنا ہے۔ اگر نہ رکھا تو وہ تم سے کھو جائے گی اور تم کو ہمیشہ پشیمانی رہے گی۔ جبکہ عافیہ تمہاری ماں ہے۔ ہمیشہ تمہارے پاس رہے گی۔ تم اپنی ماں کو منا سکتی ہو۔ جب چاہے اسے راضی کرلو۔ ماں کو راضی کرنا اور رب کو راضی کرنا زیادہ مشکل نہیں ہوتا۔ سچے دل سے ایک بار بھی توبہ کرلو تو فوراً" مان جاتے ہیں۔ مجھے پتا ہے کہ تم اس وقت کشمکش کا شکار ہو۔۔۔ مگر بیٹا! میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔ تم خوشی خوشی جاؤ۔۔۔ تمہاری نیت اچھی ہے۔ اللہ رحم کرے گا۔ شاباش۔۔۔ جاؤ' جلدی جاؤ۔" بی گل نے اسے بھرپور تسلی سے نوازا۔ ماورا کو بالآخر دل مضبوط کر کے قدم اٹھانا ہی پڑا۔ وہ ان کو خدا حافظ کہہ کر گھر سے باہر نکل آئی۔
آخر ایک دن تو ایسا ہونا ہی تھا کہ اسے اپنی ماں کی مخالفت کے باوجود بھی کوئی قدم اٹھانا تھا۔ سو اس نے آج ہی اٹھا لیا تھا۔

(باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لئے خوبصورت ناول
شائع ہوگئے ہیں
☆ تتلیاں، پھول اور خوشبو — راحت جبیں — قیمت: 250 روپے
☆ بھول بھلیاں تیری گلیاں — فائزہ افتخار — قیمت: 600 روپے
☆ محبت بیاں نہیں — لبنیٰ جدون — قیمت: 250 روپے
خوبصورت سرورق
خوبصورت چھپائی
مضبوط جلد
آفسٹ پیپر
منگوانے کا پتہ: مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37۔ اردو بازار، کراچی۔ فون: 32216361

WWW.PAKSOCIETY.COM

قانتہ رابعہ

عید شاپنگ

"اوبھلیے لوکے! کسی زمانے میں دال بڑا مال ہوتا ہوگا۔ اب تو دال سب سے مہنگا مال ہے۔ تو شکر کر، شکر۔ سوہنا رب کھانے کو دال تو دیتا ہی ہے اور دال کون سا پانی میں پکتی ہے۔ ساتھ میں نمک، مرچ، ہلدی اور لہسن، ادرک، پیاز، زیرے کا بگھار، ہرا دھنیا، قصوری میتھی... چلو بھر گھی یا تیل ہو تو دال پک کر سامنے آئے گی۔ دہاڑی بھر کی کمائی تو دال ہی نگل لیتی ہے... مرغ مسلم اور بریانی کہاں سے لاؤں؟"

مشتاق احمد نے روٹی کا لقمہ منہ میں ڈال کر چباتے چباتے بات مکمل کی۔

"اور کیا میں نہیں جانتا کہ تیرے میکے میں کون سا زردے پلاؤ کی دیگیں چڑھتی تھیں... جیسے ہم، ویسے تم۔ خدا کی قسم میں طعنہ نہیں دے رہا۔" اس نے نئی نویلی بیوی کے ماتھے پر ان گنت بل دیکھ کر جلدی سے وضاحت کی۔

"ہاں! لیکن اماں سکول سے آتے ہوئے کینٹین کے چھولے، چاول وغیرہ لے آتی تھی تو منہ کا ذائقہ بدل لیتی تھی۔ یہاں تو دو اڑھائی ماہ میں دال، آلو... اور دال کے علاوہ تیسری چیز ہی نظر نہیں آتی۔ میں تنگ آ گئی ہوں کھا کھا کر...!"

مشتاق نے نظر اٹھا کے بیوی کو دیکھا... اس کا لقمے والا ہاتھ معلق ہو گیا تھا... اس کی بیوی صغریٰ کے سامنے چنگیر میں روٹی اور دال کی پلیٹ ویسے ہی دھری ہوئی تھی۔

"دیکھو سیانی... بشریٰ سیانی!" ان دو اڑھائی ماہ میں مشتاق کے لاڈ پیار کا آغاز اسی جملے سے ہوتا تھا۔

"تم تو جانتی ہو، باپ میرا فالج کا مریض ہے، ماں کے گوڈے جواب دے گئے ہیں۔ پھر مجھ سے چھوٹے دو بہن بھائی بھی خرچے کے لیے میرا منہ دیکھتے ہیں... اب تم خود ہی بتاؤ یہ دال چاول کی ریڑھی سے میں روزانہ کا پانچ پانچ ہزار نفع کہاں سے لاؤں؟ بڑی مشکل سے ڈیڑھ دو سو روپے کی بچت ہوتی ہے۔ جس میں گھر بھی چلانا ہوتا ہے اور ابا کی دوائی کا خرچہ بھی نکالنا ہوتا ہے۔"

صغریٰ نے آنسو پونچھے اور کہا "یہ سب تو مجھے بھی پتا ہے۔ میں دل کو سمجھاتی بھی بہت ہوں۔ پر کیا کروں۔ مجھے چٹپٹی چیزوں کا بہت شوق ہے۔ میں اتنے صبر والی نہیں ہوں، آپ کی ماں بہنوں کی طرح کہ اگر آپ کی ریڑھی سے دال بچ کر نہ آئے تو میں پانی میں نمک، مرچ گھول کر روٹی کھالوں۔"

"تم حوصلہ کرو۔ ان شاء اللہ اچھے دن ضرور آئیں گے۔ تم کیوں پریشان ہوتی ہو؟" مشتاق خود اسے روتا دیکھ کر ہاتھ پاؤں چھوڑ بیٹھا تھا۔

"میں بھی کوشش کروں گا کہ دال چاول کی ریڑھی کے ساتھ کچھ اور کام دھندا شروع کروں... پر کیا کروں یار۔" اس نے بات ادھوری چھوڑی اور چہرے پر حد درجہ افسردگی طاری کر کے صغریٰ کو دیکھنے لگا۔

"میں کچھ اور کام کر نہیں سکتا۔"

"وہ کیوں؟" صغریٰ نے بے ساختہ سوال کیا۔

"اس لیے کہ روزی روٹی کے پیچھے چوبیس میں سے

بیس گھنٹے لگانا اور نئی نویلی اکلوتی بیوی سے غفلت برتنا بھی تو تم سے برداشت نہیں ہوگا ناں... پر کہتی ہو تو کسی دوسری جگہ کام شروع کر دیتا ہوں۔" اس نے شرارت سے بیوی کو دیکھا۔

"کہو! منظور ہے...؟"

صغریٰ گم صم سی ہو گئی۔ ہاں کہتی ہے تو پھنستی ہے۔ میاں کی شکل دیکھنے سے بھی جائے گی۔ نہ کہتی ہے تو پتا نہیں کب تک دال کا ہی منہ دیکھنے کو ملے گا۔ تنگ آ کر اس نے کہا۔

"آپ مجھے امی کی طرف چھوڑ آئیں۔"

ہفتوں بعد میکے جانے کا اتفاق ہوا... چھوٹے بہن بھائی تو اس کی شکل دیکھ کر ہی حق دق رہ گئے۔ وہ شادی کے بعد بھڑکیلے کپڑے، لال گلال ہوتے چہرے، چھن چھن کرتی چوڑیوں والی صغریٰ کہاں مر مرا گئی؟ ماں کے سینے سے لگ کے اس نے اگلی پچھلی تمام کسریں پوری کر دیں۔

"اماں! یہاں کی سب سے بڑی عیاشی دال روٹی ہے۔ میرے حلق میں دال بھرا نوالہ پھنس جاتا ہے۔" وہ آنکھوں کا پانی انگلی کی پور سے صاف کرتے ہوئے بولی۔

"یہ کیا کہا تم نے؟" ماں کا پارہ اوپر چڑھا۔

"تم ہاتھ پاؤں چھوڑ کے بیٹھ گئی ہو؟ دس جماعتیں میں نے اس لیے پڑھوائی تھیں؟ بجائے شوہر کی دل جوئی کے یہ سلوک کرتی ہو اس کے ساتھ؟ وہ بے چارہ ایک ریڑھی لگا کے سو دو سو روپے کمائے تو تمہارے زبان کے چسکے پر خرچ کر دے؟ بیمار باپ کے علاج اور گھر کے باقی افراد پر خرچ نہ کرے؟"

اماں کا جلال ہی جلال تھا۔ صغریٰ نے آنکھ اٹھا کر ماں کی طرف نہ دیکھا... روتے روتے وہ بے دم ہو گئی تھی۔ پھر ممتا کا جوش کام میں آیا... اسے سینے سے لگا کے وہ خود بھی رو پڑیں۔

"اچھے برے دن ہر ایک پر آتے ہیں۔ لیکن اس میں اپنے بڑوں سے سبق سیکھتے ہیں... ہمارا باپ حق حلال کی کمائی کھلاتا تھا... لیکن ساتھ ہی نصیحتوں کی پٹاری کھول دیتا تھا۔ شادی سے پہلے ان کا ایک لفظ سمجھ میں آیا۔ نہ سمجھنے کی کوشش کی۔ جب تمہارا باپ حادثے میں اچانک دنیا سے رخصت ہوا۔ مسائل کی کڑی دھوپ میں سلگنا پڑا تو ایک ایک لفظ کانوں سے نکل کر دماغ میں پہنچنا شروع ہوا تو دل کو سکون سا ہوا... کسی کے آگے ہاتھ پھیلائے۔ نہ دل تنگ کیا۔ ہاتھ پہ ہاتھ رکھ کے بیٹھنے کی میرے مذہب میں قطعی گنجائش نہیں... ہمارے باپ نے اٹھتے بیٹھتے ایک ہی بات سمجھائی کہ انسان کی شان کپڑوں اور گھر بار سے

WWW.PAKSOCIETY.COM

نہیں اس کے کردار سے ہے۔ سوالحمدللہ! پورے محلے میں کوئی میلی آنکھ سے نہیں دیکھ سکتا۔ دکھ سکھ میں پورا محلہ شریک ہوتا ہے۔ کیا یہ اس کا احسان نہیں؟ میرے پاس تو دنیا کی کوئی تعلیم نہیں۔ پھر بھی کبھی حوصلہ نہیں ہارا تھا۔۔۔ تم تو ایک نہ دو پورے دس سال سرکار کے اسکول میں پڑھتی رہی ہو۔ کیا تمہیں وہاں سے کوئی ہنر نہ ملا زندگی گزارنے کا؟"

"امی! کیا کروں میں۔۔۔ مجھے تو کچھ بھی نہیں آتا۔" وہ روہانسی ہو کر بولی۔

"تم اپنے علم کو کام میں لاؤ۔۔۔ اماں ہاجرہ سے سبق سیکھو۔ جب پینے کا پانی اور کھجوروں کا ذخیرہ ختم ہو چکا تھا۔ جب روئے زمین پر کوئی اپنا یا پرایا ان کے پاس نہ تھا۔ اڑوس پڑوس ممسرال' میکے کا نام و نشان نہ تھا۔ اس لق و دق صحرا میں جب بھوک اور پیاس نے ماں اور بیٹے دونوں کو شکنجے میں قابو کر لیا تھا۔۔۔ اس تن تنہا عورت نے موت کا مقابلہ کیا۔ اس نے رہتی دنیا تک ثابت کر دیا کہ حالات کا رونا نہیں روتے۔۔۔ بلکہ کر گزرتے ہیں۔۔۔ وسائل اسباب پاس نہ بھی ہوں۔ بس کوشش کرنے کے لیے پاؤں کی ایڑی زمین پر سے اٹھا دیتے ہیں۔۔۔ پھر اللہ بھی پیمانے بدل لیتا ہے۔ وہ کوشش اور کارگزاری کو پسند کرتا ہے۔ اس مایوسی کی دلدل میں اترنے کے بجائے توکل اور تدبیر کرنے والوں کے صدقے میں قیامت تک کے لیے زم زم کے چشمے جاری کر دیتا ہے۔" اماں لمحہ بھر کو سانس لینے رکیں۔ پھر اپنی بات جاری رکھی۔

"تم تو جواں جہان ہو۔ میاں کا سایہ اللہ نے سر پر سلامت رکھا ہے۔ تم بھی کچھ کرو۔ کڑھائی سلائی کا ہنر جانتی ہو۔ اسے کام میں لاؤ۔ گھر میں بیٹھ کر تعلیم جاری رکھو۔۔۔ نندوں کو اپنے ہنر میں ساتھ ملاؤ۔ تم دیکھو گی' برکتوں اور رحمتوں کا ختم نہ ہونے والا سلسلہ شروع ہو جائے گا۔"

اماں نے اسے تھپکی دی۔

"اٹھو! مشتاق کے آنے کا وقت ہو گیا ہے۔ اپنا حلیہ درست کرو۔۔۔ رو رو کر آنکھیں سجا رکھی ہیں۔"

اس نے ابھی غسل خانے میں قدم رکھا ہی تھا کہ اماں کے فون پر بیل ہوئی۔ اپنا نام سن کر وہ ٹھٹکی۔

فون بند کر کے اماں اس کی طرف آئیں تو ان کے چہرے پر مسکراہٹ جگمگا رہی تھی۔

"مشتاق کا فون تھا کہ آج صغریٰ یہیں رہے۔ میرے دال چاول ایک ہوٹل والوں کو اتنے پسند آئے ہیں کہ انہوں نے اپنے ہوٹل میں ملازمت دے دی ہے۔۔۔ دونوں وقت کا کھانا اور موٹر سائیکل بھی ہوٹل والوں کی طرف سے ہو گا۔ مستقل ملازموں کے لیے اور بھی بہت سی سہولتیں ہیں۔"

صغریٰ بس ایک ہی بات سوچ رہی تھی۔

اس کی ایک خواہش منہ سے نکلی۔ رب نے پوری کر دی۔ وہ اب ہوٹل کے نت نئے پکوان بھی کھا سکتی ہے لیکن۔۔۔

لیکن۔۔۔ کتنی معمولی سی خواہش کے لیے وہ ہلکان ہوئی؟ بندے بندے کی بات ہوتی ہے۔ خواہش تو اماں ہاجرہ نے بھی کی تھی۔

کتنی بڑی خواہش کہ تاقیامت ان کی کوشش اور خواہش کو زندہ رکھا جائے گا۔

اپنی اور ان کی خواہشوں کے تقابلی جائزے سے جو ندامت اسے ملی' وہ اس لذت سے کہیں زیادہ تھی' جو اچھا کھانا کھانے کے بعد اسے ملا کرتی تھی۔

اور شاید آئندہ ساری زندگی ملے بھی ناں! بس ایک چیز مل گئی وافر۔

اللہ پر مان' توکل' پیار۔

ہفتے کا دن تھا۔ سو ٹریفک کا رش معمول سے کچھ زیادہ ہی تھا۔ موسم کئی روز سے ابر آلود تو تھا۔ مگر اتنا سہانا نہیں کہ کسی پکنک یا آؤٹنگ کا موڈ بن سکے۔ آج موسم بھی گویا اپنے شباب پر تھا۔ تب ہی اہلیان کراچی کی بڑی تعداد سڑکوں پر تھی۔

"افوہ! کیا مصیبت ہے بھئی۔ پچھلے پچیس منٹ سے یہیں پھنسے ہوئے ہیں۔ آپ ہارن تو بجائیں نا۔ تاکہ آگے والے کھسکیں تو سہی۔" اسمارہ نخوت آمیز بے زاری سے گویا ہوئیں۔ اچھا موسم' ویک اینڈ اور شوہر نامدار کا خوشگوار موڈ۔۔۔

سارے ہی پلس پوائنٹس یکجا تھے۔ تب ہی تو اسمارہ بڑے دھڑلے سے "شاپنگ پلس لانگ ڈرائیو" کی فرمائش کر گئیں۔ جو فیصل نے بنا ردوقدح کیے پوری کرنے کی ہامی بھی بھر لی۔

نتیجتاً شوخ رنگوں والے لان کے نئے برانڈڈ سوٹ میں سجی سنوری سی اسمارہ اور سفید کاٹن کے آرام دہ شلوار سوٹ میں فیصل اپنی سفید بیش قیمت گاڑی میں سڑک پر رواں تھے۔

"ہارن بجانے سے کیا ہو گا۔۔۔ سڑک آگے تک بلاک ہے۔" ان کی نظریں ونڈ اسکرین پر تھیں۔

"ایک تو آپ میری سنتے بھی تو نہیں۔ کب سے کہہ رہی ہوں چھوڑیں اس علاقے کا پیچھا۔ یہ علاقہ بھلا اب متمول لوگوں کے رہنے کے قابل بھی کہاں رہا ہے۔ ذرا سڑکوں کا حال دیکھیں۔ لوگوں میں تمیز نام کی کوئی چیز نہیں۔ اوپر سے مارا ماری الگ اور اگر کبھی کانفرنس یا ڈیفنس جانا پڑ جائے تو ایک گھنٹہ تو راستے ہی میں لگ جاتا ہے۔" وہ سخت ناراض تھیں۔

"کیوں اس علاقے میں انسان نہیں رہتے۔۔۔ اور تم سے کسی نے کہا کہ یہ متمول لوگوں کے رہنے کی جگہ نہیں؟" وہ بھی گرم ہوئے۔ حالانکہ گاڑی کا اے سی پوری طرح کام کر رہا تھا۔

"لو۔۔۔" انہوں نے سیدھا ہاتھ نچایا۔ "کہے گا کون۔۔۔ ڈراموں میں جب کسی کا غریب رشتے دار دکھایا جاتا ہے تو وہ عموماً" اسی علاقے سے تعلق رکھتا

امت الغرنیز شہزاد

خاکی خیاری

ہے۔" ان کی معلومات مستند تھیں۔

"بس! رہنے دو یہ ڈرامے۔" انہوں نے سر جھٹکا۔ "اس میں تو نا معلوم کیا کیا کچھ دکھاتے اور بتاتے رہتے ہیں۔ ڈیڑھ' دو کروڑ سے کم کے گھر نہیں ہیں یہاں۔" گاڑی ذرا سا آگے کھسکی۔

"بس! میں کچھ نہیں جانتی۔۔۔ آپ جلدی سے گلشن والے پلاٹ کی تعمیر شروع کروائیں۔ کم از کم اس سے تو بہتر ہے وہ علاقہ۔" وہ اصرار کرنے لگیں۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

"کوشش تو کر رہا ہوں۔ دعا کرو انبالہ والوں کا ٹھیکہ مجھے مل جائے۔ پورے پانچ ہوٹلز بنانے والے ہیں وہ ... اگر یہ ٹھیکہ مل گیا تو وارے نیارے سمجھو۔" اندرونی جذبات سے ان کا چہرہ تمتمانے لگا۔

"ہائے اللہ!" فرط انبساط سے اماں کی چیخ ہی نکل گئی۔ "آپ نے پہلے کیوں نہیں بتایا؟ بس کل ہی سے مدرسے کے بچے بلوا کر ختم کروانا شروع کرتی ہوں۔ ضرور ہی ہمارا بیڑا پار ہو گا۔" وہ مارے عقیدت کے آنکھیں بند کر کے بڑبڑانے لگیں۔

"ہاں' ہاں! ضرور کروانا۔ فی الحال تو وہ دعا یاد کرو' جو اماں نے ٹریفک میں پھنس جانے کی صورت میں پڑھنے کو بتائی تھی۔" پینتیس منٹ بعد بالآخر ان کا صبر جواب دے گیا تھا۔

"آپ کی اماں تو دعاؤں کا چلتا پھرتا اشتہار تھیں۔ سوتے وقت یہ دعا پڑھو' کھاتے وقت وہ دعا پڑھو... اور تو اور بارش کے برسنے اور بادل کے گرجنے تک کی دعائیں انہیں ازبر تھیں۔ اب اتنی تواتر سے وہ دعائیں بتائیں گی تو انسان کو خاک یاد رہے گا کہ کون سی دعا کب مانگنی ہے۔" وہ استہزائیہ لہجے میں بولیں۔

"ہاں! یہ تو ہے۔ اماں کو ہر موقع کی مسنون دعائیں یاد تھیں۔ مجھے' راشد اور فاطمہ (چھوٹے بہن بھائی) کو انہوں نے ساری دعائیں یاد کروائی تھیں۔ میں تو اب ان کے سکھائے سارے سبق بھول بھال گیا۔ ان دونوں کو شاید یاد ہوں۔" وہ کھوئے کھوئے سے لہجے میں بولے۔

"چھوڑیں دعاؤں کو... آپ ہارن بجائیں۔" وہ پہلو بدل کر بولیں۔

"ایک تو یہ شوہر نامی مخلوق... لاکھ اس کے لیے اپنا پتا پانی کرو۔ گن یہ اپنی اماں کے ہی گائے گا۔" وہ منہ دوسری طرف کر کے خاموشی سے باہر دیکھنے لگیں۔ دل میں البتہ بڑبڑاہٹ جاری تھی۔

"ہاں! یاد آیا... تیسرا کلمہ... تیسرا کلمہ پڑھنے کو کہتی تھیں اماں۔ جب کبھی ٹریفک میں پھنس جاؤ۔ تیسرے کلمے کا ورد شروع کر دو۔ دیکھنا' کتنی آسانی سے رش سے باہر نکل آؤ گے۔" فیصل کے دماغ میں اماں کی آواز گونجی۔ اس نے زیر لب ورد شروع کر دیا۔ دس منٹ بمشکل گزرے ہوں گے کہ ٹریفک رواں ہو گیا۔

"صد شکر۔" انہوں نے گہری سانس لی۔

"دیکھا! یہ جو آپ کے ساتھ کھڑے اتنے لوگ ہارن بجا رہے تھے۔ اسی وجہ سے آگے والوں کو کھسکنے کا خیال آیا۔" وہ یوں تخریہ بولیں۔ جیسے اس میں ان کا کمال ہو۔

"جی نہیں! میں دعا پڑھ رہا تھا۔ اس وجہ سے ٹریفک رواں ہوا ہے۔" وہ اب سہراب گوٹھ کے پل سے اتر رہے تھے۔

"ہونہہ..." انہوں نے نخوت سے سر جھٹکا' پھر بولیں۔ "یہ آپ کے گھرانے کی لاجک میری سمجھ سے باہر ہے۔ زندگی میں کوئی بھی مسئلہ درپیش ہو۔ لگ جائیں گے دعائیں مانگنے' وظیفے کرنے۔ خیر! یہ بھی نہ کریں تو کیا کریں۔ بیٹھے بیٹھے تو یہی کچھ ہو سکتا ہے نا ... مسائل کا پریکٹیکل حل نکالنے کے لیے ہاتھ پاؤں ہلانے پڑتے ہیں۔ جو انہیں گوارا نہیں۔" وہ طنزیہ بولیں۔

"اب ایسی بھی کوئی بات نہیں۔" وہ بے پروائی سے بولے۔ گاڑی اب گلشن چورنگی عبور کر چکی تھی۔

"ایسی ہی بات ہے فیصل شیخ صاحب!" وہ چبا چبا کر بولیں۔ "آپ کے گھر والے عمل کرنے کے بالکل بھی شوقین نہیں۔ اماں کی ہر وقت کی آؤٹ آف ڈیٹڈ نصیحتوں نے انہیں کہیں کا نہ چھوڑا۔ صبر' قناعت' شکر گزاری سے آخر انہیں حاصل ہی کیا ہوا؟ ابا میاں تو آپ کے بچپن ہی میں فوت ہو گئے تھے۔ آپ انٹر میں تھے۔ آپ نے بڑھ کر انہیں سہارا دیا۔ یہی تو وہ پوائنٹ ہے' جو راشد کے بگاڑ کا باعث بنا۔ آپ تو کما ہی رہے تھے۔ ذرا جو اس بندے نے ہاتھ پیر ہلانے کا سوچا ہو۔ الٹا آپ پر بوجھ بنا رہا۔ آٹھویں میں تھا وہ اس وقت۔ ایسا کوئی چھوٹا بچہ بھی نہیں تھا۔ کچھ نہ کچھ محنت تو کر ہی سکتا تھا۔ مگر نہ جی..." انہوں نے زور زور سے نفی میں سر ہلایا "جب بیٹھے بٹھائے مل رہا ہو

تو کون بے کار میں پسینہ بہائے' روپیٹ کے ہی کام کیا اور لگ گئے سرکاری نوکری سے۔ گریڈ چودہ کے نوکر لگے تھے اور آج شاید پندرہ سولہ کے ہو گئے ہوں۔ یہ ہے ان کی ترقی کی رفتار۔ میں آپ کی زندگی میں نہ آتی تو آپ کا بھی یہی حال ہونا تھا۔" انہوں نے وثوق سے کہا۔

"ہاں یار! یہ تو تم واقعی ٹھیک کہہ رہی ہو۔ تمہاری یہ کوالٹی تو میں واقعی تسلیم کرتا ہوں۔ اماں تو ہمیشہ قناعت پسندی' حلال' حرام ہی کے اسباق پڑھاتی رہتی تھیں۔ اب بھلا ان سب کے سہارے بھی زندگی گزرتی ہے۔" گاڑی اب شاہراہ فیصل پر اسی کی رفتار سے دوڑ رہی تھی۔

"بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ۔" فیصل کے اعتراف پر وہ مزید زور و شور سے بولیں۔ "آج کل جس کے پاس پیسہ ہے۔ بس اسے ہی جینے کا حق ہے۔ معاشرے میں عزت' نام' مقام' سب کچھ پیسے ہی کا رہین منت ہے۔ میرے بہن بھائی سب ہی ماشاء اللہ بہت پیسے والے ہیں۔ ایسے میں آپ خود سوچ سکتے ہیں ان کے سامنے میری کتنی بیکی ہوتی تھی۔ بھابھیاں میرے معمولی سے لان کے سوٹوں' جوتوں' بچوں کے کپڑے ہی کے اسکول میں پڑھنے اور پرانے وقتوں کے بنے آپ کے مکان کا کتنا مذاق اڑاتی تھیں۔ کوئی مجھ سے پوچھے۔" ان کی آواز گلوگیر ہو گئی۔

"خیر! دفع کرو... کیوں اپنا خون جلا رہی ہو' گزرے وقت کی تکلیف دہ باتوں کو یاد کر کے میں تو کہتا ہوں"

"ہیلو!" ہینڈز فری لگا ہوا تھا۔ انہوں نے فون ریسیو کیا۔ اسمارہ بھی نادیدہ آنسو پونچھ کر آنے والی کال کی جانب متوجہ ہو گئیں۔

"کہیں گھر سے نہ ہو۔ ایک تو سارا' زارا جی بھر کے نکمی ہیں۔ رشیدہ (ملازمہ) نہ ہو تو نا معلوم گھر کا کیا حشر کریں۔"

وہ اپنی سوچوں میں غلطاں تھیں۔ تب ہی چونک پڑیں۔

"اچھا! راشد بیمار ہے... کیا ہوا ہے اسے؟" وہ سنبھل کر پوچھنے لگے مبادا کچھ مانگنے ہی کے لیے فون نہ کیا ہو۔ یہی خیال بیک وقت ان کی نصف بہتر کے دل میں بھی آیا تھا۔

"کڈنی پرابلم کوئی ایسی پرابلم تو نہیں کہ جس کے لیے اسپتال ایڈمٹ ہونا پڑے۔" وہ جرح کرنے لگے۔

"اچھا... اچھا معمول سے زیادہ ہو گیا تھا... خیر! اب کیا مسئلہ ہے... ٹریٹمنٹ ملے گی تو ٹھیک ہو جائے گا۔" وہ لاپروائی سے بولے۔

"دیکھو بھئی فاطمہ! میں جانتا ہوں' اسے بڑے بھائی کے دلاسے یا تسلی کی کوئی ضرورت نہیں۔ یاد نہیں اس نے مجھے بھرے مجمع میں کیسا بے عزت کیا تھا؟"

اسمارہ کے پہلے سے کرخت چہرے پر کچھ اور سختی چھا گئی۔

"میں نے اسی روز اس سے مرنے جینے کا تعلق ختم کر لیا تھا۔ اب تم مجھے کیوں مجبور کر رہی ہو؟ کیا چاہتی ہو تم' کیا تم سے یہ ٹیلی فونک رابطہ بھی ختم کر لوں؟" وہ کرختی سے بولے۔ اسمارہ بڑی بے چین بیٹھی پیچ و تاب کھا رہی تھیں۔

"تم تو وہاں دبئی میں بیٹھی ہو۔ تمہیں یہاں کے حالات کا علم نہیں۔ میں آج کل بہت پریشان ہوں۔ بچوں کے اسکول کی فیس بھی نہیں دے سکا ابھی تک۔ خود میں اتنے دن بیمار رہا ہوں۔ میں نے تو اس کی طرح پیسہ بٹورنے کے لیے اپنی بیماری کا ڈھول نہیں پیٹا۔ تم بیس پچیس ہزار کی بات کر رہی ہو۔" وہ ایک لمحے کے لیے خاموش ہوئے۔ تب ہی سرعت سے اسمارہ نے ان کا بازو دبا کر گویا کچھ اشارہ دیا۔

"بھئی! پانچ دس ہزار بھی مشکل ہیں۔ تم مجھ سے کہہ رہی ہو۔ تم کیوں نہیں دے رہیں؟" اپنی دانست میں انہوں نے چال چلی۔

اسمارہ کی شکل پہ "یہ ہوئی نا بات" والے تاثرات سج گئے۔

"اچھا... اچھا دے چکی ہو تو پھر کیا مسئلہ ہے؟ یہ چھوٹے چھوٹے بچوں کی تم نے خوب کہی فاطمہ...

WWW.PAKSOCIETY.COM

بچے تو میرے کچھ چھوٹے ہی ہیں۔ مگر بات یہ ہے کہ کسی کو میرا احساس نہیں۔ اسمارہ ٹھیک ہی کہتی ہے ۔۔۔ اچھا! خدا حافظ' ہونہہ۔" آخر میں حقارت سے سر جھٹکا ملیر کینٹ کا علاقہ شروع ہو گیا تھا وہ بڑی احتیاط سے ڈرائیو کر رہے تھے۔

"سارا موڈ تباہ کر دیا۔ بتاؤ ذرا۔ وہ راشد جس نے مجھے اماں کی تجہیز و تکفین یہ کہہ کر نہیں کرنے دی کہ میرا پیسہ حرام کا ہے۔ میں اس کی عیادت کو جاؤں گا۔" وہ خود کلامی کے انداز میں بولے۔

"اور دیکھا آپ نے اپنی بہن کو؟ کیسے میرا ذکر سنتے ہی فون بند کر دیا اور اس کی کیسی وکالت کر رہی تھی۔ میں نے تو آپ کو پہلے ہی کہا تھا۔ آپ ہی بے وقوف ہیں' جو ان کے لیے مرتے رہتے ہیں۔ ورنہ انہیں تو ہمیں فون تک کرنا گوارا نہیں۔ کریں گے بھی تو اپنے ہی مطلب کی بات کریں گے۔ آپ بھول گئے' کتنی درشتی سے اس روز اس نے آپ سے بات کی تھی؟ اماں کو کوئی ہم نے تو بیمار نہیں کر ڈالا تھا۔ جتنے روز وہ اسپتال میں ایڈمٹ رہیں۔ آپ تو دبئی گئے ہوئے تھے مجھے انہوں نے فون تک کرنا گوارا نہیں کیا اور بعد میں عیادت نہ کرنے آنے کا الزام لگا دیا۔" انہوں نے دھیمے پر سوز سے لہجے میں کہہ کر گویا جلتی پر تیل ڈالا۔

"ٹھیک کہتی ہو تم ۔۔۔ یہ راشد شروع ہی سے میری ترقی سے جلتا رہا ہے۔ خود کو جو ایسا موقع نہیں ملا۔ اماں کے انتقال والے روز یاد ہے' اس نے کیا کہا تھا؟" ان کے ہاتھ اسٹیرنگ پر گڑ گئے۔ جبڑے بھنچ گئے اور بھنویں تن گئیں۔

"ہاں! ہاں ۔۔۔ کیسے بھول سکتی ہوں میں۔" وہ چمک کر بولیں۔

"بھابھی بیگم آپ کو جہنم کی طرف گھسیٹے لے جا رہی ہیں اور آپ بنا مزاحمت کیے گھسیٹے جا رہے ہیں۔ اپنے آخری ایام میں اماں آپ کی آواز سننے کو ترستی رہیں۔ مگر بھابھی بیگم نے آپ کا نمبر نہیں دیا۔ نہ ہی ان کی عیادت کو آئیں ۔۔۔ ہاں بھئی! ہزاروں کیڑے ہیں بھابھی بیگم میں ۔۔۔ میں نے تو اسی روز تہیہ کر لیا تھا آج کے بعد سے اس سے مرنے جینے' ہر طرح کا تعلق ختم۔ نہ میرے مرنے پر کوئی آئے۔ نہ کسی کے مرنے پر میں جاؤں گی۔" وہ بے لچک لہجے میں بولیں۔

"ہاں ۔۔۔ اور کہہ رہا تھا کہ اماں نے خاص طور پر تلقین کی تھی کہ میرا پیسہ ان کی نئی منزل میں کام نہ آئے ۔۔۔ بڑا آیا نیک پارسا کہیں کا ۔۔۔ یقین کرو اسمارہ! اس دن سے وہ میرے دل سے مکمل طور پر اتر گیا تھا۔ میں نے بھی قسم کھالی تھی کہ اس کی میت میں بھی نہ جاؤں گا۔" وہ سخت طیش کے عالم میں بولے۔ گاڑی اب کورنگی سے ڈی۔ ایچ۔ اے کی طرف مڑ رہی تھی۔

شام ڈھل رہی تھی۔ موسم بدستور سہانا تھا۔

"چھوڑیں جی ۔۔۔ کیوں اس کی بکواس یاد کر کے اپنا موڈ غارت کر رہے ہیں۔ پہلے زمزمہ چلیں گے؟" فیصل کا "سموڈی ریموٹ کنٹرول" اسمارہ کے پاس تھا۔ جدھر چاہتیں ٹون کر دیتیں۔

"ہاں! پہلے شاپنگ کر لو۔ پھر دو دریا کی طرف چلتے ہیں۔" وہ بھی اپنے آپ کو سنبھال کے خوشگوار لہجے میں بولے۔

"کتنے سوٹ لوں؟" وہ شرارت سے پوچھنے لگیں۔

"جتنے جی چاہے۔" انہوں نے فراخدلی سے کہہ کر احتیاط سے موڑ کاٹا۔ مگر موڑ کے دوسری طرف سے آتا ہوا بجری کا ٹرک بہت جلدی میں تھا۔

ڈیفنس کی پر اسراریت بھری خاموش فضا میں ایک ہولناک دھماکہ سا گونجا۔

تیز رفتار ٹرک سفید بیش قیمت گاڑی کو ملبے میں تبدیل کر کے فرار ہو گیا۔ کار میں موجود زندگی سے بھرپور وہ دونوں نفوس موقع ہی پر زندگی کی بازی ہار گئے۔

زندگی ۔۔۔

جو اتنی ہی ناپائیدار ہے۔ جتنا کہ ریت پر بنا گھروندہ۔

دوسرے دن ان کے جنازے میں راشد اپنی بیماری کے باوجود بھی شریک تھا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

عفت سحر طاہر

روشنی

ہلکی پھلکی نفیس سی کڑھائی سے سجا سیاہ اور آف وائٹ کریم کلر کا سوٹ اس کے متناسب سے سراپے پر عجب ہی بہار دے رہا تھا۔ کمر تک آتے بالوں کی چوٹی کو آخری بل دے کر ربڑ بینڈ چڑھاتے ہوئے اس نے چوٹی کو جھٹکے سے کمر پر پھینکا تو اس کے لبوں پر خوشگوار سی مسکراہٹ تھی۔

آج اپنا آپ اسے خود ہی بہت اچھا لگ رہا تھا۔ اس نے پلٹ کر کاٹن کا دوپٹا اٹھایا۔ سیاہ دوپٹا جس پر کہیں کہیں چھوٹے چھوٹے سے آف وائٹ پھول کڑھے تھے۔ دوپٹے کے چاروں طرف آف وائٹ کلر کی انچ بھر کی پٹی تھی، جس پر چھوٹے چھوٹے سیاہ رنگ کے پھول کڑھے ہوئے تھے۔ اس نے بڑے شوق سے دونوں شانوں پہ دوپٹے کو پھیلایا۔ تمتماتی رنگت اور آنکھوں میں اتری پر شوق سی چمک نے اسے بہت کھلا ہوا روپ دے دیا تھا۔

وہ بڑے اچھے موڈ میں عافیہ کے کمرے سے باہر نکلی تو اندر آتے عاقب سے ٹکرا گئی۔

"اوہ مار دیا۔۔۔" وہ مصنوعی آہ و بکا کرنے لگا۔

"اف۔ دیکھ کے نہیں چل سکتے۔" زینب کو حقیقت میں ناک پہ چوٹ لگی تھی۔ سرخ ہوتی ناک کو ہاتھ سے دباتی وہ جھنجلا کر بولی۔

"دیکھ کے ہی تو چل رہا تھا پھر ہوش ہی کہاں

مکمل ناول

سلامت رہے۔ لائنیں مار رہی ہو آج تو۔" عاقب کے لب و لہجے کی شوخی نے اسے جھینپنے پر مجبور کردیا۔

"بکواس مت کرو۔"

"لو۔ تمہاری تعریف بکواس ہے تو میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں۔"

اس کی نگاہ ابھی بھی زینب کے اچھوتے روپ پر تھی۔ تمتمایا چہرہ جس کا حسن بڑھا رہا تھا۔

"سچی کہہ رہے ہو؟"

"ادھر آؤ۔ پھر بتاتا ہوں۔"

وہ فوراً" لوفر ہوا تو زینب کو وہاں سے بھاگنا پڑا۔ مگر دل ایک الگ ہی لے میں دھڑک رہا تھا۔

عاقب کی ذرا دیر کی توجہ بھی اس کے جذبات کو بڑھا دیتی تھی۔ اسے یقین تھا کہ تائی اماں عاقب کے ساتھ اسی کو سوچے ہوئے ہیں۔ تب ہی تو وہ بلا خوف و خطر اس کے سنگ خوابوں کے سفر پر نکل جایا کرتی تھی۔

☆ ☆ ☆

فیصل نے گاڑی اس عالی شان بنگلے سے ذرا فاصلے پر روکی۔ پوش ایریا میں بنا وہ ایک شان دار بنگلہ تھا۔ جس کے مکینوں کی امارت پر کوئی شبہ نہیں تھا۔

عافیہ پر ہیجان طاری ہونے لگا۔ اس بنگلے کی خوب صورتی تھی یا اس کے مکینوں کی امارت کا رعب۔۔۔ اسے لگا' وہ کبھی بول نہیں پائے گی اور آنکھیں تھیں کہ اس خواب نگر کا نظارہ کر کر کے نہیں تھک رہی تھیں۔

"کیا بات ہے۔ گھر پسند نہیں آیا میری جان کو؟" فیصل اس کے قریب ہو کر محبت سے پوچھ رہا تھا۔ عافیہ کسی خواب کی گرفت سے آزاد ہوئی۔

"یہ۔۔۔ تم یہاں رہتے ہو؟" عافیہ کی آواز لرز رہی تھی۔

"ہاں۔ تو۔۔۔؟" فیصل کے انداز میں بے نیازی تھی۔

"مائی گاڈ۔۔۔ تم نہیں جانتے فیصل! یہ تو میرے خوابوں کا گھر ہے۔ میں تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ یہ کبھی حقیقت میں میرا ہو سکتا ہے۔"

وہ بچوں کی طرح خوش ہو رہی تھی۔ گندمی رنگت جذبات کی شدت سے تپنے لگی۔ گھور سیاہ آنکھوں کی چمک قابل دید تھی۔ فیصل کو اس پر بے اختیار پیار آیا۔

"تم لڑکیاں بھی نا۔ کتنی چھوٹی چھوٹی باتوں پہ خوش ہو جاتی ہو۔" عافیہ نے جذباتی ہو کر اس کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں دبوچ لیا۔

"یہ چھوٹی بات نہیں ہے فیصل! اب میرے گھر والوں کے پاس تمہیں ریجیکٹ کرنے کا کوئی جواز نہیں۔"

"جواز تو ابھی بھی ہے عافی! میرے ابو کبھی بھی اس شادی پر راضی نہیں ہوں گے۔ چچا کی بیٹی کو مانگ رکھا ہے انہوں نے میرے لیے اور مجھ اکیلے کے ساتھ تمہارے ابا تمہیں رخصت نہیں کریں گے کبھی اور جائیداد بھی تب ہی مجھے ملے گی جب میں شبانہ سے شادی کروں گا۔" وہ پریشان تھا۔

"اس کی تم فکر مت کرو۔ تم ابا سے ملو گے تو وہ تم سے بہت متاثر ہوں گے اور تمہارے والدین بھی آہستہ آہستہ مان ہی جائیں گے۔" عافیہ نے اس کے ہاتھ پر اپنے ہاتھوں کا پیار بھرا دباؤ بڑھاتے ہوئے اسے یقین دلایا۔

"اور اگر ابو نے مجھے عاق کردیا تم سے شادی کرنے کی صورت میں تو۔۔۔؟" وہ عافیہ کا چہرہ کھوجتے جیسے اس کا امتحان لے رہا تھا۔

"کیسی باتیں کر رہے ہو فیصل۔۔۔ اتنا انتہائی قدم نہیں اٹھا سکتے وہ۔ اکلوتے بیٹے ہو تم ان کے اور کس کے نام کریں گے اپنا سب کچھ؟" عافیہ نے اپنے چہرے کی بدلتی رنگت کو بڑی مہارت سے چھپایا تھا۔

"خیر۔ گھر سے تو نکال ہی سکتے ہیں۔ بڑی مشکل میں پڑ جاؤ گی تم بھی۔"

"میری فکر مت کرو تم۔ میں تمہارے ساتھ ہر قسم کے حالات کا سامنا کر سکتی ہوں۔" عافیہ کے لب و لہجے میں پختہ عزم تھا۔

"اتنی نازک سی تو ہو میری جان۔ میں اپنی وجہ سے تمہیں کسی مشکل میں نہیں ڈالنا چاہتا۔" فیصل کی محبت پر وہ مسکرا دی پھر تفاخر سے بولی۔

"ڈونٹ وری جناب۔ ایسے بھی کوئی مشکل حالات نہیں آنے والے بیس ہزار کی جاب ہے میری اور ترقی کے چانسز الگ۔"

"ہاں۔۔۔" فیصل گہری سانس بھرتا سیدھا ہو بیٹھا اور گاڑی اسٹارٹ کرنے لگا۔ پھر ایک نظر عافیہ کے سلونے چہرے کو دیکھ کر طمانیت بھری مسکراہٹ سے بولا۔

"اسی بات کی تو تسلی ہے مجھے۔" گاڑی آگے بڑھ گئی۔ عافیہ سائیڈ مرر میں سے بنگلے کا عکس دیکھ رہی تھی۔ اس نے فیصل کے لفظوں پر دھیان نہیں دیا تھا۔

☆ ☆ ☆

"کہاں رہ گئی تھیں۔ آج پھر اتنی دیر کردی آنے میں۔۔۔؟" اماں عافیہ کی شکل دیکھتے ہی شروع ہوئی تھیں۔ وہ برآمدے میں رکھے صوفے پر بیٹھ کر تھکے انداز میں سینڈلز اتارنے لگی۔

"میں کیا پوچھ رہی ہوں؟ نو سے پانچ والی نوکری میں سات کا ہے کو بجنے لگے اب؟" اماں کا انداز تیکھا تھا اور عافیہ کی برداشت بس یہیں تک تھی۔ تڑخ کر بولی۔

"اگر میں بیس ہزار کمانے والا بیٹا ہوتی تو یہ سوال کبھی مجھ سے نہ کیا جاتا۔"

"خدا کی مار۔۔۔" اماں کو غصہ آیا۔ "لڑکے اور لڑکی کی آزادی کی الگ حدود ہوتی ہیں بٹیا رانی۔" غصے میں وہ اسے یونہی مخاطب کرتی تھیں۔

"اچھا اماں۔ اب آتے ہی سر پہ سوار نہ ہو جائیں۔ چائے پانی اس گھر میں کوئی پوچھتا نہیں' آنے جانے کا پوچھنے سب کھڑے ہو جاتے ہیں۔" وہ بے زاری سے بولی۔ تو اماں کو اپنا لب و لہجہ ذرا بدلنا پڑا۔

"ارے تو میں کون سا اپنے فائدے کے لیے کہتی ہوں۔ تمہارا ہی بھلا ہے اس میں۔ کل کو سسرال کے جوتے کھانے سے بچ جاؤ گی۔" عافیہ کے لبوں پر فیصل کی یاد سے مسکراہٹ پھیل گئی۔

"لو۔ وہاں اپنے ٹھاٹ ہوں گے۔ یہ چند ہزار کی نوکری تھوڑی کروں گی میں۔"

"چند ہزار۔۔۔ ارے کم بخت پورے بیس ہزار کماتی ہے۔ شکر خدا کا پڑھائی میں اچھی تھی تو نوکری بھی شیخ صاحب کی سفارش سے اونچی جگہ لگ گئی۔" اماں نے گھر کا۔

"یہ تو گھر کے حالات کی وجہ سے کر رہی ہوں اماں۔ سسرال جا کے میں شوہر نہیں پالوں گی۔"

وہ تیکھی ہوئی۔ اماں کچھ کہنے لگی تھیں کہ اسی وقت زینب ٹھنڈے ٹھار شربت کا جگ اور گلاس ٹرے میں رکھے چلی آئی۔ عافیہ کی بات منہ میں ہی رہ گئی۔

وہ یقیناً" اس وقت چولہے کے آگے کھڑی تھی۔ عافیہ کی آواز سن کر شربت بنا لائی تھی۔ تمتمائی رنگت' بہار کا سا جوبن' سیاہ لباس میں وہ دمک رہی تھی۔ عافیہ کو لگا برآمدے میں یک لخت روشنی سی ہو گئی ہو۔

"یہ لیں جی۔ ٹھنڈا ٹھار شربت۔"

تپائی پر ٹرے رکھتے ہوئے اس نے جلدی سے شربت کا گلاس بھر کے عافیہ کو پیش کیا۔ سرخ مرطوب لبوں سے جھلکتے ہموار و چمک دار دانتوں کی لکیر۔۔۔ اس کی مسکراہٹ بہت خوب صورت تھی۔

عافیہ کو خوامخواہ غصہ آنے لگا۔

"یہ۔ نیا سوٹ پہن کے تم کچن میں کام کر رہی تھیں؟" اس کی تیوری کے بل زینب کو گڑبڑا گئے۔

"نن۔۔۔ نہیں۔ وہ نہا کے آج پہنا تو پھر۔۔۔"

"اری آنکھیں کھول کے دیکھ۔ نیا کہاں۔ تمہارا ہی دو سال پرانا سوٹ ہے۔ جو تم نے اسے دے دیا تھا۔" اماں بے زار ہوئیں۔

عافیہ گلاس تھام کر شربت کے گھونٹ بھرنے لگی' مگر اس کی عجیب سی نگاہیں کچن کی طرف جاتی زینب کی کمر تک آتی گھنے بالوں کی چٹیا سے الجھ رہی تھیں۔

"آما شادی پر زور دے رہی ہیں۔ ان کی طبیعت کچھ

WWW.PAKSOCIETY.COM

ٹھیک نہیں رہتی۔" اماں نے وہ بات شروع کی جس کے لیے وہ "چنگی" ڈال کے بیٹھی تھیں۔
"کس کی شادی کے لیے۔۔۔؟" وہ سرسری انداز میں پوچھ کر شربت کے گھونٹ بھرنے لگی۔ اماں نے اسے قدرے گھور کر کہا۔
"ظاہر ہے اپنے بیٹے کی شادی کے لیے۔"
"تو کردیں۔۔۔"
خالی گلاس تپائی پر رکھتی اطمینان بلکہ بڑی بے اعتنائی سے کہتی وہ اٹھ گئی تو اماں مسکرادیں۔ اشتیاق سے بولیں۔
"تو بتا پھر۔۔۔ کون سا مہینہ رکھوں شادی کا؟" وہ اندر جاتے جاتے رک گئی پھر ان کی طرف پلٹی۔
"آپ کیوں رکھیں گی۔ جن کا بیٹا ہے' وہ رکھتے پھریں تاریخیں۔" وہ اس کی سادگی پر مسکرادیں۔
"اری بے وقوف۔۔۔ تاریخ تو لڑکی والے ہی دیتے ہیں نا۔ تمہارے ابا تو اگلا مہینہ ہی کہہ رہے ہیں۔ یہ تو ہتھیلی پر سرسوں جمانے والی بات ہوگئی۔ پر جب سے عمر کی زبانی آپا کا حال سنا ہے' دل پریشان سا ہے۔ اس لیے میں بھی راضی ہوگئی۔" وہ تفصیلاً" گویا تھیں۔ عافیہ کی پیشانی کے بل گہرے ہوئے۔
"ایکسکیوزمی اماں۔" وہ قدرے زور سے بولی تو اماں ٹھٹک کر اسے دیکھنے لگیں۔
"یہ کون سی منصوبہ بندیاں کررہی ہیں آپ؟ کون سی شادی' کس کی شادی۔۔۔؟ میں تو ابھی سوچ بھی نہیں سکتی شادی کا۔ اپنا کیریئر بنانا ہے میں نے۔" اس نے صفاچٹ انداز میں کہا تو وہ ہول سی گئیں۔
"دماغ تو ٹھیک ہے تیرا۔ سالوں پرانی منہ زبانی کی بات ہے ہم دونوں بہنوں میں اور پھر تجھے کون سا نہیں پتا تھا۔ دو سال پہلے گجرات گئی تو عمر کو پسند کیا تھا تو نے۔ راضی تھی شادی پہ۔" وہ تیز لہجے میں بولیں۔
"بچپنا تھا میرا۔ اور اماں! میں کراچی جیسے ہنگامہ خیز شہر سے اٹھ کے گجرات جا کے نہیں بس سکتی۔" اس نے تلخی سے جواب دیا۔
"نہ۔ تو یہ اب یاد آیا ہے تجھے؟ آتے ہی کیوں نہیں کہہ دیا کہ وہاں شادی نہیں کرے گی۔ تیری طرف سے ہاں کہہ دی تھی میں نے آپا کو۔" اماں کو غصہ آنے لگا۔
"غلطی کی نا۔ مجھ سے اجازت لے کے بات کرتیں۔" وہ اطمینان سے کہتی ان کا پارہ چڑھانے لگی۔
"بے غیرت۔ تو نے ہی تو آ کے عمر کی تعریفوں کے پل باندھے تھے۔"
"نری شکل و صورت ہی ہے۔ نوکری تک تو ملی نہ تھی جناب کو۔" وہ حقارت سے بولی۔
"چھوٹی موٹی نوکری تو کررہی رہا ہے۔ ساتھ ہی کوئی بڑا امتحان بھی دے رکھا ہے اس نے۔ اعلا نوکری کے لیے۔" اماں نے اسے تسلی دلانا چاہی۔
"مجھے تو معاف ہی رکھیں اور ابا سے بھی صاف کہہ دیں۔ میں بیاہ کے اتنی دور پنجاب کے چھوٹے سے شہر میں نہیں بسنے والی۔ شادی میں کراچی ہی میں کروں گی۔"
وہ صفاچٹ بلکہ بے دید و بد لحاظ انداز میں کہتی واپس پلٹی تو زینب غالباً" جگ اور گلاس اٹھانے آئی تھی۔ عافیہ نے رک کر اسے گھورا۔
"اور تم۔۔۔ یہ سوٹ تبدیل کرو اور دھو کے اچھی طرح پریس کر کے میری الماری میں لٹکادو۔" حکم صادر کرتی وہ اندر چلی گئی تو منہ کھولے کھڑی زینب کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔
"ہاں۔۔۔ ندیدی۔ تھڑدلی۔" اماں کو بیٹی کی عادت سے کراہیت آئی۔
وہ اکثر اپنی استعمال شدہ چیزیں زینب کو دے دیتی تھی' مگر وہی چیزیں جب زینب پر سجتیں یا اسے جگمگا دیتیں تو اکثر وہ دوبارہ اپنی چیز مانگ لیتی تھی۔ زینب آنسو پیتی خاموشی سے برتن اٹھانے لگی۔
"تو فکر نہ کر زینی! اس سے اچھا جوڑا لے کے دوں گی تجھے۔ اس کی تو عادت ہے ندیدوں والی۔"

اماں نے اس کا دل رکھنا چاہا۔ زینب اسی خاموشی سے کچن کی طرف بڑھ گئی۔
"ایک دفعہ شادی ہوجائے عاقی کے ساتھ میری۔ سب سے پہلے اسی کمینی کو سیدھا کروں گی۔" جگ گلاس سنک میں رکھ کر اس نے ہتھیلیوں سے آنکھیں رگڑتے ہوئے انتقاماً" خود کلامی کی تھی۔ پھر اپنے دوپٹے کو ہاتھوں پر پھیلا کر حسرت سے دیکھا اور آہ بھر کے رہ گئی۔

☆ ☆ ☆

رات کھانے کے بعد اماں اور ابا کی میٹنگ ہوئی۔ جلدی ہی ابا کے حضور عافیہ کی طلبی ہوگئی۔
عافیہ کو اسی بات کی امید تھی۔ اس کا ہوم ورک بھی مکمل تھا' وہ بہت اعتماد کے ساتھ ان کے سامنے گئی۔
"ہاں بیٹا جی! یہ تمہاری اماں کیا کہہ رہی ہے۔ تمہیں اب عمر سے شادی پر اعتراض ہے؟"
ابا کو بات گھمانے پھرانے کی عادت نہیں تھی۔ ایک بات کہہ دینا اور پھر اس کو حرف آخر مان کر اسی پر جم جانا ان کی عادت عظیم تھی۔ اس لیے ان کی زبان سے کوئی فرمان جاری ہونے سے پہلے عافیہ ان پر اپنا مطمع نظر واضح کردینا چاہتی تھی۔
"جی ابا! سب سے پہلی بات تو یہ کہ میں آپ لوگوں سے اتنی دور جانا نہیں چاہتی۔"
"دوسرا صوبہ ہی ہے' کوئی دوسرا ملک تو نہیں جو ویزا لے کر آنا جانا پڑے۔" اماں تڑخیں۔ ابا نے انہیں گھور کے دیکھا۔ اپنی بحث میں کسی اور کے ڈائیلاگ انہیں پسند نہیں تھے۔
"تم کرو بات۔"
"اچھا' اچھا۔ آپ کریں۔" اماں گڑبڑائیں۔
"دوسرے یہ کہ عمر کے پاس ڈھنگ کی نوکری تو ہے نہیں' سارا خرچ عثمان بھائی چلا رہے تھے اور وہاں جا کے اگر میں نے ہی نوکری کر کے شوہر کو پالنا ہے تو اس سے بہتر ہے کہ میں شادی ہی نہ کروں۔" وہ سنجیدگی سے بولی۔
"وہ نوکری کررہا ہے۔ آج کم تنخواہ والی ہے' کل زیادہ والی بھی کرے گا۔ بہت محنتی بچہ ہے۔ سی ایس ایس کا امتحان دے رکھا ہے اس نے۔"
ابا کو بھی عمر پسند تھا۔ حالانکہ وہ ایک بار ہی کراچی آیا تھا' مگر فون پر ان کا عمر سے رابطہ رہتا تھا۔ سو وہ اس کے خیالات و افکار سے اچھی طرح واقف تھے اور مستقبل کے عزائم سے بھی۔
"آئم سوری ابا! مجھے پھر بھی عمر سے شادی نہیں کرنی۔ مجھے کوئی ویل اسٹیبلش بندہ چاہیے۔ میں بیٹھ کے اچھے فیوچر کا انتظار نہیں کرسکتی۔" ابا نے اتنے صاف گو انداز پر بغور بیٹی کا چہرہ دیکھا۔
"اور وہ کون ہے؟" عافیہ کے چہرے کا رنگ بدلا مگر ارادہ نہیں۔
"جی ابا۔ فیصل ہے۔ اپنا پروپوزل بھیجنا چاہتا ہے

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لیے خوبصورت ناول
زخموں کی بستی میں

فاخرہ جبیں
قیمت -/400 روپے
منگوانے کا پتہ:
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37، اردو بازار، کراچی
فون نمبر:
32735021

WWW.PAKSOCIETY.COM

میرے لیے۔" سر جھکا کے آہستگی سے بولی۔
"تم نے اسے بتایا نہیں کہ تمہاری سالوں پہلے سے بات طے ہے۔" ابا کا لہجہ تیز تھا۔
"وہ بچپن کی بات تھی ابا! اور پھر جب میرے پاس ایک بہترین آپشن موجود ہے فیصل کی صورت میں تو میں عمر کے ساتھ گھٹن بھری زندگی کیوں گزاروں۔"
وہ بھی ان ہی کی اولاد تھی۔ اپنی کہہ کے کر گزرنے والی۔ صفاچٹ انداز میں بولی۔
"اچھا۔ تو وہ کہاں کا لاٹ صاحب ہے؟ نام پتا تو بتاؤ اس کے اجداد کا؟" ابا نے تلخی سے کہا تو عافیہ کے لبوں پر پرتفاخر سے مسکراہٹ کھل گئی۔
"مشہور انڈسٹریلسٹ ہیں مرزا فرمان علی۔ ان کا اکلوتا بیٹا ہے۔"
"لو۔ وہ مرزے ہم ملک۔ ذات برادری سے ہی باہر ہیں وہ تو۔" اماں نے ہاتھ جھاڑے۔ گویا بات ہی ختم۔
"ذات سے باہر ہیں' انسانیت سے نہیں اماں! ہماری طرح کے انسان ہیں وہ بھی۔" عافیہ کو برا لگا۔
"کل کھو اس لونڈے سے۔ اپنے باپ کو لائے ہمارے گھر۔ پھر پتا چلے گا انسانیت کے کس درجے پر ہے وہ۔"
ابا نے قطعی مگر طنزیہ لہجے میں کہا تو عافیہ کا دل دھڑکا۔ مگر اس وقت ہمت کی ضرورت تھی سو وہ بھی ہمت کر کے کہہ ہی گئی۔
"وہ اکیلا آئے گا فی الحال۔ آپ پہلے اس سے مل لیں پھر اس کے باپ سے بھی مل لیجیے گا۔"
ابا نے تیوری چڑھا کر گہری نگاہ اس پر ڈالی۔
"اچھا۔ تو پہلے وہ جائزہ لینے آئے گا ہمارا؟"
"اس نے کون سا گھر داماد رہنا ہے ابا! آپ اس کا عالیشان بنگلہ دیکھیں گے تو دنگ رہ جائیں گے۔ محل لگتا ہے پورا۔" عافیہ کی آنکھیں چمکیں۔
ابا نے طنز سے پھنکارا بھرا۔ پھر قطعیت سے بولے۔
"تم بلاؤ تو سہی کل اسے۔ مگر ایک بات سن لو۔ اگر میں اس پہلی ملاقات میں اس سے مطمئن نہ ہوا تو تم چپ چاپ بیاہ کر عمر کے ساتھ پنجاب چلی جاؤ گی۔"
"مجھے یقین ہے کہ ایسا کبھی نہیں ہوگا۔ فیصل سے ملاقات آپ کو اپنا فیصلہ بدلنے پر مجبور کر دے گی۔" عافیہ نے ازحد تیقن سے کہا۔
عافیہ کے جاتے ہی اماں نے آنکھوں پر دوپٹے کا پلو رکھا اور چھکوں پھکوں رونے لگیں۔ ابا نے ناگواری سے انہیں دیکھا۔
"ہائے۔ عاقب کے ابا۔ یہی دن دیکھنا باقی رہ گیا تھا۔ لڑکی اپنے منہ سے اپنا رشتہ بتاتی پھر رہی ہے۔ نا میں کہوں' آپ سے اتنا نہ ہوا ایک تھپڑ ہی مار دیتے اس کے منہ پر۔"
"جاہلوں والی باتیں مت کرو۔ جو پہلے ہی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے بے غیرتی سے اپنی پسند کی شادی کا اعلان کر رہی ہے' اسے اور باغی کر دینا۔"
"نہ ملک صاحب! میں اپنی آپا کو کیا منہ دکھاؤں گی۔ وہ بے چاری بیمار۔ بہو کے ہاتھوں تنگ۔ اس بے چاری نے تو یہی سوچا کہ دوسرے بیٹے کے لیے بھانجی لے جائے گی تو سارے دلدر دور ہو جائیں گے۔ وہ بھی چار دن سکون کی زندگی گزارے گی مگر یہاں تو کایا ہی پلٹ دی اس کلموہی عافی نے۔" اماں کے بین جاری ہو چکے تھے۔
"اری نیک بخت! کل آنے تو دے اس لونڈے کو۔ پتا چل جائے گا کتنے بیس کا سو ہوتا ہے۔ ہم بھی تو دیکھیں ایسا کون سا کروڑ پتی پسند کر لیا اس نے۔"
ابا نے بات لپیٹی۔ مگر اماں کی سوں سوں ان کی تسلی پا کر بھی دیر تک جاری رہی۔

☼ ☼ ☼

"السلام علیکم!" اس کے انداز میں موجود تھکاوٹ نے ماں کے سامنے خوش دلی کا لبادہ اوڑھ لیا۔
"وعلیکم السلام! جیتا رہ میرا بچہ۔" نقاہت ان کی آواز پہ غالب تھی' مگر ان کی آنکھوں اور چہرے کی رونق عمر کو دیکھتے ہی لوٹ آئی تھی۔
"کیسی طبیعت ہے آپ کی؟" وہ ان کا ہاتھ تھام کر

حرارت چیک کرتے ہوئے پوچھنے لگا۔ رات سے انہیں بخار تھا۔
"ٹھیک ہوں اب تو۔" انہوں نے اپنا ہاتھ کھینچنا چاہا۔
"ٹھیک کہاں ہیں۔ ابھی بھی بخار ہے آپ کو۔" وہ تفکر سے بولا۔
"کچھ کھایا پیا بھی ہے آپ نے؟" اسے دفعتاً" وہیان آیا۔ وہ فجر جاتے وقت بطور خاص بھابھی سے ان کے لیے کھچڑی یا دلیہ بنانے کا کہہ گیا تھا۔
ان کی نگاہ بے اختیار سائیڈ ٹیبل پر پڑے ڈھکے ہوئے برتنوں کی طرف اٹھ گئی۔ پھر وہ جلدی سے بولیں۔
"ہاں۔۔۔ تم بتاؤ۔ تم نے بھی لنچ کیا یا ابھی تک بھوکے ہی ہو؟"
انہوں نے صاف بات پلٹی تھی۔ عمر اٹھ کر دستر خوان اٹھا کر کھانا چیک کرنے لگا۔ قیمہ مٹر کا سالن اور ساتھ میں تندوری روٹی۔ اس نے لب بھینچے۔ پھر وہ تیزی سے باہر کی جانب بڑھا۔ تو وہ برافروختہ سی ہو گئیں۔
"عمر۔ بات تو سنو میری۔"
مگر وہ دندناتا ہوا سیدھا ڈرامہ دیکھتی بھابھی کے سر پہ جا کھڑا ہوا۔
"میں نے آپ سے کہا بھی تھا کہ امی کو بخار ہے انہیں کوئی ہلکی پھلکی غذا بنا کے دیجیے گا۔" وہ غصہ ضبط کرتے ہوئے بولا تو پھر بھی مارے جذبات کے لہجہ تیز ہی تھا۔
بھابھی نے مجبوراً" اپنے پسندیدہ ڈرامہ سے نظر ہٹا کے اسے ناگواری سے دیکھا۔
"دوپہر میں تو ٹھیک تھا۔ میں نے چیک کیا تھا اور ویسے بھی قیمہ مٹر بنایا تھا' میں نے۔ کوئی دال دلیہ نہیں جو تم یوں تفتیش کرنے آ گئے ہو۔"
"بیمار آدمی تو قیمہ مٹر ہضم نہیں کر سکتا بھابھی۔ میں نے جو آپ سے کہا تھا کہ انہیں۔۔۔" وہ کہنے لگا تھا مگر ——— اس کی بات کاٹ کر وہ غصے سے بولیں۔
"تم کون سا کہیں کے منسٹر لگے ہوئے ہو۔ میں کہہ گیا تھا۔۔۔ اتنا ہی خیال تھا تو خود بنا جاتے ماں کے لیے خاگینے۔ میں تین بچوں میں الجھی کس کس کو دیکھوں۔ اوپر سے امی صاحبہ۔۔۔ میرا دیا کھانا کھانے کے بجائے خود چائے بنانے کچن میں پہنچ گئیں۔ لا کے بیچ صحن میں میرے جہیز کا کپ بھی پھوڑا اور چائے بھی پھیلائی۔ بھئی نہیں اتنی ہمت تو بستر پہ پڑی رہیں' مگر نہیں۔ میرا آرام تو کسی کو بھاتا ہی نہیں۔"
بھابھی کے واویلے۔۔۔ ان کی بے کار کی خود ترسی۔
عمر نے دانتوں پر دانت جمائے۔ ایک دو لائنیں سن کے ہی اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ ماں نے دن کس کسمپرسی کے عالم میں گزارا ہوگا۔ وہ یونہی سلگتا ہوا واپس آ گیا۔
"کیوں گئے تم باہر۔ میں نے کہا بھی ہے' اس کے منہ مت لگا کرو۔" امی کی آنکھوں میں نمی چمک رہی تھی۔
"ایسی کی تیسی ان کی۔ پہلے یہ آپ کا گھر ہے پھر ان کا۔" جوتے اتارتے ہوئے تلخی سے کہتا وہ سلیپر پاؤں میں اڑستا واش روم میں گیا اور ہاتھ منہ دھو کے جلدی ہی باہر نکل آیا۔
"آپ نے ہی انہیں سر پہ چڑھا رکھا ہے امی! لوگوں کو دیکھیں ذرا' کیسے بہوؤں کو کھینچ کے رکھتے ہیں۔" تولیے سے ہاتھ منہ صاف کرتا وہ سنجیدگی سے بولا۔
"اچھا بس اب۔ سن لے گی تو عثمان تک بات پہنچائے گی۔" امی نے دبے لفظوں کہا۔
"کہنے دیں انہیں اور عثمان آپ کا بیٹا ہے جانتا نہیں کہ اس کی ماں کس طبیعت کی ہے۔" عمر کو غصہ آیا۔
"اب وہ بھی تو اس کے بچوں کی ماں ہے نا بیٹا۔" وہ بے بسی سے بولیں۔
"بچوں کی ماں ہے۔ اس کی تو ماں نہیں ہے نا۔" عمر نے تیوری چڑھائی۔
"اچھا بس اب۔ بات ختم کرو۔ کھانا گرم کر کے

WWW.PAKSOCIETY.COM

لاؤں تمہارے لیے؟" انہوں نے بات بدلی۔
"آپ بیٹھیں۔ میں خود گرم کرلوں گا۔ بلکہ آپ کے لیے بھی کچھ لاتا ہوں۔" وہ اٹھ کے چلا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ ٹرے میں اپنا کھانا اور ان کے لیے چائے بسکٹ لے آیا۔
"بس۔ اب تو ایک ہی حسرت ہے' جلدی سے عافیہ کو بیاہ کے لے آؤں۔ پھر میرے بھی سکھ کے دن آئیں۔" امی نے چائے میں بسکٹ ڈبوتے ہوئے ٹھنڈی سانس بھری۔ عمر کے ہونٹوں پر اس ذکر سے مسکراہٹ پھیل گئی۔
"ایک بہو بھگت رہی ہیں' اس سے دل نہیں بھرا آپ کا۔ ایک اور لانے چلی ہیں۔"
"ارے میری ماں جائی کی اولاد ہے۔ میرا درد محسوس کرے گی۔ سر آنکھوں پہ بٹھا کے رکھے گی۔ دیکھا نہیں جب یہاں آئی تھی تو کتنا خوش تھی تمہارے ساتھ اور میری بھی کتنی چاہت کرتی تھی۔" امی کا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا۔
"وہ تو ہے۔ مگر بہو بن کر لڑکیاں بہت بدل جاتی ہیں شاید۔" عمر نے اپنا خیال پیش کرتے ہوئے نوالہ منہ میں رکھا۔
"ایسا کچھ بھی نہیں ہوگا۔ تمہاری خالہ فاطمہ سے بات کی ہے میں نے۔ جلد ہی کوئی مثبت جواب دے گی وہ۔ بھائی جان تو ویسے ہی تمہیں بہت پسند کرتے ہیں۔" عمر کو بھی یہ ذکر اچھا لگ رہا تھا۔
عافیہ دو سال پہلے پنجاب آئی تھی اور ان کے ہاں مہینہ بھر رہ کے گئی تھی۔ کھلے ڈلے ماحول کی پروردہ عافیہ نے دنوں میں عمر سے بے تکلفی قائم کرلی۔ ہنسی مذاق ہلا گلا۔ کچھ بچپن سے طے شدہ رشتے کا بھی احساس تھا۔ عافیہ کو عمر کی پرسنالٹی اچھی لگی۔ عافیہ کی طبیعت میں چھا جانے کا عنصر زیادہ تھا۔ اس کے برعکس عمر کی طبیعت دھیمی اور مقابل کا مان رکھنے والی تھی۔ اس وجہ سے وہ عافیہ سے کچھ دبتا محسوس ہوتا تھا۔ بہرحال عمر کی یہ کوالٹی عافیہ کو بہت پسند آئی۔ اور وہ اسے مستقبل کے کھلے اشارے دیتی واپس کراچی گئی تھی۔
"ہفتہ بھر میں رزلٹ آنے والا ہے امی۔ دعا کیجیے گا۔ بہت اچھی پوزیشن آئے۔ پیپرز تو بہت شان دار ہوئے تھے۔" عمر نے امید سے کہا۔
"کیوں نہیں میرے بچے۔ ان شاء اللہ۔ بہت اچھا رزلٹ آئے گا بالکل تمہارے گمان کے مطابق۔"
امی نے فوراً" دعا کی تو وہ مسکرا کر کھانا ختم کرنے لگا۔

☆ ☆ ☆

آج فیصل کو ابا سے ملنے آنا تھا۔ وہ آیا اور ابا کے ساتھ ڈرائنگ روم میں بند ہو کے بیٹھ گیا۔ باہر عافیہ کے دل کو گویا لگ گئے۔ چائے بھی عاقب کے ہاتھ منگوائی گئی۔ ایک گھنٹے کی میٹنگ کے بعد فیصل کو ڈرائنگ روم کے بیرونی دروازے سے ہی خدا حافظ کہہ دیا گیا۔ اماں تک کو ملاقات نہ کرنے دی گئی۔
ابا باہر آئے تو سنجیدہ تھے۔ چہرے سے کچھ بھی اندازہ لگانا ممکن نہ تھا۔ صحن میں بچھی کرسیوں کی طرف آئے تو اماں کے ساتھ ساتھ عافیہ بھی ادھر ہی آ بیٹھی۔ اسے امید تھی۔ جس طرح فیصل نے اسے متاثر کیا تھا۔ ویسے ہی ابا بھی اس سے متاثر ہوئے ہوں گے۔
"کیا بنا ملک صاحب' کیسا تھا لڑکا؟" اماں کے اشارے پر بھی وہ ڈھیٹ بن کے بیٹھی رہی تو انہیں اس کے سامنے ہی پوچھنا پڑا۔
"فیل۔ مکمل فیل۔" سرد۔ بے اعتنا لہجہ عافیہ پر بجلی سی گرا گیا۔
"کیا مطلب ہے ابا اس بات کا؟" وہ تڑپ ہی تو اٹھی۔
"ہونہہ! گاڑی لے کے رعب جمانے آگیا۔ اپنے باپ کی دولت کا نکھٹو۔"
"صاحب جائیداد ہے وہ۔ اتنا عالی شان بنگلہ۔"
عافیہ احتجاجاً" بولی۔ مگر وہ تیز لہجے میں اس کی بات کاٹ گئے۔
"سب کچھ اس کے باپ کا ہے۔ صرف ایک گاڑی لے کے دی ہوئی ہے۔ اس نے بیٹے کو پیٹرول پھونکنے کے لیے۔ سب پوچھا ہے میں نے۔ فارغ' نکما پھرتا ہے۔"
"اسے کام کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے ابا۔"
"کیوں۔ ساری عمر باپ کے ٹکڑوں پر پڑا رہے گا؟" ابا غرائے۔
"سارے بزنس کا اکلوتا وارث ہے وہ۔ باپ کے لاڈ۔ پیار کی وجہ سے دھیان نہیں دیتا کام کاج کی طرف۔" عافیہ نے فیصل کی حمایت کی۔
"بہرحال میرے تو کسی بھی سوال کا خاطر خواہ جواب نہیں دیا اس نے۔ میں بالکل بھی مطمئن نہیں ہوں اس لڑکے سے۔"
ابا نے صاف گوئی کا مظاہرہ کیا۔ عافیہ مرنے والی ہوگئی۔
"ایسا مت کہیں ابا! وہ کوئی سڑک چھاپ آدمی نہیں ہے۔ فارغ بیٹھ کے بھی کھائے تو دولت ختم نہ ہو ان کی۔"
"بہرحال۔ میں تمہیں وہ فیصلہ سنا رہا ہوں۔ جو اٹل ہے اور آخری۔" ابا نے اونچی آواز میں کہا تو ان کے دبنگ لہجے نے عافیہ جیسی بدلحاظ لڑکی کا دل بھی دہلا دیا۔
"صرف تمہاری خوشی کی خاطر میں اس لڑکے سے تمہاری شادی کرنے کو تیار ہوں۔" ابا کے منہ سے گویا پھول جھڑے۔ عافیہ نے جھٹکا کھا کر ان کی طرف دیکھا۔
"میری صرف اور صرف ایک شرط ہے۔" وہ بے حد سرد سپاٹ لہجے میں بولے۔
"جی ابا۔" وہ مؤدب ہوئی۔ مگر اندر سے سخت بے قرار۔
"اس سے کہو اپنے ماں' باپ کو لے کے آئے۔ وہ باقاعدہ تمہارا رشتہ دیں۔ جیسے شریفوں کا طور طریقہ ہے۔" ابا کا انداز قطعی تھا۔ عافیہ گڑبڑائی۔
ایک یہیں پہ تو فیصل کا کیس کمزور پڑتا تھا اور ابا نے بھی اسی پوائنٹ پر ہاتھ مارا تھا۔
"ابا۔ میں بات کروں گی اس سے۔ لیکن اس کی کچھ گھریلو مجبوریاں ہیں۔" عافیہ نے کہا۔
"بتایا ہے اس نے مجھے۔ چچا کی بیٹی منگیتر ہے اس کی۔ ابھی سے اپنے ماں' باپ کو لائن پہ لگائے گا تو ہی اس گھر میں تمہاری جگہ بنے گی۔ ورنہ تو تمہیں کوئی پوچھے گا بھی نہیں وہاں اس عالی شان محل میں۔" ابا نے طنز کیا۔
بات تو ان کی سو فیصد درست تھی۔ مگر فیصل کے والدین تو کبھی مر کے بھی عافیہ کا رشتہ مانگنے نہ آتے۔ یہ بات فیصل نے اسے شروع میں ہی بتا دی تھی۔
"میں پھر بات کروں گی اس سے۔ شاید کوئی راستہ نکل ہی آئے۔" عافیہ بجھ سی گئی۔ ابا نے انگلی اٹھا کر اسے متنبہ کیا۔
"یاد رکھنا عافی! میں نے اپنی غیرت کو سلا کے تمہاری اتنی ضد مانی ہے۔ لیکن اگر وہ لوگ رشتہ مانگنے نہ آئے تو اس سے بڑھ کے کوئی بات نہ کرنا۔ میں تمہیں کسی چور دروازے سے ان کے بنگلے میں داخل ہونے کی اجازت کبھی نہیں دوں گا۔"
ابا کی آنکھوں میں سرخی اتر آئی تھی۔ عافیہ نے نظر جھکا لی۔
"جی ابا۔" آہستگی سے کہا۔ مگر اندر تو طوفانی اتھل پتھل مچی تھی۔

☆ ☆ ☆

وہ آفس سے نکلی تو پروگرام کے مطابق وہ گاڑی لیے موجود تھا۔ عافیہ فرنٹ سیٹ پہ آبیٹھی۔
"کسی پارک میں لے چلو۔ سکون سے بیٹھ کے بات کرتے ہیں۔" وہ سست سی تھی۔
"خیریت تو ہے نا۔ تمہارے ابا نے مجھے ریجیکٹ تو نہیں کردیا ہے۔" گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے وہ خوش دلی سے پوچھنے لگا۔
"شاید۔ تمہیں کیسے پتا چلا؟" عافیہ نے ترچھی نگاہوں سے اسے دیکھا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

"جیسے وہ طارق عزیز بن کے سوال پوچھ رہے تھے۔ اسی سے مجھے لگ رہا تھا کہ دل سے وہ اس رشتے پر راضی نہیں ہیں۔" وہ صاف گوئی سے بولا۔ پھر پارک آنے تک وہ دونوں خاموش ہی رہے۔ پررونق پارک میں قدرے سائیڈ پر وہ دونوں چلتے ہوئے ایک بینچ پہ آ بیٹھے۔

"اب بتاؤ تفصیل سے۔ کیا ارشاد فرمایا تمہارے ابا نے؟" فیصل کے انداز سے کوئی پریشانی ظاہر نہ تھی۔

"ابا اس رشتے پر راضی ہیں۔" عافیہ نے کہتے ہوئے رک کر فیصل کو دیکھا جس کے چہرے پر حیرت پھیلی تھی۔ پھر گہری سانس بھر کے بولی۔ "اگر رشتہ لے کر تمہارے والدین آئیں تو۔"

"اور یہی ایک کام ہو نہیں سکتا۔"

"تم میرے ابا کو نہیں جانتے فیصل! ان کا اس رشتے کے لیے راضی ہوجانا ہی کسی معرکے سے کم نہیں۔"

"اور تم میرے باپ کو نہیں جانتیں۔ میرے تمہارے افیئر کا علم ہوتے ہی وہ اپنی بھتیجی سے میرا نکاح پڑھوادیں گے۔"

فیصل نے ٹھنڈے ٹھار لہجے میں جواب دیا۔

"تم ان کے اکلوتے بیٹے ہو فیصل۔ ذرا بلیک میل کروگے تو انہیں ماننا ہی پڑے گا۔" عافیہ نے اپنی سی کوشش کی۔

"تمہارا کیا خیال ہے۔ اگر ایسا ہو سکتا ہے تو مجھے کیا شوق ہے۔ خواری کا یا ٹکے ٹکے کے لوگوں کی باتیں سننے کا۔" وہ بھڑک اٹھا۔ تو عافیہ دھیمی پڑ گئی۔ پھر وہ بھی خود کو کمپوز کرتے ہوئے قدرے نرمی سے بولا۔

"یہ خاندانی جائیداد اور بزنس کے معاملے ہیں جان! تم نہیں سمجھوگی۔ میری اور شبانہ کی شادی کی صورت میں شبانہ کے حصے کی جائیداد اور بزنس شیئرز ہمیں ملیں گے۔ یہ بات تو طے شدہ ہے۔ اب تم سے تو فقط محبت کے مارے شادی کر رہا ہوں۔ ورنہ کیا حاصل ہو رہا ہے مجھے جو تمہارے ابا اتنی شرطیں رکھ رہے ہیں۔"

"وہ تو ٹھیک ہے فیصل! لیکن اب کیا ہوگا۔ ابا نے تمہارا رشتہ قبول کرنے کی یہی ایک شرط رکھی ہے۔" عافیہ بے بسی سے بولی۔ پر آسائش زندگی کا خواب دور جاتا محسوس ہوا تھا۔

"شادی میں نے تم سے کرنی ہے جان من۔ تمہارے ابا سے نہیں۔ ان کے راضی ہونے یا نہ ہونے سے مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔" وہ بے نیازی سے بولا۔ تو عافیہ نے نا سمجھی کے عالم میں اسے دیکھا۔ وہ مسکرایا۔

"کیا کچھ غلط کہا میں نے؟"

"مگر ابا کی رضامندی کے بغیر۔۔۔ شادی کیسے ہوگی؟"

"شادی کے لیے ابا کا نہیں، بلکہ دولہا اور دلہن کا ہونا ضروری ہوتا ہے۔"

وہ اطمینان سے کہتا اس کے باغی ذہن کو نئی سوچ کی باگ تھما رہا تھا۔ عافیہ گم صم سی تھی۔

☆ ☆ ☆

عافیہ نے ابا کو صاف لفظوں میں بتادیا کہ فیصل کے گھر والے اس رشتے پر کسی طور پر راضی نہیں۔ اس لیے انہیں فی الحال فیصل ہی پر اکتفا کرنا پڑے گا۔ مگر ابا متاثر تو کیا ہوتے انہوں نے ہاتھ ہی جھاڑ دیے۔

"فاطمہ۔۔۔ فون کرو اپنی آپا کو اور شادی کی تاریخ طے کرلو۔"

"ابا۔۔۔" عافیہ سکتے میں آگئی۔ جبکہ اماں کے تو دل کی کلی ہی کھل اٹھی۔ بہن سے کیا وعدہ نبھانے کا وقت قریب آگیا تھا۔

"میں نے کہا ملک صاحب! اچھا شگن ہے۔ عافی کے ساتھ ساتھ عاقب کو بھی نپٹا ڈالیں۔ گھر کی بچی ہے زینب گھر ہی میں کھپ جائے گی۔" اماں بے حد خوش تھیں۔

"ٹھیک ہے۔ سوچتے ہیں اس کا بھی کچھ۔" ابا نے پرمٹ جاری کردیا۔ کچن میں کھڑی زینب تو خوشی کے مارے گنگ ہی ہوگئی۔

عاقب سے شادی ہوجانے کا مطلب تھا۔ اس گھر میں ایک معتبر حیثیت ملنا اور یہ کلموہی عافیہ بھی بیاہ کے دور رفع ہوجائے گی۔ متوقع آزادی کا خیال ہی اس کے روم روم میں خوشی دوڑانے کو کافی تھا۔

☆ ☆ ☆

عثمان کا فون آیا تو وہ الجھا ہوا تھا۔

"امی۔۔۔ کیا جلدی ہے آپ کو عمر کی شادی کی۔ اسے کوئی ڈھنگ کی نوکری تو کرلینے دیں۔ ایک اور ذمہ داری ڈال رہی ہیں اس پر۔ جو نبھانے کے ابھی وہ قابل بھی نہیں ہوا۔" اس کے منہ میں یقیناً "بیوی کی زبان تھی۔

"تم بے فکر رہو۔ اللہ کے فضل اور عافیہ کے نیک نصیب سے امتحان میں بہترین نمبروں سے کامیاب ہوا ہے وہ۔ بڑی اعلا نوکری لگے گی اب اس کی۔" امی بے حد خوش تھیں۔

کل ہی فاطمہ نے فون کرکے اگلے ماہ شادی کی تاریخ دی تھی۔

"پھر بھی امی۔۔۔ ذرا سوچ سمجھ لیں۔ عمر اس کی ذمہ داری اٹھالے گا؟" وہ دبے لفظوں میں جو انہیں سمجھنا چاہ رہا تھا۔ وہ ایک دم سے ان کے ذہن میں کلک ہوا۔

"تم بے فکر رہو بیٹا۔ ساری ذمہ داری وہ خود ہی اٹھائے گا اور اپنی شادی کا خرچ بھی ان شاء اللہ۔" ان کا لہجہ بھیگ سا گیا۔ ایک ہی روٹی پہ پلنے والے کیسے اپنے رزق جدا کرلیتے ہیں۔

"چلیں ٹھیک ہے پھر تو جیسا وہ مناسب سمجھے۔ میرا تو آپ کو پتا ہی ہے۔ ڈھنگ کی نوکری نہیں مل رہی۔ بمشکل ہی گزارہ۔" وہ اپنا رونا رونے لگا۔

"خدا بہتر کرے گا بیٹا۔" ماں کے دل نے خیر ہی کی دعا دی۔ وہ خوش تھیں۔

اور عمر مطمئن۔۔۔ اس گھر میں آنے والی یقیناً "اس کی ماں کو بہت سکھ اور عزت دینے والی تھی۔

☆ ☆ ☆

"خدا کے لیے کسی طریقے سے اپنے ابو کو راضی کرو فیصل۔۔۔ بلکہ اپنی امی کو، مائیں تو سدا کی رحم دل ہوتی ہیں۔ وہ یقیناً "تمہارا ساتھ دیں گی۔" عافیہ نے شادی کی تاریخ طے ہونے والی بات فیصل کو بتاتے ہوئے التجا تک کر ڈالی۔

"کیا فضول کی بحث ہے یار! نہ حاصل، نہ وصول۔ ہمارے گھر میں فقط ابو کا فیصلہ چلتا ہے اور بس۔" فیصل اکتا کر بولا۔

"تو پھر۔۔۔ بیٹھ کے شادی کا دن آنے کا انتظار کروں؟" عافیہ کو غصہ آیا۔ لنچ ٹائم میں وہ اس کے ساتھ چھوٹے سے ریسٹورنٹ کے کیبن میں موجود تھی۔

"ہاں۔۔۔ انتظار کرو۔ اپنی اور میری شادی کے دن کا۔" وہ شوخی سے بولا۔

"تم بس گاڑی کی اڑتی دھول دیکھتے رہ جانا اور ابا مجھے عمر کے ساتھ رخصت کردیں گے۔" عافیہ نے جل کر کہا۔

"ایسا کچھ بھی نہیں ہوگا۔ تم لکھ رکھو۔ رخصت تو تم میرے ساتھ ہی ہوگی۔" وہ حد درجہ مطمئن تھا۔ عافیہ کا دل اس کے تیقن بھرے لہجے پر ٹھہرنے لگا۔ شاید تب تک اس کے والدین راضی ہوجائیں۔

"اگر تم عین شادی والے دن بھی اپنے گھر والوں کو راضی کرکے لے آئے تو میں تمہارے ساتھ چل پڑوں گی فیصل۔" وہ جذباتی ہو کر بولی۔

"ڈونٹ وری جان۔ تم شادی کی اچھی سی تیاری کرو بس۔ زیور کپڑے خوب دل لگا کے خریدو۔ تاکہ گھر والے تمہاری طرف سے مطمئن رہیں۔ میری جان! یاد رکھو۔ آخری چال ہماری ہی ہوگی۔"

وہ اس کا ہاتھ تھام کے یقین سے بولا اور اس کا ہاتھ لبوں سے لگالیا۔

خوب صورت سی مسکراہٹ عافیہ کے لبوں پر پھیل گئی۔

☆ ☆ ☆

زینب کا موڈ صبح سے خراب تھا۔ جب سے عافیہ نے اس کے پیروں سے اپنی گلابی اور سیاہ دوپٹی چپل اتروائی تھی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

"کمینی' ندیدی' اللہ کرے مرجائے۔ دے کے چیزیں واپس لینے والی۔"
اس نے کتنی ہی دفعہ آنسو پونچھے تھے۔
"ہائے۔ کتنی اچھی لگ رہی تھی۔ میرے گورے گورے پیروں میں۔" اس نے حسرت سے سوچا۔
چپل خاصی مہنگی تھی۔ مگر اس کی پٹی ڈھیلی پڑ گئی تو عافیہ نے یوں ہی الماری کے خانے میں ڈال دی۔ نئی جوتیوں نے اسے اس چپل کی یاد بھی بھلا دی۔ دو دن پہلے اس نے زینب سے الماری صاف کروائی تو وہ چپل شاید بطور مزدوری عنایت کردی۔ زینی تو اسی پر خوش ہوگئی۔ فوراً" ہی محلے کے بچے کو بھیج کر جوتی سلائی کروائی اور پہن لی۔ مگر اس کا شوق دو دن ہی پورا ہوا' تیسرے دن عافیہ کی نظر اس کے پیروں پر پڑی تو اسے خیال آیا کہ اچھی خاصی خوب صورت چپل تھی۔ جب زینب کے پیروں پر اتنی اٹھ رہی ہے تو یقیناً" اس کے پیروں میں بھی اتنی ہی خوب صورت لگتی ہوگی۔ اس نے فوراً" ہی حکم صادر کیا کہ یہ چپل اتار کے الماری میں رکھ آؤ۔ زینب کا دل حسب عادت ٹوٹ پھوٹ گیا۔
"مجھے تو بس ہر کوئی اپنا مطلب نکالنے کے لیے استعمال کرتا ہے۔ زینی یہ کردو' زینی وہ کردو۔ اس کے بعد کون زینی' کہاں کی زینی۔"
وہ سخت برگشتہ و آزردہ تھی۔

☆ ☆ ☆

عافیہ نے دل اور جیب کھول کر اپنے لیے زیور اور کپڑے خریدے تھے۔
"اپنی سیونگز کو ہاتھ بھی مت لگانا۔ اکلوتی بیٹی ہو۔ باپ کے پیسے سے ہر شے بناؤ۔" فیصل نے مشورہ دیا۔ پھر وضاحت بھی کردی۔
"کل کو جانے کیسے حالات ہوں۔ کچھ عرصہ اگر مشکل کاٹنی پڑی تو کچھ میرا بینک بیلنس اور کچھ تمہاری سیونگز سے کام چل جائے گا۔"
"یہ تو تم نے بالکل ٹھیک کہا اور ویسے بھی میرا خرچا نکال کے میری ساری تنخواہ بینک میں ہی جاتی ہے۔ ابا تو میری تنخواہ کا ایک روپیہ تک لینا حرام سمجھتے ہیں۔" وہ مسکرائی۔
"اوہو۔ یعنی کہ خاصی تگڑی آسامی ہو۔" وہ ہنسا۔ تو عافیہ اترائی۔
"ایسی ویسی۔"

☆ ☆ ☆

فیصل کی لاپروائی پر عافیہ پریشان تو بہت تھی۔ مگر وہ معاملے کو اتنا ہلکے انداز میں لے رہا تھا کہ وہ بھی بہل جاتی۔ شادی میں محض ایک ہفتہ باقی رہ گیا تھا۔
لڑکے والے مہندی سے ایک روز پہلے کراچی آتے اور دو دن یہاں رہ کر دلہن لے کر جاتے۔ سب پروگرام طے تھا۔ جب فیصل نے فون پر بڑے جوش سے اسے بتایا۔
"مبارک ہو عافی! امی' ابو کو راضی کر ہی لیا میں نے۔ وہ میرا پروپوزل لے کر آنے کو تیار ہیں۔"
"واقعی۔" وہ خوش ہوگئی۔
"ہاں۔ تم بتاؤ۔ آج۔ ابھی۔ شام کو۔ کس وقت آؤں انہیں لے کر؟" وہ محبت سے پوچھ رہا تھا۔
"میں ابا کو بتاتی ہوں۔ وہی طے کریں گے۔ یہ شرط بھی تو انہوں نے ہی رکھی تھی۔" وہ فرط مسرت سے بولی۔
اس کم عقل کو ذرہ برابر بھی احساس نہ تھا کہ اس کی شادی طے ہوچکی ہے اور محض ایک ہفتے بعد بارات آنے والی ہے۔ اس نے جاکر پہلے اپنے تئیں یہ خوش خبری اماں کو سنائی۔
"ہائیں۔" وہ کھلے منہ اور پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھتی رہ گئیں۔ "کیا کہہ رہی ہے کم بخت۔"
"چچ۔ افوہ۔ ابا نے ہی تو کہا تھا کہ فیصل کے گھر والے اگر رشتہ لے آئے تو وہ میری اور فیصل کی شادی ہوجانے دیں گے۔ مبارک ہو اماں' فیصل کے ماں' باپ مان گئے۔" وہ تو جیسے ہواؤں میں اڑ رہی تھی۔

اماں کو تو ٹوٹ کر ہوش آیا۔ اسے دو ہتڑ رسید کیے۔
"اری حرام خور' بے غیرت' کیسی کلموہی ہے تو۔ اری لاج نہ آئی تجھے شادی سے پانچ دن پہلے دوسرا رشتہ لاتے بے حیا! باپ کو پتا چلا تو گدی سے زبان کھینچ لے گا تیری۔" اماں ایسا چیخیں کہ حلق میں خراشیں پڑ گئیں۔ کھانسی شروع ہوگئی۔ زینب بھاگ کے پانی لائی اور گلاس ان کے منہ سے لگا دیا۔ ان کی آواز ابا کو ڈرائنگ روم میں سے باہر کھینچ لائی۔
"کیا تماشا لگا رکھا ہے یہاں۔" وہ غصے میں تھے۔
"چار لوگ آئے بیٹھے ہیں اور تم نے یہاں اپنا ڈیک چلا دیا۔"
"مجھ سے کیا پوچھتے ہیں عاقب کے ابا' اس بدذات سے پوچھیں۔ جس کے لچھن شریفوں والے نہیں رہے۔" وہ دوپٹے میں منہ دیے بھبھک کر رو دیں۔
وہ حیرت سے عافیہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ جس کے تاثرات کی خودسری اور ماتھے کی تیوری انہیں صاف محسوس ہوگئی تھی۔
"کیا ہوا؟"
"اماں کی تو عادت ہے۔ چھوٹی سی بات کو کھینچ کے چیونگم بنا لیتی ہیں۔ میں نے تو صرف اتنا ہی بتایا ہے کہ فیصل کے امی' ابو مان گئے ہیں اور وہ شام کو انہیں میرا رشتہ مانگنے لا رہا ہے۔"
ابا پر بھی لمحہ بھر کو سکتہ سا طاری ہوا۔ اس کے بعد تو انہوں نے نہ آؤ دیکھا' نہ تاؤ' عافیہ کی چٹیا پکڑ لی۔
"خبردار۔ خبردار جو میری عزت کا جنازہ نکالنے والی بات منہ سے نکالی ہو تو۔" وہ دھیمے' مگر خونخوار لہجے میں غرائے تھے۔ "زندہ گاڑ دوں گا۔ اگر اب جو تمہارے منہ سے فیصل کا نام سنا تو۔ یہاں آیا تو ماں' باپ سمیت کفن میں واپس جائے گا' کہہ دینا اسے۔" ایک جھٹکے سے اسے پرے دھکیل کر وہ تن فن کرتے واپس چلے گئے۔
عافیہ کے لیے ابا کا رویہ کھلی دھوکے بازی تھا۔ وہ احتجاجاً" جاکر اپنے کمرے میں بند ہوگئی۔

☆ ☆ ☆

لاڈ پیار میں پلی اکلوتی بیٹی نوکری کرکے خود سر و خود مختار ہوچکی تھی اور خودغرضی تو اس کی فطرت تھی۔ وہ ان لوگوں میں سے تھی جو سب سے پہلے اپنے بارے میں سوچتے ہیں۔ اس سے پہلے سب اس کی ناراضی کو اہمیت دیتے تھے۔ مگر اس بار تو اس کی ضد اور جرم اس قدر کڑا تھا کہ کسی نے بھی اس کے کمرہ نشین ہونے یا بھوک ہڑتال کرنے کا نوٹس نہ لیا تھا۔ فقط زینی ہی تھی جو اس کے لیے چائے' پانی یا کھانا لے جاتی۔
"دفع ہوجاؤ۔ کیوں بار بار آجاتی ہو یہ سب لے کر۔" عافیہ نے غصے سے ٹرے کو پرے دھکیلا۔ مگر ان دنوں زینب کا موڈ اس قدر خوش گوار تھا کہ اسے اب عافیہ بے چاری سی لگنے لگی تھی۔
"کیا کرتی ہیں عافیہ جی۔ شادی ہو رہی ہے آپ کی۔ یوں بھوک ہڑتال کرتی رہیں تو چہرے کی رونق ختم ہوجائے گی۔ روپ نہیں آئے گا دلہن بن کے۔"
وہ مسکرائی۔ چمپئی رنگت اور براؤن کنچوں جیسی شفاف آنکھیں عافیہ جی بھر کے جیلس ہوئی۔
"اتنے اچھے تو ہیں عمر بھائی۔ آپ کے کمپیوٹر میں ڈھیروں تصویریں ہیں ان کی۔" اس کی خاموشی نے زینی کی ہمت بندھائی۔
"تو تم لے لو اتنا اچھا ہے تو۔" وہ غرا کر بولی' تو زینی سہم سی گئی۔
"تمہارا تو رنگ روپ ماند نہیں پڑا نا۔ تم کرلو یہ شادی۔" عافیہ کی تو زبان کے آگے کھائی تھی۔
"نہ جی۔ توبہ۔ میں ایسا کیسے۔ آپ کی مہندی والے روز میرا اور عاقب کا نکاح ہے۔" اس نے گھبرا کر کہا۔ تو بات کے آخر میں رنگت میں سرخی اترنے لگی۔
"تو جاؤ۔ دفع ہوجاؤ۔ بھنگڑا ڈالو جاکے۔ تمہاری کون سا زندگی برباد ہو رہی ہے' میری طرح۔" عافیہ

WWW.PAKSOCIETY.COM

نے غصے سے کہا تو زینی کا دل برا پڑنے لگا۔ عافیہ کسی کی خوشی میں تب ہی خوش ہوتی۔ جب خود وہ خوش ہوتی تھی۔

"مجھے یہاں آنا ہی نہیں چاہیے تھا۔ چڑیل کے مسکن میں۔"

وہ ٹرے اٹھا کے بددلی سے پلٹ گئی۔

☼ ☼ ☼

عافیہ کی خاموشی نے اماں' ابا کو اس کی طرف سے خاصا لاپروا کردیا تھا۔ ویسے بھی آج شام عمر کے گھر والے آجانے والے تھے۔ کل مایوں' مہندی' پرسوں بارات کے بعد وہ دلہن لے کے پنجاب نکل جاتے۔ عاقب نے اسے ڈھولک پہ آئی خواتین کے لیے چائے بناتے ہوئے کچن میں جالیا۔

"آہا۔۔۔ میری دلہن یہاں چھپی بیٹھی ہے۔" وہ ایک دم سے بولا تو چھلنی میں چائے چھانتا اس کا ہاتھ لرزا۔ گرم گرم چائے گر کر اس کے پاؤں کو جلا گئی تھی۔

"اللہ۔۔۔" اس کے جملہ کا مزہ کیا خاک لیتی۔ پاؤں لال سرخ ہوگیا۔

"سوری۔۔۔ سوری۔۔۔ مجھے نہیں پتا تھا کہ چائے ڈال رہی ہو۔" عاقب نے فوراً" کان پکڑے۔

وہ خاموشی سے پلٹ کے ٹرے اٹھانے لگی۔

"ارے واہ۔۔۔ بڑا غرور ہے زینی محترمہ کو۔ میں بات کرنے کو مرا جارہا ہوں اور تمہیں پروا ہی نہیں۔" وہ خفا ہونے لگا۔

زینی نے مسکراہٹ دبائی۔ دل روئی کے گالے کے طرح ہلکا پھلکا ہو رہا تھا۔ اس دن کے تو وہ خواب بُنا کرتی تھی۔

"وہاں چائے کا انتظار ہو رہا ہے۔" باریک سی گوٹی سے سجا لیمن کلر کا سوٹ اس پر کھل رہا تھا۔ عاقب نے آج سے پہلے اسے ہمیشہ گھر کی مرغی سمجھا تھا جو دال برابر کرتی ہے۔ مگر آج اسے احساس ہوا کہ کون سا ہیرا اس کی آغوش میں گرنے والا ہے۔

"کل ہمارا نکاح ہے زینی۔"

وہ جذباتی ہونے لگا۔ آگے بڑھ کے اس کے دونوں شانوں کو جکڑا۔ زینی کے جذبات میں بھی تلاطم مچا۔ مگر اس نے بڑے حوصلے سے نگاہ اٹھا کے عاقب کو دیکھا۔ اونچا لمبا' گندمی رنگت اور اچھے نقوش والا عاقب اس کا خواب تھا یا شاید اپنی حیثیت بدلنے کے لیے استعمال کیے جانے والا ذریعہ۔

"زینی۔۔۔"

عاقب کی نگاہ کے ساتھ ساتھ آواز میں بھی خمار در آیا۔ زینی نے بہ سرعت اس کے ہاتھوں کو اپنے شانوں سے پرے کیا۔

"ہوش میں رہو۔" اس کا تنبیہی جملہ ابھی منہ میں ہی تھا کہ اس نے عاقب کے پیچھے عافیہ کو دیکھا۔

"یہاں کون سی فلم کی ریکارڈنگ چل رہی ہے؟" اس کا طنزیہ لہجہ اچانک ہی گونجا۔ عاقب کے جذبات ہرن ہوگئے۔

"وہ۔۔۔ پانی۔۔۔ پینے آیا تھا میں۔" کھسیا کر کہتا' بالوں میں ہاتھ پھیرتا وہ باہر چلا گیا۔ زینب مڑ کر ٹرے اٹھانے لگی۔

"کافی آوارہ ہو تم بھی۔۔۔" عافیہ کا کڑوا لہجہ اس کے اعصاب پر چابک کی طرح برسا۔

"میں نے کیا کیا ہے۔ وہ خود آیا تھا یہاں۔ میں تو چائے بنا رہی تھی۔" زینی روہانسی ہونے لگی۔

"اری چل۔۔۔ بکواس تو اس کے سامنے کر جو تجھے جانتا نہ ہو۔ کیسے ابھی سے انگلی پہ نچا رہی ہے اسے۔ اشاروں' اشاروں میں یہاں کے آئی۔ پہلے بھی پتا نہیں کیا کیا گل چھرے اڑا چکی ہوگی۔ ہم تو بھئی اعتبار کے بندے ہیں۔ کبھی غور ہی نہیں کیا۔"

عافیہ کی ذہنی گراوٹ کی تو کوئی حد ہی نہ تھی۔ زینب پیلی پڑ گئی۔ ایسے گھٹیا الزامات۔

اسی وقت لڑکے والوں کے آنے کا شور مچ گیا تو عافیہ اسے تیکھی نگاہوں سے دیکھتی کچن سے نکل گئی۔

زینب نے دھندلاتی آنکھوں کو بے دردی سے ہتھیلیوں سے رگڑ ڈالا۔

دل یک لخت ہی بوجھل سا ہو کر جیسے دھویں سے بھر گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

عمر کی فیملی کے ساتھ خاندان کی چند خواتین اور مرد بارات کے طور پہ آئے تھے۔ رات سکون کے ساتھ گزری۔ اوپری منزل پر سب کے زنانی بستر لگا دیے گئے تھے۔ تین کمروں میں پندرہ لوگ آسانی سے سو گئے۔ البتہ عمر کو عاقب کے ساتھ کمرہ شیئر کرنا تھا۔ عمر نے گرم جوشی سے اسے ہونے والے نکاح کی مبارک باد دی۔

صبح ناشتے کے لیے اکیلی زینی ہی گھن چکر بنی ہوئی تھی۔ اماں کو عافیہ کی سستی اور ہڈ حرامی بری طرح کھلی۔

"ارے عافی کو جگاؤ۔ تمہارا ہاتھ بٹا دے کچھ۔" انہوں نے زینی کو پکارا۔

"رہنے دیں تائی اماں! دلہن ہے وہ کام کرتی اچھی لگے گی بھلا۔" زینی نے بجھے دل کے ساتھ مسکرا کر کہا تو وہ تلملائیں۔

"تمہاری بھی تو شادی ہو رہی ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بندہ تخت نشین ہو کر بیٹھ جائے۔"

آپا کے سامنے عافیہ کی ہڈ حرامی انہیں بالکل بھی نہیں بھا رہی تھی۔ اتنے سارے مہمانوں کو بھلا اکیلی زینب کیا سنبھال پاتی۔ عمر کی بھابھی صاعقہ کے ہاتھ بھی طنز کا موقع لگا۔

"بھئی ہم تو مہمان ہیں یہاں' ورنہ خود ہی اٹھ کے سب نپٹا لیتے۔ اب کون دلہنا پے دیکھتا ہے اور پھر گھر آئے مہمانوں کی خاطر داری۔۔۔" تب اماں کو اٹھنا ہی پڑا۔ وہ کڑے تیور لے کے عافیہ کے کمرے میں گئیں۔

"اس قدر بے حیا اور ڈھیٹ لڑکی ہے یہ۔ رات ایک بار شکل دکھا کے دوبارہ پلٹی نہیں' خالہ کی طرف۔۔۔ ہونے والی ساس ہے۔ اتنا بھی لحاظ نہیں کیا کمبخت نے۔"

وہ دروازہ دھکیلتی اندر آئیں تو بستر خالی پا کر دل مطمئن ہوا۔ عافیہ اٹھ گئی تھی۔ وہ بیڈ پہ بیٹھ گئیں۔ وہ یقیناً" واش روم میں تھی۔ وہ بڑبڑائیں۔

"شکر ہے' اسے بھی عقل آئی کچھ۔" وہ اس کی گوشمالی کرنے کے خیال سے وہیں بیٹھی تھیں۔ تب ہی انہیں دھیان آیا کہ بیڈ کی چادر بے شکن تھی اور سفید چادر تہہ کی ہوئی پیروں کی طرف پڑی تھی۔ عافیہ اتنی سگھڑ تو نہ تھی کہ اٹھتے ہی چادر تہہ کر کے بیڈ شیٹ درست کر کے پھر باتھ روم جاتی۔

"زینی نے کیا ہوگا سب کچھ صحیح۔" انہوں نے ذہن کو دوسری طرف لگایا۔

پھر انہیں خیال آیا کہ زینی تو مستقل کچن میں سر کھپا رہی ہے۔ ان کا دل گھبرانے لگا۔ واش روم میں بالکل خاموشی تھی۔ پانی گرنے کی آواز تک نہ تھی۔

پھر ان کی نگاہ واش روم کے ادھ کھلے دروازے کی جھری پر پڑی۔ وہ بدقت اٹھ کر واش روم کی طرف بڑھیں۔ واقعی دروازہ کھلا تھا۔ انہوں نے دروازہ دھکیلا تو واش روم خالی۔

"یہ صبح صبح کہاں دفع ہوگئی۔" ان کا دل گھبرا گیا۔ دروازے تک جا کر انہوں نے زینی کو زور' زور سے آوازیں دیں تو وہ بھاگتی ہوئی آئی۔

"عافی کہاں ہے؟" انہوں نے متوحش انداز میں پوچھا تو وہ ان کے شانے کے اوپر سے کمرے میں جھانکتے ہوئے بولی۔

"واش روم میں ہوں گی۔ میں تو صبح سے ادھر آئی ہی نہیں۔"

"میرے خدا۔۔۔ وہاں مہمانوں میں دیکھ۔ وہاں نہ ہو۔"

"ادھر تو بالکل بھی نہیں ہیں۔ وہ سب تو دلہن دیکھنے کو بے تاب ہیں۔ ابھی ناشتا دے کے آرہی ہوں سب کو۔"

زینب نے تیقن سے کہا تو وہ لڑکھڑا سی گئیں۔ بے شکن بیڈ شیٹ تہہ کی ہوئی چادر' جیسے رات اس بستر پر

WWW.PAKSOCIETY.COM

کوئی سویا ہی نہ ہو۔ زینب نے گھبرا کر انہیں تھام لیا اور بیڈ پہ لا بٹھایا۔

"طبیعت تو ٹھیک ہے آپ کی؟"

"زینی۔۔۔ الماری چیک کر عافی کی۔" انہوں نے ڈوبتی آواز میں کہا تو وہ جیسے ان کی ذہنی حالت پہ شک کرتی ان کو دیکھتے ہوئے بولی۔

"الماری میں تھوڑی چھپی ہوں گی وہ۔"

"الماری میں زیور دیکھ کمبخت۔۔۔ کپڑا تا دیکھ اس کرموں جلی کا۔"

وہ دبی آواز میں دھاڑیں تو گھبرا کر زینی نے عافیہ کی الماری کے دونوں پٹ کھولے۔

کل تک ہینگرز پہ جوڑے لٹک رہے تھے۔ خانوں میں تہہ در تہہ پڑے تھے۔ ان کی نگاہ بے اختیار الماری کی سائیڈ پر پڑی۔ جہاں عافیہ کے جہیز کے کپڑوں کا سوٹ کیس رکھا تھا۔ وہ جگہ اب خالی تھی۔ ڈوبتے دل اور لرزتے قدموں کے ساتھ وہ تیزی سے آگے بڑھیں اور الماری کا لاکر کھولا۔ وہ کسی فقیر کے کاسے کی مانند خالی تھا۔

"ہائے۔۔۔" ان کی آواز میں غم واندوہ تو تھا ہی۔ مگر کچھ ایسی کیفیت بھی تھی جس نے زینب کو لرزا دیا۔

"راکھ ڈال گئی ہمارے سروں میں۔۔۔ عافیہ تیرا بیڑا غرق ہو۔" وہ رو دیں۔

زینب کی پیشانی پسینے کے قطروں سے چمک اٹھی۔ اماں دھڑام سے وہیں بیٹھ گئیں۔

"تائی اماں۔۔۔"

"زینی۔۔۔ مر گئے ہم لوگ، جنازہ نکل گیا آج تیرے تایا کی عزت کا۔ بھاگ گئی وہ بے غیرت گھر سے۔"

تائی اماں منہ پہ دوپٹا ڈالے بین کر رہی تھیں۔ زینب کو لگا اس کے قدموں تلے زمین نکل گئی ہو۔

زینب نے چوروں کی طرح سارے گھر میں دیکھ لیا۔ مگر وہ کہیں نہیں تھی۔ مجبوراً ابا کو کمرے میں بلانا پڑا۔

"کیا مصیبت ہے۔ ہزار کام پڑے ہیں وہاں اور یہاں تم۔" وہ کچھ غصے میں اور کچھ جھنجلائے ہوئے اندر داخل ہوئے۔ مگر اماں کو روتے، کرلاتے دیکھ کر گھبرا سے گئے۔

"کیا ہوا نیک بخت؟" عاقب سرخ چہرہ لیے تیز قدموں کے ساتھ اندر آیا۔

"کہاں گئی ہے وہ؟"

"کون۔۔۔ کیا ہوا، کچھ بتاؤ تو؟"

"ملک صاحب۔۔۔ لٹ گئے ہم۔ عزت کا جنازہ نکال گئی ہماری بیٹی۔" اماں بلک اٹھیں۔

ابا لڑکھڑا کر پیچھے ہٹے۔ پھٹی آنکھوں میں بے یقینی تھی۔ عاقب نے جلدی سے بڑھ کے انہیں سنبھالا۔

"عافی کہاں ہے؟" وہ بے اعتباری سے اماں، عاقب اور روئے چہرے والی زینی کو دیکھ رہے تھے۔

"وہ۔۔۔ وہ تو نہیں ہیں گھر میں۔۔۔ الماری بھی خالی ہے۔ کپڑے، زیور سب۔۔۔" زینی کو یہ لمحہ قیامت لگ رہا تھا۔ ابا کے منہ سے غراہٹ سی نکلی اور بس۔ وہ وہیں ڈھے گئے تو جوان جہان عاقب سے بھی نہیں سنبھالے گئے۔ زینب بے اختیار اس کی مدد کو آگے بڑھی تھی۔

☆ ☆ ☆

خالہ اور عمر کو یہ سب بتانا ایک اور قیامت تھا۔ مگر اماں نے بڑی بہن کے آگے ہاتھ جوڑ دیے۔

ان کی رنگت فق پڑ گئی۔ عمر نے سختی سے دانت بھینچے۔ کنپٹیوں کی رگیں نمایاں ہو گئیں۔ صاعقہ بھابھی کے ہاتھ ایک نیا شوشہ لگا۔

"اے لو۔۔۔ تو ہمیں کیا یہاں بے عزت کرانے کے لیے بلوایا تھا۔"

"نہ میری بچی، رات کو تو گھر پہ ہی تھی۔ ملی تھی تم لوگوں سے۔ پتا نہیں کس کے بہکاوے میں آ کر۔۔۔" اماں پھپھک کے رو دیں۔ جھوٹ بولتیں بھی تو کس منہ سے، ٹینشن سی ٹینشن۔ بارات کے ساتھ آئے مہمانوں کا خیال۔

ساری عمر کی جمع پونجی۔۔۔ ایک عزت۔

کراچی دلہن لینے آئے تھے۔ اب کیا کہتے سب سے؟

بارات بنا دلہن کے واپس جاتی؟

عمر کا دماغ خراب ہونے لگا۔ خالہ رونے لگیں تو ان کی طبیعت بگڑ گئی۔

"میں کیا منہ دکھاؤں گی برادری والوں کو۔ سسرالی عزیز ہیں میرے۔"

وہ اپنی جگہ صحیح تھیں۔ ابھی معاملہ فقط گھر کے لوگوں کے درمیان تھا۔ مگر کسی کو بھنک پڑ جاتی تو۔۔۔

ماں کی طبیعت کی خرابی عمر پر بھاری پڑنے لگی۔

"تماشا بنوا دیا آپ لوگوں نے ہمارا۔ اگر لڑکی کی مرضی نہیں تھی تو پہلے بتا دیتے۔ ہمارے لڑکے کو کون سا لڑکیوں کی کمی تھی۔" صاعقہ بھابھی ان کے لتے لے رہی تھیں۔ اماں نے ہاتھ جوڑ دیے۔

مگر فقط ہاتھ جوڑنے سے معاملہ نہیں بننے والا تھا۔ سب کو ابا کے ساتھ سر جوڑ کے بیٹھنا پڑا۔

زینی کا دل گھبرانے لگا۔ سب ڈرائنگ روم میں بند ہو گئے تھے۔ ابا کا دھیما لہجہ، عمر کی بلند آواز، تائی اماں کے بین، صاعقہ کا تیکھا انداز گفتگو۔

دروازے سے کان لگا کے کھڑی زینی کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ عمر اونچی آواز میں کافی کچھ بول رہا تھا۔ ابا کی آواز میں شکستگی تھی۔ معافی کی طلب تھی، ہار تھی۔

دروازہ کھلا تو وہ گڑبڑا کر سیدھی ہوئی۔ نگاہ عاقب کی سرخ ہوتی آنکھوں سے ملی۔ اسے دیکھ کر لب بھینچتا وہ تیزی سے باہر نکل گیا۔

سب باری باری چلے گئے تو اماں باہر آئیں اور ہونق کھڑی زینی کا ہاتھ تھام کر گھسیٹتی ہوئی اپنے کمرے میں لائیں، پلٹ کر دروازہ لاک کیا۔ زینی متحیر سی کھڑی تھی۔ اماں اس کا ہاتھ تھامے اپنے بستر تک لائیں۔ اسے اپنے سامنے بٹھایا۔

"یہ دیکھ زینی۔۔۔" ہاتھ اس کے سامنے جوڑ دیے۔ وہ ہڑبڑا کر حواس میں آئی۔

"یہ کیا کر رہی ہیں تائی اماں! میں کسی کو نہیں بتاؤں گی یہ بات۔" ان کے ہاتھ کھولے۔

"نہ میری بچی۔ یہ بات تو چھپنے والی نہیں ہے۔ ہاں مگر اپنی آپا کی عزت بچا کے بھیجنے کا ایک راستہ ہے ہمارے پاس۔"

"وہ کیا؟" زینی کا اپنا دماغ گھوما ہوا تھا۔

"تیرے تایا نے کہا ہے۔۔۔ آج نکاح کر دیتے ہیں عمر کے ساتھ۔ چپ کر کے دلہن بن کے بیٹھ جانا۔ میری آپا کی عزت رہ جائے گی۔ بڑی مشکل سے عمر مانا ہے۔ اب تو اعتراض نہ کرنا۔"

اماں کے ہاتھ پھر اس کے آگے بندھ گئے تھے۔ زینب کے کانوں میں سائیں سائیں ہونے لگی۔ پھٹی آنکھوں میں عاقب کی لال ہوتی نگاہیں در آئیں۔

تو ایک بار پھر اس کے نصیب میں عافیہ کی اترن آ گئی تھی۔ اس کا دل ڈوبنے لگا۔

☆ ☆ ☆

حالات خراب، اس کا موڈ خراب اور سب سے بڑھ کے یہ کہ اس کی قسمت خراب۔

جہاں آج اس کا اور عاقب کا نکاح ہونا تھا۔ وہاں اب اس کا اور عمر کا نکاح ہو رہا تھا۔ مہمانوں میں سے کسی کو بھی حقیقت کا پتا نہیں چلا۔ لمبے گھونگھٹ والی نکاح کی دلہن اور اس کے بعد میک اپ سے سجی سنوری عافیہ کے پرانے مگر کامدانی جوڑے میں ملبوس۔

زینب کے جسم کو وہ جوڑا کاٹ کھا رہا تھا۔ وہ متوحش تھی ——— زندگی نے ایک دم سے کروٹ بدل کر سب کچھ اتھل پتھل کر دیا تھا۔

ایسے میں اس کی سراسیمگی کو اس کی واحد محلے دار دوست نے کم کرنے کی کوشش کی۔ جب نکاح کے بعد وہ اسٹور میں گھسی زار و قطار روئے جا رہی تھی۔ تائی اماں کے حکم کے بموجب اسے چپ کروانے میں جب وہ ناکام ہو گئی تو تقریباً چلا ہی اٹھی۔

"تمہارا مسئلہ کیا ہے زینی؟"

"اندھی ہو گیا۔۔۔ دکھائی نہیں دے رہا، قسمت نے کیا کھیل کھیلا ہے میرے ساتھ؟" سرخ آنکھوں سے اسے دیکھ کر وہ غرائی۔۔۔ کہ فقط ایک وہی تو تھی جس پر وہ

WWW.PAKSOCIETY.COM

غصہ کر سکتی ہو سکتی تھی۔
"اسے کہتے ہیں ٹرننگ پوائنٹ۔" اطمینان سے کہتے ہوئے سامعہ نے اس کا بازو تھاما اور باہر کی طرف بڑھی اور دس جماعتیں تو وہ بھی پڑھی ہوئی تھی۔ اس سے الجھنے لگی۔ سب سے نظر بچا کر سامعہ اسے کھینچتی گھسیٹتی چھت پہ لے آئی۔
"اچھا بھلا میری زندگی میں اب سکھ، آرام آنے لگا تھا۔ قسمت کھلنے لگی تھی کہ پھر سے قسمت نے دھوکا دے دیا۔" ٹیرس کی دیوار سے ٹیک لگائے وہ بلک بلک کر رو پڑی۔
"کیا پتا تمہارے سکھ اور آرام کا راستہ اب کھلا ہو۔" سامعہ آرام سے بولی۔
"ساری عمر عافیہ کی اترن پہنی ہے میں نے... اب شوہر بھی اسی کا چھوڑا ہوا۔" زینی سے تو بات ہی مکمل نہ ہو پائی۔ سامعہ نے تاسف سے اس کے بہتے آنسوؤں کو دیکھا۔
"کتنے سال برتا ہے اس نے اس چھوڑے ہوئے شوہر کو؟" طنز سے پوچھا۔
"نام تو آگیا نا اس کے ساتھ اور ان دونوں کی دوستی بلکہ عشق کے قصے عافیہ سنا چکی ہے مجھے۔ یہ بڑی بڑی تصویریں ہیں دونوں کی عافیہ کے کمپیوٹر میں۔" دوپٹے سے ناک پونچھتے ہوئے وہ لال گلابی ہو رہی تھی۔ بڑے دکھ سے بولی۔
"ایسا ہی عشق ہوتا تو یوں بھگوڑوں کی طرح اسے چھوڑ کر بھاگتی؟ کچھ بھی نہیں تھا ان دونوں کے درمیان۔" سامعہ نے تحمل کا مظاہرہ کیا۔
"وہ تو بارات لے آیا نا، جو عشق میں سچا ہے۔"
"یہ تمہاری قسمت کی بارات تھی۔ اسے آنا ہی تھا زینی۔ اب اڑ کے پنجاب جانے سے تو رہیں تم۔"
"اچھی بھلی عاقی سے شادی ہو رہی تھی۔ کیسے ٹھاٹ ہوتے اس گھر میں میرے۔ عافیہ بھی دفع دور ہو جاتی۔"
اس کا کوئی ایک غم تھوڑی تھا۔ اب دوسرے کی دم پکڑ لی۔
"الو کی..." سامعہ نے بے اختیار غصہ کنٹرول کیا۔
"کیا ٹھاٹ ہوتے یہاں تمہارے؟ اتنے سالوں سے تمہاری تائی تمہیں اپنی بیٹی کی اترن پہنا رہی ہیں، کبھی بازار سے دلایا بھی تو کمتر۔ یا وہ جوان کی بیٹی نے ریجیکٹ کر دیا ہو۔ یہ ٹھاٹ کراتیں تمہیں؟ مفت کی نوکرانی ہو، نکمے فارغ بیٹے سے بیاہ رہی ہیں تمہیں۔" سامعہ نے دو آنکھیں مزید اس کے ہاتھ میں تھمائیں۔ مگر جو جان بوجھ کے اندھا اس کا دارو کیا؟
"تمہیں کچھ نہیں پتا۔" زینی نے پھر مظلوم بننا چاہا۔ مگر سامعہ اس پر بھاری تھی۔ تیز لہجے میں بولی۔
"مجھے سب پتا ہے اور تم سے زیادہ پتا ہے اور اب تم یہ مظلومیت کا لبادہ اتار دو زینی! خدا کا شکر ادا کرو کہ ایک عزت دار گھرانے میں بیاہ کے جا رہی ہو۔ اس گھر کی بیٹی بھاگی ہے۔ جسے وہ بیاہنے آئے تھے۔ مگر دیکھ لو سر منہ پیٹ کے تمہاری تائی اور تایا کی عزت اچھالنے کے بجائے نہ صرف اپنی عزت سنبھال رہے ہیں۔ بلکہ ان لوگوں کی عزت بھی ڈھک کے جا رہے ہیں تمہیں بیاہ کے۔"
"یہ تو ان لوگوں کا بڑا پن ہے۔" زینی کچھ کچھ متفق ہوئی۔
"تو اب تم لوگ بھی چھوٹے پن سے نکل کے انہیں کوئی بڑا پن دکھا دو۔" سامعہ نے طنز کیا۔ پھر اسے سمجھانے لگی۔
"یہ تو سوچو بے وقوف لڑکی کہ اس کی قسمت میں تمہیں بیاہ کے لے جانا لکھا تھا۔"
"اور عمر... پتا نہیں ان سب کا وہاں جا کر مجھ سے کیسا رویہ ہو۔" وہ اندر سے بہت سی باتوں سے خوف زدہ تھی۔
"کچھ نہیں ہو گا۔ عافیہ کی خالہ بڑی اچھی خاتون ہیں۔ تمہاری تائی سے زیادہ حوصلے والی اور صبر برداشت والی۔ کوئی اور عورت ہوتی تو بہن کی عزت اتار دیتی اور پھر تم سے تو سب راضی ہی ہوں گے اتنے نازک وقت میں سب کی عزت بچا رہی ہو تم ورنہ تو دونوں گھر کی ناک کٹ چکی تھی۔"

سامعہ نے اس کا ہاتھ تھام کر اسے یک لخت ہی روشنی میں لا کھڑا کیا تھا۔ سبک رو ہوا کا جھونکا اس کے چہرے سے ٹکرایا۔
"ارے ہاں... یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں۔" اس کی براؤن آنکھیں جگمگا اٹھیں۔
"اب تو سب کی نظروں میں میری ہی اہمیت ہو گی۔"
"بالکل... اور یہی تو تم چاہتی تھیں اور اس کے لیے تم عاقب جیسے ویلے نکمے سے شادی کرنے کو بھی تیار تھیں۔" سامعہ نے اطمینان سے کہا تو وہ کھلکھلا دی۔
"واقعی... یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں تھا کہ مجھے تو اپنی ایک حیثیت چاہیے تھی اور وہ مل گئی۔" سامعہ نے سکھ کا سانس لیا۔
آگے کی زندگی میں چاہے کیسے ہی امتحان کیوں نہ ہوتے فی الحال تو مطلع صاف تھا۔
یہی اطمینان تھا جس کی بدولت اگلے روز ناک بھوں چڑھا کر عافیہ کا پرانا، مگر خوب صورت سا کامدانی جوڑا اس نے پہن ہی لیا۔
"لمبے سفر کی وجہ سے بری لے کر نہیں آئے وہ لوگ... وہاں جا کر تو عیش ہی ہوں گے تمہارے۔" سامعہ کی تسلی نے جوڑے کی چبھن کو قدرے کم کیا۔ ساتھ ہی بے ساختہ گلہ بھی ہوا۔ تائی اماں سے اتنا نہ ہو سکا کہ نکاح (چاہے رہ ہی گیا تھا) کے موقع پر چار جوڑے اس کے بھی لے لیتیں۔
سامعہ سچ کہہ رہی تھی۔ گھر کی مرغی دال برابر۔
دنیا داری تھی۔ ورنہ اگلے دن وہ لوگ بنا کچھ کھائے پیے وہاں سے نکل پڑتے۔ اسے مووی اور تصویروں کے لیے عمر کے ساتھ بیٹھنا پڑا۔ اب زینی کا موڈ اچھا تھا اور شاید وہ واحد نفس تھی جو اس فنکشن کو انجوائے کر رہی تھی۔ باراتیوں کو تو دولہا کا سپاٹ سا انداز ہی الجھن میں ڈال گیا تھا۔ یہ وہ عمر تو نہ تھا جو پرسوں کے سفر میں ان کے ساتھ اپنی دلہن لینے نکلا تھا۔
ٹرین کا سفر تھا۔ کچھ امی کی طبیعت کی خرابی بہانہ بنی واپسی جلدی ہو گئی۔ تائی اماں نے بیمار بہن کے پاؤں تھام لیے۔
"تمہارا کیا قصور، جس کی قسمت میں جو تھا، مل گیا۔" بڑے حوصلے سے کہہ کر وہ بہن سے وداعی ملیں۔
زینی نے تائی اماں سے ملتے ہوئے مصنوعی منہ بسورا۔ اب تو نئی زندگی کا ایسا تجسس ہو چلا تھا کہ سب نقصان اور گھاٹے بھول گئے تھے۔ اس کے برعکس تائی اماں یوں اسے بھینچ بھینچ کے روئیں، جیسے اپنی اکلوتی نازوں پلی کو بیاہ کر دور دیس بھیجنے والی ماں رویا کرتی ہے۔
واپسی کا سفر محض انسانوں کا نہیں... مختلف سوچوں کا تھا۔

☆ ☆ ☆

اگلے روز وہ شمالی علاقہ جات کی طرف نکلنے والے تھے۔
عافیہ نے کسل مندی سے انگڑائی لی۔
"دو دن ہوٹل میں ہی ٹھہرے رہتے۔"
فیصل نہا کے بھی نکل آیا تھا۔ پینٹ، بنیان میں ملبوس وہ بال سنوار رہا تھا۔
"میری جان جو خرچا یہاں کرنا ہے۔ وہ ناردرن ایریاز میں کر لیں گے۔ ہنی مون کے دوران تو یوں بھی پیسہ پر لگا کے اڑتا ہے۔" منہ بناتے ہوئے عافیہ کو اٹھنا ہی پڑا۔
"تمہارے پاس کچھ رقم ہے تو دے دو۔ مل ملا کے کافی ہو جائے گا۔" نکلتے ہوئے فیصل نے کہا تو سر ہلا کر عافیہ نے اپنے بیگ میں سے پرس نکال کر بیس ہزار اسے تھما دیا۔ ہوٹل سے باہر نکلے تو فیصل کے پیچھے بڑھتی وہ ٹھٹکی۔ فیصل گاڑی کی ڈکی میں سامان رکھ رہا تھا۔
"یہ تو تمہاری گاڑی نہیں ہے۔"
"چھ... بیٹھو تو... بتاتا ہوں۔" فیصل ڈرائیونگ سیٹ کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔ تو وہ بھی گاڑی میں

WWW.PAKSOCIETY.COM

بیٹھ گئی۔

"فی الحال تو گھر والوں کو بھنک بھی نہیں پڑی ہماری شادی کی۔ بس میں نے یہی کہا ہے کہ ناردرن ایریاز کی سیر کو جارہا ہوں دوستوں کے ساتھ۔ اپنی گاڑی لیتا تو کوئی بھی واقف کار فوراً" پہچان لیتا۔" وہ بتا رہا تھا۔

"کچھ کیش تو نکلوا لیتے بینک سے۔" عافیہ کو اپنے بیس ہزار یاد تھے۔ ناک چڑھا کر بولی۔

"ابو کا موڈ پہلے ہی خراب ہے جانم! سیرو تفریح کا سنتے ہی انہوں نے محنت کی عظمت اور کام کام کام پر لیکچر دینا شروع کردیا۔ ایسے میں کیش مانگتا تو جوتے پڑتے۔"

وہ مسکرا رہا تھا۔ مگر عافیہ تو مسکرا بھی نہیں پائی۔ اس کی شکل دیکھ کر فیصل ہنس دیا۔

"ابھی تو عشق کے اور بھی بہت سے امتحانات باقی ہیں۔" اس کا مطلب پاکر عافیہ کھسیائی۔

"وہ تو ٹھیک ہے' میں تو اس لیے پریشان ہوں کہ لمبے سفر کے لیے نکل رہے ہیں' ہاتھ میں کھلا پیسہ ہونا چاہیے۔"

"تم دیکھنا تو سہی' کیسا شان دار ہنی مون ہوگا۔ بلکہ یہ تو ٹریلر ہے۔ اصل ہنی مون تو تب ہوگا جب میں تمہیں یورپ گھمانے لے جاؤں گا۔" وہ تفاخر سے کہتا عافیہ کو سرشار کرگیا۔

واقعی... اب جلدی کس بات کی تھی۔ فیصل اس کی مٹھی میں تھا تو سب کچھ اس کی دسترس میں تھا۔ جلد یا بدیر وہ اپنے باپ سے سب کچھ حاصل کرنے والا تھا۔ گنگناتے ہوئے گاڑی ڈرائیو کرتے فیصل کو اس نے بڑے پیار سے دیکھا تھا۔

☆ ☆ ☆

وہ ٹرین میں پہلی بار سفر کررہی تھی۔ اس لیے دلہن ہونے کے باوجود شرم و حیا کو بالائے طاق رکھے تمام راستے کھڑکی سے لگی باہر کی رونقیں دیکھتی رہی۔ عمر نہ جانے کہاں بیٹھا تھا۔ ایک بار بھی بھولے سے جو اس طرف پھٹکا ہو۔

امی کی طبیعت ناساز ہی تھی۔ تمام راستے منہ پر دوپٹا ڈالے پڑی رہیں۔ زینی کو شک سا تھا کہ وہ رو رہی ہیں۔ مگر اس نے زیادہ غور کرنا مناسب نہیں سمجھا۔

یوں بھی... وہ تو نئی زندگی شروع کرنے جارہی تھی۔ جو پہلے سے اس زندگی کا حصہ تھے' وہ اپنے غموں اور خوشیوں کے ساتھ جی رہے تھے۔ مگر زینی نے فی الحال اس زندگی سے کچھ تجربہ نہ حاصل کیا تھا۔ اسی لیے سامعہ کے دیے خواب اس نے اپنی آنکھوں میں سجا لیے تھے۔

تمام راستے صاعقہ بھابھی' ان کی گھنی سی ماں اور ماڈرن چلتر سی بہن سرگوشیاں کرتی اور ٹھٹھے لگاتی رہیں۔ بھابھی کے بالترتیب چار اور چھ سالہ منیب اور مطیب البتہ کتنی ہی دیر "چچی دلہن" کے اردگرد ہی رہے۔ پھر نیند آنے پر ماں اور نانی کی گود میں پڑ کے سو رہے۔

تھکا دینے والے طویل سفر کے بعد ٹرین گجرات کے اسٹیشن پہ رکی۔ سب پر سامان سمیٹنے اور ٹرین سے اترنے کی فکر سوار ہوئی۔ تب اتنے گھنٹوں کے سفر میں پہلی بار عمران کے ڈبے میں آیا۔ وہ ماں کی فکر میں مبتلا تھا۔ انہیں سہارا دے کر دروازے کی طرف بڑھا۔ زینی شش و پنج میں مبتلا کھڑی تھی۔

"یہاں تک خود آئی ہو بنو! آگے بھی خود ہی چلنا پڑے گا۔ بنا کسی سہارے کے۔ عادی کرلو خود کو۔" صاعقہ بھابھی کی ماں عادتاً" ٹھٹھا لگا کے کہتی۔ اس کے پاس سے گزریں تو وہ بھی خاموشی سے ان کے پیچھے چل دی۔ دوسری رشتہ دار خواتین نے اسے ویسا ہی پروٹوکول دیتے ہوئے اسٹیشن کے باہر کھڑی ہائی ایس میں بٹھایا۔ جیسا کہ نئی دلہن کو دیا جاتا ہے۔ یہ ہائی ایس عمر کا دوست لے کر آیا تھا۔

اسٹیشن سے محض دس منٹ کے سفر کے بعد وہ گھر پہنچ گئے۔ امی کی طبیعت کی خرابی کی وجہ سے تمام رشتہ دار اور تو اور بھابھی کی ماں اور بہن بھی راستے ہی میں اتر گئی تھیں۔ انہیں علم تھا۔ گھر جا کے اور کوئی رسمیں کرنے والی حالت تو کسی کی ہے نہیں۔ سو گھر تک

آتے محض زینی' صاعقہ بھابھی اور بچے' امی اور عمر ہی بچے تھے۔ عمر فرنٹ سیٹ پر بیٹھا دوست سے محو گفتگو تھا۔

گھر پہنچ کر عمر نے ہی ماں کو سہارا دے کر گاڑی سے اتارا۔ بھابھی اپنے بچوں کو لیے اتریں۔ عمر دروازے کا لاک کھول رہا تھا۔ زینی سر سے پھسلتے دوپٹے کو صحیح کرتی نیچے اتر آئی۔

اسے قدرے مایوسی ہورہی تھی۔ یہاں تو نئی دلہن والی کوئی صورت حال ہی نہ دکھائی دیتی تھی۔

عمر ماں کو سہارا دیے ان کے کمرے میں لے گیا اور وہ تین رویہ... برآمدے میں گھرے بڑے سے صحن میں تنہا کھڑی انگلیاں مروڑتی رہ گئی۔ صاعقہ بھابھی بچوں کو کمرے میں چھوڑ کے آئیں تو اسے یوں ہی کھڑا دیکھ کر مسکراہٹ دباتی اس کی طرف آئیں۔

"ہائیں... یہ نئی نویلی دلہن کو چھوڑ کے عمر کہاں چلا گیا؟" ان کی اداکاری بڑی فطری تھی۔ زینی سٹپٹا گئی۔

"وہ... خالہ جان کی طبیعت خراب ہے۔" عاقب اور عافیہ کی دیکھا دیکھی وہ بھی انہیں خالہ ہی کہتی تھی۔

"چلو... تمہیں کمرے میں چھوڑ آؤں' عمر کو تو شاید ساری رات تمہارے یہاں کھڑے ہونے کا خیال ہی نہ آئے۔"

وہ کہتی آگے بڑھیں۔ زینی خاموشی سے ان کے پیچھے بڑھ گئی۔ ایک کمرے میں داخل ہو کر انہوں نے لائٹ جلائی تو وہ دنگ رہ گئی۔ کمرہ عروسی سجاوٹ سے مہک رہا تھا۔ زینی کا دل لہرا سا گیا۔

"ہاں... ہا..." بھابھی نے تاسف سے آہ بھری۔ "انسان کیا سوچتا ہے اور قدرت ہمارے لیے کچھ اور ہی لکھے ہوئے ہوتی ہے۔ اب دیکھو۔ ایک ایک شے کو عمر نے عافیہ کے استقبال کے لیے سجایا تھا' مگر اس کم بخت کی قسمت میں ہی نہ تھا۔" زینی خجل سی ہونے لگی۔

بھابھی کو اچانک کچھ خیال آیا تو ان کا انداز راز دارانہ ہوگیا۔

"ویسے گئی کہاں وہ؟ تمہیں تو پتا ہی ہوگا۔ کہیں پکا یارانہ ہوگا اس کا۔ تب ہی تو عین شادی کے روز گھر والوں کے سروں میں خاک ڈالے نکل گئی۔" وہ منتظر نگاہوں سے زینی کو دیکھ رہی تھیں۔

"وہ... واش روم کہاں ہے؟" زینی کا سوال غیر متعلق تھا۔ بھابھی کی باتوں کو بریک لگی تو وہ بدمزہ سی ہوکر رہ گئیں۔

"یہ اٹیچڈ باتھ ہے۔" انہوں نے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

"میرے کپڑوں کا ایک بیگ تھا۔ سیاہ رنگ کا۔" وہ جھجکی۔

"سامان تو سارا باہر صحن میں پڑا ہے۔ جا کے دیکھ لو بھئی۔ میرا تو تھکن سے برا حال ہورہا ہے۔ ابھی نیٹ پہ جا کے عثمان کو ساری کہانی سنانی ہے اور ویسے..." وہ صفاچٹ انداز میں کہتی اس کے قریب جھک کر رازداری سے بولیں۔

"اب تم بھی آرام کرو تو بہتر ہے۔ ہماری ساس کم از کم آج کی رات تو عمر کو ادھر پھٹکنے بھی نہیں دیں گی۔ خوامخواہ اپنی نیند خراب مت کرنا۔" پھر آہ بھر کے بولیں۔

"قسمت تو خراب کرہی لی۔"

وہ چلی گئیں تو زینی نے سکون بھری سانس لی اور دلچسپی سے کمرے کی آرائش اور پھولوں کی لڑیوں کی سجاوٹ دیکھنے لگی۔

دل میں ایک آس سی تھی۔ عمر کمرے میں ضرور آئے گا۔ سو واش روم سے فریش ہوکے نکل آئی۔ باہر جا کے اپنا بیگ ڈھونڈنے کا اس کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ اپنے پرانے کپڑے تو ساتھ لانے کے قابل نہیں تھے سامعہ نے ہی اس کے بیگ میں عافیہ کے گھر میں پہننے والے کئی ایک جوڑے ڈال کے ساتھ کردیے تھے۔ وہ تکیے سے ٹیک لگائے فریش سی بیٹھ گئی۔

وہ منتظر تھی کہ عمر آکے کن الفاظ میں اس کا شکر گزار ہوتا ہے۔

"بھئی اتنی بڑی قربانی دی ہے۔ جی حضوری کرتا پھرے گا تمہاری۔" سامعہ نے کہا تھا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

زینب کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آن ٹھہری۔ وہ ذرا کھسک کر ٹھیک طریقے سے تکیے پر لیٹی۔
آہ۔۔۔ اسے سرور سا آیا۔
اپنا کمرہ' اپنا بستر
ملکیت کے احساس نے بڑے تفاخر سے دل میں جگہ بنائی۔ تیز رفتار چلتے پنکھے کی ٹھنڈی ہوا نے کب اسے نیند کی وادی میں پہنچا دیا۔ اسے خبر بھی نہ ہوئی تھی۔
امی کے بار بار کہنے پر عمر کمرے میں داخل ہوا تو زینب کو بے سدھ سوتے پا کر ان ہی قدموں واپس لوٹ گیا۔

☆ ☆ ☆

"عاقی۔۔۔ عاقب۔۔۔"
اماں کی متوحش سی آواز۔ انہوں نے عاقب کو بری طرح جھنجھوڑ کر اٹھایا تھا۔
"اٹھ دیکھ تو سہی۔ تیرے ابا کو کیا ہوا۔ طبیعت ٹھیک نہیں ہے ان کی۔"
وہ ساری رات کا جاگا' ابھی آنکھ لگی تھی مگر یوں اچھل کے اٹھا جیسے سویا ہی نہ تھا۔
ابا کی حالت ٹھیک نہ تھی۔ شدید ڈیپریشن اور ٹینشن نے دماغی خلیوں کو سخت متاثر کیا تو نتیجہ فالج کی صورت نکلا۔
بارعب سے ابا۔ جن کے قدموں کی دھمک سے زمین تھرتھراتی اور جن کی آواز سے وہ لوگ دبک جایا کرتے تھے۔ اب بے بس سے بستر پہ پڑے تھے۔ ان کا دایاں بازو اور ٹانگ بے حرکت تھی اور زبان بھی متاثر ہوئی تھی۔
اماں نے جھولیاں پھیلا پھیلا کر ان کی زندگی اور عافیہ کی بربادی کی دعائیں مانگیں۔
اسپتال کے کوریڈور میں عاقب حوصلہ ہار کر ان کے شانے میں منہ چھپا کے رو دیا۔
بہن غیرت کو للکار گئی تھی اور باپ کی بے بسی نے عاقب کے نکمے پن کو جھنجھوڑ کے رکھ دیا۔
اسے ان دیکھے بوجھ سے یک لخت ہی اپنے شانے بوجھل ہوتے محسوس ہوئے تھے۔

☆ ☆ ☆

صبح اگر بھابھی اسے نہ جگاتیں تو وہ جانے کتنی دیر تک خواب خرگوش کے مزے لیتی رہتی۔ چند لمحے تو وہ سوئے ذہن کے ساتھ بھابھی کو دیکھتی رہی۔
"اب اٹھ جاؤ دلہن رانی۔ سویرا نکل آیا۔ نکلنے والے بھی نکل گئے اور تم یہاں سوئی پڑی ہو۔"
ان کا مخصوص کچھ سمجھاتا ہوا۔ مگر سمجھ میں نہ آنے والا انداز۔ زینی بے اختیار اٹھ بیٹھی۔ ادھر ادھر دیکھا۔ بھابھی خوب سمجھیں۔
"کوئی بھی نہیں آیا رات بھر ادھر۔ ہم نے تو پہلے ہی اشارہ دے دیا تھا۔ امی حضور کے تیور ہی نہیں لگ رہے تھے عمر کو کمرے میں بھیجنے والے۔ بھئی' اب بھانجی کی جگہ اتنی آسانی سے تو کسی کو نہیں دے سکتیں نا اور عمر بے چارہ۔۔۔ چہ چہ۔۔۔" وہ مزہ لے رہی تھیں۔ زینی کے کان کھڑے تھے۔
"ایک ایک شے عافیہ کے لیے سجا کے گیا تھا۔ اب وہیں تمہارے ساتھ رات گزارنا تو اسے قیامت ہی لگتا نا۔"
دھڑ دھڑ دھڑ
زینی کے اوپر سے کوئی ٹرین گزری۔
برا ہوا مرد۔ عافیہ کی اترن
"اب یہ تو ماں کو چاہیے کہ تمہاری قربانی کا خیال کرتے ہوئے بیٹے کو سمجھائے۔ مگر نہ جی۔ یہاں تو جو مسکین اور مظلوم ہے' اسی کو دبایا جاتا ہے۔ اچھے بدلے نکالیں گے تم سے عافیہ کے۔۔۔ اٹھ جاؤ اب ناشتا کرلو۔"
اسے اچھی طرح "ٹھنسا" کے اب وہ ناشتے کا مژدہ سنا رہی تھیں۔ زینی کے لیے تمام حقیقت ناقابل قبول اور ڈراؤنی سہی مگر یہ بھی ایک تلخ حقیقت تھی کہ رات سے ایک کھیل بھی اڑ کر منہ میں نہ گئی تھی اور اب معدہ دہائیاں دے رہا تھا۔

وہ چپ چاپ منہ دھونے اٹھ گئی۔
ناشتے کے دوران بھابھی نے کھل کر عافیہ اور عمر کے رومانس کی آنکھوں دیکھی حقیقت بیان کی تھی جس کے کئی پارٹ زینی کو جھیلنے پر مجبور کر گئے۔
"اب خود سوچو۔ اتنی نزدیکیاں اور بے باکیاں کوئی مرد اتنی جلدی بھلا سکتا ہے؟ کیا کیا نہیں سوچا ہوگا اس نے عافیہ کے بارے میں۔۔۔"
بھابھی شادی شدہ تھیں۔ روانی سے بولتی جا رہی تھیں' مگر زینی کس پل صراط سے گزر رہی ہے' یہ انہیں خبر نہ تھی۔
اسے رونا آگیا۔ ناشتا وہ کر چکی تھی۔ بھابھی نے برتن سمیٹے۔ زینی کی بھیگتی پلکیں وہ دیکھ چکی تھیں۔
"بے وقوف ہو تم۔ رو کے بزدلی دکھاؤ گی تو گھلا کے مار ڈالیں گے ماں بیٹا تمہیں۔ یہاں تو مقابلہ کرنا پڑے گا ان کی چالبازیوں کا تمہیں۔" بھابھی نے زینی کے ہاتھ میں ایک ہتھیار تھمایا۔
"میں بھلا۔۔۔ کیا کر سکتی ہوں۔ میں نے تو ان لوگوں کی عزت بچائی ہے۔"
وہ بے بسی سے بولی تو آنسو پلکوں کی باڑ توڑ کر رخساروں پہ لڑھک گئے۔ بھابھی چپکیں۔
"وہی تو۔۔۔ اسی لیے تو کہہ رہی ہوں کہ تمہارا پلڑا بھاری ہے۔ ذرا سی بھی نرمی دکھاؤ گی تو سر پہ چڑھ کے ناچے گا عمر تمہارے۔ اب اگر احسان کیا ہی ہے تو اسے ٹھیک طرح سے جتاؤ بھی۔" نئے سبق' نئے انداز۔
زینی کو جلد ہی کوئی فیصلہ کرنا تھا کہ اس کو اس نئی زندگی میں کیا حکمت عملی اپنانی ہے۔
باہر کٹکا ہوا تو بھابھی ٹرے اٹھا کے پلٹیں۔
"آج کا ناشتا تو میں نے کروا دیا۔ مگر آئندہ سے تم جانو اور تمہارا کام۔ میں تو بھئی' بمشکل اپنا اور بچوں کا کام کر پاتی ہوں۔ باقی تم جانو اور تمہاری ساس اور میاں جانیں۔" ایک دم سے اتنا بے اعتنا لہجہ اور بے مروت انداز۔ زینی آنکھیں پھاڑ کے انہیں دیکھ کے رہ گئی۔
بیرونی گیٹ کھلا' عمر امی کو تھام کے اندر لا رہا تھا۔ شاید وہ لوگ ڈاکٹر کے پاس سے ہو کے آرہے تھے۔
کمروں کے آگے برآمدہ تھا اور برآمدے کو لوہے کی مضبوط جالیوں سے کوریڈور میں تبدیل کر دیا گیا تھا اور ان جالیوں پر تیز دھوپ سے بچاؤ کے لیے چقیں لٹکائی گئی تھیں۔ جس کی وجہ سے برآمدے اور کمروں میں ٹھنڈک کا احساس نمایاں تھا۔
زینی برآمدے ہی میں فریج کے پاس پڑی چار کرسیوں والی میز کے گرد رکھی کرسی پر بیٹھی تھی۔ عمر اس کے پاس سے گزرا۔ وہ منہ اٹھائے دیکھے گئی نہ سلام نہ دعا۔ امی خود ہی رکیں۔ وہ نڈھال سی تھیں۔
"اندر آؤ میرے پاس۔" انہوں نے کہا تو وہ ان دونوں کے پیچھے چل دی۔
عجیب سی شادی' عجیب سی سسرال۔ عمر نے انہیں سہارا دے کر بستر پر بٹھایا اور پنکھا فل اسپیڈ پر چلا دیا۔
انہوں نے اشارے سے زینی کو اپنے پاس بلایا۔ عمر باہر نکلنے لگا تھا۔
"تم کہاں جا رہے ہو۔۔۔؟" امی نے نقاہت زدہ لہجے میں اسے روکا۔
"نیند آرہی ہے مجھے۔ تھوڑا آرام کروں گا۔" وہ بنا مڑے کہہ کر چلا گیا۔
زینی دل ہی دل میں اس سے خفا ہو گئی۔
"اب نیند آرہی ہے موصوف کو اور ساری رات کیا ہل چلاتے رہے ہیں۔"
"ساری رات کا جاگا ہوا ہے۔ میری طبیعت ٹھیک نہیں تھی نا' کبھی سر دباتا رہا اور کبھی ٹانگیں۔" امی نے پیار سے عمر کا ذکر کیا۔
زینی کڑھی (اچھی مصروفیت پہ لگا رکھا تھا بیٹے کو)
"تم بتاؤ۔ ٹھیک سے سوئیں؟" وہ یوں پوچھ رہی تھیں جیسے وہ اس گھر میں سونے کے لیے ہی تو لائی گئی تھی۔
"جی۔۔۔" سر جھکا کر دھیرے سے کہا۔
امی نے رک کر جیسے کچھ سوچا' جانے الفاظ جمع کر رہی تھیں کہ ہمت' پھر بڑے تحمل سے بولیں۔
"پیچھے جو کچھ ہوا' اسے بھول جانا زینب! تب ہی آسانی سے زندگی میں آگے بڑھ سکو گی اور اب یہ

WWW.PAKSOCIETY.COM

تمہارے ہاتھ میں ہے کہ تم عمر کو بھی وہ تلخ یادیں بھلا دو۔ تمہاری دہری ذمہ داری ہے بیٹا۔"

لو جی۔۔۔ یعنی یہ تو نہ ہینگ لگانے کے موڈ میں ہیں اور نہ پھٹکری اور رنگ بھی چوکھا چاہ رہی ہیں۔

اس نے تپ کے سوچا۔ مگر منہ سے فقط "جی" کہہ کر سر جھکا لیا۔

☆ ☆ ☆

صاعقہ بھابھی صرف اپنا اور اپنے بچوں کا کام کرتیں' اپنا کمرہ اور اس کے آگے کا برآمدہ صاف کرلیتیں اور بس۔

جبکہ اگلے ایک ہفتے میں باقی سارے گھر کی ذمہ داری زینب پہ آن پڑی۔

"بھئی ہم تو اکیلی جان ہو۔ کچن بھی سنبھال سکتی ہو۔ میرے تو بچوں ہی کے کام ختم نہیں ہوتے۔ سالن وغیرہ تو میرے بچے کھاتے نہیں' بس میں ہی ذرا سا لوں گی۔ بھئی تم لوگ تین جانیں ہو' پکانا تو تمہیں ہی چاہیے۔" انہوں نے بڑی ہوشیاری سے اپنی جان چھڑائی۔

اب وہ تھیں اور کیبل کے پروگرامز۔ وہاں سے اٹھتیں تو اسکائپ پہ میاں کے ساتھ گپ شپ شروع ہوجاتی۔ ان کے دونوں بچے منیب اور مطیب چچی سے نوڈلز اور چپس بنوا کے کھا لیتے۔

زینب کے دل میں بسی اپنے گھر کی خواہش پوری ہونے لگی۔ الماری کھولی تو بری کے جگمگاتے ہینگرز پر لٹکے کپڑوں نے آنکھیں خیرہ کردیں۔

پھر تو وہ روز جھاڑو پوچا لگاتی' ڈسٹنگ کرتی' مزے کا کھانا بناتی اور پھر شان سے نہانے کے بعد بری کا ایک سوٹ چڑھا کے بیٹھ جاتی۔ کچھ خدا نے روپ بھی دیا تھا اور الٹرا انداز بھی۔ سو بہت سی باتیں وہ دل پہ نہ لیتی تھی مگر یہاں یہ ہوا کہ منے سنورنے کے بعد دل کسی کی توصیفی نگاہ کے لیے مچلنے لگا۔

اسے اپنے آپ میں مگن بھرپور زندگی گزارتے دیکھ کر عمر کے انداز میں مزید سرد مہری سی اتر آئی تھی۔

جب سے زینی بیاہ کے آئی' وہ ایک بار بھی اس سے ہمکلام نہ ہوا تھا۔ سامعہ کو فون کیا تو اس نے جی بھر کے لتاڑا۔

"وہاں جا کے سب کو بھول ہی گئی ہو۔ تمہارے بابا کو فالج نے ادھ موا کردیا ہے۔ عافیہ تو سمجھو ان کے لیے مر ہی گئی۔ عاقب اب بابا کی جگہ کام کر کے گھر کی ذمہ داری سنبھال رہا ہے۔"

وہ بھونچکی رہ گئی۔ خالہ کے سامنے ہی صوفے میں دھنس کر رونے لگی۔

"کیا ہوا۔ خیریت تو ہے؟" وہ پریشان ہوا ٹھیں۔

زینی نے ساری بپتا کہہ سنائی۔ جسے انہوں نے صبر سے سنا اور پھر بڑے حوصلے سے بتایا۔

"میں جانتی ہوں۔ آپا کا فون آیا تھا۔ سچ پوچھو تو ان پہ تو آزمائش ہی آگئی ہے۔ مگر انہوں نے ہم میں سے کسی کو بھی وہاں آنے سے منع کردیا۔ فون پہ ہی میں اور عمر احوال پوچھ لیتے ہیں۔ تمہیں اس لیے نہ بتایا کہ تمہارا دل پریشان ہوگا۔"

وہ پتا نہیں واقعی سچ کہہ رہی تھیں یا اپنی سنگدلی پہ پردے ڈال رہی تھیں۔

زینی سوں سوں کرتی امی اور عمر دونوں سے برگشتہ ہوگئی۔

"ہونہہ پورا گھر سنبھال رہی ہو۔ کراچی بھیج کے ہاتھ سے تھوڑا گنوائیں گے تمہیں یہ لوگ۔"

صاعقہ بھابھی نے آنکھیں نچا کے اس کے دکھ کو اور بڑھایا۔ زینی کا دل ہر شے سے اچاٹ ہونے لگا۔

☆ ☆ ☆

اس نے الماری میں ہینگرز پر ترتیب سے لٹکے ان گنت کپڑوں پر یاسیت سے ہاتھ پھیرا۔ اب تو کسی رنگ پہ دل للچاتا ہی نہ تھا۔

"جس کے نام کی یہ بری ہے۔ وہی میرا نہیں تو یہ سب۔۔۔" اس نے بے دلی سے الماری کے پٹ بند کردیے تھے۔ کھٹکے پر پلٹ کر دیکھا تو عمر بستر کے کنارے ٹکا جھک کر شوز اتار رہا تھا۔ زینی کو غصہ آیا۔

وہی غصہ جو کبھی کبھار سامعہ سے لڑ کے اتارا کرتی تھی۔ وہ عمر کے سر پہ جا کھڑی ہوئی۔

"آپ کو میں نظر نہیں آتی؟" اس نے عمر کے ہاتھوں کو ست پڑتے دیکھا۔ اس نے نظر اٹھا کے لمحہ بھر کو زینی کی طرف دیکھا پھر شوز بیڈ کے نیچے کھسکائے۔ اپنے سلیپرز پہنے اور اٹھ کھڑا ہوا۔

اب وہ زینی کے بالمقابل تھا۔ زینی نے اس کے ملبوس سے اٹھتی خوشبو کو بہت اچھی طرح محسوس کیا تھا۔

"میں حقیقت سے نظریں چرانے والوں میں سے نہیں ہوں۔ اور کون ہے یہاں جو نظر آئے گا۔" عمر کے لہجے میں ایک سلگتی ہوئی کیفیت تھی۔

"مجھے کسی نے بابا کے بارے میں کیوں نہیں بتایا۔ میں وہاں جاتی ان کا حال پوچھنے۔" زینی نے احتجاج کیا۔

"مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ ان لوگوں نے ہی منع کردیا ہے وہاں آنے سے۔ فون پہ حال پوچھ لو تم بھی۔"

"مگر مجھے بتاتے تو۔۔۔"

"اب بتا دیا نا۔۔۔" وہ یکلخت ہی سرد لہجے میں بولا۔ وہ واش روم کی طرف بڑھا۔

"میں یہاں اپنی مرضی سے نہیں آئی ہوں۔" زینی نے اسے جتایا۔ کمال ہے میری قربانی اسے دکھائی ہی نہیں دیتی۔

اب پتا نہیں اس کی بات میں کیسا اثر تھا۔ وہ رکا ہی نہیں بلکہ پلٹ کر اس تک واپس بھی آیا۔

"جانتا ہوں۔ بے فکر رہو تم۔ جو تمہاری مرضی ہے وہی کرنا۔ مجھے بار بار جتانا مت۔"

سرد لہجہ' سپاٹ انداز۔

وہ واش روم جا چکا تھا۔ زینی جھرجھری سی لے کر بیدار ہوئی۔ اس نے کلس کر سوچا۔

"ان لوگوں کو تو بس نوکرانی چاہیے گھر کے لیے اور وہ مل گئی۔ عافیہ یہاں آتی تو تنکا نہ توڑتی۔"

وہ امی اور عمر سے برگشتہ ہونے لگی۔

☆ ☆ ☆

مری' نیو مری' ایبیہ تک گھوم پھر لیا۔ عافیہ کا دل اس ہنی مون سے بھر گیا۔ کیونکہ پرس خالی ہونے کو تھا۔

وہ اب واپس جا کے جلد از جلد فیصل کے محل نما بنگلے پہ اپنی حق داری جتانا چاہتی تھی۔

آخر وہ اس بنگلے کے اکلوتے وارث کی بیوی تھی اب۔ اسے سوچ کر ہی سرشاری ملتی۔

فیصل کی لمبی گاڑی میں ایک بار لفٹ لینے سے اس کے تو بھاگ ہی کھل گئے تھے۔

عافیہ نے زندگی میں کبھی گھاٹے کا سودا نہیں کیا تھا۔ عمر جیسا جذبات میں کھرا بندہ چھوڑ کے اس نے لاکھوں میں کھیلنے والے شخص کو چنا تھا۔ اسے اپنے بروقت فیصلے پر ناز ہوتا۔

"فیصل۔۔۔ گھر کب چلیں گے؟"

"کیا بات ہے۔۔۔؟" فیصل نے اس کی کمر کے گرد ہاتھوں کی گرفت باندھی۔ عافیہ نے ناز سے منہ بسورا۔

"بور ہوگئی ہوں میں۔" فیصل نے ہلکے سے جھٹکے سے اسے اپنے قریب کیا۔

"میرے ساتھ ہوتے ہوئے بھی۔۔۔ اب تو اس گستاخی کی سخت سزا ملے گی تمہیں۔"

اس کا انداز ذو معنی اور لہجہ مسکراتا ہوا تھا۔ مگر عافیہ کا دھیان تو اپنے پرس کی طرف اٹکا تھا۔ بیس ہزار تو شروع سفر میں ہی اس نے فیصل کو پکڑا دیے تھے۔ اوپر کے پچاس ہزار میں سے بھی پانچ سات ہی اس کے پاس بچے تھے۔

اب یہ ستر ہزار فیصل کے لیے تو شاید ستر روپوں کے برابر تھے۔ مگر عافیہ جیسی تنخواہ دار کے لیے تو ایک بڑی رقم تھی۔ مگر فیصل بے فکر تھا۔

"اب مجھے شاپنگ بھی تم ہی کرواؤ گے۔ میرا پرس تو خالی ہوچکا۔" عافیہ نے اس کے شانے پر سر رکھتے ہوئے کہا تو لمحہ بھر کے توقف کے بعد وہ بولا۔

"میں سوچ رہا تھا کہ تم ٹھیک ہی کہہ رہی ہو۔ ہم

WWW.PAKSOCIETY.COM

یہاں رہ کے خوامخواہ اپنی سیونگز اڑا رہے ہیں۔ آگے چل کے پتا نہیں کیسے حالات ہوں۔ ابھی واپسی پہ شاید کرائے کا گھر بھی لینا پڑے۔" عافیہ کو جھٹکا سا لگا۔

"کرائے کا گھر۔۔۔؟"

"سیدھا گھر لے جا کے ابو سے جوتے کھاؤں گا کیا؟" وہ مسکرایا۔

"وہ ہمارا ابھی گھر ہے فیصل! اب میں بہو ہوں اس گھر کی۔" اس نے اپنے لفظوں پہ زور دیتے ہوئے کہا۔ فیصل کی گرفت اس کی کمر پر اور مضبوط ہوئی۔

"میں نے کب انکار کیا ہے جان! مگر براہ راست ابو سے ٹکر لینا دانش مندی نہیں ہے۔ پہلے تو جا کے امی ابو کو رام کرنا پڑے گا۔ ان کے ذہن میں تمہارے لیے جگہ بنے گی تو گھر میں خود بخود ہی بن جائے گی وہ غصے میں عاق بھی کر سکتے ہیں مجھے۔"

آگے کی مشکلات کا اندازہ کر کے عافیہ گہری سانس بھر کے رہ گئی۔

☆ ☆ ☆

عمر بہت پرجوش سا مٹھائی کا ڈبہ لے کر گھر آیا۔ مگر زینی کا موڈ اس قدر خراب تھا کہ اسے کوئی تجسس نہ ہوا وہ سب کام چھوڑ چھاڑ کمرے میں آ گئی۔

تھوڑی دیر بعد امی کی پکار سنی تو اسے مجبوراً ان کے کمرے میں جانا پڑا۔ دونوں ماں بیٹا جانے کس بات پہ کھلے پڑ رہے تھے۔ مٹھائی کا ڈبہ بیچ میں کھلا پڑا تھا۔

"تم کہاں رہ گئیں۔" امی کو اس نے اتنے دنوں میں پہلی بار خوشی کے اس تاثر میں دیکھا تھا۔

"میں نے کہاں ہونا ہے۔ وہی گھر کے کام کاج۔ کچن کی ڈیوٹی اور واشنگ مشین۔" اس کا انداز لٹھ مار تھا۔ عمر نے بے اختیار اس کی طرف دیکھا۔ مگر زینی کا ارادہ اس سے دبنے کا قطعی نہیں تھا۔ اگر وہ عافیہ کی یادوں میں ڈوب کر زندگی گزار سکتا تھا تو وہ بھی اپنا غصہ نکالنے میں آزاد تھی۔

"اچھا۔ وہ سب تو ہوتا رہے گا۔ آ کے مٹھائی تو کھاؤ۔" امی نے ماحول کو خوشگوار ہی رکھنا چاہا۔

مگر زینی کا خوامخواہ کی مروت نبھانے کا کوئی موڈ نہ تھا۔

"یہاں کون سی کام والیاں بیٹھی ہیں۔ میں ہی خود کروں گی نا اور میرا میٹھا کھانے کا موڈ نہیں ہے۔" [illegible] کے تاثرات میں سنجیدگی اتر آئی۔ ایک شکایتی نظر اس کو دیکھ کر وہ اٹھ گیا۔

امی آوازیں دیتی رہیں مگر وہ کمرے سے نکل گیا تھا۔

(اچھا ہے نا۔ میرا دل جلانے والوں کا دل بھی جلنا چاہیے) زینی مطمئن ہوئی۔ امی کو تاسف ہوا۔

"خوامخواہ موڈ خراب کر لیا۔ اتنی عالیشان پوسٹ پہ نوکری ملی ہے میرے بیٹے کو۔ آج تو خوشی کا دن تھا۔" زینی نے چونک کر انہیں دیکھا۔

☆ ☆ ☆

"دماغ تو خراب نہیں ہو گیا تمہارا۔ یہ کون سے طریقے اپنا رہی ہو تم۔ بجائے اس کے کہ تم وہاں اپنی ایک اہمیت بناتیں الٹا اپنی حیثیت بھی کھو رہی ہو۔" سامعہ فون پر ہی اس پر چڑھ دوڑی۔ زینی جز [illegible] ہوئی۔

"کون سی حیثیت۔ نوکرانی بنا لیا ہے مجھے۔"

"بکو مت۔ اپنا گھر ہے وہ تمہارا زینی! یہ کیوں نہیں سوچتیں۔" سامعہ نے زور دے کر کہا۔ "یہاں بھی تو بیگار کاٹ رہی تھیں مفت کی۔" وہ یاسیت سے بولی۔

"اپنوں سے مل کر اپنا گھر بنتا ہے سامی! اب خالی اینٹ پتھروں سے ساری عمر سر پھوڑتی رہوں۔"

"یا اللہ۔۔۔ اس لڑکی کو کیسے سمجھاؤں۔ جو قیامت ان لوگوں پہ گزری ہے اس سے سنبھل تو لینے دو انہیں، سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

عمر اندر داخل ہوا تھا۔ زینی نے آواز بڑھائی۔ ظاہر یونہی کیا جیسے اس کی آمد سے انجان ہو۔

"ہاں۔ ان ہی پہ تو قیامت گزری ہے۔ مجھے تو کوئی دکھ کوئی غم ہے ہی نہیں جیسے۔ میرا بھی تو نکاح ہونے والا تھا عاقب سے اس روز۔ میری زندگی برباد نہیں ہوئی کیا؟"

عمر نے سب اچھی طرح سنا۔ زینی کی اونچی آواز، بسورتا لہجہ وہ لب بھینچے تیز قدموں سے چلتا ماں کے کمرے میں چلا گیا زینی کھل کے مسکرا دی۔

(اب پتا چلے گا موصوف کو۔ اتنی گئی گزری نہیں ہوں۔ ان کی منگیتر تھی تو میرا بھی ایک عدد منگیتر تھا)

☆ ☆ ☆

فیصل نے شاید کسی دوست کے ذریعے پہلے ہی بندوبست کر رکھا تھا۔ واپسی پہ وہ اسے سیدھا کرائے کے گھر میں لایا۔

دو کمرے ایک باتھ ایک کچن، مختصر سا صحن اور بس۔

عافیہ کا دل بیٹھنے لگا۔

"یہاں رہیں گے ہم۔۔۔؟"

"ابھی تو قیوم کی مہربانی ہے جو یہ ہلکا پھلکا سامان افراتفری میں خرید کے گھر سیٹ کر دیا ہے اس نے۔" فیصل مطمئن تھا۔

عافیہ نے اس "عالیشان" سامان کو دیکھا۔ کوئی بیڈ یا چارپائی نہ تھی۔ زمین پر ڈبل بیڈ کا گدا بچھا کر اوپر صاف ستھری بیڈ شیٹ ڈال دی گئی تھی۔ سائیڈ پہ رکھی دو کرسیاں اور بس۔ یہ ان کا بیڈ روم تھا۔

اس نے ساتھ والے کمرے میں جھانکا۔ وہ خالی بھائیں بھائیں کر رہا تھا۔ البتہ کچن میں چولہا سیٹ تھا اور کاؤنٹر پہ ہی ضرورت کے برتنوں کا ڈھیر رکھا تھا۔ جو شاید نئے ہی خرید کے لیے گئے تھے۔ عافیہ کا بی پی لو ہونے لگا۔

"کم از کم اچھا سا فرنشڈ تو کروا لیتے فیصل! بالکل کسی غریب کی کٹیا لگ رہی ہے۔" وہ صدمے کی کیفیت میں تھی۔ مگر وہ بے فکر تھا۔

"کر لیں گے یار! پریشان کیوں ہوتی ہو۔ کون سا تم نے یا میں نے نوکری چھوڑ دی ہے۔" عافیہ نے تنک کر کہا۔

"تم سے شادی کے بعد بھی میں ٹکے ٹکے کی نوکریاں کرتی پھروں؟"

"کم آن یار! تم تو آزمائش کی پہلی سیڑھی پہ ہی تھک کے بیٹھ گئی ہو۔ کیا میں نے تمہیں پہلے سے یہ سب نہیں بتایا تھا؟" وہ بھی خفا ہوا تو عافیہ ٹھنڈی پڑ گئی۔

"مگر کب تک فیصل۔ پلیز اپنے گھر والوں سے بات کرو۔ مجھے ایسے گھر میں رہنے کی عادت نہیں ہے۔" اب کی بار اس کا انداز التجائیہ تھا۔ فیصل کے لبوں پر مسکراہٹ کھیل گئی۔

"آؤ ذرا اپنا زمینی بیڈ تو چیک کریں۔" ہاتھ بڑھایا مگر وہ تیزی سے پیچھے ہٹ گئی۔

"اس سے بہتر ہے کہ میں جا کے کچن کا چولہا چیک کروں اور چائے بناؤں، ٹینشن سے سر درد شروع ہو گیا ہے۔"

اس کے جانے کے بعد فیصل گدے پر اطمینان سے نیم دراز ٹانگ پر ٹانگ جمائے گنگنانے لگا۔

اس کے انداز و اطوار میں بلا کا اطمینان تھا۔

☆ ☆ ☆

عمر کو اپنی جاب کی وجہ سے بہت خوب صورت گھر بھی ملا اور شان دار گاڑی بھی۔

"امی! یہاں سے کچھ بھی نہیں لے جائیں گے سوائے کپڑوں اور انتہائی پرسنل چیزوں کے۔ ویل فرنشڈ گھر ملا ہے۔" عمر نے مسکرا کر کہا تو وہ خدا کا شکر بجا لائیں۔

صاعقہ بھابھی تو تفصیل سن کر ہی برافروختہ ہو گئیں۔

"امی جی۔ آپ چلی جائیں گی تو میں یہاں اکیلی کیسے رہوں گی؟" ان کے لہجے کا ادب و احترام بہت اجنبی سا تھا۔ امی نے بڑی آس سے عمر کی طرف دیکھا۔ مگر وہ صاعقہ بھابھی کی رگ رگ سے واقف تھا۔

عثمان بیرون ملک گیا تب عمر پڑھ رہا تھا اور ابھی وہ نوکری پر بھی نہیں لگا تھا کہ صاعقہ بھابھی نے خرچوں کے بڑھ جانے کا رونا رو کر اپنا ہر خرچ الگ کر لیا تھا۔ اور نہ ہی کبھی عثمان کو توفیق ہوئی تھی کہ وہ بھائی نہ سہی

WWW.PAKSOCIETY.COM

ماں ہی کا خرچ الگ سے بھجوا دیتا۔
"آپ اپنی امی کو بلوالیں یا پھر بھائی کے پاس چلی جائیں۔" عمر نے صفاچٹ انداز میں کہہ دیا۔
وہ دل مسوس کے رہ گئیں۔ بڑے سے لان والا شان دار سا گھر ان کی آنکھوں کے آگے ناچ رہا تھا۔
انہوں نے صحن میں پوچا لگاتی زینی کو حسد اور رشک کی ملی جلی نگاہ سے دیکھا۔
(اس بے وقوف کو پتا ہی نہیں کیسا روشن ستارہ اس کے ہاتھ لگ گیا ہے)

☆ ☆ ☆

نئے گھر میں آکر زینی تو گویا قوت گویائی ہی کھو بیٹھی۔
"یہ... ہمارا گھر ہے؟" اس نے بے اختیار ہی پاس کھڑے عمر کا بازو ہلا کر پوچھا تو وہ چونک کر اسے دیکھنے لگا۔ وہ خجل سی ہو گئی۔ فوراً "بات بدلی۔
"مطلب... یہ آپ کو ملا ہے؟"
"ہوں..." وہ مبہم انداز میں کہہ کر امی کو بازو کے گھیرے میں لے کر ادھر ادھر گھومتے پھرتے گھر دکھانے لگا۔ زینی اسے پیچھے سے زبان چڑا کر رہ گئی۔ اس نے خود ہی خوشی خوشی سارا گھر ہاتھوں سے چھو چھو کر دیکھا۔ (کاش! عافیہ یہاں ہوتی۔ جل کے مرجاتی وہ تو۔)
اسے ہنسی آئی۔ واقعی عافیہ نے غریب کہہ کر ہی تو عمر کو ٹھکرایا تھا اور اب اگر وہ عمر کے ٹھاٹ دیکھ لے تو...
وہ بے اختیار ہنسنے لگی۔
ٹھنڈے میٹھے رواں پانی جیسی شفاف ہنسی...
اندر سے نکلتے عمر نے بے اختیار مڑ کر اس من موجی کو دیکھا تھا۔

☆ ☆ ☆

ایک ہفتے کے اندر اندر گھر میں کام کرنے والی اور ساتھ ہی کھانا پکانے والی عورت بھی آگئی۔
زینی کو لگا اب وہ ملکہ بن کے بس بیڈ پہ بیٹھی حکم چلایا کرے گی۔ مگر چند دنوں میں ہی اسے ہر شے دھول کی تہیں دکھائی دینے لگیں۔ آرام کر کر کے ہڈیاں دکھنے لگیں تو وہ کام والی کے سر پہ کھڑی ہو کے کام کروانے لگی۔
مگر کھانا پکانے والی کا کیا کرتی؟ اپنے ہاتھ کے کھانے کی ایسی عادت پڑی تھی کہ باورچن کے ہاتھ کا پکا پسند ہی نہ آتا۔
امی بے چاری شاید مروت میں گزارا کر رہی تھیں۔ مگر زینی کی اس روز والی منہ ماری کے بعد انہوں نے لب سی لیے تھے جب وہ کام کے بوجھ کی شکایت کر رہی تھی۔
"عمر... کہاں ہوتے ہو تم۔ گھر میں بھی ٹائم دیا کرو۔" امی اس پر خفا ہونے لگیں۔
"نئی نئی جاب ہے اور پھر اتنی بڑی پوسٹ۔ میں نااہلی کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہتا۔" اس نے مسکرا کر امی کو منایا۔
انگوروں سے بھری پلیٹ گود میں رکھے ٹی وی پہ نظریں گاڑے بیٹھی زینی نے کن انکھیوں سے اسے دیکھا۔ اسے عمر کی مسکراہٹ اچھی لگی تھی۔
"بیٹا جی! شادی بھی نئی نئی ہوئی ہے آپ کی۔ اور بھی کوئی چھوٹی موٹی پوسٹ نہیں ہے۔ پھر یہاں اتنی نااہلی کا مظاہرہ کیوں ہو رہا ہے؟"
امی کا ارادہ شاید اس کے کان کھینچنے کا تھا۔
زینی کا دل دھک دھک کرنے لگا۔ انگور کا دانہ ٹونگنے لگی۔ وہ تو امی کو عمر سے ملا ہوا سمجھ رہی تھی (صاعقہ بھابھی کے بقول)
"حکم کریں آپ..." خوش حالی نے عمر کے موڈ بھی بہت اچھا اثر ڈالا تھا۔
"موسم بدل رہا ہے بیٹا! زینب کو مارکیٹ لے جاؤ شاپنگ کروالاؤ۔ وہ تو اتنی صابر ہے منہ سے کبھی کہے نہیں۔ مگر تمہیں تو اپنے فرائض کا خیال رکھنا چاہیے نا۔"
زینی کا دل بلیوں اچھلا... شاپنگ... زندگی میں پہلی بار۔ مگر عمر شاید کچھ کہہ رہا تھا۔

"میرے پاس اتنا ٹائم نہیں ہے۔ کل ڈرائیور بھیج دوں گا گاڑی کے ساتھ۔ جتنی جی چاہے شاپنگ کرلے۔"
"لو۔ اب یہ ڈرائیور کے ساتھ جا کے خریداری کرے گی۔"
امی ناراض ہوئیں۔ زینی کا جی چاہا ان سے کہے' شاپنگ ہی کرنی ہے نا جس کو چاہے بھیج دیں بلکہ چپراسی کو بھی بھیج سکتے ہیں۔ مگر پھر دل کو بجھا بجھا سا پا کر اس کا یہ جملہ اندر ہی رہ گیا۔
(تو کیا یہ دل عمر کا ساتھ مانگ رہا ہے؟)
اسے اس سوچ کے ساتھ ہی خود پر بے یقینی ہوئی۔

☆ ☆ ☆

پہلی تنخواہ ملتے ہی گھر کے اخراجات پہ اٹھ گئی۔ بینک سے وہ پہلے ہی اپنی تمام بچت نکلوا کر ہنی مون پر اڑا چکی تھی۔
فیصل اپنے باپ سے جو جیب خرچ لایا' وہ عافیہ کی تنخواہ سے بھی کم تھا۔ بمشکل گھر کا کرایہ اور بل ہی ادا ہو سکے۔ عافیہ تو تڑپ ہی اٹھی۔
"اب ایسے گزارہ کریں گے ہم...؟"
"سویٹ ہارٹ' پیار محبت میں تو بھوکا رہ کے بھی گزارہ ہو جاتا ہے۔"
اس نے عافیہ کو اپنی طرف کھینچتے ہوئے کہا' مگر عافیہ کو اس کا وارفتہ انداز بالکل نہ بھایا۔
"تم کر سکتے ہو گے' مگر میں نہیں۔" اس نے بے دید لحاظ ہونے کا فیصلہ کر لیا تھا۔
(کہیں اسے کرائے کے مکان میں رکھ کے وہ بھول ہی نہ جائے) فیصل نے اسے خاصی ناراضی سے دیکھا۔
"کیا... یہ تھی تمہاری محبت...؟" عافیہ سنبھلی۔
"میں نے اس طرح کی زندگی کا خواب نہیں دیکھا تھا فیصل۔" آگے بڑھ کے وہ اس سے لپٹ گئی۔
"اپنے ماں باپ کو تو چھوڑ ہی آئی ہوں۔ یہاں بھی تم تنہائی کی مار دے رہے ہو۔ میں نے تو سوچا تھا کہ تمہارے والدین میرے ماں باپ کی کمی کو پورا کر دیں گے۔" وہ بڑی ڈرامے باز تھی۔ رقت آمیز لہجے میں بولتی فیصل کو لمحہ بھر کو چپ کروا گئی۔
"تمہیں اچھا لگتا ہے کہ خود تم لاکھوں کی گاڑی میں سفر کرتے ہو اور تمہاری بیوی بسوں میں خوار ہوتی ہے اور پھر سب سے بڑھ کے یہ کہ اتنے امیر شخص کی بہو ہو کر معمولی سی جاب کر رہی ہے۔"
فیصل نے اسے خود سے الگ کیا اور بہت ٹھنڈا سا ہو کر گدے پر جا لیٹا۔
"اس گھر کو دیکھو کیا یہ تمہارے رہنے کے قابل ہے؟ جہاں نہ سونے کو بیڈ ہے نہ بیٹھنے کو صوفہ۔" وہ جذباتی ہو رہی تھی۔ فیصل سنجیدگی سے بولا۔
"اور اگر یہ سب ہمیں کبھی نہ ملے... ابو مجھے عاق کر دیں تو...؟"
عافیہ کا دل پتے کی مانند لرزا۔ وہ ایسا سوچنا بھی نہیں چاہتی تھی۔
"تمہیں اپنا حق ہر حال میں لینا ہو گا فیصل۔ مجھے دنیا کے سامنے تماشا بنواؤ گے؟" اس نے بھنچے بھنچے لہجے میں کہا۔
"کس بات کا تماشا؟ شادی کا وعدہ کیا تھا میں نے' وہ نبھا دیا۔" فیصل مطمئن تھا۔
"مگر میں اس گھر کی بہو بھی بننا چاہتی ہوں فیصل! مجھے اپنے گھر کا مان بھی چاہیے۔" وہ ضدی ہونے لگی۔ اس کی ماں اکثر کہا کرتی تھیں۔
"مقدر سے اتنی ہی ضد لگانی چاہیے' جتنی اپنے اختیار میں ہو۔ جہاں معاملہ اختیار سے باہر لگے وہاں اپنی ضد چھوڑ کر خدا کی رضا مان لینے ہی میں عافیت ہے۔"
مگر عافیہ نے کبھی اس جملے کی گہرائی میں اتر کر کوئی سیپ نہ پایا تھا۔
"تمہارا گھر وہی ہے جہاں میں ہوں عافی۔ اس گھر اور اس کے مکینوں سے تمہارا کیا واسطہ؟"
وہ جیسے عافیہ کو آزما رہا تھا۔ مگر عافیہ اس امتحان میں کسی طور پورا اترنے کو تیار نہ تھی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

"وہ عیش قدرت نے ہمارے نصیب میں لکھے ہیں فیصل پھر کیوں نہ ان سے مستفید ہوا جائے۔"

"بہرحال۔ فی الحال تو کچھ نہیں ہو سکتا۔ جب تک ابو کو منا نہ لوں۔ وہ تو پہلی فرصت میں ہی مجھے شبانہ سے بیاہ دیں گے۔ مسلسل زور دے رہے ہیں شادی پر۔" فیصل نے بات ختم کردی۔

"تم کم از کم اب آفس تو سنبھال لو فیصل! کب تک صرف گاڑی کا پیٹرول پھونکتے رہو گے۔"

عافیہ کو اس کی لاپروائی اب کھٹکنے لگی تھی۔ حالانکہ اس کا یہ بے نیاز اور لاپروا سا انداز ہی عافیہ کو لوٹ کر لے گیا تھا۔

لاکھوں کی گاڑی میں بیٹھا خوش شکل سا مرد منٹوں میں اس پر لٹو ہو گیا تھا۔ یہ کیا کم مرمٹنے والی بات تھی۔

"اوکے۔ دو ایک ماہ انتظار کرلو۔ پھر سب ٹھیک ہو جائے گا۔" فیصل نے تحمل سے کہا تو وہ ٹھنکی۔

"مگر مجھے پیسہ چاہیے۔ جب تک بھی یہاں رہنا ہے' کم از کم اپنے معیار کے مطابق تو کرلوں اس گھر کو۔" اس بار جیسے وہ زچ آکر بولا۔

"تم اپنا زیور کیوں نہیں بیچ دیتیں؟"

عافیہ دنگ سی اسے دیکھنے لگی۔

☆ ☆ ☆

عمر نے ماں کی ہدایت ایک کان سے سن کر دوسرے سے اڑا دی۔ اسے شاپنگ کے لیے لے جانے ڈرائیور ہی آیا تھا۔ امی کو سخت غصہ آیا۔ اب جوان جہان لڑکی کو ڈرائیور کے ساتھ کیسے بھیجتیں۔ خود ساتھ ہولیں۔

بہت برے دل کے ساتھ اس نے شاپنگ کی۔ مگر گھر آکے اس کا ایک بھی چیز کھول کے دوبارہ دیکھنے کا دل نہ چاہا۔

تو کیا ساری زندگی وہ یونہی بتانے والا تھا؟ عافیہ جیسی سنگدل اور بے حیا لڑکی کی یادوں میں کھو کر۔ اسے عافیہ یاد تھی۔ عافیہ کی بدکرداری وہ بھول گیا تھا کیا؟ زینب کو اپنی کیفیت کچھ سمجھ میں نہ آرہی تھی۔ ڈھیروں کپڑے' جوتے' جیولری۔ مگر پلڑے میں تمام چیزیں رکھ کے بھی... عمر والا پلڑا بھاری تھا۔

امی کمرے میں آئیں تو وہ رو رو کر بے حال ہو رہی تھی۔ وہ حد درجہ پریشان ہو گئیں۔

زینی کی ایک ہی رٹ۔

"کراچی جانا ہے... تایا ابا سے ملنا ہے... میرا دل گھبرا رہا ہے۔"

امی نے لپک جھپک کر عمر کو فون کیا۔ منٹوں میں وہ گھر پہ تھا۔

"بجھلی چنگی تھی۔ جانے اکیلے میں بیٹھے بٹھائے کیا ہو گیا۔" عمر نے دیکھا رو رو کر اس کی آنکھیں سوج رہی تھیں۔

پھر امی نے کراچی چلنے کا حکم صادر فرمادیا۔ زینی کے دل میں ٹھنڈک سی اترنے لگی۔ مگر عمر بدک گیا۔

"کیسی باتیں کر رہی ہیں امی... اس گھر میں..."

"جو قسمت میں لکھا تھا' وہی لے کے آئے تھے ہم... منہ زبانی کہہ دینے سے خون کے رشتے نہیں ٹوٹا کرتے عمر۔" امی کا انداز تادیبی تھا۔

عمر چپ سا ہو کر انہیں دیکھنے لگا۔ پھر جھنجلا کر باہر نکل گیا۔ اگلے روز اس نے امی اور زینی کو ٹرین میں بٹھا دیا۔

"میں فارغ نہیں ہوں ابھی۔ جب آنا ہو بتا دیجیے گا۔ واپسی پہ خود لینے آؤں گا۔"

اس کی نئی نوکری تھی پھر اونچی پوسٹ۔ امی چپ ہو رہیں۔ زینی نے لاتعلقی سے منہ پھیر لیا۔ عمر لب بھینچے کھڑکی سے پیچھے ہٹ گیا۔

☆ ☆ ☆

تائی اماں اس سے لپٹ کے یوں بین کر کے روئیں جیسے ان کی سگی بیٹی سامنے آگئی ہو اور تایا ابا کو دیکھ کر تو ان کی بے بسی اور بے چارگی نے زینی کو بھی رلا رلا ڈالا۔

بارعب اور دبنگ سے تایا ابا لاچاری کی علامت بنے بستر پہ پڑے تھے۔ ملنے جلنے سے معذور۔ زبان کو بھی فالج مار گیا تھا۔ زینی کو دیکھ کر غوں آں کرتے

آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے تو وہ ان کے سینے سے لپٹ گئی۔

کیسی بدنصیب ہوتی ہیں وہ بیٹیاں جو اتنے شان و شوکت والے باپوں کے سلگے مٹی میں رول کر ان کو یوں بستر سے لگا دیتی ہیں۔

ابا جیسے مضبوط آدمی کو دو بندے دھکے سے دھکیل نہ سکتے تھے مگر عافیہ جیسی کمزور بیٹی نے ایک ہی ہلے میں ان کی کمر زمین سے لگا دی تھی۔

شاید اسی لیے بیٹی کوئی نہیں مانگتا؟

عاقب بہت بدل گیا تھا۔

وہ عاقب جس کی آنکھوں میں بے تکلفی آمیز بے باکی ہوتی تھی۔ اب جیسے زینی کے سائے سے بھی بچ رہا تھا۔ بات کرتا بھی تو یوں جیسے کسی انجان اجنبی سے گفتگو ہو رہی ہو۔ زینی کا دل وہاں سے اچاٹ ہونے لگا۔

زینی نے جی جان سے تایا ابا کی خدمت کی۔ اس گھر میں کوئی بھی عافیہ کا ذکر نہیں کرتا تھا۔ زینی کو واضح اہمیت دی جا رہی تھی۔ تائی اماں تو جیسے میکے آئی بیٹی کی ماں بنی ہوئی تھیں۔ زینی کو شدت سے احساس ہوا کہ یہ سب عمر کی بیوی بننے کا اعجاز ہے۔

امی نے عمر کو فون کر دیا تھا۔ وہ انہیں لینے آرہا تھا۔ ساتھ ہی تایا ابا کی خبر گیری بھی ہو جاتی۔

اور پھر جس روز عمر آیا زینی کے چہرے پر انوکھی سی چمک اتر آئی۔ زینی نے دل لگا کے عمر کی پسند کی بریانی اور اچار گوشت بنایا۔ ٹماٹر پیاز اور کھیرے کا چوپ مرسلاد اوپر ڈھیر سارا لیموں نچوڑ کے۔ میٹھے میں فروٹ کسٹرڈ۔ گرما گرم روغنی نان عاقب لے آیا۔

مگر عمر نے اس پر ایک نگاہ بھی نہ ڈالی تھی۔ یوں جیسے وہ کسی اور کی بیوی ہو۔ جبکہ وہ کھانے کے دوران بڑھ بڑھ کے اسے ڈشیں پیش کر رہی تھی۔

وہ تائی اماں سے باتیں کر رہا تھا۔ امی سے ہنس بول رہا تھا۔ مگر عاقب نے بھانپ لیا کہ وہ زینی کو مسلسل نظر انداز کر رہا تھا۔

زینی نے رو رو کے برتن دھوئے۔

تب ہی ایک بے حد عجیب سی بات ہوئی۔ جو پچھلے ایک ہفتے سے نہ ہوئی تھی۔ وہ برتن دھو کر سلیب صاف کر کے پلٹی تو چہرے پر شکست و ریخت کے نشانات موجود تھے۔ عاقب کو غیر متوقع طور پر سامنے پا کر زینی نے بوکھلا کر دوپٹے سے چہرہ رگڑا۔

"تم رو رہی ہو؟" وہ غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"نن... نہیں تو۔ میں کیوں روؤں گی۔" وہ مکر گئی۔ باہر نکلنا تھا۔ مگر اسے عجیب سا لگا۔ عاقب کچن کے دروازے کے عین درمیان میں پھیل کے کھڑا تھا۔

"مجھ سے تو جھوٹ مت بولو زینی! جان گیا ہوں میں۔ اصلیت دیکھ لی ہے میں نے۔ عمر اور تمہارے درمیان پھیلی سرد مہری۔" وہ جذباتی ہونے لگا۔

زینی کے وجود میں سنسناہٹ سی دوڑ اٹھی۔

"وہ میرا شوہر ہے عاقب! اور تم خوامخواہ کے اندازے مت لگاؤ۔ بس تھوڑا خفا ہے مجھ سے۔ اتنے دن زبردستی جو رہ لی یہاں۔"

اس نے عاقب کی بدلتی نگاہوں کو سرعت سے محسوس کرلیا تھا جب ہی پرزور انداز میں اس کی نفی کی۔ مگر وہ جانے کیسے اندر کا بھید پا گیا تھا۔

"جھوٹ اس سے بولو جو تمہیں جانتا نہ ہو زینی! میں تو تمہاری چال سے تمہاری نگاہوں کے انداز سے پہچان سکتا ہوں کہ تم ابھی تک وہی زینی ہو۔ منہ بند کلی۔"

بے باک تو وہ پہلے بھی تھا۔ مگر اتنا کھلا ڈلا انداز۔ زینی کو اپنے کانوں کی لوئیں تپتی محسوس ہوئیں۔

"میں عمر کی بیوی ہوں عاقب! میرے راستے سے ہٹو۔" اس نے لہجے میں درشتی سمو کر بمشکل کہا۔

"پاگل مت بنو زینی..."

وہ آگے بڑھ آیا۔ اس کے انداز میں وارفتگی اور لہجے میں دبا دبا سا جوش تھا۔

"ابا نے نکاح والے دن ہی عمر سے کہہ دیا تھا کہ فی الحال وہ تم سے نکاح کر کے اپنی عزت بچائے بعد میں بے شک تمہیں طلاق دے دے۔ وہ تو راضی ہی نہیں تھا تم سے شادی پر۔"

WWW.PAKSOCIETY.COM

"فضول باتیں مت کرو۔ مجھے جانے دو۔" زینی کو اس سے خوف محسوس ہوا۔

"یاد کرو زینی! ہم دونوں کتنے خوش تھے اپنے رشتے سے۔ اس روز نکاح طے تھا ہمارا۔"

وہ اسے بہکا رہا تھا۔ واپسی کی راہ دکھا رہا تھا۔ مگر زینی ان بہکاووں سے نکل چکی تھی۔

"میں صرف اس لیے خوش تھی کہ تم سے شادی کے بعد شاید اس گھر میں میری حیثیت کچھ بہتر ہوجائے۔ کبھی تم نے دیکھا۔۔۔ کیسے عافیہ اپنی اترن۔۔۔ اپنے کپڑے، اپنے جوتے مجھے دان کرتی تھی۔ آج تک اس گھر میں میرے لیے کوئی نیا جوڑا نہیں بنا۔ میں تو اسی لالچ میں تمہارے سنگ رشتے سے بندھ گئی کہ اس گھر کی بہو بن کر شاید مجھے اس اترن سے نجات مل جائے اور اترن بھی وہ۔۔۔ کہ جسے میرے بدن پر دیکھ کر عافیہ رہ نہیں سکتی تھی اور کتنی ہی بار اس نے اپنے دیے ہوئے جوڑے مجھ سے اتروائے ہیں۔ تمہیں تو پتا بھی نہیں عاقب۔۔۔ ان حالوں میں گزارہ کرتی رہی ہوں میں یہاں اور تم۔۔۔ تم مجھے میرا ماضی یاد کرا رہے ہو؟" وہ بے حد تلخ اور اذیت پسند ہو رہی تھی۔ آنسو بنا شعوری کوشش کے بہے جا رہے تھے۔

"بھول جاؤ عاقب۔۔۔ جیسے میں نے بھلا دیا اس ماضی کو۔ میں کسی کے نکاح میں گئی ہوں تو دل کی پوری رضامندی کے ساتھ۔ اب وہ برا کرے یا بھلا، میری قسمت۔" اس نے ہتھیلیوں سے آنکھیں رگڑیں۔ عاقب کا رنگ بدل گیا تھا۔ اسے امید نہ تھی کہ زینی کیسا آئینہ اس کے سامنے لا رکھے گی۔

کچن کا دروازہ کھٹکھٹایا گیا۔ عاقب اور زینی دونوں چونکے۔

دروازے میں عمر کھڑا تھا۔

زینی کا دل غوطہ کھا کر ابھرا۔ عمر نے عاقب کی ساری بکواس سن لی تھی۔

"چائے بنا دو چار کپ۔۔۔" وہ نارمل انداز میں بولا۔

"جی۔ اچھا۔۔۔" زینی جلدی سے چولہے کی طرف پلٹ گئی۔ عاقب باہر نکل گیا تھا۔

زینی کا دل تیز رفتاری سے دھڑک رہا تھا اس کی طبیعت گھبرانے لگی۔

(جانے اس نے کیا کیا سن لیا ہو؟)

"میری چائے میں چینی ایک ٹی اسپون ڈالنا بس۔ اور پیکنگ جلدی ختم کر کے سو جاؤ۔ صبح واپس جانا ہے۔"

"ہیں۔۔۔" زینی کا تمام خوف اڑن چھو ہوا۔ مسکراہٹ سے چہرہ کھل اٹھا۔ پلٹ کر عمر کے تاثرات دیکھنے چاہے تو وہ جا چکا تھا۔

زینی نے طمانیت بھری سانس لی۔

"تو گویا اس نے کچھ نہیں سنا۔"

☆ ☆ ☆

فیصل جس قدر اطمینان سے دو کمروں کے اس گھر میں رہ رہا تھا اسے دیکھ کے عافیہ کو لگتا تھا کہ وہ یونہی زندگی گزارنے کی پلاننگ کیے ہوئے ہے۔ صبح ناشتا کر کے گھر سے نکلتا تو رات کے کھانے پر واپس آتا۔

عافیہ کی برداشت کی حد یہیں تک تھی۔ اسے صاف دکھائی دے رہا تھا کہ اگر اس نے یونہی ہتھیار ڈالے رکھے تو فیصل کبھی بھی اسے اپنے گھر نہیں لے جائے گا۔ تب ہی اس رات جب وہ گھر پہنچا تو غصے سے بھری عافیہ اس کی منتظر تھی۔

"کھانا لے آؤ جلدی سے۔"

وہ ہاتھ دھو کر تولیہ سے خشک کرتے ہوئے بولا اور ریموٹ اٹھا کر ٹی وی آن کرنے لگا۔

پچھلے ہفتے دل پر پتھر رکھ کر عافیہ نے زیورات میں سے ایک سیٹ بیچ کر ٹی وی اور فریج لے ہی لیا تھا۔

"کیوں۔۔۔ گھر سے کھا کے نہیں آئے یا وہاں تمہیں کوئی پوچھتا ہی نہیں؟"

طنز سے بھرپور یہ لہجہ اب فیصل کو اجنبی نہیں لگتا تھا۔ جب سے وہ اس گھر میں آئے تھے عافیہ کے موڈ پر سے خوش دلی کی ساری پرتیں اترنے لگی تھیں۔

"میرا گھر یہ ہے عافیہ! جہاں میں تمہارے ساتھ رہتا ہوں۔" وہ سنجیدگی سے بولا اور مطلوبہ چینل لگا کر

کرسی میں دھنس گیا۔

عافیہ تڑپ ہی تو اٹھی۔

"نہیں ہے یہ ہمارا گھر۔ اور نہ ہی میں اس کابک میں مزید رہ سکتی ہوں۔ جو بھی ہوگا دیکھا جائے گا۔ تم مجھے اپنے گھر لے کے چلو۔" وہ چلائی۔ فیصل نے ناگواری سے اسے دیکھا۔

"تم نے مجھ سے شادی کی تھی یا میرے گھر سے؟"

"دونوں سے۔۔۔" وہ ذرا بھی پشیمان نہ ہوئی تھی۔ "لڑکے کے ساتھ اس کی مضبوط مالی پوزیشن بھی دیکھی جاتی ہے۔"

"میری پوزیشن بلکہ ہر "سچویشن" تمہارے سامنے تھی پھر اب یہ چیخ چیخ کیوں؟" وہ تلخی سے بولا۔

"تم نے کہا تھا، یہ چند دنوں کی بات ہے۔۔۔ مگر حقیقت تو یہ ہے کہ ہم پچھلے دو ماہ سے اس گھر کا کرایہ بھر رہے ہیں اور اپنی آمدنیوں میں کھینچ تان کے گزارہ کر رہے ہیں۔ نہ ہو ٹلنگ نہ لانگ ڈرائیو۔۔۔ کیا کیا خواب دیکھے تھے میں نے۔" وہ بددل ہو رہی تھی۔

فیصل اٹھ کے اس تک آیا اور اسے دونوں شانوں سے تھام کر پیار سے بولا۔

"کیا تمہیں یہ پسند نہیں کہ ہم دونوں مل کے اپنی دنیا بسائیں۔ مل کے محنت کریں اور خوشیوں بھرا ایک محل تعمیر کریں۔" کوئی محبت کرنے والی صاف ذہن کی لڑکی ہوتی تو شوہر کے اس محبت بھرے پیغام پر لبیک کہتی مگر وہ کرنٹ کھا کر پیچھے ہٹی۔

"محنت۔۔۔ ہوش میں تو ہو تم؟ تمہارا مطلب یہ ہے کہ ہم اپنی ساری جوانی جوتیاں گھساتے دوسروں کی نوکریاں کرتے اور پہلی کا انتظار کرتے گزار دیں؟"

وہ بے یقین تھی۔ فیصل کو اس کے چہرے پر خوف سا دکھائی دیا۔

"تم یہی سمجھ لو کہ تمہارے فیصل کی یہی حقیقت ہے۔ بھول جاؤ اس بنگلے اور اس کے مکینوں کو۔"

وہ دونوں بازو پھیلا کر گھر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا تو وہ بے یقینی سے اسے دیکھے گئی۔

"تم نے گھر میں بات کی اپنی شادی کی؟" فیصل تھکے ہوئے انداز میں پلٹ گیا۔

"ظاہر ہے۔ رات گھر نہ جانے کا کوئی جواز تو دینا ہی تھا۔"

"پھر۔۔۔؟" وہ بے تابی سے آگے بڑھی۔

"پھر یہ کہ اب ہمیں یہیں اپنی دنیا بسانی ہے۔"

فیصل کے اس مختصر سے جواب میں ایک قیامت چھپی تھی۔ عافیہ کو سانپ سیڑھی کا کھیل آج سمجھ میں آیا تھا۔ بڑی مہارت سے وہ ہندسوں کے بجائے سیڑھیوں سے چڑھ کر اوپر تک آئی تھی مگر ننانوے پر موجود سانپ اسے ڈسنے کی تیاری میں تھا۔ یہ اسے علم نہیں تھا۔ شارٹ کٹ استعمال کرنے والوں کو اکثر نہیں ہوتا۔

"تم۔۔۔ تم خاموشی سے لوٹ آئے۔۔۔ کیسے مرد ہو تم فیصل۔ اپنا حق نہیں مانگ سکے۔"

عافیہ کو اپنی زندگی کی گیم ختم ہوتی محسوس ہوئی تھی۔ بل کھا کے بولی۔

"سب کچھ کر کے دیکھ لیا اور اب مہربانی کرو تم بھی۔ اس ٹاپک کو کہیں دفناؤ۔ میں پہلے ہی تمہارے رویے سے ٹینس ہو رہا ہوں۔ مجھے نہیں پتا تھا تم اس قدر مادیت پرست ہو۔ بجائے مجھے حوصلہ دینے کے تم اس بنگلے کو رو رہی ہو۔"

وہ تلخ ہونے لگا۔

مگر عافیہ کو اپنے کسی فعل یا لفظ پر ذرہ برابر بھی شرمندگی نہ تھی۔

اسے تو اپنا نقصان سر پہ ہاتھ رکھ کے رونے پر مجبور کر رہا تھا۔ اس کی طرف سے مایوس ہو کر فیصل خود ہی کچن میں کچھ کھانے کے لیے دیکھنے چلا گیا۔

☆ ☆ ☆

وسیع و عریض شان دار بنگلے کو رشک و مسرت سے دیکھتے ہوئے عافیہ نے ڈور بیل پر ہاتھ رکھا۔

ذرا دیر کے بعد چوکیدار نے چھوٹا گیٹ وا کیا۔

"وہ۔۔۔ صاحب سے ملنا ہے میں نے۔" وہ ذرا سا سٹپٹا کر بولی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

"کون سے صاحب سے ملنا ہے بی بی؟" پٹھان چوکیدار نے اپنے مخصوص انداز میں پوچھا۔

عافیہ اس وقت بہترین لباس پہنے ہوئے تھی۔ نازک سی گولڈ جیولری اور ہاتھ میں قیمتی پرس۔

وہ اس گھر کے مکینوں پر اپنا پہلا امپریشن بہت اچھا ڈالنا چاہتی تھی۔

"فیصل صاحب۔۔۔ فیصل کے گھر والوں سے۔" چوکیدار نے چند لمحے الجھی نظروں سے عافیہ کو دیکھا۔ پھر جیسے سمجھ آنے پر سر ہلایا۔

"او۔۔۔ اچھا۔ فیصل کا مہمان اے۔ وہ تو بڑے صاحب کو فیکٹری لے کر گیا ہے۔"

"اس کی امی تو ہوں گی گھر پہ۔۔۔" عافیہ غصہ دباتے ہوئے بولی۔ اس چوکیدار کو تو وہ ضرور سبق سکھائے گی۔

"ہاں۔ وہ اے۔" چوکیدار نے سر ہلایا تو وہ زچ آکر بولی۔

"مجھے اندر تو آنے دو۔ ان سے ملنا ہے میں نے۔ رشتہ دار ہوں ان کی۔"

چوکیدار نے مشکوک نظروں سے سر تا پا اسے دیکھا۔ اور پھر دروازے سے پیچھے ہٹ گیا۔

اندر داخل ہوتے ہی عافیہ کی طبیعت بشاش ہوگئی۔ وسیع و عریض لش گرین لان۔ پورٹیکو میں کھڑی دو شاندار گاڑیاں۔ وہ ماربل کی روش پر چلتی مسحور سی تھی۔ اسے لگا جیسے اس کے خواب آج تعبیر پا گئے ہوں۔

"بی بی۔۔۔ کدر جاتا اے؟" چوکیدار کی کرخت آواز اسے یک لخت ہوش میں لائی۔

"کیا مسئلہ ہے تمہارے ساتھ؟" وہ غصے سے بولی۔

"اندر کدر جاتا اے بی بی! تم تو فیصل کی اماں سے ملنے آیا تھا۔" وہ تذکیر و تانیث کی ایسی کی تیسی کرتے ہوئے بولا۔

"ہاں۔۔۔ تو؟" عافیہ نے اسے پھاڑ کھانے والے انداز میں دیکھا۔

"وہ اور اندر نہیں اے۔ ان کی رہائش پیچھے

اے۔" چوکیدار نے ناگواری سے کہا۔ وہ چپ سی ہوگئی۔ پھر محتاط انداز میں پوچھا۔

"پیچھے کیا ہے؟"

"اور سب ملازموں کے سرونٹ کوارٹر ہیں۔" چوکیدار کے لبوں نے الفاظ نہیں، اس کے کانوں میں تیزاب انڈیلا تھا۔

"اور فیصل۔۔۔ وہ کہاں۔۔۔؟" عافیہ کی دنیا داؤ پر لگی تھی۔

وہ دنیا جس کے لیے اس نے اپنی آخرت داؤ پر لگا دی تھی۔

"اس کا کوارٹر بھی اور ای اے۔ ڈرائیور ہے نا بڑے صاحب کا۔ گھر کی گاڑی بھی چلاتا ہے اور فیکٹری والی بھی۔"

"ڈزن۔۔۔ ڈزن۔۔۔ ڈزن۔۔۔"

تیز رفتار ٹرین عافیہ کے وجود کے پرخچے اڑاتی گزری تھی۔ وہ بے یقینی سے چوکیدار کو دیکھنے لگی۔

"آج کل تو وہ ڈیوٹی کے بعد کہیں چلا جاتا اے۔ اور نہیں رہتا۔ گھر میں کوئی کھٹ پٹ اے شاید۔"

بے حد بدحواس ہو کر وہ وہاں سے پلٹی تو چوکیدار کو خدشہ ہوا اونچی ہیل سے وہ ماربل پر پھسل ہی نہ جائے۔ مگر وہ کہاں جانتا تھا کہ عافیہ کن بلندیوں سے گر چکی ہے۔ گھر میں عافیہ نہیں، ایک طوفان لوٹا تھا۔

فیصل کے آنے تک پہلے تو وہ روتی رہی پھر اس نے گھر کا سارا سامان بکھیر ڈالا۔ برتن توڑ دیے اور تو اور ٹی وی بھی زمین پر پھینک دیا۔

اس وقت اگر فیصل اس کے سامنے ہوتا تو یقیناً اسے وہ قتل ہی کر ڈالتی۔

فیصل اپنے مخصوص وقت پر آیا۔ پاس موجود چابی سے لاک کھول کے اندر داخل ہوا تو کچھ عجیب سا احساس ہوا۔ پورا گھر اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا اور بالکل خاموشی طاری تھی۔ ورنہ اس وقت عافیہ ٹی وی لگا کے بیٹھی ہوتی تھی۔

وہ خوف زدہ سا ہوا۔ آگے بڑھ کر صحن کی لائٹ جلائی اور تیزی سے کمرے کی طرف بڑھا۔

لائٹ آن کرتے ہی اس کا دل جیسے کسی نے شکنجے میں کس لیا۔ ہر شے الٹ پلٹ تھی۔ ٹی وی ایک طرف اوندھا پڑا تھا۔ غالباً اس کی اسکرین ٹوٹ گئی تھی۔

فیصل کے ذہن میں پہلا خیال ڈکیتی کی واردات ہی کا آیا۔ وہ بے تابی سے گدے پر اوندھی پڑی عافیہ کی طرف بڑھا۔

"عافی۔۔۔ کیا ہوا میری جان؟" اس نے اسے شانوں سے پکڑ کر سیدھا کیا۔ روپا چہرہ، سوجی آنکھیں، بکھرے بال۔ وہ لٹی پٹی سی تھی۔ فیصل کا دل لرز گیا۔

"بولتی کیوں نہیں۔ کیا ہوا؟" وحشت کے مارے فیصل نے اسے جھنجھوڑ ڈالا۔

دنیا لٹ گئی ہے میری۔۔۔ مر گئی ہوں میں۔ وہ ہسٹریائی انداز میں چیخی تو وہ دم بخود رہ گیا۔

"چور آئے تھے یہاں۔۔۔؟"

"چور۔۔۔!" وہ جیسے تلخی سے بولی۔ "کیا چوری کریں گے یہاں سے چور۔۔۔ ایک معمولی سے ڈرائیور کے گھر کیا چرائیں گے وہ۔"

فیصل ساکت سا ہوا۔ پھر اس نے طمانیت بھری سانس لی۔

شکر ہے خدا کا۔ میں تو ڈر ہی گیا تھا کہ خدانا خواستہ کوئی قیامت نہ ٹوٹ پڑی ہو۔"

اس نے تشکر کا اظہار کرتے ہوئے عافیہ کو بانہوں میں لیا تو اس نے پوری قوت اور نفرت کے ساتھ فیصل کو پیچھے دھکیلا۔

"قیامت۔۔۔ ابھی کوئی قیامت ٹوٹنی باقی ہے کیا؟" وہ دہاڑی۔

اس کے ردعمل پر فیصل کو کوئی حیرت نہ تھی۔ وہ پرسکون تھا۔ بالکل پرسکون۔

"چلو اٹھ جاؤ اب۔ منہ ہاتھ دھوؤ اور کھانا لگاؤ۔ دونوں ساتھ کھائیں گے۔"

"تم سدھو کے باز، فراڈیے، دو ٹکے کے ڈرائیور اور جھوٹ بولتے رہے میرے ساتھ۔" عافیہ اس کے پیچھے لپکی اور کالر سے پکڑ کے اسے کھینچا۔ وہ بھوکی شیرنی بنی ہوئی تھی۔

فیصل نے اس کا لال بھبھوکا چہرہ اور وحشت سے بگڑتے خدوخال دیکھے۔ اور نرمی سے اپنا کالر چھڑاتے ہوئے بولا۔

"میں نے تم سے کوئی جھوٹ نہیں بولا۔ میں نے ایک بار بھی نہیں کہا کہ وہ بنگلہ میرا ہے۔ میں نے صرف یہ کہا تھا کہ میں وہاں رہتا ہوں۔"

"تم نے یہ کیوں نہیں کہا کہ تم وہاں ڈرائیور ہو اور اپنے ماں باپ کے ساتھ سرونٹ کوارٹر میں رہتے ہو۔" وہ دہاڑی۔

"تم نے پوچھا ہی نہیں۔" وہ آرام سے بولا۔

"تم حرام۔۔۔" غم و غصے اور نفرت سے بے حال ہو کر وہ اسے گالی دینے لگی تھی کہ اس کا مطلب پا کر فیصل نے اس کے بالوں کو جڑوں سے مٹھی میں جکڑ لیا۔

"بکواس بند۔ اب مزید ایک لفظ نہ سنوں میں۔ تم جیسی ہی لڑکیاں ہوتی ہیں۔ ماں باپ کے گھروں سے بھاگتی ہیں تو پھر ایک شوہر کے ساتھ بھی گزارہ نہیں ہوتا۔ عزت راس نہیں آرہی؟" وہ ایک بالکل مختلف فیصل تھا۔

عافیہ گنگ سی اسے دیکھ رہی تھی۔ پھر جیسے حواس میں آئی تو دیوانی ہوگئی۔ اسے نوچا کھسوٹا۔ دھکے دیے جو چیز ہاتھ میں آئی اسے دے ماری۔ مگر فیصل کے ایک زوردار تھپڑ نے ہی اسے چکرا کر گرنے پر مجبور کر دیا۔ وہ گالیاں بکتا کچن میں چلا گیا۔

"امی۔۔۔!" وہ بلک اٹھی۔

ان تین ماہ میں اس نے پہلی بار ماں کو یاد کیا تھا۔

☆ ☆ ☆

امی کی نظروں سے کچھ بھی چھپا ہوا نہ تھا۔

"کیا بات ہے زینب۔ کیوں اتنی آزادی دے رکھی ہے تم نے عمر کو؟"

آج بھی وہ رات کے کھانے پر نہ پہنچا تھا۔ امی نے زینب کو ٹوکا تو وہ شکایتی نظروں سے انہیں دیکھنے لگی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

"غلط بات ہے یہ۔ تمہارا شوہر ہے وہ۔ برا بھلا پوچھنے کا حق رکھتی ہو تم۔"

وہ دیکھتی تھیں عمر بس ضرورت کے وقت ہی زینی سے مخاطب ہوتا تھا۔ اور زینی تو جیسے اس گھر کے کاموں میں ہی خود کو الجھائے ہوئے تھی۔ اس کے پاس تو عمر کو مخاطب کرنے کا بھی ٹائم نہ تھا شاید۔

"وہ تو شاید عافیہ کو بھول ہی نہیں پائے۔ میں نے ہی غلطی کردی۔" زینی کو زوروں کا رونا آیا۔

"تم سے کوئی بات کی ہے اس نے عافیہ کی؟" امی پریشان ہوئیں۔

"مجھ سے کیوں کریں گے۔ خیالوں میں کرتے ہوں گے۔" وہ نروٹھے پن سے بولی۔ تو اس کی سادگی اور معصومیت پر وہ بے ساختہ ہنس دیں۔ پھر سچے لہجے میں بولیں۔

"بڑا صاف دل ہے میرا بیٹا! تم دونوں کے درمیان غلط فہمیاں آگئی ہوں گی بس۔ ورنہ عافیہ تو کب کی ہمارے درمیان سے نکل چکی ہے۔"

"ہاں۔ بڑے صاف دل کا ہے۔" زینی جل کر بولی۔ "کاش کہ ان کی نظر بھی اتنی ہی صاف ہوتی تو پتا چل جاتا کہ اللہ نے عافیہ سے زیادہ خوب صورت بیوی دی ہے انہیں۔" عمر اندر داخل ہوتے ہوئے کھنکھارا۔

"السلام علیکم۔"

زینی یوں اپنی پلیٹ پہ جھکی جیسے کافی دیر سے کھانا ہی کھا رہی ہو۔

"کہاں تھے تم۔؟ کب سے انتظار کر رہی ہے تمہاری بیوی۔ بھوکی بیٹھی ہے تمہارے لیے۔" امی نے خود ہی اس کی خبر لینے کا سوچا تو اس نے اچٹتی نگاہ زینی کی پلیٹ پہ ڈالی۔

"اچھا۔۔۔ افسوس ہوا۔ کہیں بھوک ہڑتال پہ تو نہیں ہے آپ کی بہورانی؟"

زینی کو صاف پتا چل رہا تھا کہ اس کی بھری پلیٹ پر طنز کیا جا رہا ہے۔ وہ جز بز ہوئی۔ مگر اس سے اتنی بے تکلفی ہی کب تھی کہ کوئی جواب دیتی۔

وہ اب امی کی ڈانٹ کے جواب میں کام کی زیادتی اور مصروفیات کا رونا رو رہا تھا۔

زینی کھانا ادھورا چھوڑ کر تیزی سے وہاں سے اٹھ گئی۔ دونوں ماں بیٹے نے اسے دیکھا۔

"جاؤ۔ لے کے آؤ اسے۔ کھانا بھی ڈھنگ سے نہیں کھایا اس نے۔"

انہوں نے گھرکا۔ گہری سانس بھرتے عمر اپنے کمرے کی طرف بڑھا۔ جہاں ایک ماہ سے دو اجنبی رہائش پذیر تھے۔

وہ کمرے میں آیا تو وہ بیڈ پر بیٹھی گھٹنوں پر ٹھوڑی ٹکائے بیڈ شیٹ کے ڈیزائن پر انگلی پھیر رہی تھی۔

"شکر ہے۔۔۔ میں تو سوچ رہا تھا۔ جاتے ہی آنسوؤں کے دریا کو پار کرنا پڑے گا۔" عمر کے لب و لہجے میں موجود بے تکلفی نے زینی کو چونکایا۔

"ہاں۔ آپ نے کون سی کسر اٹھا رکھی ہے رلانے کی۔" ناراضی سے بولی۔

"اور تم نے دل جلانے کی۔۔۔" وہ بے ساختہ بولا۔

"میں نے۔۔۔ کب۔؟" زینی نے احتجاج کیا۔

"اس روز۔ فون پہ کہہ رہی تھیں شاید اپنی دوست کو۔۔۔ عاقب سے نکاح نہ ہونے کا دکھ۔۔۔" وہ یاد دلا رہا تھا۔ زینی محجوب ہوئی۔

"وہ تو۔۔۔ یونہی۔ آپ کو جلانے کے لیے۔۔۔ مجھے تو بس نکاح کا شوق تھا۔ آپ سے ہو گیا تو ٹھیک ہے۔" عمر کا دل سینے میں لوٹ کر رہ گیا۔

یہ سادگی اور معصومیت۔۔۔ گھر گرہستی کے انداز۔ پچھلے تین ماہ سے ہر پلڑے میں بھاری تھی وہ۔

"تو نکاح کے بعد کے بھی کچھ حقوق ہوتے ہیں محترمہ۔" عمر نے مسکراہٹ دبائی۔

"آپ نے کون سے اپنے فرائض ادا کردیے ہیں۔" وہ بے اختیار بولی پھر عمر کو دیکھ کر زبان دانتوں تلے دبائی مگر اس کا قہقہہ خجل کر گیا۔

"آپ تو بس طنز کے تیر چلا سکتے ہیں مجھ پر۔" وہ بیڈ سے اتر کر چپلوں میں پاؤں پھنسانے لگی۔

عمر نے اپنی تمام تر ذہنی و دلی آمادگی کے ساتھ اس کا

ہاتھ تھام کر اسے اپنی طرف کھینچا تو وہ لچکیلی ڈال کی طرح اس کے ساتھ آ لگی۔

"تو تم۔۔۔ تم بھی چلاتیں تیر کچھ اپنی نظروں کے۔" کچھ قاتل اداؤں کے۔۔۔" اس کی وحشت سے پھیلی آنکھوں میں جھانکتا وہ مخمور انداز میں کہہ رہا تھا۔ زینی کی جان ہوا ہونے لگی۔

"وہ۔۔۔ آپ تو عافیہ سے۔۔۔"

"شش۔۔۔" اس نے اپنی انگلی زینی کے نرم و گلابی ہونٹوں پر رکھی۔ اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔

"اس پل۔۔۔ صرف میں اور تم۔"

"تو۔۔۔ پھر کھانا۔۔۔ کھا آئیں؟ امی انتظار کر رہی ہوں گی۔"

"وہ خشک ہوتے حلق کے ساتھ منمنائی۔ تو وہ بے ساختہ ہنس دیا۔ زینی کو لگا اس کی زندگی میں بھی بہار کے پھول کھل گئے ہوں۔

☆ ☆ ☆

زینی خوش تھی۔۔۔ بے حد خوش۔

گزری رات اس کے دامن کو خوشیوں سے بھر گئی تھی۔ عمر وہ ناقابل تسخیر لگنے والا شخص۔ بنا اس کی کسی کوشش کے یوں اس کا ہوا تھا جیسے صدیوں سے اسی کا ہو۔

مگر کچھ لوگوں کو خوشیاں اتنی آسانی سے نہیں ملا کرتیں۔ یہ محض ایک ہفتے بعد کی ہی بات تھی۔

اور یہ ایک ہفتہ اس نے عمر کے ساتھ جیسے خوشیوں کے ہنڈولے میں بیٹھ کر گزارا تھا۔ اس کے دل سے عمر اور امی کے خلاف ہر شکوہ، ہر کدورت ختم ہو گئی۔

اس کو عمر کے ساتھ اس کے کسی کولیگ کے ہاں لنچ پر جانا تھا۔ آج اس کا آف ڈے تھا مگر وہ جانے کہاں نکلا ہوا تھا۔

ڈور بیل بجی تو زینی میگزین بند کرتی سیدھی ہو بیٹھی۔

"پتا نہیں یہ کہاں رہ گئے۔ اور باہر شاید کوئی آیا

بیوٹی بکس کا تیار کردہ

سوہنی ہیئر آئل

SOHNI HAIR OIL

- گرتے ہوئے بالوں کو روکتا ہے
- نئے بال اُگاتا ہے۔
- بالوں کو مضبوط اور چمکدار بناتا ہے۔
- مردوں، عورتوں اور بچوں کے لئے یکساں مفید۔
- ہر موسم میں استعمال کیا جاسکتا ہے۔

قیمت =/100 روپے

سوہنی ہیئر آئل 12 جڑی بوٹیوں کا مرکب ہے اور اس کی تیاری کے مراحل بہت مشکل ہیں لہذا یہ تھوڑی مقدار میں تیار ہوتا ہے، یہ بازار میں یا کسی دوسرے شہر میں دستیاب نہیں، کراچی میں دستی خریدا جاسکتا ہے، ایک بوتل کی قیمت صرف =/100 روپے ہے، دوسرے شہر والے منی آڈر بھیج کر رجسٹرڈ پارسل سے منگوالیں، رجسٹری سے منگوانے والے منی آڈر اس حساب سے بھجوائیں۔

2 بوتلوں کے لئے ---------- =/250 روپے

3 بوتلوں کے لئے ---------- =/350 روپے

نوٹ: اس میں ڈاک خرچ اور پیکنگ چارجز شامل ہیں۔

منی آڈر بھیجنے کے لئے ہمارا پتہ:

بیوٹی بکس، 53-اورنگزیب مارکیٹ، سیکنڈ فلور، ایم اے جناح روڈ، کراچی

دستی خریدنے والے حضرات سوہنی ہیئر آئل ان جگہوں سے حاصل کریں

بیوٹی بکس، 53-اورنگزیب مارکیٹ، سیکنڈ فلور، ایم اے جناح روڈ، کراچی

مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37-اردو بازار، کراچی۔

فون نمبر: 32735021

WWW.PAKSOCIETY.COM

ہے۔" وہ خود کلامی کرتی بستر سے اتری۔
ایک نظر ڈریسنگ ٹیبل کے آئینہ میں اپنا حلیہ دیکھا۔
پرپل کلر کا سفید کڑھائی سے مزین لباس بے شکن تھا۔ کانوں میں سفید نگوں والے بندے اور ان ہی کے ساتھ کی خوب صورت سی مالا اس کی لمبی گردن کے گرد خوب صورتی سے لپٹی ہوئی تھی۔ یہ عمر کا اس کے لیے پہلا تحفہ تھا۔ اور اس کے ساتھ داہنی کلائی میں پہنا وائٹ گولڈ کا کنگن جو سفید نگوں سے مزین تھا۔ اسے خود پر نہیں۔۔۔ عمر کی زینی پر پیار آیا تو وہ مسکرا دی۔ باہر سے اونچی آوازیں آئیں تو وہ خیالوں سے چونکی۔
"نجانے کون آیا ہے۔" وہ تیزی سے باہر نکلی۔ مگر پھر آنے والے کو دیکھ کر جیسے اس پر بجلی ہی گر پڑی۔
امی سے لپٹ کر چھکوں پھکوں روتی عافیہ۔ زینی کو لگا' اس کے گھر کی چار دیواری کو سیلاب کی تند و تیز لہروں نے چھو لیا ہو۔ امی بے حد خاموش تھیں۔
زینی کو دیکھ کر عافیہ لمحہ بھر کو تو ساکت ہی رہ گئی۔ پھر تڑپ کر اٹھی اور آگے بڑھ کے زینی کے گلے لگ گئی۔ مگر زینی کے ہاتھ اسے لپٹانے کو اٹھ نہ پائے تھے۔
"بس کرو عافیہ۔۔۔ بند کرو رونا۔" امی کی ٹھہری آواز پر وہ زینی کو چھوڑ کر پلٹی اور رومال سے آنکھیں صاف کرتے ہوئے مظلومیت بھرے انداز میں بولی۔
"کچھ اپنے گناہ تو دھو لینے دیں خالہ۔ ندامت کے آنسوؤں سے غلطیوں کے نشان مٹیں گے نہیں' مگر شاید ہلکے ہو جائیں۔"
لگ رہا تھا وہ زمانے کی ٹھوکر کھا کے آئی ہے۔
" اکثر جو لوگ زمانے کو اپنی ٹھوکر میں سمجھتے ہیں زمانہ ان ہی کو ٹھوکروں پر رکھ لیا کرتا ہے۔" زینی نے سوچا۔
"زینی۔۔۔ پانی لاؤ عافیہ کے لیے۔"
امی نے اس سے کہا۔ تو وہ جلدی سے کچن کی طرف بڑھی۔ وہ تو خود وہاں سے ہٹ جانا چاہتی تھی۔ ملازمہ کے ہاتھ کولڈ ڈرنک بھجوا کر وہ وہیں کاؤنٹر سے ٹیک لگا کے کھڑی ہو گئی۔
"بہت غلط کیا تھا میں نے خالہ! سب کا مان' عزت مٹی میں ملا دی میں نے۔ بہت پچھتاوا ہے میرے دل میں خالہ! بہت۔ اپنی زندگی برباد ہوئی تو فلسفۂ زندگی سمجھ میں آیا۔"
عافیہ کی جذباتیت بھری رندھی ہوئی آواز زینی کو کھولتی مٹھی میں کر رہی تھی۔
امی خاموشی سے سن رہی تھیں۔ جبکہ زینی کا جی چاہ رہا تھا۔ وہ عافیہ کی طبیعت صاف کر دیں۔ اسے طعنے دیں' ذلیل کریں۔ کیسے شادی کے روز وہ دو گھرانوں کی عزت داؤ پہ لگا کے بھاگ گئی تھی۔ مگر وہ شاید بھانجی کو سامنے پا کر اس کی جذباتیت کا شکار ہو چکی تھیں۔ خاموشی سے اس کے آنسو پونچھتی اور صبر کرنے کی تلقین کر رہی تھیں۔
زینی اب کب تک کچن میں چھپی رہتی حالات کا سامنا تو کرنا ہی تھا۔
"یہ میرا گھر ہے عافیہ کا نہیں۔ یہاں مالکن میں ہوں اور وہ فقط ایک مہمان۔ ان چاہی بن بلائی مہمان۔"
وہ خود کو یاد دلاتی مضبوطی کا درس دیتی باہر نکلی۔ تو امی نے اسے دیکھتے ہی یاد دلایا۔
"مجھے تھکاوٹ محسوس ہو رہی ہے زینی! اور دوا بھی لینی ہے مجھے۔"
وہ ان کا مطلب سمجھ کر ان کا ہاتھ تھام کر انہیں کمرے میں لے آئی۔ پانی کا گلاس بھر کے انہیں تھمایا اور ان کی دوا نکال کے دی۔ دوا کھا کر وہ لیٹ گئیں۔
"تھوڑا آرام کروں گی میں۔"
زینی مضطرب سی پلٹی۔
"تم پریشان ہو رہی ہو؟" امی کی پرسکون آواز نے زینی کو تحیر میں مبتلا کیا۔
"آپ نے اس سے پوچھا نہیں' وہ یہاں کیوں آئی ہے؟"
"مہمانوں سے ایسے نہیں پوچھا کرتے۔ وہ تو آئے ہی جانے کے لیے ہیں زینی۔" انہوں نے اطمینان سے کہا تو لمحہ بھر انہیں دیکھتے رہنے کے بعد وہ مسکرا دی۔

"تم جا کر اسے کھانے کا پوچھو۔ سفر سے آئی ہے۔ دعوت میں جاتے ہوئے اسے میرے کمرے میں چھوڑ جانا۔" امی کے کہنے پر وہ سر ہلا کر باہر آ گئی۔ جہاں عافیہ اب قدرے پرسکون حالت میں ادھر ادھر ٹہل کر اس شان دار گھر کا جائزہ لے رہی تھی۔
زینی کو دیکھ کر رشک و حسد کے ملے جلے انداز میں بولی۔
"تم نے ہمیشہ ہی میری اترن پر عیش کیا ہے۔"
زینی کی رنگت زرد پڑ گئی۔
وہ کچھ دیر پہلے والی حالات کی ٹھوکروں کی زد میں آئی عافیہ سے بالکل مختلف لگ رہی تھی۔
بالکل تائی اماں کے گھر والی عافیہ۔ نخوت زدہ انداز اور کمینگی کی حد تک فقط "اپنا" سوچنے والی۔
"میں گھر سے چلی گئی تھی' اس دنیا سے تو نہیں کہ تم نے جلدی سے عاقب کو چھوڑ میرے منگیتر سے نکاح پڑھوا لیا۔" وہ پھنکاری۔
زینی نے ہمیشہ سے عافیہ کے رعب میں اس سے دب کر زندگی گزاری تھی۔ اس کے پرانے کپڑے جوتے پہننے والی اس کے سامنے بھلا کیا بولتی؟ ہاں دل ہی دل میں اس کے خلاف محاذ بنا کر جنگ لڑتی رہتی۔ مگر اب تو عافیہ حد ہی کر رہی تھی۔ اس نے ہمت مجتمع کی۔
"مگر اب وہ تمہارا منگیتر نہیں ہے۔ مت بھولو کہ اس وقت میں ہی تھی جو دونوں گھروں کی عزت بچا سکتی تھی۔"
"شٹ اپ۔۔۔" وہ غرائی۔ زینی کے عیش و آرام کی ہلکی سی جھلک نے ہی اسے پاگل کر ڈالا تھا۔ "کیا ہو گا سبارات واپس آ جاتی بنا دلہن کے' سو واٹ؟ میں کچھ نہ سہی کل واپس آتی تو بھی عمر میرا انتظار کرتا۔ ایسا وقت گزار چکے ہیں ہم اکٹھے۔" وہ بے حیائی کی حد پر تھی۔
زینی کے پردۂ ذہن پر صاعقہ بھابھی کی کہی باتیں تازہ ہوئیں۔
"وہ سب ماضی کی باتیں تھیں عافیہ! عمر کا حال میں ہوں۔ اور ماضی بھول جانے کے لیے ہی ہوا کرتا ہے۔ خاص طور پر سیاہ ماضی۔" زینی نے خود کو مضبوط بنائے رکھنے کی کوشش کرتے ہوئے لہجے میں سختی بھری۔
"بکواس بند کرو۔ آنے دو عمر کو۔ پھر دیکھنا کون حال ہے۔ اور کون ماضی کا قصہ بنتا ہے۔ ایسے ایسے قصے بتاؤں گی تمہارے اور عاقب کے کہ۔۔۔"
وہ شیطانیت بھرے انداز سے مسکرا کر جملہ ادھورا چھوڑ گئی مگر زینی کے وجود میں خوف آمیز سنسناہٹ دوڑ گئی۔ وہ عافیہ کا مطلب اچھی طرح سے سمجھ گئی تھی۔
"میرا عاقب سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ اس سے میرے نکاح کی خواہش تائی اماں کی تھی۔"
زینی کو رونا آیا۔ عافیہ کچھ بھی کر سکتی تھی۔ عافیہ محظوظ انداز میں مسکرائی۔
"یہ تو میں جانتی ہوں نا' عمر تو وہی سنے گا جو میں کہوں گی۔"
"خدا کے لیے عافیہ! اپنی زندگی تو بسا چکی ہو' میرا گھر کیوں تباہ کرنے آ گئی ہو۔ جو پہلے ہی بڑی مشکلوں سے بسا ہے۔"
زینی کے آنسو رواں ہو گئے۔ وہ بے بسی کی انتہا پر تھی۔
تین ماہ پہلے ماں باپ کی عزت داؤ پر لگا کر جانے والی بھلا اس کی عزت سے کھیلنے کا ہے کو ہچکچانے لگی؟
"یہ میرا گھر ہے زینی۔ تم صرف ایک غاصب ہو اور بس۔ یہ سب وہ ہے جس کے لیے میں فیصل کی طرف دوڑی تھی۔" سرشاری سے کہتے وہ ہاتھ دائیں بائیں پھیلا کر گھومی۔
"مگر وہ ذلیل کنگلا نکلا۔ مجھے کیا پتا تھا یہ سب مجھے عمر کی قسمت سے ملنے والا ہے۔" وہ متاسف ہوئی۔ پھر اطمینان سے بولی۔ "خیر۔ ابھی بھی کون سا کچھ بگڑا ہے۔"
"چلی جاؤ یہاں سے عافیہ۔ میں تمہیں اپنی زندگی تباہ کرنے کی اجازت نہیں دوں گی۔" وہ سرسراتی آواز میں بولی۔ عافیہ کے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ کھیل

WWW.PAKSOCIETY.COM

گئی۔

"ہونہہ۔ تمہیں تو عادی ہو جانا چاہیے تھا اب تک۔ جانتی نہیں ہو میری عادت کو۔ ہمیشہ میری اترن پہنی ہے تم نے۔ مگر جب وہ چیز تم پر جچی تو میں نے واپس لینے میں ایک منٹ نہیں لگایا۔ اب عمر کو کیسے چھوڑ دوں تمہارے ساتھ۔"

اس کے سفاکانہ انداز پر زینی کی ٹانگیں کانپنے لگیں۔

اسی وقت عمر اندر آگیا۔

وہ اپنے دھیان میں ہمیشہ کی طرح سلام کرتا آیا تھا۔ زینی نے بے ساختہ عافیہ کو دیکھا جس کے تاثرات یکسر بدل گئے تھے۔

"عمر۔۔۔" بے حد جذباتی انداز میں اسے پکارتی وہ آگے بڑھی اور عمر کا ہاتھ تھام لیا۔ "کیسے ہو تم۔۔؟"

عمر ساکت سا عافیہ کو دیکھ رہا تھا۔

زینی کا دل کسی نے مٹھی میں جکڑ لیا۔

سامعہ نے کہا تھا عمر کے دل پر عافیہ کا سایہ ہے۔ تو کیا وہ پھر سے کوئی منتر پھونکنے والی تھی؟

"مجھے معاف کردو عمر! دیکھو تمہاری محبت کتنی طاقت ور ہے ایک دن بھی سکون سے نہیں گزار پائی میں تمہارے بغیر۔ بس کسی کے بہکاوے میں آگئی تھی۔ تم سے دور تھی نا اسی لیے۔ کسی نے میرے معصوم جذبات کا رخ اپنی طرف موڑ لیا۔ مگر اس دل سے تمہاری تصویر اتر ہی نہیں پائی۔ ٹھکرا آئی ہوں میں فیصل کی نام نہاد محبت کو۔ تمہاری محبت جیت گئی عمر!"

وہ چرب زبان بھی تھی اور اداکارہ بھی۔

آنکھوں میں آنسو بھرے بڑے درد بھرے انداز میں تین ماہ کی "داستان حیات" سنا رہی تھی۔ عمر نے آہستگی سے اپنا ہاتھ چھڑایا اور نرمی سے بولا۔

"میں زینی سے شادی کر چکا ہوں۔"

"تو کیا ہوا۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ میں بھی تو فیصل کو چھوڑ کے تمہارے پاس آئی ہوں۔ تم بھی اسے چھوڑ دو۔"

یہ زینی کا گھر تھا' اور وہ اس وقت وہاں فقیروں کی طرح کھڑی تھی۔

"اور زینی کا کیا ہوگا؟" عمر کا سوال سن کر زینی کا چہرہ آنسوؤں سے بھیگنے لگا۔

اب وہ بھلا کسی اور سے محبت کر پائے گی۔ زینی کی معصوم بے ساختہ محبت کو برتنے کے بعد بھی وہ عافیہ سے یہ سوال کر رہا تھا۔

زینی کھڑے کھڑے مرنے لگی۔ عافیہ تفاخر سے مسکرائی۔

"اس کی تم فکر مت کرو۔ وہ میرا مسئلہ ہے۔ عاقب میری بات کبھی نہیں ٹالے گا۔ اور رہی زینی۔ تو اسے سدا سے میری اترن کی عادت رہی ہے۔ حتیٰ کہ شادی بھی میرے چھوڑے ہوئے منگیتر سے کرلی۔"

عافیہ کو عمر بے وقوفی کی حد تک سیدھا سادہ لگا کرتا تھا۔ تب ہی اسے یہ زعم تھا کہ عمر اس کی غلطی کو معاف کر کے اسے اپنانے میں دیر نہیں کرے گا۔

"لیکن میرے ساتھ ایک مسئلہ ہے عافیہ!" وہ متفکر سا بولا۔

"وہ کیا۔۔؟" عافیہ طمانیت سے مسکرائی تو عمر اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اتنی دیر میں پہلی بار مسکرایا۔

زینی نے اذیت محسوس کرتے ہوئے آنکھیں موند لیں۔

"وہ یہ کہ۔۔۔ مجھے کسی کی اترن کی عادت نہیں ہے۔"

عافیہ کو لگا اس کے آس پاس زور دار دھماکا ہوا ہو عمر کے ایک ہی جملے نے اس کی ذات کے پرخچے اڑا دیے تھے۔

"مانا کہ تم اپنی استعمال شدہ چیزیں زینی کو دیتی رہی ہو۔ مگر تم نے کبھی یہ سوچا کہ وہی چیزیں زینی سے واپس لے کر تم بھی اس کی اترن پہنتی رہی ہو؟"

وہ تحقیر آمیز انداز میں اسے اس کی اوقات دکھا رہا تھا۔

زینی کے آنسو تھم سے گئے۔ عافیہ بے یقینی سے

کو دیکھ رہی تھی۔

"تم نے سوچ بھی کیسے لیا کہ میں تمہاری بد کرداری کو بھول کر تمہاری چند دنوں کی محبت کو یاد رکھوں گا؟"

عمر کے انداز میں اس کے لیے حقارت تھی۔ اس نے آگے بڑھ کے زینی کے شانے پر بازو پھیلاتے ہوئے اسے خود سے قریب کیا تو وہ بے اختیار اس کے شانے سے لگ کے رو دی۔

"یہ وہ لڑکی ہے جس نے تمہاری اڑائی ہوئی بے غیرتی کی دھول کو اپنی فرماں برداری کے پانی سے دھو ڈالا۔ چاہے اسے عاقب سے محبت تھی یا اس کا نکاح اس کے ساتھ طے تھا۔ میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ اس نے اس وقت میری عزت کو سنبھالا دیا جب تم نے نہ میری عزت کا پاس رکھا اور نہ اپنے شریف ماں باپ کی۔"

وہ دھیمے مگر شعلہ بار لہجے میں پھنکارا تو عافیہ کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

"اسی لیے تو فیصل کو چھوڑنے کا فیصلہ کرلیا ہے میں نے۔ مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوگیا ہے عمر!"

"غلطی کا احساس ہوگیا ہے تو جا کے اپنے والدین سے معافی مانگو۔ میری زندگی کی تصویر مکمل ہو چکی ہے۔ یہ سب شان و شوکت زینی کے نصیب سے ہے۔" وہ بے رخی سے بولا۔

کافی دیر خاموشی چھائی رہی تو اس کے شانے میں منہ دیے کھڑی زینی نے سر اٹھا کے دیکھا۔ لاؤنج خالی تھا۔ عافیہ کا سوٹ کیس بھی غائب تھا۔ وہ وہاں سے ناکام و نامراد جا چکی تھی۔

بے اختیار عمر کو دیکھا تو وہ مسکرا رہا تھا۔ وہ جھینپ کر پیچھے ہٹی۔ روئی روئی آنکھوں کے ساتھ وہ بہت حسین لگ رہی تھی۔

"وہ چلی گئی؟" بے یقینی سے پوچھا۔ گہری سانس بھرتے عمر نے اسے دونوں بازوؤں سے تھام کر اپنے سامنے کیا۔ اور مسکرا کر بولا۔

"اسے جانا ہی تھا۔ تم نے بالکل ٹھیک کہا تھا۔ جس کا حال اتنا شاندار ہو وہ تاریک ماضی کو یاد رکھ کے کیا کرے گا۔" وہ بھولپن سے بولا۔ زینی سٹپٹائی۔

"اور وہ کیا کہہ رہی تھیں تم امی سے۔۔۔ کہ اگر اللہ نے دل کی طرح مجھے نظر بھی صاف دی ہوتی تو پتا چلتا کہ عافیہ سے زیادہ حسین بیوی ملی ہے مجھے۔ ذرا پاس آؤ۔ دیکھوں تو سہی۔"

وہ مزید بولتے ہوئے قریب ہوا تو زینی کا بے اختیار قہقہہ ہواؤں میں بکھر گیا۔ وہ کئی موقعوں پر اس کی گفتگو سن چکا تھا۔ وہ مطمئن تھی۔ اسے پتا چل گیا تھا کہ عمر کے دل کے تمام موسموں پر اب اسی کی حکمرانی ہے۔

اور ادھر پسینے میں شرابور رکشے کے انتظار میں کھڑی عافیہ اپنی زندگی کی بازی دوسری بار ہار کے روتی ہوئی واپس جا رہی تھی۔

اسی زندگی کی طرف جس کے راستے اس نے خود تلاشے تھے۔ کہ خدا بھی بھٹکے ہوؤں کو تب تک راستہ نہیں دکھاتا۔ جب تک کہ خود ان کے دل میں صحیح منزل تک پہنچنے کی لگن نہ جاگے۔

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لیے خوبصورت ناول

قیمت -/300 روپے

منگوانے کا پتہ:
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37، اردو بازار، کراچی
فون نمبر:
32735021

مصباح علی

اے جنوں تیرا سلام

آج پھر اس کی گاڑی بڑے سے سیاہ آہنی گیٹ کے پار رکی۔ چوکیدار کو اپنے کاغذات دکھا کر وہ اندر جانے کی اجازت طلب کرنے لگی اور اجازت ملتے ہی ہمیشہ کی طرح تیزی سے آگے بڑھی۔ سامنے چوڑی سی لمبی سڑک تھی' جو سرخ اینٹوں سے بنے کھلے سے برآمدے تک پہنچ کر ختم ہو رہی تھی۔ برآمدے میں لوگوں کا معمولی سا ہجوم تھا۔ وہ بھی ہجوم کا حصہ بن گئی اور تمام کارروائی پوری کرتے ہوئے اپنی مطلوبہ بیرک تک پہنچ گئی۔

وہ دونوں ایک چھوٹے سے کمرے میں ایک دوسرے کے روبرو لکڑی کی سخت کرسیوں پر بیٹھی تھیں۔ وہ آج پھر اپنی پرانی آفر لے کر آئی تھی۔ مدیحہ بہت عرصے سے اسے ایک ہی بات کے لیے قائل کر رہی تھی۔

"رضیہ! پلیز مان جاؤ۔ آخر تم سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کرتیں۔ اس معصوم کو دیکھو' اس کا کیا قصور ہے؟ اس کے حصے میں کھلی فضا کیوں نہیں ہے۔۔۔ اس کا بھی تو آزاد آسمان پر حق ہے۔۔۔ پلیز رضیہ! میرا یقین کرو' میں اسے تعلیم دلواؤں گی' جینا سکھاؤں گی۔۔۔ خدا کے لیے اس کے مستقبل سے مت کھیلو۔ اسے دوسری رضیہ مت بناؤ۔"

اس کی مسلسل درخواست پر رضیہ کی نگاہیں اس کے چہرے سے ہٹیں اور معصوم بچی پر جا ٹھہریں۔ ڈیڑھ' دو سال کی وہ معصوم سی بچی اس کی گود میں لیٹی اپنے ہاتھوں سے کھیل رہی تھی۔ وہ کبھی رضیہ کے بغل میں منہ چھپا لیتی تو کبھی اس کے دوپٹے میں' پھر فوراً" چہرہ سامنے کر کے زور سے ہنستی۔ غالباً" وہ رضیہ کی توجہ چاہنے کے لیے ہنس رہی تھی مگر گم صم بیٹھی رضیہ مسلسل اپنی گود میں پڑی بچی کو تکے جا رہی تھی۔

رضیہ نے بچی کے ہاتھ سے اپنا دوپٹا آہستہ سے چھڑوا کر اس کی ہتھیلیاں پھیلائیں اور پھر اپنی ہتھیلی اس کے ساتھ جوڑ کر جانے کیا تلاشنے لگی۔ وہ اس بات سے بالکل انجان بنی تھی کہ مقابل اسے کیا سمجھا رہا ہے۔ رضیہ نے بچی سے نگاہیں ہٹا کر ذرا کی ذرا اسے دیکھا۔ کیوں کہ وہ اب خاموش ہو گئی تھی اور یقیناً" ملاقات کا وقت بھی ختم ہونے والا تھا۔ رضیہ اس کی نگاہوں میں دیکھتے ہوئے جانے کہاں پہنچ گئی۔

☆ ☆ ☆

"رجی۔۔۔نی رجی۔۔۔"

لکڑی کی ٹوٹی پھوٹی برائے نام کھڑکی پر مسلسل دستک کے ساتھ مدھم سرگوشی ہو رہی تھی۔ یہ کھڑکی گھر کے پچھواڑے تنگ سی گلی میں کھلتی تھی۔

میتو کو پورا یقین تھا کہ رجی کھڑکی کے قریب ہی کہیں ہو گی۔ اسی لیے وہ ہلکی سی آواز کے ساتھ معمولی دستک دے رہا تھا۔ اس کا اندازہ بالکل درست تھا۔ وہ کھڑکی کے ساتھ چارپائی جوڑے دنیا و مافیہا سے بے خبر پڑی سو رہی تھی مگر جیسے ہی دوسری سرگوشی کان کے پردے سے ٹکرائی' وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ دوسرے ہی لمحے وہ اپنے سوکھی گھاس جیسے بھورے بال ہاتھوں سے جماتے ہوئے کھڑکی کے قریب آ گئی۔

اس نے کھڑکی کی چرچراہٹ روکنے کے لیے احتیاط سے ہاتھ جما کر کھڑکی کھولی۔ لوہے کی سلاخوں کے سامنے میتو سائیکل جوڑے کھڑا تھا۔ دونوں کی نگاہیں ملتے ہی نہ صرف چہروں پر مسکراہٹ آ گئی بلکہ آنکھوں میں خواب مچلے اور ہونٹوں پر گلاب بھی جلنے لگے تھے۔

"رک۔" وہ ہاتھ سے اسے رکنے کا اشارہ کرتی کمرے سے باہر نکل آئی۔ کھلے کچے صحن میں جامن کی ٹھنڈی چھاؤں تلے اس کا باپ منہ پر صافہ رکھے سو رہا تھا۔ ایک کونے میں اس کی ماں چولہے سے سر کھپا رہی تھی۔

رجی نے چپل اتار کر ہاتھ میں لی اور دبے پاؤں چلتے بیرونی دروازے کی طرف پہنچ گئی۔ بغیر آواز پیدا کیے کنڈی کھولی اور باہر گلی میں نکل آئی۔

پیچھے سے دروازہ بند کرنے پر آہٹ پیدا ہوئی جس پر اس کی ماں چونکی۔

"رجی۔۔۔نی رجی۔۔۔نی کڈے مرنی ایہہ۔"

WWW.PAKSOCIETY.COM

وہ اسے آوازیں کستی دروازے تک آئی۔ باہر گلی کے دونوں جانب جھانکا مگر وہاں نہ رجی تھی نہ اس کا نام و نشان۔ وہ باہر جھانکتے ہوئے اسے مسلسل کوسنے گالیاں دیتی رہی تھی مگر رجی کی جانے بلا۔ وہ تو اپنے میتو سے ملنے گئی تھی۔ جو صرف اس کا تھا صرف اور صرف اس کا۔۔۔ اور دنیا کی کوئی طاقت انہیں ملنے سے نہیں روک سکتی تھی۔ نہ اس کا شعیل باپ نہ ڈپٹتی ماں۔

متین رجی کا پھوپھی زاد اور بچپن کا منگیتر تھا۔ ان کے گھر زیادہ دور نہیں تھے' صرف چند گلیوں کا فاصلہ تھا اسی لیے ہر وقت آنا جانا لگا رہتا تھا۔ یہ علاقہ حاصل پور کا نواحی تھا اور کافی پسماندہ علاقہ تھا۔ اکثریت غریب غربا کی تھی۔ کھلے کھلے صحنوں میں دو تین درخت اور ایک دو کمرے ہی بنے ہوتے تھے۔ وہ دونوں ان صحنوں میں پل کر جوان ہوئے تھے۔

درختوں پر چڑھنا' گلی ڈنڈا' اسٹاپو' پٹھو گرم' ٹائر دوڑانا' لڑکے لڑکی کا بغیر فرق کیے ہمیشہ ساتھ کھیلتے تھے۔ میتو نے سائیکل چلانی سیکھی تو نہ صرف رضیہ کو سکھائی بلکہ اسے بٹھا کر پورا علاقہ بھی گھمایا۔ اور پھر یہ ان کا معمول بنا گیا۔ وہ چلچلاتی دوپہر میں چوری سے باپ کی سائیکل نکالتا' رجی کو ساتھ لیتا اور حاصل پور کے نواح میں بنے قلعوں کی سیر کو نکل کھڑا ہوتا۔

سناٹے میں بنے یہ چوڑی سرخ اینٹوں کے قلعے' ان کی اونچی اونچی فصیلیں' سفید سنگ مرمر کے محلات اور باغ جن میں چھوٹے بڑے کئی فوارے نصب تھے۔ فواروں میں اچھلتا' سفید ٹھنڈا پانی ویرانے میں اپنے سُر بکھیرتا ان دونوں کو بہت متاثر کرتا تھا۔ وہ کئی کئی گھنٹے اس فوارے کے گرد بنی سنگ مرمر کی دیوار پر بیٹھے گزار دیتے۔ اب بھی وہ اس دیوار پر بیٹھے دونوں پائنچے چڑھائے تالاب کے ٹھنڈے پانی میں پاؤں ہلا رہے تھے۔

"میتو!" پاؤں ہلاتے ہوئے رجی دھیرے سے بولی۔

"ہوں۔" میتو نے سرسری سا کہا۔

"میتو! مجھے بہت خوف آتا ہے۔"

میتو کے ہلتے پاؤں رک گئے۔ "کیوں؟"

"اگر وہ سب نہ ہوا جو تیری میری چاہ ہے تو میں تو مر جاؤں گی تسمے!" وہ آنسو بھر کر بولی۔

"مریں تیرے دشمن۔" وہ جملہ پورا ہونے سے پہلے ہی بولا۔ "تو میری منگیتر ہے۔ بچپن کی منگی۔ تجھے مجھ سے کوئی جدا نہیں کر سکتا۔ کوئی بھی نہیں کبھی بھی نہیں۔"

وہ نفی میں سر ہلاتا اس کا ہاتھ پکڑ کر پیچھے کی طرف کودا۔

"میتو! میں تیرے ساتھ کسی اور کو نہیں دیکھ سکتی' میری سانس رک جائے گی۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بے بسی سے بولی تھی۔

"رجی! یوں نہ کہا کر' محبت کو محبت ہی رہنے دے' پاگل پن نہ بنا۔" وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر سائیکل کی طرف بڑھتے ہوئے رسان سے بولا۔ غالباً" اسے گھر جانے کی فکر ہوئی تھی کیوں کہ فوارے کے ٹھنڈے پانی میں لہراتے اونچے پام کے درختوں کے بیچ چمکتے سورج کا عکس جھلملاتے ہوئے گم ہونے لگا تھا۔

یقیناً" گالیاں اگلتا اس کا ابا تیار بیٹھا ہوگا اور جاتے ہی جوتیوں سے نوازے گا کہ سائیکل کہاں لے گیا تھا' اگر چوری یا پنکچر ہو جاتی تو۔۔۔ میتو یار کھا کر بشیراں کے پاس سر نیہوڑا کر بیٹھ جاتا۔ وہ ماں تھی۔ اسے پچکارے گی' روئی دے گی اور تنبیہہ بھی کرے گی۔ "سارا سارا دیہاڑ اس نہ لئی پھرا کر جھلیا!" مگر اس پر کسی تنبیہہ کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔

رجی کی طرف بھی یہی صورت حال تھی۔ اس کی گھاس جیسی چٹیا کو نذیراں اتنے جھٹکے دیتی گویا آج جڑ سے نکال دے گی۔ کمر پر دھمو کے برسائی مگر چند دن بعد سب بے کار جاتا۔ وہ پھر اس کے ساتھ نکل کھڑی ہوتی۔

آج بھی وہ باغ کی سیر کر کے مغرب کے بعد گھر پہنچے تھے۔ معمول کی طرح آج انہوں نے نہ مار کھائی' نہ ڈانٹ' نہ پھٹکار' بلکہ آج کچھ الگ ہو گیا تھا۔ تاروں کے جھرمٹ پر راج دھانی جماتا پورا چاند ان کی خوشی

رقصاں تھا۔ رات کے پردے سے چھن کر آتی چاندنی مدھم سروں میں سرگوشیاں کرنے لگی۔ آج اس کی پھوپھی تاریخ پکی کرنے آئی ہوئی تھی۔

رجی کا دل چاہا گانے گائے' لڈیاں ڈالے اور وہ ڈال بھی لیتی کیوں کہ وہ ایسی ہی تھی۔ اگر اسے ماں اور ساس کی مار کا ڈر نہ ہوتا۔ یقیناً" اسے کل کائنات مل گئی تھی۔ اسے وہ سب مل گیا تھا جس کی اس نے چاہ کی تھی' جس کے بغیر نہ وہ جی سکتی تھی' نہ مر سکتی تھی۔ اس کی ہر دعا اس سے شروع ہو کر اسی پر ختم ہوتی تھی۔

زندگی خوبصورت ڈگر پر رواں تھی۔ میتو اپنے باپ کے ساتھ اینٹوں کے بھٹے پر کام پر جانے لگا تھا اور کبھی کبھی فصل کی کٹائی پر بھی چلا جاتا۔ وہ سال بھر کا اناج جمع کر لیتا تھا۔ رات کو دونوں باپ بیٹا گھر آجاتے۔ چاند کی سنہری کرنوں سے غسل کرتے مٹی کے صحن میں چارپائیاں بچھائے پورا خاندان اکٹھے سوتا تھا۔ پھر سورج کی شعاع پھوٹتے ہی معمول کی زندگی آگے بڑھنے لگتی تھی۔

دن رات آگے پیچھے بھاگتے چار سال ہو گئے تھے مگر ان کے کچے آنگن میں کوئی قلقاری نہیں گونجی تھی۔ بشیراں نے رجی کا دائیوں سے بہت علاج کروایا۔ منتیں چڑھائیں مگر سب بے کار ہوتا نظر آتا تو بشیراں کا قلق شدت اختیار کرنے لگتا۔ وہ اپنی خواہش کی کچھ رمق میتو میں بھی پیدا کر چکی تھی مگر وہ رجی سے بے پناہ محبت کرتا تھا اور اس امر بل میں اسے قصوروار ٹھہرا کر گناہ گار بننا نہیں چاہتا تھا۔ اسی لیے جہاں ماں کی خواہش کو ٹال جاتا وہاں رجی کو پھر سے امید دلاسے دیتا تھا۔

☆ ☆ ☆

وہ ایک بازو آنکھوں پر رکھے چارپائی پر سیدھا لیٹا رجی سے ہلکی پھلکی باتوں میں مصروف تھا۔ آج کل برسات کی وجہ سے بھٹے بند تھے' اسی لیے وہ گھر پر تھا۔ رجی بھی اسی چارپائی پر اس سے پشت ٹکائے چٹیا باندھ رہی تھی۔ وہ اس کی باتوں پہ صرف ہوں' ہاں سے شامل تھی۔ اس کی تمام توجہ سامنے مچلتی کوئل پر تھی۔ جو ڈال ڈال کوکتی موسموں کے بدلنے کا بتا رہی تھی۔ رت بدلتی تو کوئلیں نئے گھونسلے بنانے لگتیں' انہیں سنوارتیں' ان کی حفاظت کرتیں کیوں کہ اس میں ان کے انڈے یا بچے ہوتے۔

رجی اپنی چٹیا کو بل دیتی مسلسل کوئل کو تک رہی تھی۔ جو انار کے درخت سے پھول نوچ نوچ کر اپنے گھونسلے میں لے جا رہی تھی۔ انار کے درخت کے قریب ہی اوزار رکھنے کا مٹی سے بنا ہارا تھا۔ کبھی کوئل اڑ کر اس پر بیٹھتی اور چونچ بھر کر اپنے گھونسلے میں لے جاتی۔ یقیناً" وہ اپنے بچوں کے لیے خوراک کا بندوبست کر رہی تھی۔ کوئل کی ممتا دیکھ کر رجی کی آنکھوں میں ایک سرخ ٹیس سی ابھری۔

دروازہ کھلنے کی آہٹ پر اس کی نظر گھونسلے سے پھسل کر بیرونی دروازے پر ٹھہر گئی۔ جہاں بشیراں کے پہلو میں حلیمہ لہراتی ہوئی اندر آرہی تھی۔ وہ ایک ہاتھ میں اپنے دوپٹے کا پلو گول گول گھماتے ہوئے خوش گپیوں میں مصروف آگے بڑھ رہی تھی۔

اسے دیکھتے ہی رجی نے دانت ایسے پیسے جیسے منہ کڑوے بادام سے بھر گیا ہو۔ ایسا کیوں نہ محسوس ہوتا۔ اس نے رات کو دل کی گہرائیوں سے کچھ اور دعا مانگی تھی۔ رات جب پورا چاند سنہری چاندنی کے ہالے میں تھا۔ جب ٹھنڈی چاندنی میں گھلتی مست پُروا جس میں انار کے پھولوں کی خوشبو رچی تھی۔ جب رات کی رانی اور چنبیلی سے خوشبو چراتا سحر انگیز ہوا کا جھونکا ان کے بدنوں میں سنسناہٹ بھر رہا تھا۔ جب ان کا خود پر اختیار نہ رہا تھا تو رات کے اس پچھلے پہر میں اپنے کمرے کی طرف بڑھتے رجی نے رب سے دعا مانگی تھی۔

"اے سوہنے رب! میری گود بھی بھر دے۔"

اور دن چڑھے تعبیر حلیمہ کی صورت نظر آئی تو اس کا دعاؤں پر سے یقین ڈگمگانے لگا کہ خوبصورت پہر کی دعائیں قبول نہیں ہوتیں۔ کم از کم اس وقت حلیمہ کو

WWW.PAKSOCIETY.COM

دیکھ کر تو ایسے ہی لگا تھا۔
رجی نے نفرت سے ناک منہ ٹیڑھا کیا۔۔۔
وہ دونوں جیسے ہی انار کے پیڑ کے نیچے سے گزریں تو کوئل دھال کر اڑ گئی۔ ان کے آگے بڑھتے ہی کوئل اپنی شاخ پر واپس آگئی تھی۔ مگر اب وہاں ایک اور بچھی بھی آبیٹھا تھا۔ دونوں پرندوں کی چونچیں کچھ دیر لڑیں پھر شاخوں کے پتے ہلنے سے دونوں ہی سہم کر اڑ گئے اور گھونسلہ شاخ پر تنہا جھولتا رہ گیا۔۔۔
حلیمہ، میتو کی تایا زاد تھی۔ جب سے اس کے والدین فوت ہوئے تھے، اس کی اپنے بھائی بھاوجوں سے خوب کھٹکتی رہتی۔ کچھ اس کی بھاوجیں تیز طرار تھیں۔ کچھ حلیمہ ان سے دو ہاتھ آگے تھی۔ جب بات بحث تکرار سے بڑھ کر ہاتھا پائی تک آجاتی تو بشیراں کو بلایا جاتا۔ وہ جاکر صلح کرواتی اور چند دن کے لیے حلیمہ کو اپنے ساتھ لے آتی اور ایسا اکثر تب ہوتا تھا جن دنوں بھٹے بند ہوتے یا پھر میتو کسی وجہ سے گھر پر ہوتا۔ آج کل بھی بھٹے برسات کی وجہ سے بند تھے اور میتو گھر پر تھا۔ بشیراں صبح صبح صلح کے بہانے گئی اور حلیمہ کو ساتھ لے آئی۔
وہ دونوں ان کے قریب پہنچنے کو تھیں۔ جب رجی نے ناگوار "ہونہہ۔" کے ساتھ گرہ لگا کر پراندہ اپنی کمر پر پٹخا اور اندر جانے کے لیے کھڑی ہوئی۔
"بیٹھی رہ، کدھر جارہی ہے؟" اس کے اٹھنے سے چارپائی کا وزن کچھ ہلکا ہوا تو میتو نے آنکھوں پر سے ہاتھ اٹھا کر رجی کی کلائی پکڑی اور فوراً" چھوڑ بھی دی۔ اس کی نظریں اور حلیمہ پر پڑ گئی تھی۔
حلیمہ سلام کرتے ہوئے میتو کے پائینتی ٹک گئی اور بشیراں مونڈھا گھسیٹ کر ان کے مقابل بیٹھ گئی۔ رجی کمرے کی طرف مڑی ہی تھی کہ بشیراں زور سے بولی۔
"نی رجی۔ اندر کڈے جلنی اے۔ جا، جا کے چاء چاڑھ، دیکھتی نئیں، پروہنی آئی اے۔"
"زہر نہ چاڑھ دآں۔" رجی منہ میں بڑبڑائی ہی تھی کہ حلیمہ فوراً" اٹھ کھڑی ہوئی۔
"نہ چاچی نہ! میں کوئی پروہنی نئیں، اے میڈی چاچے دا گھر اے، تا آپے چاء چاڑھ لاں گی۔"
وہ جتاتے ہوئے چولہے کی جانب بڑھی۔ جہاں اس کی فرماں برداری پر بشیراں اس کی بلائیں لے رہی تھی، وہاں رجی حیرت سے منہ کھولے کبھی حلیمہ کی ادائیں دیکھتی کبھی بشیراں کا منہ۔ وہ تلملاتی ہوئی اندر کمرے میں چلی گئی۔
اس کے لیے حلیمہ کا وجود قابل برداشت نہ تھا۔ جب بھی وہ آتی تھی، بشیراں کی زبان اس کی تعریفوں کے پل باندھتی رہتی اور وہ میتو کے گرد منڈلاتی رہتی۔
"میتو! یہ کھالے، یہ پی لے، یہ میں نے بنایا۔" رجی کو میتو پر بڑا یقین تھا۔ وہ جتنی محبت میتو سے کرتی ہے۔ وہ بھی اس کے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔
وہ واقعی ہر ممکن کوشش کرتا کہ رجی کا دل نہ ٹوٹے۔ غصے میں جب بھی بشیراں رجی کو "بنجر بے آباد ٹھیکرا" کہتی تو وہ غصے سے "اماں بس کر" کہہ دیتا۔
وہ ہمیشہ رب کی رضا کہہ کر ماں کو ٹالتا آیا تھا مگر کب تک۔۔۔ اس کا باپ اگلی نسل کی خواہش لیے مٹی میں مٹی بن گیا تھا۔ اب بشیراں اس کے آگے منتیں کرتی، اسے رب کے واسطے دیتی، پھر خاص طور پر بے آسرا یتیم حلیمہ کا حوالہ دیتی، آڑوس پڑوس کے کتنے ہی مرد گنواتی جن کے دوسری شادی کرنے پر ہی اولاد ہوئی تھی اور جو دونوں بیویوں بچوں کے ساتھ ہنسی خوشی زندگی بسر کررہے تھے۔ اب بھی وہ اسے کتنے دن سے قائل کرنے کی کوشش کررہی تھی۔
"میتو! میں کون سا رجی کو چھڈن دی گل کرنی آں، تیری ماں ہوں۔ میڈی چاہ دی قبلا فرض اے۔ فیر حلیمہ خوبصورت ہے۔ تیرے سگے چاچے کی دھی اے۔"
میتو کبھی ماں کی دلیلوں میں پھنس جاتا تو کبھی رجی کے زاویوں پر جو بشیراں کی فرمائش پر ہر دم بگڑتے رہتے اور جب چلتی پھرتی حلیمہ نظر آتی تو وہ مزید الجھ کر رہ جاتا۔۔۔

"لک چھپ کانا، مکی دانہ، راجا دی بیٹی آئی اے۔ آجا۔ آجا۔"
کے صحن میں خاصی ہڑبونگ مچی تھی۔ حلیمہ کے بھتیجا بھتیجی آنکھ مچولی کھیل رہے تھے۔ میتو چوکی پر بیٹھا تھا۔ گھٹنوں پر اوپر بازو رکھے، بازوؤں پر ٹھوڑی ٹکائے مسلسل بچوں کو دوڑتے بھاگتے حسرت سے دیکھ رہا تھا۔ بشیراں اپنا دل بہلانے یا پھر میتو کی دلی خواہش کو ابھارنے کے لیے اکثر حلیمہ کے بھتیجا، بھتیجی کو لے آتی تھی یا پھر محلے کے چھوٹے بچوں کو بلا لیتی۔ بچے تو کچھ دیر کھیل کود کر چلے جاتے تھے مگر ان کا آنا، شور مچانا میتو کو فیصلے تک لے جانے میں خاصا مددگار ثابت ہوتا تھا۔
اس نے اپنی چوکی گھسیٹ کر رجی کے قریب کی۔ وہ چولہے میں آگ جلانے کی کوشش کررہی تھی۔
"رجی!" وہ بچوں کو محویت سے دیکھتے ہوئے کھوئے کھوئے سے لہجے میں بولا۔
"ہوں۔" اس نے پتلی پتلی لکڑیوں پر کچھ کاغذ رکھ کر تیلی پھینکی۔
"رجی! ایک بات کرنی ہے تیرے سے۔"
"تو کرنا۔" وہ لاپروائی سے بولی اور ایک طرف رکھی دھونکنی اٹھالی۔
"تجھے بچے اچھے نہیں لگتے؟"
"لگتے ہیں۔" وہ رک کر بولی۔
"تیرا دل نہیں کرتا ہمارے ویہڑے (صحن) میں شور ہو۔"
وہ اس کی بات سنی ان سنی کرکے لکڑیوں کو دھونکنی سے سلگ کرتی رہی۔ دھواں اس کی آنکھوں میں گھسا جارہا تھا۔
"بول نا رجی!"
"مطلب کیا ہے تیرا؟" اس کی بھنوئیں سکڑ گئیں۔
"جو تو ہے نا رجی! وہ تو ہی رہے گی۔ تیری جگہ کوئی نہیں لے سکتا۔" وہ گردن اس کی طرف موڑے آہستہ آہستہ بول رہا تھا۔ وہ بشیراں کے منہ سے اکثر دوسری شادی کی باتیں سن چکی تھی اور کچھ کچھ میتو کی بدلتی سوچ کو بھی سمجھ رہی تھی۔ مگر وہ اتنی جلدی دوسری شادی کے لیے راضی ہوجائے گا، یہ اندازہ نہیں تھا۔ اسی لیے پھونکنی زور سے پٹختے ہوئے غصے سے کہا۔
"تو کہنا کیا چاہتا ہے۔" وہ دھوئیں سے بھری آنکھیں اس کے چہرے پر جما کر بولی۔ آج وہاں کوئی اور ہی میتو تھا۔ وہ میتو نہیں تھا جسے وہ جانتی تھی۔ جس پر اسے مان تھا۔ بے اولادی کو جو "رب کی رضا" کہتا تھا۔ جو اس کی ذرا سی تکلیف پر بلبلا اٹھتا تھا۔ جب بشیراں اس پر دائیوں کے ٹوٹکے آزماتی تو وہ اس کی تکلیف پر اپنی ماں سے لڑتا تھا۔ جب رجی کو کسی نے "ڈول کلنج" کا بتایا جو حاصل پور اور بہاول پور کے درمیان تھا۔ جس کے بارے میں مشہور تھا کہ ایک ڈول نامی بے اولاد ملکانی نے تعمیر کروایا ہے کیوں کہ اس کے ہاں ایک بددعا کی دعا سے لڑکی پیدا ہوئی تھی۔ اب جو بھی وہاں جاکر دعا کرتا ہے تو اس کے ہاں اولاد ہوجاتی ہے۔ رجی بھی چوری سے وہاں گئی تھی مگر جیسے ہی میتو کو پتا چلا تو کتنا لڑا تھا۔
"بے دینی نہ بن، ورنہ رب کی رحمت سے دور ہوجائے گی۔" اور جب وہ نوگزی قبروں پر ننگے پاؤں سبز چادر صرف اس لیے چڑھانے گئی تھی تاکہ وہ بھی ہری ہوجائے تو میتو نے ہی کہا تھا۔
"رب صرف مندر، دربار، مسجد میں ہی نہیں ہوتا۔ وہ ہر جگہ ہوتا ہے، ہر جگہ سنتا ہے، بس اس کے سننے کا انداز الگ ہوتا ہے، وہ اپنی رضا سے سنتا ہے، قبروں کو پوجنے سے نہیں سنتا۔۔۔ اور تو اتنی جنونی بن جاتی ہے کہ کبھی مذہب بھول جاتی ہے تو کبھی اپنی جان۔"
وہ اپنی دھواں دھواں ہوتی آنکھیں مسلسل اس کے چہرے پر جمائے ہوئے تھی۔ ایک کوئلہ چیخ کر اس کے پاؤں پر گر گیا۔ وہ اس کی جلد جھلسانے لگا تھا مگر اس کی جلن اتنی نہیں تھی جتنی میتو کی بدلی باتوں سے اسے محسوس ہوئی تھی۔ جیسے ہی میتو کی نظر کوئلے پر گئی اس نے ہاتھ سے فوراً" اسے گرادیا۔ اس کے قریب ہی ایک کپڑے کی دھجی پڑی تھی۔ اس نے وہ

WWW.PAKSOCIETY.COM

اٹھائی اور جلا کر اس کی راکھ رجی کے پاؤں پر چھڑکی۔ رجی نے اپنا پاؤں ناگواری سے دور سرکا لیا تھا۔ "رہن دے۔"

"کیوں... تیرا پاؤں جل گیا ہے نا۔" میتو اس کے انکار پر لجاجت سے بولا۔ اور بازو بڑھا کر راکھ اس کے پاؤں پر چھڑکنے لگا تھا۔

"درد کم ہوا؟"

"وہ مسلسل چولہے میں بھڑکتے شعلے دیکھ رہی تھی۔ اس کا دل کر رہا تھا یا تو خود لکڑیوں کے ساتھ جل جائے یا پھر حلیمہ کو جلا دے۔

"دیکھ رجی... حلیمہ بہت اچھی ہے۔ وہ تیری چھوٹی بہن بن کر رہے گی اور اگر بچے ہوں گے تو تیرے آنگن میں بھی رونق ہوگی۔ تو بھی ان کی ماں ہوگی۔"

وہ آج اسے منانے کی ٹھان کر آیا۔ گویا وہ اس کی اجازت سے ہی دوسری شادی کرنا چاہتا تھا مگر رجی اسے مر کر بھی اجازت نہ دیتی۔

"میتو! میں سب برداشت کرلوں گی' پر تیری شراکت نہیں۔ وہ دو ٹوک کہتی ہوئی وہاں سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ وہ بھی اس کے پیچھے پیچھے تھا۔

"رجی! میری پوری بات تو سن... سمجھنے کی کوشش تو کر۔"

"کیا سمجھوں... کیا سمجھوں میں۔ بتا کیا سمجھوں؟" وہ غرا کر بھوکی شیرنی کی طرح پلٹی۔ اس کا سانولا چہرہ سلگتا تنور بنا تھا۔ اس کی کھڑی پتلی ناک نمی سے سرخ ہو رہی تھی۔

"میتو!" وہ اس کے بالکل مقابل کھڑی تھی۔ "میں ہر حد پار کرلوں گی۔ میں ہر چیز جلا کر راکھ کردوں گی' اگر تو دوسری شادی..." اس کے باقی الفاظ منہ میں رہ گئے کیوں کہ سامنے حلیمہ نل پر جھک کر منہ دھو رہی تھی۔ وہ کسی درندے کی طرح اس پر جھپٹی۔

"ڈائن' چڑیل' ناگن... تو کیوں آئی میرے گھر میں تیرا خون پی جاؤں گی۔" وہ اسے بالوں سے پکڑ کر جھٹکے دیتے ہوئے کیفیت میں چلا رہی تھی۔

"ذلیل کمینی! میرے آدمی پر ڈورے ڈال رہی ہے۔" وہ پاگلوں کی طرح چیخ رہی تھی۔

"رجی... کیا کر رہی ہے... چھوڑ اسے... چھوڑ۔" میتو بھاگ کر ان کے قریب گیا۔ شور سن کر بشیراں بھی صحن میں آپہنچی۔ مگر رجی میں تو کوئی غیر مرئی طاقت آگئی تھی۔ وہ پھنکارتی ہوئی اپنے ناخن اس کی گردن میں اتارنے لگی۔ حلیمہ اس اچانک حملے کے لیے بالکل تیار نہ تھی۔ وہ اس کے شکنجے میں ڈولنے لگی۔ بشیراں اور میتو مل کر اسے چھڑوانے کی کوشش کر رہے تھے۔ مگر وہ سب کو بددعائیں' گالیاں دے رہی تھی۔

"کملی ہوگئی اے۔ چھڈ دے ایساں... رجی! چھڈ دے۔ میں کیاں چھڈ دے۔"

میتو اور بشیراں نے بہت کوشش کی اسے چھڑوانے کی مگر جب اس کا جنون بڑھنے لگا اور گلے پر دباؤ بڑھنے کی وجہ سے حلیمہ کی آنکھیں ابلنے لگیں تو میتو کا ہاتھ اس کے گال پر نشان چھوڑ گیا۔ بعد میں وہ خود بھی حیرت سے اپنا ہاتھ دیکھنے لگا۔ مگر اس کے پاس کوئی طریقہ ہی نہیں تھا رجی کو روکنے کا۔

حلیمہ جھٹکے سے گری اور وہ اس کو گالیاں دیتی بشیراں کے کمرے میں بھاگ گئی۔ رجی وہیں پتھر کی بنی کھڑی تھی۔ اس کا ایک ہاتھ اپنے گال پر تھا اور وہ مسلسل میتو کو تکے جا رہی تھی۔

دھواں اب اس کی آنکھوں کو جلانے لگا تھا۔ اس کی تپش سے اس کی سانولی جلد جلنے لگی۔ دوڑتے بھاگتے بچے سہم کر چارپائیوں پر ٹک گئے۔

میتو نے ایک لمبی سی آہ بھری اور صافہ جھٹکتا ہوا تھکے قدموں سے اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔

رجی جوں کی توں بت بنی کھڑی تھی۔ اس کی نگاہیں میتو کی پشت پر گڑی تھیں۔ اس کا سر چکرانے لگا۔

"کیا یہ تھوڑی دیر پہلے والا میتو ہے' جو میرے زخم پر دوائی لگا رہا تھا۔ یہ وہی ہے جسے میرے ننگے پاؤں سے کانٹے کے چبھنے کا ڈر ہوتا تھا۔ جو میری نیند کے لیے بے تاب ہوتا تھا۔ جسے میرے دین کی فکر تھی۔ میرے درد پر لڑنے والا... وہ کیسے بدل گیا۔ وہ جو..."

صرف میرا تھا' کیا اب میرا نہیں رہا...؟"

وہ صرف ترازو میں اپنی محبت ناپتی تھی۔ وہ صرف اپنے جنون کا پلڑا زمین پر لگائے رکھتی تھی۔ صبر' حوصلہ' خرد اس کی سرشت میں نہیں تھا۔

وہ صرف یہ جانتی تھی میتو اس کا ہے۔ اس کی محبت' اس کی سانسیں' اس کی روح بھی۔ ایک پاگل پن کی کیفیت میں وہ الٹے پاؤں گھر سے نکل گئی۔ پاؤں گھسیٹتے گھسیٹتے اس کے قدم اپنی ماں کے گھر رکے تھے۔

وہ دھاڑ سے دروازہ کھول کر اندر چلی گئی۔ جامن کے درخت کے نیچے بچھی چارپائی پر گر کر ہچکیوں سے رونے لگی۔

"رجی! نی رجی کی ہویا؟" نذیراں نے بیٹی کو آتے ہی دھپ سے گرتے دیکھا تو فوراً" اس کے قریب آئی۔ ہچکیوں اور سسکیوں سے رجی کا سارا بدن ہل رہا تھا۔ نذیراں بار بار اس سے پوچھ رہی تھی۔

وہ ماں کو کیا بتاتی کہ اس کے محبت بھرے آشیانے کے تنکے نکلنے شروع ہوگئے ہیں۔ وہ کیا بتاتی کہ اس نے جس کا ساتھ مانگا تھا' جسے سوچا تھا' تقسیم ہونے لگا ہے۔ اس نے تو اپنے رب سے صرف میتو چاہا تھا۔ یہاں تک کہ اس کے بعد رب سے کچھ نہیں مانگا۔ کبھی نہیں۔ حالانکہ اس کے ساتھ کو برقرار رکھنے کے لیے اسے ہر دم رب سے کچھ مانگنے کی ضرورت پڑتی تھی مگر وہ میتو پر مہر لگاتی رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

رجی کو ماں کے گھر آئے تقریباً" دس دن گزر گئے تھے لیکن اسے نہ میتو لینے آیا نہ ہی بشیراں۔ نذیراں اسے پہلے بھی سمجھاتی تھی۔ اب بھی سمجھا رہی تھی۔

"رجی! غلط کرنی اے۔ تو قسمت نال نئیں لڑسکدی۔"

نذیراں اس کے بکھرے بال پیار سے سمیٹ کر کنگھی کرنے لگی۔ وہ ممتا سے بھری تھی۔ وہ اسے زمانے کی اونچ نیچ سمجھا رہی تھی۔

"دیکھ رجی! جو رب کی تقسیم میں تیرا نام نہ ہو تو' تو لوگوں سے چھین لے گی؟ نہیں نا... اگر سوہنا رب چاہے ہی نہ کہ تیرے پلے میں چیز آئے تو کوئی بندہ دے سکتا ہے؟ نہ رجی نہ میری بچی! سمجھنے کی کوشش کر۔"

"تو اماں! میرے پلے کچھ کیوں نہ آیا' میں نے تو صرف میتو ہی مانگا تھا۔ وہ بھی میری جھولی میں رہنے نہیں دیا اتنے بڑے رب نے۔" وہ مٹی کے فرش کو نظروں سے چھیدتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"ایسے نہیں کہتے جھلی! رب نے میتو تیری جھولی میں ڈالا ہے پر تو رب کا نظام نہیں سمجھتی۔ یہ دنیا بسانے کے لیے اس کی تقسیم الگ ہے۔ کسی کو اتنا' تو کسی کو اتنا۔" وہ اپنے ہاتھ سے چھوٹے بڑے پیمانے بنا رہی تھی۔ پھر ہاتھ نفی میں ہلاتے ہوئے اور کسی کو کچھ بھی نہیں۔ وہ رب ہے کسی کو وقت سے پہلے' تو کسی کو وقت گزار کے دیتا ہے۔"

ماں کے کہنے پر اس کا ماتھا تیوریوں سے بھر گیا۔ غرا کر بولی۔

"کیا مطلب ہے تیرا وقت گزار کے۔"

"دیکھ رجی! وہ مولا ہے پروردگار ہے۔ وہ بہتر جانتا ہے کسے کب کیا ضرورت ہے۔ وہ دیکھ سامنے والے خدا بخش کو... اس نے دوسری شادی کی ہی تھی' ساتھ ہی پہلی سے بھی بچہ ہوگیا۔ یہ رب کی تقسیم ہے۔ اسے وقت گزار کے ملا۔ تو یہ دیکھ وہ دونوں کے ساتھ خوش ہیں نا' تو خوش نصیب ہے جو میتو تجھ سے اجازت مانگ رہا ہے۔ میری پیاری دھی! تو اسے خوشی خوشی اجازت دے۔ پھر دیکھ تو کیسے اس کے سر پر بیٹھتی ہے' وہ ڈھیر تیرا خیال کرے گا۔ ساتھ رب سوہنا بھی خوش ہوگا۔ ہو سکتا ہے تیری بھی گود ہری ہو جائے۔"

نذیراں اس کے بال باندھ کر اس کی کمر سہلاتے ہوئے سمجھا رہی تھی۔

"نہ اماں نہ!" اس نے ماں کا ہاتھ غصے سے جھٹکا اور کھڑی ہوگئی۔ "میتو کی تقسیم کے بعد ہری گود کا کیا کرنا ہے۔"

"کملے... تو کیوں نئیں سمجھنی اے..." نذیراں نے دوبارہ پیار سے اسے اپنے قریب بٹھایا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

"اماں! میتو صرف میرا ہے' میری محبت' میری چاہ' میرا پیار' میرا سب کچھ۔" وہ پھر غرائی تو نذیراں کو اس پر شدید غصہ آگیا۔ اپنی پاٹ دار آواز میں چلائی۔

"وہ تیری محبت' نئیں بے صبری اے۔ جھل پن اے' جنون اے تیرا۔۔۔ اور جنون بندے نوں گہری تھاں' کھڈ وچ لے جاندا اے۔۔۔ مجنون نہ بن۔۔۔ مجنون نہ رب نوں پسند اے' نہ اوڈے بندیاں نوں جھلیے۔۔۔! اوبے نسلا رہے۔"

"ہاں۔۔۔ ہاں اماں۔ میں پاگل ہوں۔" وہ بولتے بولتے پاگلوں کی طرح ہی اپنے منہ کو پیٹنے لگی۔ "مگر مجھے کس نے پاگل کیا ہے؟" وہ سانس روک کر چلائی۔

"میتو نے پاگل کیا ہے تو نے پاگل کیا ہے۔ پھوپھی نے پاگل کیا ہے۔ میں نے یہی سنا ہمیشہ 'میتو میرا ہے' میں نے میتو کے گھر جانا ہے' اس کے گھر رہنا ہے' اس کے ساتھ بسنا ہے۔۔۔ تم نے پاگل کیا ہے مجھے اماں تم نے۔"

وہ منہ کو پیٹتے ہوئے گھٹنوں کے بل زمین پر گری اور اپنا سینہ پیٹتے ہوئے دوہری ہو گئی تھی۔ اس کے آنسو بہہ بہہ کر اس کے منہ میں جانے لگے۔ بیٹی کی حالت پر نذیراں اس سے لپٹ گئی۔ وہ بھی بے بسی سے رونے لگی تھی۔

☼ ☼ ☼

سیاہ فلک پر ہر دم گھٹتا چاند' جس پر ننھے تاروں کے جھرمٹ مسکرا رہے تھے۔ مدھم ہوا کا جھونکا جامن کے پتوں میں سرسراہٹ پیدا کرتا' چند کمزور پتے جھولتی شاخ سے ٹوٹ کر مٹی میں رُل جاتے۔

دور سے گیدڑوں کے ہنکارے' ٹڈیوں کا شور اور شاخ پر بیٹھے الو کی آہ رات کو تاریک سے تاریک تر بنا رہی تھی۔۔۔ اس کی آنکھوں سے نیند کوسوں دور تھی۔ وہ چارپائی پر لیٹے لیٹے کبھی دائیں' کبھی بائیں کروٹ بدلتی۔ اسے سینہ بھاری بھاری محسوس ہوا' اس کی سانس رکنے لگی۔ وہ منہ کھول کر سانس کھینچتی ہوئی بیٹھ گئی۔ اس کے حلق میں کانٹے پڑ رہے تھے۔ وہ پانی پینے کے لیے چارپائی سے اتری۔ ابھی کھڑی ہی ہوئی تھی کہ اسے ہلکا سا چکرا آگیا۔ چارپائی کی پٹی پکڑ کر وہ وہیں بیٹھ گئی اور چند لمحے بعد پانی پینے گھڑے تک گئی۔ ابھی گھونٹ ہی بھرے تھے کہ اس کا دل متلا گیا۔ شاید بھوکا پیٹ ہونے کی وجہ سے اسے ایسا محسوس ہوا۔ کیونکہ اب وہ اکثر رات کو بغیر کھائے پیے سو رہی تھی۔ دن میں نذیراں ڈانٹ ڈپٹ کر چند نوالے کھلا دیتی تھی مگر رات کو تو اس نے نہ کھانے کی قسم اٹھا رکھی تھی۔

اسے اپنی ماں کے گھر بیٹھے پندرہ دن ہونے کو تھے اور ان پندرہ دنوں میں اس نے ایک بار بھی میتو کی شکل نہیں دیکھی تھی۔ آج رات اس کی برداشت کی ہر حد ختم ہو گئی تھی۔

وہ کچے صحن میں دائیں بائیں چکر کاٹنے لگی۔

وہ سوچ رہی تھی "میتو اگر مجھے لینے نہیں آتا تو میں آئے عیں خود چلی جاتی ہوں۔ ناراض میں ہوئی تھی منا بھی میں لوں گی۔ وہ میرا ہے۔ یقیناً" فوراً" مان جائے گا۔"

چکر لگاتے ہوئے وہ شدت سے صبح ہونے کا انتظار کرنے لگی۔ تھوڑی ہی دیر میں مؤذن کی آواز گونجی۔ اسے ہلکی سی روشنی پھیلنے کا انتظار تھا۔ تاکہ گلیوں میں اندھیرا کچھ کم ہو جائے۔ جب آسمان پر صرف ایک تارا رہ گیا تو اس نے جانے کے لیے پر تولے۔ نذیراں ابھی چند لمحے پہلے ہی اٹھی تھی۔ وہ فل پر منہ دھو رہی تھی۔ رجی کو گھر سے نکلتے دیکھا تو زور سے پکاری۔

"کی ہویا رجی! اتنے سویرے کہاں جا رہی ہے؟"

"گھر۔ اپنے گھر۔ اپنے میتو کے گھر۔"

"تیرا دماغ ٹھکانے پر ہے' اتنی صبح صبح؟" وہ چلتے چلتے اس کے قریب پہنچ گئی۔

"اپنے گھر جانے کے لیے کوئی جلدی یا دیر نہیں ہوتی اماں!"

"رجی! تجھے رب کا واسطہ' سانس لے۔ دن نکلنے دے میں خود چلوں گی تیرے ساتھ۔" وہ اس کا ہاتھ

کر اندر لانے کے لیے زور دے رہی تھی مگر رجی نے جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑوایا۔

"نہیں اماں! میں نے ابھی جانا ہے۔"

وہ کہتے ہی دروازہ کھول کر باہر نکل آئی۔ نذیراں پہلے اسے پھر اس کے باپ کو پکارنے لگی' جو ابھی تک سو رہا تھا۔ ان کے برابر والا گھر نذیراں کے دیور کا تھا۔ صحن میں ایک چھوٹی سی مشترکہ کچی دیوار تھی۔ وہ دیوار پر چڑھ کر دیور کے بیٹے کو پکارنے لگی' جو کھڑا مسواک کر رہا تھا۔ اس نے اسے رجی کے پیچھے دوڑایا۔

نذیراں کل سے کچھ پریشان سی تھی۔ رجی اکیلی وہاں نہ جائے۔ وہ اس کے جنون سے ڈرنے لگی تھی۔

رجی گلیاں تیزی سے پار کرتی اپنے گھر تک پہنچ گئی اور وہ دونوں ہاتھوں سے دروازہ پیٹنے لگی تیسری چوتھی دستک پر میتو نے دروازہ کھولا۔ وہ اتنی صبح رجی کو دیکھ کر خاصا حیران ہوا۔ کچھ لمحے اسے تکتا رہا۔ پھر ایک طرف ہٹ کر اسے اندر آنے کا رستہ دیا۔ وہ گھر میں داخل ہوئی تو کچھ اجنبیت کا سا احساس ہوا۔

کچھ بکھر جانے کا' کچھ ٹوٹ جانے کا احساس چونکا رہا تھا۔ آدھے صحن تک ہی پہنچی تھی جب سر کھجاتی بشیراں لکڑیاں جلانے کے لیے چولہے کے پاس پہنچی۔ رجی کو دیکھ کر اس کی آنکھیں پھٹ گئیں۔

"خیر ہو گئی تب ہی صبح سویرے ہی آگئی۔ آج میں نے خود آنا تھا تیرے پاس۔" رجی ابھی اس کی بات سمجھ بھی نہ پائی تھی کہ اس کی نظر اپنے کمرے کے دروازے پر پڑی' جہاں کسمساتی ہوئی حلیمہ کھڑی تھی۔ وہ سرخ جوڑے میں ملبوس تھی اور اس کے بال بکھرے ہوئے تھے۔ اسے دیکھتے ہی رجی کی پوری آنکھیں پھیل گئیں۔ اس نے جھٹکے سے گردن موڑ کر پیچھے آتے میتو کی طرف دیکھا۔

وہ گردن جھکائے آہستہ آہستہ اس کی جانب بڑھ رہا تھا۔ گویا اسے شرمندگی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ بھی کیا کرتا۔ کس کی مانتا' وہ مجبور تھا' ایک طرف اس کی ماں کی گڑگڑاہٹیں اور دوسری طرف ضدی بیوی۔۔۔

جس دن رجی اس کے گھر سے نکلی تھی۔ میتو کو اس پر غصہ بھی آیا مگر وہ پھر بھی اسے لینے کے لیے شام ہی کو جانا چاہتا تھا لیکن اس کی ماں نے کہا۔

"تجھے بیوی کی ضد اتنی پیاری ہے۔ بیوہ ماں کی خواہش کا کوئی احترام نہیں۔ اس ماں کی جس نے تجھ ذرا سے کو پال کر بیوی کے قابل کیا۔ اب اس کی محبت اتنی غالب آگئی کہ روتی ماں نہیں دِکھتی۔" بشیراں رو پڑی۔

"میں کوئی ناجائز بات نہیں کر رہی ہوں۔ اسے چھوڑنے کا نہیں کہتی۔ بس میں تو اپنی نسل دیکھنے کی خواہش کر رہی ہوں اور اتنا میرا حق ہے تجھ پر۔ میں ان دونوں میں فرق نہیں کروں گی نہ تجھے کرنے دوں گی۔ خدا کے واسطے تو مان جا۔"

وہ ماں کی باتوں پر شش و پنج میں پڑ گیا تھا۔ جب بشیراں نے یقین دہانی کرائی کہ نکاح کے اگلے ہی دن اسے خود منا کر لے آؤں گی' تو میتو ماں کی خواہش کے آگے ہار گیا۔ کل شام ہی اس کا دوسرا نکاح ہوا تھا۔ اس نے اپنا حق ہی استعمال کیا تھا مگر وہ پھر بھی رجی سے شرمسار تھا۔ اسی لیے گردن جھکائے اس کی جانب بڑھ رہا تھا۔

"تو میرے کمرے میں کیسے؟" رجی بھنوئیں سکیڑ کر بولی اور پھر بھاگ کر میتو کی طرف گئی۔

"میتو! یہ یہاں کیسے۔۔۔ بول۔۔۔ بولتا کیوں نہیں۔ یہ یہاں کیسے۔۔۔ بول نا!" وہ اس کے دونوں بازو پکڑ کر جھنجھوڑنے لگی۔ حلیمہ زعم میں چلتی ہوئی کچھ آگے آگئی۔

"میتو بول! میں یہاں کیسے۔۔۔ اسے بتا میرا تیرا کیا تعلق بنتا ہے۔" وہ منہ چڑا کر بولی۔

"نہیں' نہیں۔ میتو! یہ۔۔۔ یہ مت بولنا میتو!"

وہ ایک ہاتھ سے اس کا بازو ہلا رہی تھی اور دوسرے ہاتھ کی انگلی سے حلیمہ کی طرف اشارہ کر رہی تھی۔

"میتو یہ جھوٹ بول رہی ہے نا۔۔۔ یہ نہیں ہو سکتا۔۔۔ بول نا۔ یہ جھوٹی ہے نا۔" مگر میتو ہونٹ بھینچے کھڑا بے بسی سے رجی کو دیکھ رہا تھا۔

"میتو! تو بولتا کیوں نہیں۔۔۔" وہ حلق کے بل

WWW.PAKSOCIETY.COM

دھاڑتی ہوئی اس کے سینے کو پیٹنے لگی۔ اس نے اپنا سر بہت زور سے اس کے سینے پر مارا۔ میتو نے اپنا لرزتا ہاتھ اٹھایا اور اسے تسلی دینے کے لیے ابھی اس کے بالوں پر رکھا ہی تھا۔

"ہونہہ!" وہ جھٹکے سے یک لخت پرے ہوئی اور دونوں ہاتھوں سے اسے پیچھے دھکیلتی ہوئی زخمی ناگن کی طرح پھنکاری تھی۔ وہ لمبے لمبے سانس کھینچتے ہوئے سامنے پیڑ کے نیچے بنے مٹی کے پارے کو دیکھنے لگی' جہاں کلہاڑا' بیلچہ اور درانتی رکھی تھی۔

وہ کسی وحشی کی طرح ایک جست میں وہاں پہنچی اور تیز دھار درانتی اٹھالی۔ کپاس کی کٹائی قریب تھی اسی لیے درانتی تیز کروا کر رکھی گئی تھی۔

میتو نے جب اس کے ہاتھ میں درانتی دیکھی تو بھاگ کر اس کے قریب گیا۔

"نہ رجی نہ۔ تو کیا کرنے لگی ہے۔"

"میتو... تو نے میرا دل جلادیا ہے۔ میں تیرے سامنے اپنی سانس ختم کرلوں گی۔ میں تیرے سامنے خود کو مارلوں گی۔" وہ ہر لفظ چبا کر سانس کھینچتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ آنکھیں انگارہ ہو رہی تھیں۔

بشیراں کو اس کی حالت پر ترس بھی آرہا تھا اور وحشت بھی۔ وہ تیز تیز قدموں سے اس کے قریب گئی۔

"نہ رجی... میڈی دھی! کیوں جھلی ہوئی اے۔"

"رک جا پھوپھی! رک جا۔" وہ دھاڑ کر بولی۔ وہ درانتی ہاتھ میں مضبوطی سے پکڑے' بشیراں کو گھور رہی تھی۔

"میں تیری کچھ نہیں لگتی۔ میں کسی کی کچھ نہیں لگتی۔" اس نے ہچکیاں لیتے ہوئے پہلے درانتی کو پھر بشیراں کو کھا جانے والی نظر سے دیکھا۔

"تو نے میری روح توڑ دی ہے' میرا مان توڑا۔ میں تیرے سامنے اپنی زندگی ختم کرلوں گی۔ میں کسی کی کچھ نہیں' کچھ نہیں۔" اس نے اپنا ہاتھ اونچا لہرایا۔ میتو بھاگ کر اس کے سامنے کھڑا اسے پکڑنے کی بھرپور کوشش میں تھا۔

"رجی چھوڑ دے... دیکھ! میں کہہ رہا ہوں چھوڑ دے..."

وہ نفی میں سر ہلاتے ایک ایک قدم پیچھے ہٹ رہی تھی۔ میتو اسے کندھے سے پکڑ کر اس کا بازو نیچے کرنے کی کوشش میں تھا۔ رجی کے چاچا کا بیٹا جو ابھی چند لمحے پہلے ہی گھر میں داخل ہوا تھا۔ اسے اس حال میں دیکھ کر ایک ہی جست میں اس تک پہنچ گیا۔ وہ رجی کا ہاتھ پیچھے سے پکڑنا چاہتا تھا اور پکڑ بھی لیا تھا۔ اس نے جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑانے کی کوشش میں آگے کیا تھا۔ فضا میں ایک دل خراش چیخ ابھری اور پھر کتنی ہی آوازیں پھیلتی چلی گئیں۔

رجی کی آنکھیں حیرت سے ابل پڑیں۔ وہ پورا منہ کھولے نفی میں سر ہلانے لگی۔ اس کا وار میتو نے اپنے جگر پر روک لیا تھا۔ درانتی چھینا جھپٹی میں اس کے جسم میں پیوست ہوگئی تھی۔ وہ لڑکھڑا کر نیچے گرا۔ رجی کے چاچا کا بیٹا ہانپتے ہوئے آگے بڑھا اور درانتی نکالی۔ درانتی نکلتے ہی میتو کی غراہٹ کے ساتھ خون کا فوارہ ابل پڑا۔ رجی بے دم سی ہو کر دھپ سے اسی پر جا گری۔ وہ اس منظر کو جھٹلا رہی تھی۔

"نئیں۔ نئیں... یہ نئیں ہو سکتا۔ میتو۔ میتو!"

وہ تڑپتے میتو کے خون میں اپنے ہاتھ بھر کر اپنے چہرے اور جسم پر پھیرنے لگی۔ اس کے خون میں اپنے کپڑے' چہرہ' گردن سب کچھ لت پت کر رہی تھی۔

بشیراں چیختی چلاتی رجی کو کوستی اپنے گھٹنے پیٹ رہی تھی اور حلیمہ اپنے اجڑتے سہاگ پر ماتم کناں تھی۔ گالیاں دیتے ہوئے رجی کی کمر پر تھپڑ برسا رہی تھی لیکن رجی تو شاید دنیا و مافیہا سے بے خبر اس کے خون میں رنگ رہی تھی۔

رجی کے چاچا کے بیٹے نے میتو کو جلد از جلد اسپتال پہنچانے کی کوشش کی۔ مگر وہ گھر سے نکلتے ہی دم توڑ گیا۔ گھر میں چیخ و پکار سے محلے والے اکٹھے ہو گئے تھے۔

پولیس کو جانے کس نے خبر دی تھی۔ وہ رجی کو

WWW.PAKSOCIETY.COM

قتل سمیت پکڑ چکے تھے۔
رجی "نئیں نئیں" کرتی میتو کو پکارتی پولیس والوں کے ساتھ گھسٹتی چلی جارہی تھی۔
"میتو نہیں، میں مری ہوں۔ میتو نہیں مرسکتا... رجی مرسکتی ہے۔" وہ گلا پھاڑتی ہوئی گاڑی میں دھکیل دی گئی۔
چلتی گاڑی پر کئی فوٹو گرافر ٹوٹ پڑے تھے۔ اگلے دن اخبار کے آخری صفحوں پر چھوٹی سی خبر تھی۔
"عبدالمتین کو اس کی بیوی رضیہ نے اپنے آشنا کے ساتھ مل کر قتل کردیا۔"
تفصیل اس سے زیادہ شرمناک تھی۔ یہ تو رجی جانتی تھی، چاچا کا بیٹا آشنا تھا یا مسیحا بننے آیا تھا مگر وہ علاقے میں خوب رسوا ہوئی تھی۔ لیکن ابھی اس کے جنون نے اسے گڑھے سے کھائی میں لے کر جانا تھا۔

☆ ☆ ☆

آسمان پر سورج، چاند اپنی اپنی ڈیوٹیاں بدلتے رہتے۔ رجی جیل کی سلاخوں سے سر پٹختی "میتو میتو" پکارتی خود کو لہولہان کرلیتی تھی۔ ایک دو بار اس نے ساتھی قیدی عورتوں کو بھی زخمی کیا، پھر اس کی بیرک بدل دی گئی۔ اب وہ اپنی بیرک میں تنہا تھی۔ اکثر چکرا کر گر جاتی تھی۔ اس کا ذہنی توازن چیک کیا گیا۔ جو تقریباً" درست ہی تھا۔ مگر اس میں ایک اور تبدیلی آرہی تھی۔ جو زیادہ عرصہ کسی سے چھپ نہیں سکی۔ اس تبدیلی کا پتا چلتے ہی رجی حیرت میں آگئی تھی۔ وہ یکسر بدل گئی۔
ٹوٹی مورتی کی طرح ایک کونے میں پڑی رہتی۔ اسے مکمل چپ لگ گئی تھی۔ لیکن اس کی چپ دنیا کی تیز دھار زبان نہ تڑوا سکی۔ سلاخوں کے پار جیسے ہی خبر پہنچی توجہ گویاں ہونے لگیں۔
کوئی کہتا، وہ شروع سے ضدی اور بددماغ تھی، جو اس کے دماغ میں سماتا ہے، اسے کوئی روک نہیں سکتا۔ یقیناً" وہ قید سے گھبرا گئی ہوگی، تب ہی باہر نکلنے کے لیے جیلر یا تھانیدار کو خوش کیا ہوگا۔ کوئی اس کی حالت کو انسپکٹر سے منسوب کرتا۔ چھوٹی چھوٹی چٹ پٹی خبریں روز اخبار کا پیٹ بھرتیں۔ بشیراں رو رو کر کہتی۔
"اس بدذات بانجھ کی صرف حرام کاری ظاہر کرنے کے لیے اللہ نے اسے ہرا کیا ہے، اللہ کیوں اس کی حرام کاری پر پردے ڈالتا، جس نے اپنے سر کا سائیں قتل کردیا۔ وہ ذلیل تو ہو۔"
اس نے چند مہینے بعد ہی حلیمہ کی شادی اپنے رشتے داروں میں طے کردی۔ شاید اس لیے کہ جب میتو کی محبوبہ بیوی نفس پر قابو نہ رکھ سکی اور اس نے حرام کاری شروع کردی تو پھر اس معصوم کا صبر کیوں سمیٹوں۔ وہ اٹھتے بیٹھتے رجی کو بددعائیں دیتی۔
رجی کے ماں باپ کہاں تک اتنی رسوائی برداشت کرتے۔ وہ چند مہینوں میں ہی آگے پیچھے چلے گئے۔ حقیقت تو اللہ کے علاوہ رجی کو معلوم تھی کہ یہ حرام کاری ہے یا اس روشن رات میں مانگی دعا کی تعبیر۔ جہاں اس پر تعبیروں کی حقیقت کھلی تھی، وہاں اپنی ماں کی نصیحتیں اس کا من کاٹتیں۔ وہ اکثر کہتی تھی۔
"صبر کرنے والے کے ساتھ اللہ خود چلتا ہے رجی!" اس کی ماں کا ہر لفظ اس کے کان کے پردوں پر چپک گیا تھا۔ وہ ہر وقت ان ہی کی بازگشت میں گھری رہتی تھی۔
"کسے نوں وقت لنگادے ملنا ایہہ۔ رب دی رضا تے راضی ہوجا رجی! رب برکت دے گا۔ ہو سکدا اے رب تینوں وی ہرا کردے۔"
اس کی گود ہری سے بھری ہوگئی تھی مگر اس کا سکوت نہ ٹوٹا۔ وہ خاموشی سے بچی کو گود میں لیے بیٹھی اپنے ماضی کے ایک ایک جنون پر پچھتاتی تھی۔
"کاش! میں بھی عام عورت کی طرح ہوتی۔ میری محبت بھی عام ہوتی۔ ماں کی بات ہی مان کر وہ زہر گھونٹ پی ہی جاتی... کم از کم میتو میرے جنون کی نذر تو نہ ہوتا۔"
وہ اپنی سوچوں میں اتنی ڈوبتی کہ بچی کو اگر دودھ پلانے لگتی تو پلاتی ہی رہتی، اگر نہ پلانا ہوتا تو کئی کئی گھنٹے اسے روتے بلکتے دیکھتی رہتی مگر اس کا سکوت نہ ٹوٹتا۔

ایڈووکیٹ مدیحہ ایک بہت بڑی این جی او کی چیئرپرسن تھی۔ خواتین کی جیل میں اس کا اکثر آنا جانا لگا رہتا تھا۔ وہ کافی عرصے سے یہاں رجی کو دیکھ رہی تھی، جو ہمیشہ خاموش ایک کونے میں ہی ملی۔ اس نے پرانی فائلوں میں اس کا کیس چیک کیا۔ پھر کچھ معلومات علاقے سے لیں اور پھر رجی کو کریدنا شروع کیا تھا۔ رجی بہت مشکل سے بولی تھی۔ ایڈووکیٹ مدیحہ نے رجی کی رہائی کے لیے سر توڑ کوشش کی تھی۔ مگر وہ تمام شواہد، آلۂ قتل اور اقبال قتل کے بعد اسے رہائی نہیں دلوا سکتی تھی۔ غلطی سے ہی، قتل تو ہوا تھا۔ وہ رجی کو مناتے اکثر آتی تھی۔
آج بھی وہ اسی سلسلے میں بیٹھی اسے قائل کررہی تھی مگر رجی اجازت کا ایک لفظ بھی نہ بول پائی تھی۔ بلکہ بچی کی ہتھیلی اپنی ہتھیلی کے ساتھ جوڑے جانے کیا تلاش کرتی رہی۔ اس بچی کے ہاتھ ہی نہیں، اس کا ایک ایک نقش میتو کی اولاد ہونے کی گواہی دیتا تھا۔
مدیحہ کچھ دیر اسے دیکھتی رہی پھر دوبارہ بولی۔
"رضیہ! آتھیس متین سے بہت پیار تھا نا۔"
رجی نے چونک کر اس کی طرف خالی نظروں سے دیکھا جیسے کہہ رہی ہو "پیار نہیں... جنون۔"
مدیحہ نے ٹھنڈی سانس بھری۔ "تمہاری محبت نے جنون کا روپ دھار لیا تھا مگر اب... اب تم کون سا بدل گئی ہو؟ شدت سے چپ لگا رکھی ہے۔ اپنی بیٹی کے ہنسانے پر بھی تم نہیں ہنستیں۔ تم چاہتی ہو تمہاری بیٹی بھی تمہارے جیسی جنونی بنے؟ جانتی ہو یہاں کا ماحول... یہ سب اس کی مجرمانہ ذہنیت بنانے میں کس قدر معاون ثابت ہوگا؟ کیا تمہیں نہیں پتا رضیہ! پلیز اپنے میتو کو اور تکلیف مت دو تم نے اس کے جسم کو زخمی کرکے اس سے زندگی تو چھین ہی لی، اب اس کی بیٹی کا مستقبل داؤ پر لگا کر اس کی روح کو تکلیف مت دو، یہ اس کی آخری نشانی ہے۔ اسے ضائع مت کرو۔"
ابھی وہ بول ہی رہی تھی۔ جب ہیڈ کانسٹیبل نے دور سے پکارا۔
"بیبیو! ملاقات کا وقت ختم ہوگیا۔"
مدیحہ نے اس کی آواز پر ناگواری سے پیچھے دیکھا اور پھر ناامیدی سے رضیہ کو جو آواز سنتے ہی کھڑی ہوگئی تھی۔ وہ دو قدم دروازے کی جانب چل کر واپس مڑی، پھر پتا نہیں کیا سوچا اور اپنی بیٹی مدیحہ کی گود میں ڈال دی۔ پھر وہاں رکی نہیں۔ تیز تیز قدموں سے باہر نکل گئی۔
مدیحہ برآمدے میں کھڑی بچی کے ہاتھ چوم رہی تھی۔ وہ اسے کندھے سے لگائے مسلسل رضیہ کی پشت تک رہی تھی، جو تھکے ماندے قدموں سے اپنی بیرک کی طرف بڑھ رہی تھی۔ اس کا میلا کچیلا دوپٹا زمین پر گھسٹ رہا تھا۔
"تم نے ایسا کیوں کیا رضیہ! مانا شوہر کی تقسیم ہر عورت کے لیے دنیا کا دشوار ترین امر ہے، مگر ہر روز بہت سی عورتیں یہ زہر پیالا گھونٹ پیتی ہیں۔ تمہیں متین سے شدید محبت تھی نا! کچھ بھی کر گزرنے کی حد تک... جہاں اتنی شدت پائی جائے وہاں آزمائش تو آتی ہے۔ آہ... تمہیں رب نے بے اولاد رکھ کر تمہاری محبت ناپی تھی کہ تم کہاں تک قربانی دے پاؤ گی۔ اپنے دل کی زمین پر قدم رکھ بھی پاؤ گی یا نہیں... تمہارے ایک قدم پر اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے کتنا بڑا انعام چھپا رکھا تھا لیکن تمہارے جنون نے اس انعام کو تمہاری رسوائی اور تمہاری بیٹی کے لیے اس کے "باپ کی قاتلہ ماں" کا حوالہ بنا ڈالا۔" وہ بچی کے ہاتھ چومتے ہوئے تمام کارروائی پوری کرتی جیل سے باہر نکل آئی۔
بے اولاد ایڈووکیٹ مدیحہ کی کہانی رجی سے زیادہ مختلف نہیں تھی۔ شاید یہی مماثلت اسے رضیہ کے قریب لے آئی تھی... مگر اس نے اپنے دل کی گیلی زمین پر قدم مضبوطی سے رکھ کر فیصلہ کیا تھا اور آج اس کا ہم پیشہ محبوب شوہر اپنی دونوں بیویوں کے ساتھ ہنسی خوشی زندگی گزار رہا تھا اور اولاد رجی کی بیٹی کی صورت آج انہیں مل گئی۔
مدیحہ نے اپنی گیلی عینک کے شیشے صاف کیے اور گاڑی گھر کے رستے پر ڈال دی۔ ☆

WWW.PAKSOCIETY.COM

سمیرا حمید

محبت حرم

کام بڑھ جانے کی صورت میں انہیں کاریگر زیادہ رکھنے پڑے اور اوپر نیچے اس گھر کو انہوں نے ایک چھوٹا سا کارخانہ بھی بنا دیا۔

خود ایک اچھی کالونی میں پندرہ مرلے کی کوٹھی میں کرائے دار بن کر آ گئے۔ کارخانے میں میٹریل کی سپلائی کے لیے بینک سے ایک سوزوکی قسطوں پر نکلوالی۔ اس سوزوکی کا ڈرائیور جمال تھا۔ وہی کارخانے کے سب ہی اندر باہر کے کام دیکھتا تھا۔ کاریگروں کے مسئلے حل کرتا تھا۔ حساب کتاب دیکھتا تھا۔ وہ ساتھ ساتھ پرائیویٹ میٹرک کے امتحان کی تیاری بھی کر رہا تھا۔

اسد نے ایف ایس سی میں کالج میں داخلہ لے لیا تھا۔ قذافی اسٹیڈیم میں دکانیں دوپہر کے بعد ہی کھلتی ہیں۔ اس لیے اب ان دونوں کے پاس کافی وقت ہوتا تھا۔

افق اور مسز گوہر کی ساری توجہ اب ڈیزائننگ پر آ گئی تھی۔ اب انہیں کسی کا پابند نہیں ہونا پڑتا تھا کہ فلاں آرڈر نے فلاں طرز کا سمپل ہی بنانے کے لیے کہا ہے یا فلاں کپڑا اور ڈیزائن ہی مانگا ہے۔ اب انہیں مکمل آزادی تھی۔ وہ اپنی مرضی کا ڈیزائن کریں گی اور "چنز" میں ڈسپلے کریں گی۔ انہیں یقین تھا کہ ان کے ہر ڈیزائن کو پسند کیا جائے گا۔ اور فخر سے پہنا جائے گا۔ اب انہیں ریگولر کسٹمر مل گئے تھے جو سیدھا "چنز" ہی آتے۔ ویسے بھی انسانی خبط ہے کہ وہ ایک بڑی سپر

مکمل ناول

WWW.PAKSOCIETY.COM

—۳—

تیسری قسط

مارکیٹ سے گھسیٹا چیز بھی بہت اطمینان کے ساتھ لے لے گا اور فخر سے سب کو بتائے گا۔ اونچی جگہ اور اونچے نام بہت سے نقائص پر پردوں کا کام کرتے ہیں۔

لاہور کے اتنے شان دار علاقے میں ایک شاندار دکان نے انہیں دنوں میں خاطر خواہ سے زیادہ منافع دینا شروع کردیا۔ منافع سے زیادہ وہ ملبوسات کی پسندیدگی سے خوش تھیں۔ ان کی محنت رنگ لا رہی تھی۔ وقت دو طرح سے بدل جاتا ہے۔ ایک قسمت سے۔ ایک ہاتھ سے۔ قسمت سے نہ بدلے تو ہاتھ سے بدلنے کی کوشش ضرور کرنا چاہیے۔ قسمت ہار جاتی ہے۔ ہاتھ نہیں ہارتے۔ دنیا میں جتنی بھی انسانی ترقی ہوئی ہے۔ اسے ہاتھ سے ہی ممکن کہا گیا ہے۔ ورنہ ہاتھ باندھ کر بیٹھے رہنے والے لوگوں کے زمین میں دبے ڈھانچے بھی نہیں ملتے اور مل جائیں تو کار آمد نہیں ہوتے۔

افق کا۔۔۔ مسز گوہر کا۔۔۔ اسد اور جمال کا۔۔۔ ان کا وقت بدل چکا تھا اور یہ وقت ہاتھ باندھے بیٹھے رہنے سے نہیں بدلا تھا۔

اپنی سوزوکی میں جمال، افق کو ڈراپ کردیتا۔ وقت ہوتا تو لے بھی آتا۔ ورنہ وہ خود ہی آجاتی۔ اماں نے گھر کے معاملات سنبھال رکھے تھے۔ وہ کام والی کی نگرانی کرلیتیں۔ کچن کو دیکھ لیتیں۔ ان سب کے لیے دوپہر کا کھانا بنوا کر کارخانے بھجوا دیتیں۔

رات کو فرزام آن لائن آجاتا۔ باری باری سب سے بات کرتا۔ افق کو اپنی یونیورسٹی کے بارے میں بتاتا۔۔۔ کیا کھایا، کیا پیا، کب سویا، کب جاگا۔۔۔ وہ اس سے دیر تک بتاتا اور اس سے بھی ڈھیروں سوال کرتا۔ آہستہ آہستہ دونوں میں اچھی گپ شپ ہونے لگی۔ وہ لیپ ٹاپ کے سامنے لا لا کر دکھاتا۔ یہ شرٹ لی، یہ پینٹ لی۔۔۔ یہ مگ لیا۔۔۔ پین لیا۔۔۔ یہ مکی ماؤس وال کلاک۔۔۔ ایک منٹ تک ہر صورت بجنے والا الارم۔۔۔ یہ نیا سیٹ، نیا لوشن، نئے جوتے، نئی گھڑی اور جرابیں بھی۔

اگر وہ یہیں اس کے پاس ہوتا تو شاید ایسے کبھی نہ کرتا۔ لیکن سات سمندروں کے درمیان میں آجانے سے، اتنا دور ہوجانے سے اسے احساس ہوا کہ وہ اسے اپنے پیچھے چھوڑ آیا ہے۔

☆ ☆ ☆

وہ اپنے ڈپارٹمنٹ، اپنی یونیورسٹی کی خوب صورت ترین لڑکی قرار دی جانے لگی۔ اسے رک رک کر، مڑ کر دیکھا جاتا۔ پہلے وہ بے چاری تھی۔ بسوں، رکشوں میں دھکے کھانے والی، کاؤنٹر کے پیچھے سے فاسٹ فوڈ کی ٹرے دینے والی۔ دیکھنے والے اس پر ترس سمجھ کر دیکھتے تھے۔ اب وہ لمبے کرتوں اور تنگ پاجاموں میں، بیگ کو کندھے پر لٹکائے، فائل کو ہاتھ میں پکڑے دیکھنے والوں کو پہنچ سے دور نظر آتی۔ اس کے ڈپارٹمنٹ کے لڑکے اس سے بہانے بہانے سے بات کرنا چاہتے تھے۔ اس کی ٹوہ میں لگے رہتے تھے۔ چند ایک لڑکیوں سے اس کی اچھی دوستی ہوگئی تھی اور ان سے بات چیت ہوتے ہی وہ انہیں بتا چکی تھی کہ وہ مس نہیں مسز ہے۔ اس سے مسز کا سنتے ہی لڑکیاں اس پر سوالوں کی بوچھاڑ کردیتیں۔۔۔ انہیں بہت بے چینی ہوئی تھی، یہ جاننے کے لیے کہ اگر یہ ایسی دکھتی ہے تو وہ کیسا ہوگا۔

لڑکوں کو جب یہ معلوم ہوا تو انہیں جھوٹ لگا۔ ایک نے اسے سفید جھوٹ کہا۔ وہ جانتے تھے کہ لڑکیاں لڑکوں ——— سے دور رہنے کے لیے مشہور کردیتی ہیں کہ ان کا نکاح ہوچکا ہے یا منگنی۔ اگر یہ سفید جھوٹ بھی تھا تو افق کا انداز ایسا تھا کہ کوئی لڑکا اس کے قریب جانے کی جرات نہیں کرسکتا تھا۔ فرزام سے شادی ہونے کے باوجود وہ لڑکوں سے نفرت کرتی تھی۔ جہاں لڑکے اسے موبائل ہاتھ میں پکڑے یا باتیں کرتے نظر آجاتے، اس کا خون کھول جاتا۔ لڑکوں کے گروپ میں ہنسی کے فوارے پھوٹ رہے ہوتے تو اس کے پسینے نکلنے لگتے۔ اسے محسوس ہوجاتا کہ کسی لڑکی کا مذاق اڑایا جارہا ہوگا۔ وہ لڑکوں سے نفرت کرتی تھی یا ان سے خوف زدہ تھی۔ اس کا تاثر اس نے اپنے چہرے پر کبھی نہیں آنے دیا تھا۔ ہاں اس کی ذات میں ایک واضح نشان ضرور بن کر ابھر آیا تھا۔

"دور رہو۔"

جب وہ اور مسز گوہر کسی ہوٹل میں منعقد کسی نمائش میں جاتیں تو لوگ اسے کوئی بڑی ڈیزائنر سمجھتے۔ وہ دونوں دوسروں کے کام کا بغور مشاہدہ کرتی تھیں۔ اس سے انہیں اپنے کام میں جدت لانے کے نئے نئے آئیڈیاز ملتے تھے۔ فیشن سے متعلق ہونے والے ایونٹ میں وہ دونوں اکثر جایا کرتی تھیں۔ ان کا اپنا ارادہ بھی ایک ایونٹ کروانے کا تھا۔ لیکن ابھی نہیں۔

آج کل وہ کرائے پر ایک کار نریا دکان حاصل کرنے کی کوشش کررہی تھیں۔ اب وہ ایک اور دکان کا کرایہ افورڈ کرسکتے تھے۔ ایڈوانس بھی ان کے پاس تھا۔ دوسری طرف مسز گوہر کا خیال تھا کہ اگر کوئی مناسب دکان نہیں ملتی تو کسی اچھی سوسائٹی یا ٹاؤن میں وہ لوگ ماہوار قسط پر ایک اچھا گھر لے لیں۔

افق اس کے خلاف تھی۔ اس کا کہنا تھا کہ فی الحال بزنس کو ہی ترقی دی جائے۔ فرزام کا ووٹ مسز گوہر کے حق میں گیا اور اس نے گھر لینے کے لیے کہہ دیا۔ اس کا مشورہ یہ تھا کہ جو ادائی گھر کے کرائے کے سلسلے میں کی جاتی ہے، وہی گھر کی قسط کی مد میں ادا کردی جائے گی اور دکان کے ایڈوانس کے لیے وہ کچھ اور انتظار کرسکتے تھے۔

لاہور کے مرکز سے ذرا سا دور ایک اچھے ٹاؤن میں انہوں نے ایک بنگلے کی ایڈوانس پے منٹ کردی۔ باقی رقم انہیں دو سال کے اندر اندر ادا کرنی تھی۔ مسز گوہر کی خوشی دیکھنے لائق تھی۔ جیسے انہیں ان کا بیچا ہوا گھر واپس مل گیا ہو۔ وہ بے حد خوش تھیں۔ جمال اور اسد کو الگ الگ کمرے مل گئے۔ افق کو اپنے شوہر کا اپنا گھر مل گیا۔

☆ ☆ ☆

سیاہ لانگ کوٹ پہنے وہ ٹرالی گھسیٹتی شیشے کے دروازے کے پار دیکھ رہی تھی۔ اس کی فلائٹ وقت پر آئی تھی۔ لیکن اس کا سامان گم ہوگیا تھا۔ اسے اپنے سامان کو ڈھونڈنے میں کافی وقت لگا۔ وہ لوگن انٹرنیشنل ایرپورٹ پر موجود تھی۔ ایسا تو ہو نہیں سکتا تھا کہ فرزام اس کا انتظار کرکر کے چلا گیا ہو۔ اس نے کل ہی کہا تھا کہ اگر فلائٹ کے ساتھ کچھ ہوا تو وہ ایرپورٹ پر سو جائے گا۔ وہاں سے جائے گا نہیں اور وہ ہنسنے لگی تھی۔

"اتنے شور میں نیند آجائے گی؟"

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے
بہنوں کے لیے خوبصورت ناول

کتاب کا نام	مصنفہ	قیمت
بساط دل	آمنہ ریاض	500/-
زرد موسم	راحت جبیں	750/-
زندگی اک روشنی	رخسانہ نگار عدنان	500/-
خوشبو کا کوئی گھر نہیں	رخسانہ نگار عدنان	200/-
شہر دل کے دروازے	شازیہ چودھری	500/-
تیرے نام کی شہرت	شازیہ چودھری	250/-
دل ایک شہر جنوں	آسیہ مرزا	450/-
آئینوں کا شہر	فائزہ افتخار	500/-
بھول بھلیاں تیری گلیاں	فائزہ افتخار	600/-
پھلاں دے رنگ کالے	فائزہ افتخار	250/-
یہ گلیاں یہ چوبارے	فائزہ افتخار	300/-
بین سے عورت	غزالہ عزیز	200/-

ناول منگوانے کے لئے فی کتاب ڈاک خرچ -/30 روپے
منگوانے کا پتہ:
مکتبہ عمران ڈائجسٹ -37 اردو بازار، کراچی۔
فون نمبر: 32216361

WWW.PAKSOCIETY.COM

وہ علامہ اقبال ایرپورٹ نہیں ہے' جہاں آدھے سے زیادہ لوگ پکنک منانے آجاتے ہیں۔ امریکیوں کا ہوائی اڈہ ہے۔ ہزار کیا' لاکھ بھی ہوں تو شور نہیں ہوتا۔

"کتنے اچھے ہیں امریکی... پاکستانیوں کو تو کچھ آتا ہی نہیں۔"

"طنز مت کرو۔ سامان باندھ لو۔"

"وہ تو ماں نے کب سے باندھ دیا۔"

"میرے لیے کیا لا رہی ہو؟"

"شلوار سوٹ۔"

"ہیں... اور...؟"

"اور بس..."

"جہاز میں بس لانے دیں گے کیا؟" دیر تک قہقہہ گونجتا رہا۔

امریکا میں پاکستانی کمیونٹی نے ایک نمائش کا اہتمام کیا تھا۔ فرزام نے ان کے لیے بھی ایک اسٹال بک کروا دیا تھا۔ ان دنوں افق کے ایم اے پارٹ ون کے امتحان چل رہے تھے۔ اس کا خیال تھا کہ دونوں ہی آجائیں' لیکن صرف مسز گوہر کو ہی جانا پڑا۔ دو ماہ امریکا فرزام کے پاس رہ کر اور کامیاب نمائش نپٹا کر وہ واپس آگئیں۔ کارخانے میں ان میں سے کسی ایک کا ہونا بھی ضروری تھا۔

امتحانات کے باوجود افق نے کارخانہ سنبھالے رکھا۔ اس بار ویسی ہی ایک اور نمائش کے لیے افق جا رہی تھی۔ اس کا ایم اے ہو چکا تھا۔ رزلٹ آنے والا تھا۔ فرزام بھی ایم ایس سی کر چکا تھا۔ جاب وہ پہلے ہی کر رہا تھا۔ آج کل ایک' دو کورسز کر رہا تھا۔ امریکا میں اس نے چند جگہ اپلائی کیا ہوا تھا اور اسے امید تھی کہ اسے ایک آدھ کال تو ضرور آئے گی۔

افق کا ذہن وہ پہلے سے ہی بنا چکا تھا کہ ایم اے کے بعد وہ ڈریس ڈیزائننگ کا کورس امریکا سے کرے گی۔ مسز گوہر اس کی ایسی باتیں سن لیتیں تو بہت ہنستیں۔

"ہاں' ہاں! بھاگ جاؤ' بھاگ جاؤ' سب بھاگ جاؤ' پہلے تم بھاگے' اب افق کو تیار کر رہے ہو۔"

"یہ میری ماں نے کہا یا افق کی ساس نے؟"

"دونوں نے۔" وہ کھلکھلائیں۔

افق کافی دیر سے کھڑی تھی۔ فرزام نظر آکر نہیں دے رہا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ نکلتے ہی اسے سامنے کھڑا ملے گا۔ لیکن اب... ہاں! ذرا دور سے آتا اسے نظر آگیا تھا۔ وہ تیزی سے بھاگتا ہوا آرہا تھا۔ ڈھائی سال دونوں نے ایک دوسرے کو آن لائن دیکھا تھا۔ ڈھائی سال لیپ ٹاپ سے آمنے سامنے رہے تھے۔ اس نے اس کی ہر ہر بات سنی تھی۔ بہت سے لطیفوں پر ہنسی تھی۔ اس کی خریدی گئی بہت سی چیزوں کو ناپسند کیا تھا۔ بخار اور زکام میں اس کی سرخ ناک کا مذاق اڑایا تھا... اور اب... وہاں کھڑے' بھاگتے ہوئے ایک شخص کو اپنے قریب آتے دیکھتے افق کو عجیب لگ رہا تھا۔ اس کا دل دھڑک رہا تھا۔ اس پر اس کی پہلی نظر پڑی اور اس کے دل نے چاہا کہ چھلانگ لگا کر باہر آجائے۔ اس پر اس کی نظر پڑی تو جی نہیں چاہا کہ وہ نظر واپس لوٹ آئے۔

دونوں کی نظریں ملیں۔ فرزام خوش دلی سے مسکرایا۔ اس کے ایک ہاتھ میں پھول تھے۔ اس کے قریب آکر وہ بریک لگانے کے سے انداز میں رکا۔

"او میری افق!" پھول اس کے ہاتھ میں دیے۔ "ایک ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا۔ ایک گھنٹے سے سڑک جام تھی۔"

اس نے پھول پکڑ لیے۔ فرزام نے ٹرالی سنبھال لی۔

"کسی نے تمہیں جہاز سے اتر جانے کے لیے تو نہیں کہا؟"

"ایک نے مشورہ دیا تھا کہ اتر جاؤ۔ کیوں پاگلوں کے ملک میں جا رہی ہو۔"

فرزام کا قہقہہ ایرپورٹ کی عمارت میں بکھر گیا۔ بہت خوش نظر آرہا تھا۔ اس کی طرف دیکھ کر لگ رہا تھا کہ وہ بہت دل لگا کر تیار ہوا ہے۔ اس کے بالوں کا اسٹائل' اس کا نیا نیا لیا کوٹ' نیا مفلر' نئی گھڑی' خاص پرفیوم۔

اس نے ان میں سے ایک بھی چیز اسے آن لائن نہیں دکھائی تھی۔ وہ سب کا حال چال پوچھتا' اس

سامان کار میں رکھنے لگا۔

"سفر میں بور ہی ہوئی ہو گی... ہے نا؟"

"نہیں... میں یہ کتاب پڑھتی رہی۔" اس نے پھولے ہوئے بیگ کی طرف اشارہ کیا۔ فرزام کا خیال تھا' وہ کہے گی کہ وہ اس کے بارے میں سوچتی رہی۔ ان گزرے سالوں میں دونوں میں بہت اچھی دوستی ہو چکی تھی۔ فرزام جیسے لڑکے پر افق کو بہت ناز تھا۔ افق جیسی بیوی فرزام کو بہت پیاری ہو گئی تھی۔

فرزام کا چھوٹا سا فلیٹ بہت پیارا تھا۔ شروع میں وہ ہاسٹل میں رہتا تھا۔ پھر چار لڑکوں کے ساتھ اپارٹمنٹ شیئر کیا۔ جب اسے اچھی جاب مل گئی تو اس نے اپنا الگ فلیٹ لے لیا۔ اس فلیٹ میں سامان کم ہی تھا۔ افق کے لیے اس نے ذرا اچھی طرح سے اسے ڈیکوریٹ کر لیا تھا۔ وقت نکال نکال کر مارکیٹوں میں دھکے کھاتا رہا تھا۔ پردے' صوفے' ٹیبل' برتن آہستہ آہستہ اس نے بہت کچھ لے لیا تھا۔ فلیٹ دو بیڈ رومز' لاؤنج' کچن اور ڈائننگ ایریا پر مشتمل تھا۔

"یہ ماں کے گھر جتنا بڑا نہیں ہے۔ لان بھی نہیں ہے۔ الگ ڈرائنگ روم بھی نہیں ہے۔ یہ بڑے بڑے ہاتھ روم بھی نہیں ہیں' لیکن یہ جتنا بھی ہے' سارے کا سارا تمہارا ہے۔"

افق فریش ہو گئی تو وہ اسے ڈنر کے لیے لے گیا۔

"کیسا لگ رہا ہے یہاں آکر؟"

"اچھا ہے۔" افق نے فرزام سے نظر بچا کر ہال پر ایک نظر دوڑائی۔

"اور میں...؟"

اس نے جیسے سنا ہی نہیں۔ مسکراہٹ چھپا گئی۔

"اور میں...؟" اس بار چلا کر پوچھا۔

"ٹھیک ہی ہیں۔" دانتوں میں ہونٹ کا دائیں طرف کا کونا دبا کر کہا۔ ہنسی کا فوارہ نکلنے کو تھا۔

"پورے سوڈالر دینے کے بعد میں ٹھیک ہی ہوں بس۔"

افق نے سوڈالر پر سوالیہ دیکھا۔

"جی ہاں... Men's Spa سے آرہا ہوں... سوڈالرز میں تیار ہو کر..."

انداز میں خفگی تھی۔ سوڈالرز ضائع جانے پر یا تعریف نہ کیے جانے پر۔ وہ منہ پر ہاتھ رکھ کر ہنسی تو دیر تک ہنستی ہی رہی۔ وہ کوئی لیڈی ڈیانا تھی جس کے آنے پر وہ اس طرح سے بن ٹھن رہا تھا۔ افق نے آتے ہوئے لپ گلوز لگایا تھا' جو اتنی لمبی فلائٹ میں کب کا گم ہو چکا تھا۔ یہاں آتے ہوئے بھی اس نے صرف کپڑے ہی تبدیل کیے تھے۔ بلیک شیفون کا سوٹ جس کے تنگ بازوؤں پر سفید موتیوں کی تین لائن بنی تھیں اور ایسی ہی تین لائنیں دوپٹے کے چاروں طرف تھیں۔ سامنے سے بال اٹھا کر انہیں چند بل دے کر پیچھے پن لگائی تھی اور بالوں کی ڈھیلی چوٹی بنا کر انہیں پیچھے سے لا کر بائیں کندھے پر رکھا تھا۔ دائیں کندھے پر دوپٹا سلیقے سے جمایا ہوا تھا۔

"اب تمہیں بہت ہنسی آیا کرے گی۔"

"کیوں؟"

"میں اب بہت الٹا پلٹا سا بچہ بن گیا ہوں۔"

اس انداز پر وہ اور ہنسی۔

"دیکھا... مجھے معلوم تھا۔ تمہیں بھی بتا دیا ہے۔" ساتھ ساتھ وہ دونوں کھانا کھا رہے تھے۔

"تمہارے پاس ایک ہفتہ ہے گھومنے پھرنے کے لیے۔"

"پھر؟" وہ سمجھی کہ شاید ایک ہفتے بعد وہ کہیں چلا جائے گا۔

"پھر تمہیں نہیں معلوم؟ ایونٹ پر نہیں جانا تمہیں نمائندگی کرنے؟"

"جی ہاں!" اسے یاد آیا کہ یہاں وہ چیز کی آؤٹ لیٹ (Out let) لے کر آئی ہے اور کچھ پاکستانی بوتیک مالکان تھے جن سے ان کی بات چیت چل رہی تھی۔ اسے فرزام کے ساتھ مل کر یہاں مستقل ایک کارنر ڈھونڈنا تھا۔ ان کے جو مستقل کسٹمرز بوسٹن میں رہتے تھے۔ انہوں نے وعدہ کیا تھا ہر طرح کی مدد کرنے کا۔ ایونٹ دس روزہ تھا اور اس کے بعد ہی کچھ ہو سکتا تھا۔ ابھی تو فی الحال فرزام کو شپ منٹ لانا تھی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

پاکستانی اور انڈین کمیونٹی نے مل کر اس ایونٹ کا اہتمام کیا تھا۔ ان کے ایک کلائنٹ نے ہی انہیں اس کے بارے میں بتایا تھا۔ باقی معلومات فرزام نے حاصل کرلی تھی۔ بکنگ انہیں آسانی سے مل گئی تھی۔

دس روزہ ایونٹ ٹھیک ٹھاک رہا۔ جاب کے ساتھ ساتھ فرزام نے اس کی مدد بھی کی۔ اسی ایونٹ کے دوران ان سے ایک بڑی اور فعال این جی او کا نمائندہ ملا وہ انہیں این جی او کی طرف سے کروائے جانے والے دوسرے ایونٹ میں شامل ہونے کے لیے راضی کررہے تھے۔ جس کا مقصد فنڈز اکٹھا کرنا تھا۔ این جی او تھرڈ ورلڈ میں بچوں کی عام وبائی بیماریوں کی ویکسین مفت سپلائی کرنے کا کام کرتی تھی اور اس کی لیے وہ کمیونٹیز کو اکٹھا کررہی تھی۔ این جی او کے ساتھ کام کرنے والے مجموعی منافع کا پچیس فیصد رکھ سکتے تھے۔ باقی کا منافع انہیں این جی او کو فنڈ دینا تھا۔

افق نے پاکستان میں مسز گوہر سے بات کی۔ انہیں کوئی اعتراض نہیں تھا۔ وہ مطلوبہ آرڈر تیار کروا کے امریکا بھجوا سکتی تھیں۔ افق نے معاہدے پر دستخط کردیے۔ معاہدے کی رو سے اگر وہ ایک خاص شرح سے زیادہ فنڈز اکٹھا کرکے دیں گی تو اسے این جی او کا رکن جانا جائے گا اور وہ این جی او کو اپنی آراء اور مشوروں سے نواز سکتی ہے۔ ایونٹ کے باقاعدہ شروع ہونے میں ایک مہینہ تھا۔ ہفتہ اور اتوار' دو دن انہیں شہر کے مختلف کمیونٹی سینٹرز میں نمائش منعقد کرنی تھی۔ ہر ہفتے نئی جگہ ہوگی۔

این جی او نے اسے دو رضاکار بھی دے دیے۔ کام کرنے اور کسی بھی مسئلے سے نبٹنے کے لیے۔ مقامی اور غیر ملکی پچاس سے زیادہ گروپس شرکت کررہے تھے۔ پمفلٹ پر "چیز" کو بھی نمایاں جگہ دی گئی تھی۔ اخبارات میں اشتہارات دیے گئے۔ ٹی وی میں فنڈز ریزنگ کے لیے تشہیر کی گئی۔

اسے معلوم نہیں تھا کہ امریکا آکر وہ پاکستان سے بھی زیادہ مصروف ہوجائے گی۔ کارخانے میں ان کی ایک اسسٹنٹ تھی' مس سندس۔ افق سارا وقت اس سے آن لائن رابطے میں رہتی۔ دونوں آپس میں ڈسکس کرتی رہتیں کہ کس ڈیزائن اور کس میٹریل کو لے کر کام کرنا ہے' رنگ کون سے اچھے رہیں گے اور کس کپڑے کو بوسٹن کے لوگ پسند کریں گے۔ پاکستانی مخصوص روایتی لباس ہی بنا رہے تھے۔ لیکن کیونکہ اس ایونٹ میں ہر ملک کے لوگ آنے والے تھے تو انہوں نے جینز پر پہننے کے لیے مختلف ڈیزائن کے کرتوں پر بھی کام کیا تھا اور چھوٹے کراس بیگ پر ٹین ایج لڑکیوں کے اسٹائلز پر بھی۔

یہ ایونٹ تین مہینے تک جاری رہنا تھا۔ ان کے پاس کام کے لیے وقت تھا پہلا اسٹاک جلد ہی مل جانا تھا۔ این جی او کی طرف سے انہیں بریفنگ دی جارہی تھی اور ٹریننگ کیا جارہا تھا۔ انہیں بتایا جاتا کہ انہیں کیسے اپنی مصنوعات کو ڈسپلے کرنا ہے۔ کم سے کم پرائز ٹیگ کیا ہونے چاہئیں اور زیادہ سے زیادہ کیا۔ انہیں پہلے جمع کیے گئے فنڈز کے بارے میں بتایا گیا۔ انہیں اچھی طرح بریف کیا گیا کہ کس طرح وہ پہلے سے زیادہ فنڈز اکٹھا کرسکتے ہیں۔ این جی او کے ریکارڈ کو توڑ سکتے ہیں۔ ان سے سوالات کیے جاتے۔ مشورے مانگے جاتے۔ انہیں تھرڈ ورلڈ کے بیمار بچوں کی مختصر ڈاکومنٹریز دکھائی جاتیں۔ یوں انہیں فنڈز ریزنگ کے لیے اچھی طرح تیار کردیا گیا۔

☆ ☆ ☆

"ایک بار ماما نے کہا تھا کہ افق "خیر" ہے۔ تم تو زیادہ ہی "باعث خیر" بن گئی ہو۔" بات اچھی تھی' لیکن انداز ذرا افسردہ سا تھا۔

وہ ڈائننگ ٹیبل کی کرسی پر بیٹھی اپنا کام کررہی تھی۔ قریب ہی پاکستان سے بھیجا گیا پہلا اسٹاک بکھرا پڑا تھا۔ وہ انہیں جانچ رہی تھی اور الگ الگ کررہی تھی' ساتھ ساتھ پیڈ پر نوٹس لکھتی جارہی تھی۔ ایونٹ کے پہلے ہفتہ کے لیے وہ خاص الخاص کلیکشن کا انتخاب کررہی تھی۔

"کیا مطلب۔۔۔؟" پین کو تیزی سے چلاتے اس نے پوچھا۔ فرزام نے آگے بڑھ کر اس کا پین اچک لیا۔

"کہو تو میں نہ جاؤں۔" قریب ہی کی کرسی پر وہ بیٹھ گیا۔

بات اس کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ "کہاں؟"

"کینیڈا۔" دونوں ہاتھوں کو اداسی سے تھوڑی کے نیچے رکھا۔

"آپ کے آفس والے بھیج رہے ہیں؟"

"نہیں۔۔۔ آٹھ ماہ پہلے میں نے وہاں کی ایک کمپنی کو درخواست دی تھی۔ ساتھ ہی اپنے کام کی تفصیل اور سی ڈی بھی بھیجی تھی۔ کمپیوٹر سے متعلق کچھ نئی اصلاحات پر کام کیا ہے میں نے۔ چند سوفٹ ویئرز بھی میں سمجھتا ہوں کہ میں کامیابی سے بنا سکتا ہوں۔ وہ مجھے انٹرویو کے لیے بلا رہے ہیں۔" باتیں وہ اچھی کررہا تھا۔ لیکن منہ بگڑتا ہی جارہا تھا۔

"تو جائیں نا۔" دراصل وہ سمجھ ہی نہیں پائی تھی وہ اداس کیوں ہورہا ہے۔

"ہاں تو جا ہی رہا ہوں۔" وہی لالی پاپ نہ ملنے کا انداز۔ افق کو حیرانی تھی کہ وہ خوش کیوں نہیں ہے۔

"تم مجھے پسند نہیں کرتیں؟" اس نے اچانک پوچھا جیسے دراصل یہی پوچھنا چاہ رہا ہو۔ افق نے الجھ کر اس کی طرف دیکھا کہ اس نے یہ سوال کیوں کیا اور یہ کیوں سمجھا کہ وہ اسے پسند نہیں کرتی۔

"یہ کیسا سوال ہے۔۔۔؟" وہ واقعی حیران تھی۔

تم مجھے روک ہی نہیں رہیں۔ تمہیں کہنا چاہیے تھا کہ نہ جائیں نا۔۔۔ تم نے کہہ دیا کہ جائیں نا۔۔۔"

"اوہ۔۔۔!" افق کی سمجھ میں اب بات آئی تھی۔ اس کی نگاہیں جھک گئیں اور اس نے سامنے رکھے پیڈ پر آنکھیں گاڑ دیا۔

وہ جو دونوں کے تعلق کے درمیان ایک فاصلہ بنیاد سے ہی چلا آرہا تھا' وہ اب بھی وہیں تھا' وہ کم ضرور ہورہا تھا لیکن ابھی تک موجود تھا۔ فرزام اس کے ساتھ چہل قدمی کرتا تھا۔ لیکن اس کی کمر میں اپنے بازو حمائل نہیں کرتا تھا۔ نہ ہی اس کا بازو تھامتا تھا۔ جب افق کچن میں کام کررہی ہوتی اور وہ اس کے پاس آکر کھڑا ہوجاتا تو کچھ نہ کچھ ضرور افق کے ہاتھ سے گر جاتا اور وہ مسکراہٹ دباتا کچن سے چلا جاتا۔ اگر انہیں ایک ہی صوفے پر بیٹھنا ہوتا تو وہ ذرا فاصلہ رکھ کر بیٹھتے۔ ورنہ الگ الگ صوفوں پر ہی بیٹھتے۔ وہ رومانس کے دور میں داخل ہورہے تھے۔ لیکن رومانس کرتے نہیں تھے۔

افق جب اکیلی ہوتی' بس میں بیٹھے۔۔۔ ٹیوب میں۔۔۔ این جی او کی بریفنگ لیتے۔۔۔ سبزی اور گوشت کی خریداری کرتے۔۔۔ ڈھیر سارے بیگز کو ہاتھ میں پکڑے۔۔۔ فٹ پاتھ پر چلتے۔۔۔ سڑک کو پار کرتے۔۔۔ ٹکٹ لیتے۔۔۔ گھر کا لاک کھولتے۔۔۔ وہ اسی کے بارے میں سوچ رہی ہوتی۔ وہ دن رات اسے سوچتی۔ کام کے دوران بھی اسے کھوجتی۔ پاکستان میں وہ اس کے آن لائن آنے کا انتظار کرتی تھی۔ یہاں وہ اسے بار بار دیکھنے کا انتظار کرتی تھی۔ پاکستان میں وہ انتظار کم تھا۔ یہاں بہت بڑھ گیا تھا۔ فرزام اس کا شوہر تھا۔ جس کے کھو جانے کا اسے کوئی خوف نہیں تھا۔ جس کے چلے جانے کا کوئی خطرہ لاحق نہیں تھا۔ وہ اسے بہت بہت پسند کرتی تھی۔ بہت یاد کرتی رہی تھی۔

"نہ جائیں۔۔۔" اس نے اعتماد سے کہہ دیا۔ وہ یہ نہیں چاہتی تھی کہ وہ سمجھے کہ وہ اسے پسند نہیں کرتی اور وہ یہ بھی نہیں چاہتی تھی کہ جس کام کے لیے اس نے اتنی محنت کی ہے' وہ صرف اس کی وجہ سے اس محنت کا ثمر نہ کھائے۔ اگر وہ امریکا نہ آتی ہوتی تو وہ چلا ہی جاتا۔ اس طرح اس کے کہنے پر وہ بہت خوش نظر آنے لگا۔ جیسے جانا تو اسے بھی ہے۔ لیکن رو کے جانے کی اسے بہت خواہش ہے۔

"میں تمہیں یہاں بلا کر خود یہاں سے جانا نہیں چاہتا۔ میں جانتا ہوں۔ انٹرویو تو بہانہ ہے۔ میرا کام انہیں پسند آگیا ہے۔ وہ میرے آگے کانٹریکٹ رکھ دیں گے۔" ٹیبل پر رکھے اس کے ہاتھ پر اس نے ہاتھ رکھ دیا۔

افق کا دل چاہا کہ وہ ہاتھ اٹھالے اور یہ بھی کہ وہ اس کے ہاتھ پر ہی رہے۔ وہ سمجھ گئی کہ وہ جانا بھی چاہ رہا ہے

WWW.PAKSOCIETY.COM

اور رکنا بھی۔

"ایسے سنہری موقعے بار بار نہیں ملتے۔"

اس بات پر وہ خاموشی میں سمٹ گئی۔ وہ چاہتی تھی کہ فیصلہ وہ خود کرے۔ اگر وہ اسے جانے کے لیے کہے تو شاید وہ برا مان جائے اور اگر روک لے تو اس کا خواب توڑ دے۔

دو دن وہ ایسے ہی الجھا رہا۔

"اس پروجیکٹ پر کام کرنے سے مجھے اچھے خاصے پیسے ملیں گے۔ میں کافی امیر ہو جاؤں گا۔ بہت زیادہ اپنے پیسوں والا۔ پھر تم میرے ساتھ پیرس چلو گی؟"

یہ صرف ایک سوال تھا۔ لیکن سرہلانے سے پہلے جب اس نے اس کی طرف دیکھا تو جانا کہ یہ صرف ایک عام سا سوال نہیں ہے یہ ان دونوں میں چھپی ہوئی "محبت" ہے۔ مدھم سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں اور آنکھوں میں چمکی۔ فرزام کی نظریں اسی چمک دمک پر ٹکی تھیں۔

"ٹھیک ہے۔ طے ہوا۔ ابھی تو ایسا ہے کہ زندگی افراتفری کا شکار ہے۔ تم فنڈ ریزنگ کے لیے کام کر رہی ہو۔ بوسٹن میں تمہیں ایک کارنر بھی چاہیے۔ ماں مجھے بار بار فون کر کر کے کہہ رہی ہیں کہ ان کے کارنر کا کیا بنا۔ ایک دو لوگوں سے بات چل رہی ہے۔ ساتھ چلنا۔ تم بھی مل لینا اور میرے آنے سے پہلے ہر کام سے فارغ ہو جانا۔ ٹھیک ہے۔" ساتھ سر بھی ہلایا۔

"پروجیکٹ پر ہی کام کروں گا۔ کمپنی مجھے جاب بھی دے گی۔ لیکن مجھے کینیڈا میں نہیں رہنا۔ وہاں کا موسم نہیں پسند مجھے۔ اگر وہ مجھے برطانیہ میں اپنی کمپنی کی برانچ میں سیٹ کر دیں تو ٹھیک ہے۔ میرے بھی کچھ خواب ہیں اور میں چاہتا ہوں کہ میں برطانوی حکومت کو یہ بتا سکوں کہ انہوں نے کس قدر لائق فائق لڑکے کو نکال باہر کیا۔ ویزا دینے سے انکار کر دیا۔ اس بار انہیں مجھے اعزاز سے ویزا دینا ہو گا۔"

ماما کہتی تھیں کہ وہ پریشانی اور خوشی میں بولتا بہت ہے۔ اب افق کی یہ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ خوشی میں بول رہا ہے یا پریشانی میں۔ افق نے سوچا کہ اسے ایک بار پھر فرزام کو روکنا چاہیے۔ شاید وہ یہی چاہتا ہے۔

"اگر دل نہیں چاہ رہا تو نہ جائیں۔"

بولتے بولتے رک کر وہ اسے دیکھنے لگا۔ "مذاق کر رہی ہو؟"

سر نفی میں ہلایا۔ "روک رہی ہوں۔"

"اب میں تمہیں پیرس گھوما کر ہی رہوں گا۔ چند دنوں کی بات ہے ہمیں سیٹ ہو جاؤں گا۔" آخری بات کہتے کہتے منہ کو زیادہ لٹکایا۔

ہفتے کے اندر اندر وہ چلا گیا۔ وہ اپنے کام میں بے حد مصروف تھی۔ لیکن اس بار یہ مصروفیت اسے اچھی نہیں لگی۔ بوسٹن آنے کے بعد دو ہفتہ وہ گھومتے رہے تھے۔ وہی ٹھیک تھا۔ وہ کام سے نہیں تھکتی تھی لیکن اب اسے اپنے آس پاس فرزام چاہیے تھا۔ جیسے وہ ٹیبل پر بیٹھی کام کر رہی ہوتی تو وہ اچانک سے اس کا پین آکر اچک لیتا۔ سندس کو "بائے بائے" کہتا۔ چاکلیٹ دودھ کا گلاس اس کے سامنے لا کر رکھتا اور ایم پی تھری کے ایر فون اس کے دونوں کانوں میں لگاتا۔

"پہلے گلاس ختم کرو۔ پھر کم سے کم تین گانے سنو۔ پھر کام شروع کرنا۔" وہ گلاس پی جاتی۔ تین گانے سن لیتی اور پھر سے پین پکڑ لیتی۔ رات گئے سندس کے ساتھ وڈیو چیٹ پر جب وہ ڈسکشن کر رہی ہوتی تو قریب ہی صوفے پر آڑا ترچھا لیٹے وہ اپنی جمائیاں روک رہا ہوتا۔ بظاہر وہ ٹی وی دیکھ رہا ہوتا۔ لیکن دراصل اسے الارم دے رہا ہوتا کہ اب بس کرو کام۔ اور دوسری تیسری بار جب وہ اس پر نظر ڈالتی تو وہ صوفے سے لڑھک کر نیچے کارپٹ پر سو رہا ہوتا۔ اس نے ٹھیک کہا تھا کہ وہ الٹا پلٹا سا بچہ بن گیا ہے۔

اور افق جیسے اقوام متحدہ کی سفیر بن گئی تھی۔ کام اس کی طرف کھینچے چلے آتے۔ گھر کے کام اور کھانا وہ پہلی فرصت میں ہی بنا لیتی تھی۔ باقی کے اپنے کام سارا وقت کرتی۔

"کیا تم روز کھانا بنا لیتی ہو یار!" ایک دن وہ آفس سے آکر بولنے لگا۔

"نہ بنایا کروں؟"

"کبھی کہہ ہی دیا کرو کہ "فرزام جی! مجھ سے نہیں ہوتے اتنے کام۔ یہ کھانا وانا میں نہیں بنا سکتی اب چلیں! کہیں باہر چل کر کھاتے ہیں۔" وہ اس کی آواز اور انداز کی بھرپور نقل اتار رہا تھا۔

"فرزام جی!" اسی کی طرح "فرزام جی" کو تان میں کھینچا۔ "ہم یہ کھانا باہر چل کر کھالیں؟"

"یہ کھانا... باہر کہاں؟"

"اس بلڈنگ کے گارڈن میں..." ہاتھ سے کھڑکی کی طرف اشارہ کیا۔

"تمہارا خیال ہے کہ باہر کھانا کھانے سے میرا یہ مطلب ہے۔ گھر میں پکاؤ اور باہر جا کر کھالو۔ ہو گیا باہر جا کر کھانا۔ ایسا کرتے ہیں، کسی ہوٹل کی پارکنگ میں اپنے چیئر بیٹھیں اور گلاس لے کر چلتے ہیں اور وہاں کھاتے ہیں کھانا۔ ایسے ہو جائے گا ہوٹل میں کھانا کھانا۔"

وہ خوب ہنسی اور منٹوں میں تیار ہو کر آگئی "چلیں۔"

"کہاں؟" فرزام کو معلوم تو تھا۔ لیکن اسے چڑا رہا تھا۔

"ہوٹل کی پارکنگ میں کھانا کھانے۔"

دونوں جی جان لگا کر ہنسے۔

☆ ☆ ☆

فنڈ ریزنگ کا پہلا ایونٹ ٹھیک ٹھاک رہا۔ لوگوں کی بڑی تعداد نے شرکت کی تھی۔ افق کا اسکور بھی اچھا رہا تھا۔ آئندہ کے لیے وہ اور پر امید ہو گئی۔ اسے معلوم ہو گیا تھا کہ اس کی مصنوعات میں وہاں کے لوگوں کی دلچسپی کا خاص مرکز کیا تھا اور کتنا زیادہ پسند کیا گیا اور کیا مشینی۔ یہ کھدر کے موٹے کرتے تھے۔ جن پر کام تو مشینی ہوا تھا۔ لیکن ان کے ڈیزائن ایسے تھے کہ لگتا تھا کہ ہاتھ سے بنائے گئے ہیں۔ مشینی کڑھائی میں یورپین ممالک ہر ملک سے آگے ہیں۔ اس لیے وہاں کے لوگ ان چیزوں میں خاص دلچسپی لیتے ہیں، جو کسی دوسری ثقافت کی نمائندہ ہو۔ ان کرتوں پر روایتی ٹانکوں کو مشین سے بنایا گیا تھا۔ کیونکہ ہر شخص وہ چیز لینا چاہتا ہے، جو کسی دوسرے کے پاس نہ ہو تو ایسے میں دوسرے ملکوں کی روایتی چیزیں دھڑا دھڑ فروخت ہوتی ہیں۔ ہندوستانی اسٹالوں پر بھی کم و بیش ایسی ہی چیزیں تھیں۔ لیکن رنگوں اور ڈیزائن میں فرق ایک چیز کو دوسری سے الگ کر رہا تھا۔ وہاں ان کا مقصد منافع نہیں فنڈز تھے اور سب ہی چاہتے تھے کہ وہ اچھے فنڈز اکٹھے کر لیں۔ افق کو اچھا لگ رہا تھا این جی او کے لیے کام کرنا۔ مختلف طبقہ ہائے زندگی اور شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے بے شمار امریکی مشہور و معروف قانون دان، کھلاڑی، صحافی، اساتذہ، ڈاکٹر، وکیل، سینیٹرز اور بے شمار دوسرے لوگ رضاکار بنے ہوئے، اپنے اپنے طور پر کام کر رہے تھے۔ سامان کو اٹھانے اور صفائی کرنے میں شرم محسوس نہیں کرتے تھے۔ جو دو رضاکار اس کے ساتھ تھے۔ ان میں سے ایک ساٹھ سالہ سرجن ڈاکٹر تھے۔ دوسرا رضاکار ایک نوجوان لڑکا تھا۔ جو ایک امیر باپ کا بیٹا تھا۔ ایسی صورت حال میں افق کا جذبہ اور بلند ہو گیا۔

واپسی پر وہ فرزام کو ایک ایک بات بتاتی۔ پیر تک وہ مصروف رہی۔ اگلے دو دن اس کے پاس بہت وقت تھا۔ اس نے گھر کے لیے ضروری خریداری کی۔ فرزام کے دوست کی بیوی نمل اس کے ساتھ ہی تھی۔ اس نے زندگی میں کسی لڑکی کو لپ اسٹک کے لیے اتنا جنونی نہیں دیکھا تھا، جتنی وہ تھی۔ وہ شاپنگ مال میں، ٹیکسی میں بیٹھے ہوئے، ریسٹورنٹ میں آئس کریم کھاتے ہوئے آس پاس موجود خواتین پر نظریں گاڑے رکھتی۔ ان کے ہونٹوں پر۔ اگر خاتون دور ہوتی تو آنکھیں سکیڑ لیتی۔ ورنہ ذرا سا قریب چلی جاتی۔ وہ اس حساب کتاب میں رہتی کہ چمکتی آنکھوں والی، سنہرے بالوں والی گلابی رنگت والی لڑکی نے جو پرپل سی ذرا سی ہلکی اور بے بی پنک سے ذرا سی گہری لپ اسٹک یا لپ

WWW.PAKSOCIETY.COM

گلوز لگایا ہے۔ وہ اس کے پاس ہے نا۔ اس کے ساتھ ساتھ چلتے وہ بتاتی جاتی۔

"یہ جو نیلے اسکرٹ میں لڑکی گزری ہے نا۔ ہاں۔ وہ۔ وہ۔ اس نے جو لپ اسٹک لگائی ہے' وہ میرے پاس ہے۔ اور وہ جو موٹی عورت نے لگائی تھی' وہ نہیں ہے۔" اکثر وہ ان کے پاس چلی جاتی۔ پین سے ہاتھ پر برانڈ اور لپ اسٹک کا نمبر لکھتی اور "تھینک یو" کہہ کر پلٹ آتی۔

اس کے وارڈروب میں اتنے کپڑے اور جوتے نہیں تھے' جتنے لپ اسٹک اور لپ گلوز کے بکس تھے۔ افق میک اپ نام کی چیز سے واقف نہیں تھی۔ نہ ہی اسے شوق تھا۔ لیکن نمل کے کہنے پر اس نے میک اپ کی کچھ چیزیں لے لیں۔ اس نے سوچا کہ وہ میک اپ کر کے فرزام کو حیران کردے گی۔ اسے بھی معلوم ہو کہ وہ اس کے لیے کیا کچھ کر سکتی ہے۔

اسی دن شام کو وہ کاؤچ پر دراز ایک پرانی فلم دیکھ رہی تھی۔ قریب ہی چائے کا بڑا مگ رکھا تھا۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے تک وہ نمل کے ساتھ خریدا ہوا میک اپ کا سامان لگا لگا کر دیکھ رہی تھی۔ اسے سب اچھا ہی لگا۔ ابھی اسے میک اپ کرنا نہیں آتا تھا۔ لیکن اگر وہ روز ہلکا سا کر لیا کرے تو فرزام کے آنے تک سلیقے سے کرنا آ ہی جائے گا۔

چائے پیتے' فلم دیکھتے اس نے آج خرید کر لائے میگزینز میں سے ایک کو میز پر سے اٹھا لیا۔ یہ مقامی سطح پر شائع ہونے والا اردو میگزین تھا۔ نہ اسے فلم میں دلچسپی تھی' نہ ہی فی الحال میگزین میں۔ اسے فرزام کے فون کا انتظار تھا۔ اس نے فون کیا تو اس نے یہ کہہ کر بند کر دیا کہ "ابھی کرتا ہوں۔" اور پچھلے ڈیڑھ گھنٹے سے اس کا ابھی چل رہا تھا۔

میگزین کی ورق گردانی کرتے اس کا ہاتھ ایک صفحے پر آ کر ساکت ہو گیا۔ ٹی وی اسکرین پر ہیروئن رو رہی تھی' چلا رہی تھی۔ لیکن اسے سنائی نہیں دے رہی تھی۔ اندھیرے کا ایک گہرا سیلاب اس کی آنکھوں میں سے ہو کر گزر رہا تھا۔ حقیقت یہ تھی کہ وہ ایک پل کے لیے تڑپ کر مر گئی۔ متلی اور سانس اکھڑنے کا شدید احساس ہوا۔ وہ واش روم کی طرف بھاگی اور منہ ٹھنڈے پانی کے چھینٹے مارے۔ منہ صاف کرتی وہ دوبارہ لاؤنج کی طرف آئی تو اس میگزین کو گھورنے لگی جو اس کے اس طرح اٹھ کر جانے پر کاؤچ سے نیچے گر گیا تھا۔

اس میگزین میں عدن تھا۔ اس شخص پر نظر پڑتے ہی نفرت سے ہی سہی' اس کی سانسیں اکھڑنے لگیں۔ وہ پلٹ کر وہی افق بن گئی' جو ڈی ایچ اے سے غلام علی غلام کے ہاتھوں سے اپنی عزت بچا کر نکلی تھی۔ جس کے گلے میں چادر جھول گئی تھی اور جو سڑک پر جائے پناہ کے لیے بھاگی پھر رہی تھی۔

اس کا خیال تھا کہ اس شخص سے آئندہ اگر کبھی ملی تو وہ اس پر تھوک دے گی۔ لیکن اب وہ کانپ رہی تھی۔ یہ اس کا وہ ماضی تھا۔ جس پر وہ بہت پشیمان تھی۔ تھوڑی دیر وہ ایسے ہی کھڑی کارپٹ پر گرے عدن کو دیکھتی رہی۔ پھر آگے بڑھ کر میگزین کو اٹھا لیا۔

"ایم بی بی ایس ڈاکٹر عدن غلام علی (پاکستان)" اس تعارفی سطر کے نیچے مختصراً" اس کے ساتھ پیش آنے والا واقعہ درج تھا۔ یہ ایک آرٹیکل تھا۔ جسے ایک مقامی مسلمان صحافی نے شائع کیا تھا۔ یہ ان لوگوں کے بارے میں تھا۔ جنہیں بے گناہ یا بے حد معمولی الزامات لگا کر سالوں سے جیلوں میں قید کر رکھا تھا۔ ان پر دہشت گردی کا شبہ کیا گیا تھا اور سالوں سے وہ شبہ تو تصدیق میں بدل رہا تھا اور نہ ہی مخالفت میں۔ آرٹیکل میں کل بیس ایسے لوگوں کا ذکر مکمل تعارف اور تفصیل کے ساتھ کیا گیا تھا۔ باقی اعداد و شمار الگ سے تھے۔ افق نے آرٹیکل کو ایک بار پڑھا اور عدن کے ساتھ ہوئے واقعے کو تین بار۔

جب وہ بار بار اس کے ساتھ پیش آئے واقعے کو پڑھ رہی تھی تو شاید انجانے میں وہ اس کے باپ کے ہاتھوں ہوئی اپنی بے عزتی کا بدلہ لے رہی تھی۔ لیکن

صرف ایسا بھی نہیں تھا۔ حیرت اور افسوس کی ایک تیز دھار اس کے اندر سے پھوٹ رہی تھی۔ وہ ایک دم ایک ایسی کوری تختی بن گئی۔ جس پر "عدن" ہی ڈوب ابھر رہا تھا۔

ڈور بیل بہت زور و شور سے بجنے لگی۔ اس بار وہ آواز پر چونکی۔

"تم ٹھیک تو ہو افق؟" نمل نے چھوٹتے ہی پوچھا تو وہ اور گھبرا گئی کہ اس نے یہی کیوں پوچھا۔

"فرزام کا فون آیا تھا۔ کہہ رہا تھا۔ تم دونوں میں سے کوئی بھی فون نہیں اٹھا رہیں۔ وہ کب سے فون کر رہا ہے۔"

"میں واش روم میں تھی۔" اس نے جھوٹ بولا۔ لاؤنج کی طرف واپس آتے وہ اور پریشان ہو گئی۔ اسے قریب ہی رکھے موبائل کے چھ بار بجنے پر بھی پتا ہی نہ چلا۔ آخر کیوں؟ کس لیے؟

فرزام کو فون کیا۔ واش روم کا بتایا۔ وہ بات اس سے کر رہی تھی۔ دیکھ میگزین کو رہی تھی۔

"تھک گئی ہو افق؟"

"نہیں تو۔" جواب کے درمیان ذرا سا وقفہ آیا۔

"تم آرام کرو۔ پھر بات ہوگی۔" وہ ناراض نہیں ہوا تھا۔ اس کی غائب دماغی پر خود ہی یقین کر لیا کہ وہ تھک گئی ہوگی۔

وہ اٹھی اور لیپ ٹاپ گود میں رکھ کر بیٹھ گئی۔ عدن کی تفصیل میں اس کے وکیل کا ذکر بھی تھا اور بیان بھی۔ سرچ انجن سے اس نے بوسٹن کے وکیل عبدالعزیز کو ڈھونڈ لیا۔

افق کو معلوم نہیں تھا کہ اس نے عدن سے متعلق اس آرٹیکل کو کیوں پڑھا۔ فرزام کی کالز کو کیسے مس کر دیا اور اب اس کے وکیل کو کیوں ڈھونڈا۔ افسوس کی لہر جو اس کے اندر سے اٹھی تھی۔ سب اسی کے زیر اثر کیا۔ ایسا تو تھا ہی نہیں کہ وہ عدن کی شکل بھی دیکھنا نہیں چاہتی تھی۔ اسلام آباد سی۔ ایم۔ ایچ کے باغ میں بیٹھ کر اس نے دعا کی تھی کہ زندگی میں یہ شخص ایک بار تو ضرور اسے ملے۔ بے شک افق کے ہاتھ میں کشکول ہو اور عدن کے ہاتھ میں خیرات۔

وہ اس شخص سے ضرور پوچھے گی کہ عزت سے چھوڑ دینے کے لیے تو اس نے خود کہہ دیا تھا۔ اسے دھوکا دے کر بھاگنے کی ضرورت کیا تھی؟

وکیل عبدالعزیز کا نمبر ملایا۔

"محبت ماریہ سے کرتا تھا۔ شادی بھی اسی سے کی۔ دھوکے کے لیے افق ہی کیوں؟" بیل جا رہی تھی۔

"اگر وہ کبھی افق کی زندگی میں نہ آتا تو وہ اس کے گدھے باپ کے سامنے نہ جاتی۔"

"لائیر عبدالعزیز اسپیکنگ۔ واٹ کین آئی ہیلپ یو؟"

"ڈاکٹر عدن غلام علی کے وکیل آپ ہیں؟"

"یس!"

"کیا وہ واقعی بے گناہ ہے؟"

"پہلے اپنا تعارف کروائیں لیڈی!"

"کیا وہ دہشت گرد ہے؟"

"آپ کا نام لیڈی۔۔۔؟"

"کتنی سزا ہوگی۔۔۔؟ رہا ہو گا بھی کہ نہیں۔۔۔؟ کیا وہ سچ مچ دہشت گرد ہے؟"

"آر یو مس افق۔۔۔؟"

"مس افق۔۔۔ مس افق۔۔۔ مس افق۔۔۔"

فرزام کے فلیٹ میں اس فقرے کی بازگشت گونجنے لگی۔ فون افق کے ہاتھ سے گرتے گرتے بچا۔ وہ اسے کیسے جانتا تھا۔۔۔ سات سمندر پار۔ ایک انجانا شخص۔ جس سے آج اس کی پہلی بار بات ہو رہی تھی۔ وہ اس کا نام لے رہا تھا۔

"آر یو دیئر مس افق۔۔۔؟" وہ یقین ہی کر بیٹھا تھا کہ وہ افق ہی ہے۔

خاموشی کا وقفہ جاری رہا۔

"آر یو اوکے۔۔۔؟"

آخر کار اس نے مری مری آواز میں "یس" کہا۔

"آپ مجھے کیسے جانتے ہیں؟"

"تو آپ مس افق ہی ہیں۔۔۔ میرا اندازہ ٹھیک ہی تھا۔ پچھلے چار سالوں سے میں نے ایک ہی نام لاکھوں

WWW.PAKSOCIETY.COM

بار سنا ہے۔ افق۔ افق۔ افق۔ اسے کہو میرے لیے دعا کرے۔ مجھے آزاد کروالے۔ افق ملی؟ کہاں ہے وہ۔"

فون اس کے ہاتھ سے گر گیا اور اس کی بیٹری الگ ہوگئی۔ منہ پر ہاتھ رکھ کر اس نے اپنی چیخ کو روکنا چاہا۔

یہ کیا ہو رہا ہے؟ عدن تو دھوکے باز ہے۔ اسے تو اس پر تھوکنا ہے۔ اس کا گریبان پکڑنا ہے۔ پھر۔ یہ سب۔ اتنے سال وہ اسے یاد کرتا رہا ہے۔ اس کا نام لیتا رہا ہے۔

منہ پر ہاتھ رکھے وہ بیٹھی رہی۔ ذرا دیر بعد آس پاس ایسے دیکھنے لگی جیسے سپنا ٹوٹ گیا ہو۔ یا سپنے میں ہو اور بلک بلک کر التجا کر رہی ہو کہ یہ خواب ہی ہو اور بس۔

"او خدایا!" اس نے سر کو تھام لیا۔ آنسو آنکھوں سے رواں ہوگئے۔ اب یہ آنسو کس احساس کے تحت تھے۔ افق اس کا فیصلہ ابھی نہیں کر سکتی تھی۔ بہت دیر تک وہ ایسے ہی بیٹھی رہی۔ فون کی بیٹری اس میں واپس ڈال کر فون آن کیا۔ عبدالعزیز کا ایک میسج موجود تھا۔

"میرے آفس میں آکر ملیں۔" ساتھ ہی آفس کا پتا بھی لکھا تھا۔ اس نے افق کو آفس میں آنے کے لیے کیوں کہا اور وہ کیوں جائے؟ کس لیے؟ وہ نہیں جائے گی۔ اسے نہیں جانا چاہیے۔ وہ کیوں نہ جائے؟ اسے کیوں نہیں جانا چاہیے؟

سوالات آگے پیچھے اس کے اندر باہر بن رہے تھے۔

نیلا کرتا، جینز اور جوگرز پہن کر بیگ کو کندھے پر لٹکا کر وہ دروازے کو لاک لگا کر نیچے آگئی۔

افق نے عدن کا اعتبار کیا تھا۔ اس کی مدد لینے ڈی ایچ اے اس کے باپ کے پاس پہنچی تھی۔ یہ دو بڑی غلطیاں تھیں۔ لیکن اس بار وہ ایک فاش غلطی کرنے جا رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

"مجھے صرف تجسس تھا۔ میں اس لیے یہاں آئی ہوں۔" وہ آ تو گئی تھی۔ مگر اب پچھتا رہی تھی سوا ایک اچھی بھلی زندگی گزار رہی ہے۔ اس کی بلا سے عدن دہشت گرد ہی سہی۔

"آپ صرف تجسس مٹانے کے لیے آئی ہیں؟" ایک کہنہ مشق وکیل نے اس کی بودی دلیل کو مزید سے ایک طرف کر دیا۔

"یہ سچ ہے۔" وہ اس کا طنز سمجھ گئی۔

"سچ کے بارے میں آپ بھی جانتی ہیں۔ لیکن کیا آپ عدن کی مدد نہیں کریں گی۔؟"

"میں۔؟" اس لفظ مدد کا تو اسے گمان بھی نہیں تھا کہ اسے کہا جائے گا اور اس سے یہ سوال پوچھا جائے گا۔

"آپ پہلی خاتون ہیں۔ دراصل کوئی پہلا انسان ہے، جو اس کیس کے سلسلے میں میرے پاس آیا ہے۔"

"ان کی وائف۔؟"

"ان دونوں کی علیحدگی ہو چکی ہے۔"

"عدن کا خاندان؟" وہ لفظ فادر استعمال کرنا نہیں چاہتی تھی۔

"وہ یہاں نہیں آسکتے۔ اس کے فادر نے کوشش کی تھی۔ انہیں ویزا ہی نہیں دیا گیا۔"

فادر کے نام پر ایک آسمانی بجلی اس میں سے ہو کر گزری۔

"میری جب بھی اس سے ملاقات ہوتی ہے۔ اس کا پہلا سوال یہی ہوتا ہے۔ "کیا افق ملی۔۔۔؟ کہاں چلی گئی وہ؟" مس افق! اسے آپ پر بہت یقین ہے کہ آپ اس کے لیے بہت کچھ کر سکتی ہیں۔ آپ دوست ہیں اس کی۔"

افق نے گھور کر اسے دیکھا۔ وہ خاموش سا ہو گیا۔

"میں نے بہت سی این۔جی۔اوز اور قانونی اداروں کو خطوط لکھے ہیں۔ لیکن کسی کی طرف سے کوئی تعاون نہیں ملا۔ اس کا کیس اتنی سست روی کا شکار ہے کہ اگر فیصلہ اس کے حق میں ہو بھی گیا تو سالوں لگ جائیں گے۔ آپ عدن کی مدد کریں گی مس افق؟"

پھر وہی سوال۔ افق بری طرح سے چڑ گئی۔ "میں

کیوں۔؟"

"آپ اس کی مدد کرنا نہیں چاہتیں۔؟" اس نے آرنکل پڑھتے ہی وکیل کو ڈھونڈ نکالا تھا۔ اس کے پرسنل نمبر پر فون کیا تھا۔ اس کے آفس آگئی تھی اور اب مدد کے نام پر اتنا چڑ رہی تھی۔ "ہاں، نہ" نہیں کر رہی تھی۔

"جس نفسیاتی کیفیت سے وہ گزر رہا ہے۔ اسے یقین ہے کہ صرف آپ ہی اسے آزاد کروا سکتی ہیں۔ آپ اس کی امید ہیں۔ اس کا یقین ہیں۔ اس کا ماننا ہے کہ آپ سب کچھ کر سکتی ہیں۔"

"غلط مانتا ہے۔" افق کی آواز تیز ہو گئی۔

"اس نے کہا۔ آپ اس کے لیے دعا کریں گی۔"

"اللہ ہر بے گناہ پر رحم کرے۔"

"اس سے چھوٹی سی غلطی ضرور ہوئی ہے۔ لیکن وہ دہشت گرد نہیں ہے۔"

"اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔"

"جو جانتا ہے اسے بتانے کے لیے وہ خود زمین پر نہیں آتا۔ بندوں کو ہی سچ اور جھوٹ ثابت کرنے کی کوششیں کرنی ہوتی ہیں۔"

"تو پھر یہ آپ کا کام ہے۔" مطلب افق نے انکار کر دیا۔

"آپ کس کام سے میرے پاس آئی ہیں؟" بہت تحمل سے پوچھا گیا۔

وہ دونوں اس کے آفس میں ایک طرف رکھے صوفوں پر آمنے سامنے بیٹھے تھے۔

"ایسے ہی۔" وہ آکر وہاں بیٹھ کر یہ سوال سن کر پھر پشیمان ہوئی۔

"ایسے ہی۔۔۔؟" اصرار سے پوچھا گیا کہ ثبوت دو کہ یہ ایسے ہی ہے۔

اس سوال اور انداز پر افق نے کوئی اور رد عمل نہیں دکھایا۔ وہ اٹھ کر جانے ہی والی تھی۔

"آپ دونوں پاکستانی ہیں۔ مسلم ہیں۔ وہ آپ کو جانتا ہے تو آپ بھی اسے جانتی ہوں گی۔ پاکستانی کمیونٹی میں سے کوئی اس کے لیے آگے نہیں بڑھ رہا۔ آپ لوگوں میں مدد کرنے کا جذبہ ہی ختم ہو گیا ہے۔ میرے پاس ایسے تین اور کیسز تھے۔ وقفے وقفے سے تینوں ختم ہو گئے۔ کمیونٹی نے، این۔جی۔اوز نے اس کی بہت مدد کی۔ کچھ اور بڑے نام سامنے آئے۔ دو کا تعلق تھائی لینڈ سے تھا، ایک کا سربیا سے۔ کیا سب پاکستانی سو رہے ہیں؟ کیا سب مسلم سو رہے ہیں؟ کیا آپ دونوں میں اتنا سا تعلق بھی نہیں ہے کہ آپ۔۔۔"

"میرا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔" وہ درمیان میں ہی بولی۔

"انسان تو ہیں آپ دونوں۔ تعلق نہیں ہے۔ انسانیت کا رشتہ تو ہے۔ پانچ سال سے وہ ایڑیاں رگڑ رہا ہے۔ دو بار خودکشی کی کوشش کی ہے۔ نفسیاتی دورے پڑتے ہیں اسے۔ خود کو زخمی کر لیتا ہے۔ دیواروں سے سر ٹکراتا ہے۔ چلاتا ہے۔ روتا ہے۔ چند ہفتوں بعد زخمی ہو کر وہ اسپتال ضرور جاتا ہے اور اس پر بھی وہ جب مجھے ملتا ہے تو کیس کا نہیں، آپ کا پوچھتا ہے۔ وہ اس انسان کے بارے میں بات کرتا ہے، جسے افق جانتی ہے۔ اس کے لیے کچھ بھی کر سکتی ہیں تو کریں۔ شاید تھوڑا ہی بہت ہو۔ اگر پاکستانی کمیونٹی کو اس بارے میں بتا سکتی ہیں تو بتائیے۔ انہیں جگائیں۔ اس سانحے کو سب کی نظروں میں لائیں۔ انسانیت کے ناتے۔ رحم کے ناتے۔ چیریٹی ہی سمجھ کر۔ خدا کے لیے۔"

افق یہ سب ایسے سن رہی تھی۔ جیسے اپنی کسی بیماری کے بارے میں ہدایات سن رہی ہو۔ ایسی بیماری جس کا اسے علاج کروانا ہی نہیں۔ رات بھر وہ خواب میں ڈرتی رہی تھی۔ سالوں پہلے اس کی یہ حالت تب ہوئی تھی۔ جب وہ عدن کے باپ کے ہاتھوں سے بچ نکلی تھی۔ اسی رات سوتے میں اس نے دل خراش چیخیں ماریں اور دورے سی کیفیت میں آگئی تھی۔ اماں، جمال، اسد سہم کر اٹھ بیٹھے۔ اماں اس کے ہاتھ پاؤں سہلانے لگیں۔ جمال پانی کے لیے بھاگا۔ اسد ڈر کے مارے رونے لگا۔

وہ دورہ دھوکے اور بے عزتی کے نام پر پڑا تھا۔ اس

WWW.PAKSOCIETY.COM

کے اندر آگ لگی ہوئی تھی۔ چھوٹے سے گھر میں باتھ روم میں جاکر اس نے اپنی چیخیں دبائی تھیں۔ رات گئے اس کی آنکھ لگی تو خواب میں وہ دھاڑیں مار تی رہی تھی۔ اس کی حالت دیکھ کر اماں پسینے میں نہا گئیں۔ انکی انکی سانسیں لینے لگیں۔ افق نے باقی ماندہ چیخوں کا دم گھوٹ دیا۔ اس نے اپنی ماں کی حالت کو دیکھا اور لب سی لیے ورنہ جس طرح اس کے باپ کے مرنے پر اس کی پھوپھی نے بین ڈالے تھے۔ ٹھیک اسی طرح وہ بھی بین ڈالنا چاہتی تھی۔ اس کی اگلی سسکی اس کی اماں کی جان لے لے گی۔ اس دن کے بعد سے افق اپنے وجود میں قید ہوگئی۔ کیا اسے قید کی سزا نہیں ہوئی تھی تب۔۔۔؟

اس کا جرم محبت تھا اور سزا کے نام پر اسے بہت کچھ بھگتنا پڑا تھا۔۔۔ محبت کے نام پر اس نے بھیانک سزا کاٹی۔

"کیا آپ ہماری مدد کریں گی؟" اس سے پھر پوچھا جارہا تھا۔

وہ خود سے پوچھنے لگی کہ اسے اس کی مدد کیوں کرنی چاہیے۔ وہ اسے چھوڑ گیا۔ اسے بھی ایسا ہی کرنا چاہیے۔ اس کی مدد اس پر فرض نہیں ہے۔ دنیا میں اور بھی لاکھوں انسان اسی کی طرح ہیں۔ ہر شخص اپنے نصیب کے مطابق ہی دکھ اٹھاتا ہے۔ جیسے وہ اپنے نصیب کے میٹھے پھل اکیلے اکیلے کھاتا ہے۔ عدن نام کا باب اس نے اپنی زندگی سے پھاڑ پھینکا ہے۔ اب وہ اس شخص کا نام بھی کہیں شامل کرنا نہیں چاہتی۔

"مجھے افسوس ہے کہ آپ مجھے کوئی جواب نہیں دے رہیں۔ جس شخص نے سالوں آپ کا انتظار کیا۔ اسے یہ جان کر بہت مایوسی ہوگی۔"

"آپ اسے میرے بارے میں نہیں بتائیں گے۔"

"ظاہر ہے۔۔۔ میں ایک مایوس شخص کو اور مایوس کیوں کروں گا؟"

افق وہاں سے اٹھ آئی اور بے مقصد سڑکوں پر چہل قدمی کرتی رہی۔ دوپہر کے کھانے کے لیے گئی اور آرڈر دے کر اٹھ گئی۔ وہ بیٹھنا چاہ رہی تھی، کھڑے چلنا۔ اس وقت اسے معلوم نہیں تھا۔ وہ یہ کا وقت کر رہی تھی۔ بے مقصد گھومتے پھرتے آگئی۔ صبح ناشتا بھی نہیں کیا تھا۔ دن میں صرف لے کر پیا تھا اور اب بھی کھانے کے بجائے وہ ڈھیر ہوگئی۔

دماغ میں آٹھ سالوں کے خاکے پر زے پر زے کراڑ رہے تھے۔ جھپک جھپک سب آجارہا تھا۔ لینڈ لائن فون بجنے لگا۔ دو گھنٹے سے وہ کاؤچ پر تھی۔ شام گہری ہورہی تھی۔ گھر کے اندر اندھیرا تھا۔ کوئی لائٹ بھی اس نے روشن نہیں کی تھی۔

"تمہارا فون کیوں بند ہے؟"

"اوہ! چارج نہیں کیا تھا۔"

"تم ٹھیک ہو؟"

"بالکل۔"

"کہاں تھیں تم؟"

"میں سو رہی تھی۔"

"سارا دن سوتی رہی ہو؟ اس سے پہلے کہاں تھیں؟"

"میں شاپنگ کرنے گئی تھی۔"

"کیوں گئیں؟" فرزام کو غصہ آگیا۔

"کیوں نہ جاتی؟" وہ حیران ہوئی۔

"تمہیں میسج بھی کیا تھا افق! تم کیوں گئیں؟" اس کی جھنجھلاتی آواز بلند ہوئی اور پھر وہ خاموش ہوگیا۔ "چلو ٹھیک ہے۔ اب تو تم گھر میں ہی ہو۔ مکمل بھابھی کے پاس چلی جانا۔ فارغ ہو کر ان ہی کے پاس چلی جایا کرو۔ بور نہیں ہوگی۔"

"میں تیار ہو کر چلی جاتی ہوں۔" اس نے پوچھا نہیں کہ وہ اسے باہر جانے سے کیوں روک رہا تھا۔

افق نے موبائل آن کیا۔ وکیل کے آفس بند جانے سے پہلے اس نے خود ہی اسے بند کردیا تھا۔ پاکستان سے یا فرزام کی کال نہ آجائے اور اس کے سے نکل جائے کہ وہ کہاں آئی ہے اور کس کے پاس اور کیوں ہے۔

"رات میں نیند میں ڈر گیا۔ خواب تھا شاید۔ خواب مجھے یاد نہیں۔ لیکن اس خواب اور ڈر کا تعلق تم سے تھا۔ میں نے خود ہی یہ نتیجہ اخذ کرلیا کہ کہیں تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچنے والا ہو۔ میری تسلی کے لیے تم ذرا احتیاط سے رہنا۔ گھر سے تو باہر جانا ہی نہ۔ مکمل بھابھی کے چلی جانا بس۔"

فرزام کا میسج پڑھ کر کل سے اب تک اسے پہلی بار سکون کی سانس آئی۔ اپنے شوہر کے اتنے فکر مند ہونے پر اس کا دل بھر آیا۔ وہ اس میسج پر ہاتھ پھیرنے لگی۔ دلوں میں سب سے پیارا دل فرزام کا تھا اور اس دل کی مالک وہ تھی۔ اس نے عدن کے خوف سے بچنے کے لیے اس کے لیے جوگ لے لینے کے ڈر سے فرزام سے شادی کی تھی۔۔۔ اور کون تھا جو فرزام کو پسند نہیں کرتا تھا اور وہ اسے سب سے زیادہ پسند کرتی تھی۔ اس نے اس کا نفسیاتی علاج کیا تھا۔ اسے پر اعتماد بنایا تھا۔ اسی نے اسے سکھایا تھا کہ لوگوں سے ڈرنا چھوڑ دے اور یونیورسٹی میں اس نے کسی بھی لڑکے سے ڈرنا چھوڑ دیا تھا۔ وہ بہانے بہانے سے اس سے باتیں کرنے آتے تھے اور وہ بڑے طریقے سے انہیں سیدھا راستہ دکھادیتی تھی۔

فرزام اس کی ذہنی تعمیر میں حصہ دار تھا۔ وہ اس کے قریب ہونے، چھوٹے گھر کی ہونے پر اسے کچھ جتاتا نہیں تھا۔ اس نے کبھی بھول کر بھی عدن کا نام اس کے سامنے نہیں لیا تھا۔ دونوں کا بہت ہی خاص قریبی رشتہ تھا اور دونوں ہی اس خاص رشتے کے ساتھ ایک دوسرے کے لیے بہت خاص تھے۔

تیار ہو کر وہ مکمل کے پاس آگئی، ڈنر اسی کے ساتھ کیا اور رات میں تین عدد نیند کی گولیاں کھا کر سوگئی۔

اگلی صبح عبدالعزیز کا میسج موجود تھا۔ وہ اسے دوبارہ ملنے کے لیے بلا رہا تھا۔ افق نے میسج ڈیلیٹ کردیا۔ آج اسے بہت سے کام تھے۔ اسے این جی او جانا تھا۔ انہیں اگلے ایونٹ کے لیے بریفنگ دی جانا تھی۔

دوسرے ہفتہ کا ایونٹ بھی شاندار رہا۔ اور مجموعی طور پر کافی منافع ہوا۔ اس کا اسکور اس بار بھی اچھا ہی تھا۔ سب کے لیے مشترکہ تالیاں بجوائی گئیں۔ فردا" فردا" ان کی تعریف کی گئی۔ مسٹر جین اس کے پاس بھی آئے۔ وہ پچاس پچپن سالہ چھ فٹ کے سفید فام امریکن تھے۔ سب سے ایسے باتیں کرتے۔ جیسے وہ ان کے شاگرد اور سامنے والا ان کا استاد محترم ہے۔ اتنی عاجزی تھی کہ سارا وجود ہی جھکا ہوا تھا۔ ہاتھوں پیروں کی انگلیاں بھی۔

"کیا آپ کو امریکی جیلوں کے بارے میں معلوم ہے کہ وہاں کتنے بے گناہ لوگ قید ہیں؟"

وہ اس کی تعریف کررہے تھے اور وہ اچانک سے ہی ان سے یہ سوال کر بیٹھی۔ مسٹر جین کی آنکھوں کا رنگ بدلا جیسے وہ جانتے تھے کہ یہ صرف ایک سوال نہیں ہوتا۔ مختلف ملکوں کے دوروں کے دوران ان سے ایسے سوال پوچھ ہی لیے جاتے تھے۔ خاص طور پر نوجوان تو ان کی جان کو آجاتے ہیں۔ صرف اس لیے کہ وہ خود ایک امریکی ہیں اور کسی بھی گورے کو دیکھ کر انہیں لگتا ہے کہ یہ بھی گوانتاناموبے کے ظالموں میں سے ایک ہے۔ اگر نہیں ہے تو اس ڈھانچے کا حصہ تو ضرور ہی ہے اور اگر یہ بھی نہیں تو چلو، وہ امریکی تو ہے نا جو اپنے علاوہ ہر مذہب اور قوم سے نفرت کرتا ہے۔ لیکن وہ ایک ایسی این جی او کے فعال کارکن تھے، جو تھرڈ ورلڈ کے لیے کام کرتی ہے۔ وہ صرف انسانیت کے لیے کام کرتے تھے اور اس میں ان کا کوئی ذاتی فائدہ شامل نہیں تھا۔

"میں کچھ کہہ نہیں سکتا۔" وہ گڑبڑا گئے اور مزید بحث سے بچنا چاہا۔

"آپ کی این جی او کو اس کے لیے بھی کام کرنا چاہیے۔"

"بہت سے امریکن بھی ان حالات کا شکار ہیں اور ایسے ہی جیلوں میں قید ہیں۔" وہ دراصل یہ ایک نکتہ واضح کرنا چاہتے تھے کہ صرف مسلمان ہی اس سب کا عتاب نہیں بنتے۔

"پھر آپ کو ان سب کے لیے کام کرنا چاہیے۔"

WWW.PAKSOCIETY.COM

"بہت سے دوسرے ادارے اس پر کام کررہے ہیں۔ ہم ان مسائل پر کام نہیں کرتے۔ ہماری این جی اوکا یہ منشور نہیں ہے۔"

"میں آپ کے لیے اتنی محنت کررہی ہوں مسٹر جین۔ آپ کو بھی ہمارے لیے کچھ کرنا چاہیے۔" افق نے سنا ہی نہیں کہ مسٹر جین نے کیا وضاحت دی۔ دوسرے لوگوں کی طرح اس کا بھی یہی ماننا تھا کہ امریکی سب کچھ کرسکتے ہیں۔ تباہی بھی اور آبادکاری بھی۔

"آپ کے لیے کیا؟" اس بات پر وہ اور الجھ گئے۔

افق کا مسٹر جین کو روک کر یہ سب کہنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ لیکن جب وہ اس کے پاس آئے تو نہ چاہتے ہوئے بھی اسے تھوڑا سا غصہ آگیا۔ اسے آرنیکل میں موجود باقی لوگوں اور دوسرے اعداد و شمار کا خیال بھی آیا اسے ایک دم سے یہ لگا کہ اپنے کام کے لیے تو یہ امریکی اس سے کام لے رہے ہیں تو اس کے کام کے لیے کیا یہ آگے آئیں گے؟ یہ سب سوچتے وہ یہ بھول رہی تھی کہ تھرڈ ورلڈ میں پاکستان بھی شامل ہے اور پاکستان کے دیہی علاقوں میں اسی این جی او کے کارکن ویکسین کی سپلائی کے لیے پہنچتے ہیں۔ مختلف انجکشن اور ڈراپس ان ہی کی طرف سے جاتے ہیں۔

اس نے انہیں ڈاکٹر عدن کے بارے میں بتادیا۔ وہ خاموشی سے سب سنتے رہے۔ دو دن بعد انہوں نے افق کو این جی او کے لیے اپنے رضاکار صحافی سے ملوایا۔ صحافی کا تعلق ایک بڑے میڈیا گروپ سے تھا اور وہ اس گروپ کے اخبار، میگزین اور ٹی وی کے لیے کام کرتا تھا۔ صحافی کی ملاقات اس نے عبدالعزیز سے کروادی۔ وہ اس معاملے میں پڑنا نہیں چاہتی تھی اور اگر وہ اس معاملے میں تھوڑا بہت شامل ہو ہی گئی تھی تو آگے نہیں آنا چاہتی تھی۔ اس نے عبدالعزیز سے وعدہ لیا تھا کہ اس کا نام اور شناخت سامنے نہیں آئے گی۔ خاص طور پر عدن کو اس بارے میں بالکل خبر نہیں ہونی چاہیے۔ عبدالعزیز کا خیال تھا کہ صحافی ان کی بہت مدد کرسکتا ہے اور وہ اس صحافی سے مل کر حقیقتاً "بہت خوش ہوا تھا چند ہی ہفتوں بعد مسٹر جین نے افق کو چند دوسری این جی اوز کی طرف بھیج دیا۔ انہیں افق کا کیا گیا طنز بہت برا لگا تھا۔ وہ بار بار بہت کے ساتھ یہ کہتے تھے کہ وہ جو کچھ کرسکتے ہیں، کریں گے۔ افق نے نہ چاہتے ہوئے بھی ان این اوز کے نمائندوں سے پھر بات چیت کی۔

مسٹر جین کے ساتھ کی گئی حادثاتی بات چیت کارگر ثابت ہورہی تھی۔ پیچھے ہٹتے ہٹتے، نہ نہ کرتے بھی افق اس سب میں اتنی شامل ہوگئی۔ این جی او کے نمائندوں نے وکیل سے ملاقات کی۔ اس سے کیس ہسٹری لی۔

"آپ نے مجھے حیران کردیا ہے۔" عبدالعزیز نے اسے میسج آیا۔ اس کا منہ بن گیا پڑھ کر۔ اسے یہ تعریف اچھی نہیں لگی۔ کاش! وہ کبھی آفس گئی ہی نہ ہوتی اور نہیں تو اس نے وہ رسالہ ہی نہ خریدا ہوتا۔

عبدالعزیز کی براہ راست بات چیت این جی اوز سے ہونے لگی۔ اس نے عبدالعزیز سے صاف صاف کہہ دیا کہ اس نے جتنے ریفرنس دینے تھے، وہ دے چکی۔ اب اسے پریشان نہ کیا جائے۔

آئندہ آنے والے چند اور ہفتوں میں ایک اور ہوا۔ صحافی اسکاٹ جو اس سارے معاملے کے لیے مواد اکٹھا کررہا تھا۔ اس نے دو سینیٹرز اور ایک کانگریس مان کے سامنے ایک لائیو ٹاک شو کے دوران اس مسئلے کو اٹھایا۔ عبدالعزیز کی طرح ایسے ہی کیسز ہینڈل کرنے والے دوسرے وکلا اور متاثرین کے خاندان کے افراد بھی شامل تھے۔ چند ڈاکومنٹریز چلائی گئیں۔ صرف شبہ پر قید مجرموں کی بابت طرح طرح کے سوالات کیے گئے۔ ایسے شوز وہاں آئے دن ہوتے ہیں۔ لیکن اس سے یہ ضرور ہوتا ہے کہ جن لوگوں کی نظروں سے ایسے واقعات چھپے ہوئے ہیں، کم از کم اس طرح ان کے کانوں تک یہ خبر ضرور پہنچ جاتی ہے۔ اسکاٹ نے اسی مسئلے پر ایک فیچر لکھا اور اس نے براہ راست حکومتی اداروں پر تنقید کی۔ چند اخبارات نے نئے سرے سے عدن اور اس جیسے کیسز کے بارے میں خبروں کو نمایاں جگہ دی۔ سالوں سے قید

ملزموں پر لوگوں کو بہت ترس آیا۔ یہ ان جیلوں میں بند کسی اور کے لیے وسیلہ بن رہا تھا یا صرف عدن کے لیے، یہ قدرت ہی بہتر جانتی تھی۔ لیکن اس تھوڑی سی حرکت سے شاید کسی کو بہت فائدہ ہونے والا تھا۔

این جی او کا ایک نمائندہ جاکر عدن سے جیل میں ملا۔ اسی این جی او نے مختلف کمیونٹیز کے لوگوں کو اکٹھا کرکے واک کا اہتمام کیا۔ افق کو بھی بلایا گیا۔ لیکن افق نہیں گئی۔ اب تو اسے ڈر لگنے لگا تھا۔ وہ یہ نہیں چاہتی تھی کہ اگر ایسے کیسز حل ہوجائیں تو منظر عام پر اسے لایا جائے کہ یہ سب اس کی وجہ سے ہوا ہے۔ اور نہیں تو کوئی صحافی اسی کے پاس نہ آجائے انٹرویو لینے۔ سڑک پر چلتے اگر کوئی اسے ایسے ہی دیکھ لیتا تو اسے یقین ہوتا کہ وہ کہہ رہا ہے کہ "اچھا! وہ تم ہو جو عدن کے لیے اتنا سب کررہی ہو؟ کون ہے عدن تمہارا؟"

"نہیں! میں نے کچھ نہیں کیا۔ اگر کیا تو ترس کھا کر انسانیت کے ناتے۔"

پھر اسے جانے کیوں کھوکھلے قہقہے بلند ہوتے سنائی دیے۔ بہت دن گزرے اسے عبدالعزیز کا فون آیا۔

"عدن ٹھیک ہی کہتا تھا کہ افق ہی اسے آزاد کرواسکتی ہے۔" وہ شاید اس کے تعاون کا اپنے الفاظ میں شکریہ ادا کررہا تھا۔

"میں نے کچھ نہیں کیا۔" وہ تقریباً چلا اٹھی۔

"آئی ایم سوری۔ آپ ناراض مت ہوں۔" عبدالعزیز گھبرا گیا۔ افق شرمندہ ہوئی۔

"میں ناراض نہیں ہوں۔ کیونکہ میں نے کچھ کیا ہی نہیں ہے۔ میں نے صرف آپ کے کہنے پر چند این جی اوز کو اس مسئلے کے بارے میں بتایا تھا۔ جو کچھ کیا ہے وہ آپ نے اور ان لوگوں نے کیا ہے۔ آپ پلیز! مجھے کریڈٹ نہ دیں۔ نہ ہی آپ میرا نام سامنے لائیں۔ آپ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ آپ میرا نام ظاہر نہیں کریں گے۔"

"میں اپنے وعدے پر قائم ہوں مس افق! آپ مجھے وعدہ خلاف نہیں پائیں گی۔ چند اخبارات میرا انٹرویو لے چکے ہیں۔ عدن کے فادر سے میں نے فنڈز منگوائے ہیں۔ یہی صحیح موقع ہے کہ ان این جی اوز کو فنڈز دیے جائیں۔ اس سے خاطر خواہ فائدہ ہوگا۔ چند پاکستانیوں نے رابطے کیے ہیں مجھ سے۔ وہ ہر طرح کے تعاون کے لیے تیار ہیں۔"

"آپ مجھے دوبارہ فون نہیں کریں گے۔" اس نے ساری تمیز تہذیب ایک طرف رکھ کر کہا۔

"ٹھیک ہے۔" اس نے فون بند کردیا۔

عبدالعزیز نے اپنا وعدہ پورا کیا اور دوبارہ فون نہیں کیا۔ ویک اپ کال دی جاچکی تھی۔ عدن جیسے پندرہ اور لوگوں کے کیسز نکل آئے تھے۔ سوشل میڈیا ان کیسز کے لیے زیادہ فعال تھا۔ باقاعدہ احتجاج کیے جارہے تھے۔ آئے دن نئی نئی خبریں سامنے آتی تھیں۔ ان کے خاندان کے لوگوں کے بیانات سامنے آتے تھے۔ سست رفتاری سے عدالت میں چلنے والے ان کیسز نے کچھ رفتار پکڑ ہی لی۔

☆ ☆ ☆

این جی او سے کیا گیا فنڈز ریزنگ کا معاہدہ مکمل ہوا اور اسے بہترین کارکردگی اور این جی او کارکن بننے پر سرٹیفکیٹ دیا گیا۔ جسے اس نے فریم کروا کر ریک پر سجالیا۔

فرزام نے ہفتہ بھر پہلے کالج میں اس کا آن لائن ایڈمیشن کروا دیا تھا۔ اس نے چھ ماہ کے ڈیزائننگ کورس کے لیے کالج جوائن کرلیا تھا۔ فرزام کے آنے تک اسے فارغ نہیں رہنا تھا۔ صبح سے دوپہر تک وہ کالج ہی میں ہوتی۔ وہاں سے اکثر اسٹور چلی جاتی۔ ایک پاکستانی اسٹور پر انہیں ایک سائیڈ کارنر مل گیا تھا۔ "چپز" کا لیبل اس کارنر پر لگا دیا گیا۔ اس نے کارنر کی سیٹنگ کرلی۔ دو دن بعد وہ وہاں کا چکر لگا لیتی تھی۔ رات کو وہ اپنے کالج کے اسائنمنٹ پر کام کرتی۔ ہلکی پھلکی مصروف زندگی جاری تھی۔ سب ٹھیک ہی تھا۔

اس کے پاس عبدالعزیز کا میسج آیا کہ وہ اسے ایک ضروری بات بتانا چاہتا ہے۔ افق کو یقین تھا کہ وہ

WWW.PAKSOCIETY.COM

اسے یہی بتائے گا کہ عدن کا کیس ختم ہوگیا ہے۔ اسے اس خبر سے کوئی دلچسپی نہیں تھی کہ کیس ختم ہوتا ہے یا وہ چند سال اور جیل میں رہتا ہے۔

عدن کے بارے میں پڑھتے اور جانتے ہی وہ تھوڑی جذباتی ہوگئی تھی۔ لیکن اب وہ مضبوط تھی۔ اس کے اعصاب قابو میں تھے۔ عدن کتنا بھی بے گناہ تھا۔ لیکن اس کے لیے وہ دھوکے باز ہی تھا اتنے سال اگر وہ اسے یاد کرتا رہا ہے تو "شاید ڈوبتے کو تنکے کا سہارا" کے مصداق وہ افق کا سہارا لیتا رہا ہے۔ ماضی میں وہ اسے دعاؤں کے لیے کہتا رہا تھا اور اس کا عقیدہ بن چکا تھا کہ صرف افق کی ہی ہر دعا قبول ہوتی ہے اور ضرور ہی قبول ہوتی ہے۔ اس طرح کی قید میں رہ کر کوئی بھی ایسے سہارے ڈھونڈ سکتا ہے۔ ایسے وقتوں میں ایسے افراد کو پھر ماضی ہی یاد آتا ہے۔ پھر وہ ان ہی لوگوں کو یاد کرتے ہیں جو اچھے تھے، مخلص تھے۔ ایسے افراد کو دھوکا دیا جاسکتا ہے بھلایا نہیں جاسکتا۔ وقت کا دھارا بدلتے ہی ایسے مخلص لوگ نتھر کر سامنے آکھڑے ہوتے ہیں۔

افق نے اس سب پر بھی یہ نہیں سوچا تھا کہ عدن کے ساتھ جو ہوا وہ افق کے ساتھ برا کرنے کی سزا ہے۔ افق اتنے پیارے دل کی تھی کہ اس نے یہ سوچا ہی نہیں۔ صرف اتنا تھا کہ وہ اپنے اندر سے اس شخص کی سب باقیات نکال پھینک رہی تھی۔

"عدن آپ کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔" عزیز کی آواز گونجی۔ فون پھسل کر اس کی گود میں آگرا۔ کچھ دیر سوچنے کے بعد اس نے خود ہی فون کرلیا۔

"کیسے؟ آپ نے اپنا وعدہ توڑا؟"

"این جی او کا جو نمائندہ اس سے جیل ملنے گیا تھا۔ اسی نے ذکر کیا آپ کا۔ اس بار میری اس سے ملاقات ہوئی تو وہ آپ کا بہت شدت سے پوچھ رہا تھا۔ میں خاموش ہی رہا اور لاعلمی ظاہر کی۔ لیکن کیا آپ اس سے ملنا چاہیں گی؟"

"ہرگز نہیں۔" اس نے سختی سے کہا۔

"اوکے! میں نے آپ کو مطلع کردیا ہے اس بارے میں۔" جواب دیے بنا اس نے فون بند کردیا۔ بے چینی گھبراہٹ میں بدل گئی۔ اس شخص کو یہ معلوم ہوگیا ہے کہ وہ یہاں ہے۔ اس کے لیے یہ سب افق نے کیا۔ افق جو یہ فیصلہ کرچکی ہے کہ وہ اسے اب دیکھنا بھی نہیں چاہتی۔ اب وہ شخص اس سے ملنا چاہتا ہے۔ بہت کوشش کی اس نے کہ اسائنمنٹ پر کام کرے۔ لیکن نہیں کرسکی۔ فرزام رات دن کرکے تھک جاتا تھا۔ وہ سو رہا ہوگا۔ ورنہ وہ اسے فون کرلیتی۔ اگر وہ سو نہ رہا ہوتا تو اس وقت آن لائن ہی ہوتا۔ اٹھ کر وہ نمل کے پاس آگئی۔ وہ ایک انگلش فلم دیکھ رہی تھی۔ وہ بھی ساتھ بیٹھ گئی۔ نمل نے قریب رکھی پلیٹ اس کی طرف بڑھائی۔

"کچھ اور لاؤں؟"

"نہیں۔" کہہ کر اس نے پزا کا ایک پیس اٹھالیا۔

"پریشان ہو؟" فلم کی ہیروئن کی لپ اسٹک پر نظر رکھ کر نمل نے پوچھا۔

"نہیں۔" وہ زبردستی مسکرائی۔

"فرزام کو یاد کررہی ہو؟" اس سوال پر وہ صرف مسکرادی۔

"فرزام سے کہو، ایک چکر لگا جائے۔ اتنا مصروف ہے کیا وہ؟" نمل کی نظریں اب بھی اسکرین پر ہی جمی تھیں۔

"بہت مصروف ہیں۔ ویک اینڈز میں بھی کام کررہے ہیں۔"

"پھر تو ٹھیک ہے۔ جلد ہی فارغ ہوکر آجائے گا۔"

یہ تو فرزام بھی اس سے کہتا تھا کہ رات دن دس لوگوں کی ٹیم کام کررہی ہے۔ چھ مہینے کے اندر اندر کام کو مکمل کرنا ہے۔ اس کے بعد وہ سوفٹ ویر میں تیکنیکی خرابیاں جانچیں گے۔ پھر اسے اپلائی کیا جائے گا۔ مارکیٹ میں لایا جائے گا۔ اب جب وہ اس سے آن لائن باتیں کرتا تو چھوٹے چھوٹے جملے بنا جھجکے کہہ دیتا۔ وہ اسے بہت یاد آتی ہے کہ اس کی آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں اور کبھی کبھی اتنا کہ وہ کمانڈز لکھنے کے بجائے اس کا نام لکھ دیتا ہے۔ اب وہ اسے یاد کرتے ہوئے سوتا ہے اور یاد کرتے ہوئے اٹھتا

ہے۔ مزید اسے دو عدد پرچائیں کہ کینیڈا سے پرواز کرکے وہ اس کے پاس آجایا کرے۔ کبھی کبھی اس کا جی چاہتا کہ وہ کمپنی کے ساتھ معاہدہ چرا کر پھاڑ کر پھینک دے۔ ایک دن وہ لیپ ٹاپ پر ذرا آگے کو جھکا اور دو انگلیاں اسکرین پر رکھیں۔

"میں تمہاری ناک کو پکڑ کر ایسے ایسے کرنا چاہتا ہوں۔" انگلیاں دائیں بائیں ہوئیں "اور پھر تمہاری ٹھوڑی کو ایسے پکڑ کر چہرے کو اوپر اٹھانا چاہتا ہوں۔" ساتھ ہی ٹشو سے لیپ ٹاپ کی اسکرین صاف کی۔ "سب گلابی گلابی کیوں ہورہا ہے۔"

وہ ہنسی اور گلابی ہوگئی۔

"تم بہت خوب صورت ہو۔" ٹھہر کر سرگوشی کی۔

اس نے ادا سے ٹھوڑی کے نیچے بایاں ہاتھ ٹکالیا۔

"اور تمہاری آنکھیں جب ذرا سا جھک کر اٹھتی ہیں اور میری آنکھوں سے ملنا نہیں چاہتیں۔ آس پاس سے بچ کر نکل جاتی ہیں تو کمال لگتی ہیں۔ ہاں۔ ہاں۔ بالکل ایسے ہی۔"

ٹشو سے پھر اسکرین صاف ہونے لگی۔

باقی کا وقت وہ ان باتوں کو بار بار سوچ سوچ کر گلابی ہوتی رہتی اور پھر اس کا جی چاہتا کہ فرزام ایسی ہی باتیں کرتا جائے بس۔ بلکہ وہ دونوں ہی ایسی چھوٹی چھوٹی باتیں کرتے رہیں۔ خوش ہونے کے سامان پیدا کرتے رہیں اور محبت کی طرف بڑھتے ہی جائیں۔ نمل کے ساتھ فلم دیکھتے دیکھتے وہ اونگھنے لگی تو اپنے گھر میں آکر سوگئی۔ فرزام کے بارے میں سوچتے سوچتے وہ ایسے ہی گہری نیند میں چلی جاتی۔ نعمت ہوتے ہیں وہ تعلق، وہ رشتے جو تھپک تھپک کر سلادیتے ہیں۔ سکون کی نیند کا باعث بنتے ہیں۔ والدین کی آغوش میں بچے ایسے ہی جھٹ سے نہیں سوجاتے۔ اور ایسے تعلق جو نیندیں چھین لیں۔؟

☆ ☆ ☆

کالج میں اس کی دو تین اچھی دوستیں بن گئی تھیں۔ وہ انہیں چنرکی کلیکشن دکھانے اسٹور بھی لے گئی۔ وہ سب اس بات پر کافی حیران ہوئیں کہ وہ پہلے سے ہی زندگی میں اتنی کامیاب ہے۔ اس کامیابی کے لیے افق نے کافی پاپڑ بیلے تھے اور کامیاب ہونے کے لیے پاپڑ بیل لینے چاہئیں۔ محنت اور کام سے گھبرانا نہیں چاہیے۔

ان ہی دوستوں کے ساتھ وہ کبھی کبھار سیر کے لیے بھی چلی جاتی تھی۔ وہ لوگ اکٹھے خریداری بھی کرلیتے تھے کافی پیتے تھے، آئس کریم کھاتے تھے، اسائنمنٹ میں ایک دوسرے کی مدد کرتے اور فون پر گپ شپ لگا لیتے تھے۔

کالج سے نکل کر وہ سڑک پر آئی۔ اسے بس اسٹاپ تک پیدل جانا تھا۔ اسے ایسی کوئی جلدی بھی نہیں تھی وہ آرام آرام سے چل رہی تھی۔ اکثر وہ راستے میں آنے والے ایک ہندوستانی ریسٹورنٹ سے لنچ کرلیا کرتی تھی۔ لیکن یہ اس کے مزاج اور بھوک پر تھا کہ وہ ریسٹورنٹ سے لنچ کرلے یا گھر جاکر نمل کے ساتھ۔ آہستہ آہستہ چلتی وہ سوچ ہی رہی تھی کہ ایک دم سے کسی نے پیچھے سے آکر اس کی آنکھوں پر ہاتھ رکھے۔ اس نے اتنی زور سے چیخ ماری کہ تیز تیز پیدل چلتے راہ گیر بھی رک کر اسے دیکھنے لگے۔

"یہ میں ہوں۔" فرزام اس کے سامنے آیا۔ ریسٹورنٹ کا دروازہ کھولے ایک امریکی کھڑا اسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ جیسے پوچھ رہا ہو۔ "سب ٹھیک ہے نا؟"

"سارے سرپرائز کا مزا خراب کردیا تم نے۔" فرزام بری طرح سے شرمندہ ہوا۔ "کالج سے آرہی ہو یا کوئی ہارر مووی دیکھ کر۔"

اس کے اوسان اور سانس بحال ہوئی جیسے "اوہ! تو یہ تم ہو"

وہ اپنی جگہ پر بہت شرمندہ ہوئی۔ رات سے ہی ڈری ہوئی تھی۔ گھر کے دروازے کے باہر۔ کھڑکی سے باہر۔ کوئی کھڑا محسوس ہورہا تھا۔ کالج آتے ہوئے کوئی پیچھے آتے محسوس ہورہا تھا کئی دنوں سے ایسے ہی چل رہا تھا۔ فرزام کو دیکھ کر خوش بھی نہیں ہوسکی۔ چہرے

WWW.PAKSOCIETY.COM

سے کشمکش ہی نمایاں تھی۔
"مجھے لگا کہ خوشی سے تم مجھ سے لپٹ جاؤ گی۔ تم نے تو سب کو ہی چونکا دیا۔" اس کا اشارہ راہ گیروں کی طرف تھا۔
"میں ڈر گئی تھی۔ میں حیران بھی ہوئی ہوں۔" اس نے بات کو سنبھالا۔
"بہرحال میں بہت ناراض ہوں اب۔" ہاتھ سینے پر باندھ کر فوجی مارچ کے سے انداز میں وہ آگے آگے چلنے لگا' تیز تیز۔
"میں منالوں گی۔" وہ پیچھے پیچھے ساتھ ساتھ آنے لگی۔
وہ منہ پھلائے چلتا ہی رہا۔ تیز سے تیز ہو تا گیا۔
"پلیز رکو۔" ساتھ ساتھ تیز تیز چلتے وہ ہانپنے لگی۔
وہ اور تیز ہو گیا۔ اب وہ تقریباً" بھاگتی ہوئی اس کے عین سامنے جا کھڑی ہوئی۔
"آئی ایم سوری۔" دونوں کان پکڑ کر بے چاری سی صورت بنا کر کہا۔
فرزام نے اس کی ناک پکڑلی اور دائیں بائیں زور زور سے جھٹکے دینے لگا۔
"آہ۔ مجھے درد ہو رہا ہے مسٹر۔"
"اس ہولناک چیخ سے میں بھی ڈر گیا تھا میڈم!"
ناک بدستور دائیں بائیں ہلائی جا رہی تھی۔ کان بدستور پکڑے ہوئے تھے۔ دونوں ایک فریم میں اچھی تصویر بنا رہے تھے۔

☆ ☆ ☆

فرزام جمعہ کو آیا تھا اور دو دن رہ کر چلا گیا اس بار افق کا جی چاہا کہ اسے واقعی میں نہ جانے دے۔ اسے پکڑ کر گھر میں لاک کر دے اور خود بھی لاک ہو جائے۔ لیکن وہ صرف اس سے ملنے کے لیے آیا تھا اور اس کا کہنا تھا کہ اگر وہ اب بھی ملنے کے لیے نہ آتا تو یقیناً" اس کا دم نکل جاتا۔
"چند ہفتوں کا ہی کام رہ گیا ہے۔ میں کسی بھی وقت آسکتا ہوں۔ خیر! ایسا سرپرائز تو تمہیں اب نہیں دوں گا۔ بس تم تیار رہنا۔ ساری خریداری کر لینا اپنی یا ہم مل کر کریں گے۔ بہت اچھے پیسے مل رہے ہیں مجھے بہت کچھ لے کر دے سکتا ہوں تمہیں۔ چاہو تو فہرست بنا لینا۔ ڈھونڈ ڈھونڈ کر چیزیں لکھنا۔ انکار نہیں کروں گا۔ دونوں ماؤں کو پہلے سے ہی پیسے بھجوا دیے ہیں اور تمہارے بزنس میں بھی پیسے انویسٹ کر دوں؟ جاب کا کانٹریکٹ سائن کرتے ہی تمہیں امریکا میں یا جہاں تم کہو گی ایک اسٹور لے دوں گا۔ دبئی کیسا رہے گا؟ برطانیہ جانے کا خیال میں نے دل سے نکال دیا ہے اب میں برطانیہ کو سزا دینا چاہتا ہوں۔ اسے مجھ جیسا قابل لڑکا نہیں ملنا چاہیے۔ عارضی شہری کے طور پر بھی نہیں۔ کیا معلوم وہ مجھے ہتھیا ہی لے۔ مجھ سے کہے کہ شہریت لے لو یہاں کی۔ لیکن میں انکار کر دوں گا۔ میرا خیال ہے' کمپنی مجھے ساؤتھ ایشیا ہی بھیجے گی۔ میں اوکے ہوں۔ وہ مجھے جہاں بھی بھیج دیں۔ کیا خیال ہے تمہارا؟"
"میں بھی اوکے ہوں۔"
"مجھے تو لگتا ہے کہ تم نے میری کوئی بات سنی ہی نہیں۔"
"یہاں سے سن کر یہاں سے نکال دی۔" اس نے دائیں سے بائیں کان کی طرف اشارہ کیا۔
"تم پریشان ہو افق؟" وہ ہنس رہی تھی۔ لیکن اسے لگا کہ وہ خود پر پردے ڈال رہی ہے۔
"ایسا کیوں ہو گا بھلا؟" جواب نہیں دیا۔ سوال کر لیا الٹا کہ سوال کا جواب کیا دیتی۔ خوف نام کی ایک بیل اس کے اندر پھولتی پھیلتی ہر شے سے لپٹتی جا رہی تھی وہ ٹھیک کہہ رہا تھا کہ وہ پردے ڈال رہی ہے ہنسی اور مسکراہٹ کے۔ اگر وہ یہ پردے ہٹاتی تو فرزام اس سے کئی سوال کرتا۔ ہر سوال کا جواب نہیں تھا اس کے پاس اور اگر ہر سوال کا جواب دے بھی دیتی تو شاید فرزام کی تسلی نہ ہوتی اور ان دونوں میں کچھ نہ کچھ ضرور بگڑ جاتا۔ اس نے خود کو روکے رکھا اور اس سے کہا نہیں کہ کانٹریکٹ کو چرا کر پھاڑ آؤ اور آؤ! بھاگ چلتے ہیں امریکا سے راتوں رات اور پاکستان چل کر اپنی

زندگی گزارتے ہیں۔ آؤ! ہم دونوں ساتھ ہی چلتے ہیں۔ لیکن وہ کہہ نہیں سکی اور فرزام اکیلا ہی واپس چلا گیا۔ لیکن واقعی صرف چند مزید ہفتوں کے لیے۔ وہ اسے لینے ایرپورٹ گئی۔ رات کو فرزام نے اس کا بازو پکڑ کر اپنے بازو میں دیا اور دونوں نیو بری (New Bury) آگئے۔
فرزام بہت خوش تھا۔ جیسے ہر کام سے فارغ ہو چکا ہو۔ جیسے طویل محنت کے بعد اسکول کے بچے امتحان سے فارغ ہوتے ہیں اور جیسے ایک لمبے انتظار کے بعد کوئی خاص دن آتا ہے۔ آخر آ ہی جاتا ہے۔ دونوں ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ افق نے فہرست نہیں بنائی تھی۔ اچھا ہی کیا تھا کہ نہیں بنائی کیونکہ بنا فہرست کے ہی وہ اتنا سب کچھ لے رہا تھا۔ اس نے اس سے جس فرکوٹ کا وعدہ کیا تھا' ایک بڑے اسٹور سے وہ فرکوٹ لے رہا تھا۔
"پیرس فرکوٹ کے بغیر نہیں جانا چاہیے۔" ساتھ اسے بتایا۔
وہ بار بار اس کی پسند کے کوٹ پہن پہن کر دیکھتی رہی۔ جو اسے اس پر اچھا لگا' وہ اس نے لے لیا۔ پھر اس کے دائیں بائیں ہاتھوں میں طرح طرح کے ہولڈنگ بیگز پکڑا پکڑا کر بیگز پسند کیے۔ بڑے بڑے شولڈر بیگز الگ سے لیے۔ اس وقت اس کا خریداری کا تجربہ اچھے اچھوں کو مات دے سکتا تھا۔
"اگر پیرس میں مجھے کسی نے یہ کہہ دیا کہ میری بیوی کتنی اولڈ فیشن ہے تو میں اس کا جبڑا توڑ دوں گا۔ کیا تم چاہتی ہو کہ میری وہاں کسی سے ایسے لڑائی ہو؟" وہ انتہائی سنجیدگی سے سوال کر رہا تھا۔
"تم سے ایک رولیکس کا وعدہ بھی کیا تھا میں نے۔"
سارے وعدے اس نے خود ہی کیے تھے اور سارے وعدے وہ یاد سے خود ہی پورے کر رہا تھا۔ اس کے پاس واقعی بہت پیسے آگئے تھے۔ افق نے اسے اپنا کریڈٹ کارڈ دینا چاہا۔ لیکن اس نے اس کا بیگ کھول کر اس میں سے چند ڈالرز نکال لیے۔
"تمہاری طرف سے فی الحال آئس کریم کھا لیتے ہیں۔"
وہ ڈبل ڈیک آئس کریم لے آیا۔ آئس کریم اتنی بڑی تھی کہ وہ دونوں پندرہ منٹ سے اسے کھا رہے تھے۔ شاپنگ بیگز ہاتھوں میں پکڑے نیو بری کی سڑکوں پر گھوم رہے تھے۔
"تم یہیں کھڑی رہنا۔ میں ابھی آیا۔ دیکھو! میرے پیچھے نہ آنا۔ اگر تم میرے پیچھے آئیں یا مجھے دیکھا کہ میں کہاں ہوں اور کیا کر رہا ہوں تو میں اتنے سارے لوگوں کے درمیان سڑک کے عین وسط میں سچ مچ زمین پر پھیل کر رونے لگوں گا۔"
رش میں اسے ایک طرف کھڑا کر کے وہ کہہ کر اسے اپنی طرف سے الٹی طرف گھما کر اس کے پیچھے سے چلا گیا۔ کچھ ہی دیر میں افق فوراً" پلٹی۔ اس نے دیکھ لیا تھا کہ وہ ایک بڑی جیولری شاپ میں جا رہا تھا۔ وہ مسکرانے لگی۔ وہ جانتی تھی' وہ اس کے لیے ایک عدد انگوٹھی لینے جا رہا ہے۔ ایک ایسی انگوٹھی کا نہ اس نے وعدہ کیا تھا' نہ ہی تذکرہ۔ وہ اسے پروپوز کرے گا۔ پروپوز کرنے کا بھی اس نے وعدہ نہیں کیا تھا۔ لیکن اس کی اسے خواہش تو بہت ہو گی۔ پرانی انارکلی میں وہ اس سے شادی کا کہہ رہا تھا۔ اب وہ اس سے اپنی محبت کا کہے گا۔ پہلے اس نے بتایا تھا کہ وہ اس سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ اب وہ بتائے گا کہ وہ اس سے کس قدر محبت کرتا ہے۔
نیو بری کی پررونق سڑکوں کی رونق مزید بڑھ گئیں۔ رات کی چکاچوند میں اضافہ ہو گیا۔ گہما گہمی بڑھنے لگی دور و نزدیک بڑی بڑی دکانوں اور اسٹورز پر لگے بورڈز اور جگمگانے لگے۔ اپنی مام ڈیڈ کے ہاتھ پکڑے 'پارپ کارن' آئس کریم کھاتے مسکراتے بچے ایک دوسرے کے ہاتھوں میں ہاتھ دیے نوجوان لڑکے لڑکیاں۔ یہ سب افق کو بہت اچھا لگا۔
"فرزام اس کے لیے انگوٹھی لینے گیا ہے۔"
چند دنوں سے وہ جتنی پریشان تھی۔ وہ پریشانی جاتی رہی۔ وہ افق سے صرف مسز فرزام بن گئی۔ ایک

WWW.PAKSOCIETY.COM

عرصے سے اس کی زندگی مستحکم تھی۔ لیکن اب وہ وقت تھا جب وہ بے حد خوش تھی۔ ایک عورت کو اپنی زندگی میں ہر پل اس ایک لمحے کا انتظار ضرور ہوتا ہے جب کوئی مرد اس کے سامنے گھٹنے ٹیک دے اور وہ اس بات کا اقرار کرے کہ اس کے دل پر اس کا راج ہے اور وہ اس راج میں غلام بننے کے لیے بخوشی تیار ہے۔ اس گھٹنے ٹکائے غلام پر خود کو لٹا دینے کو جی چاہتا ہے۔ اسے اپنا سردار اپنے سر کا تاج بنانے کو جی چاہتا ہے۔ دونوں ایک دوسرے پر راج کرتے ہیں اور دونوں ہی ایک دوسرے کے غلام ہو جاتے ہیں۔

ان گئے سالوں میں وہ فرزام سے متاثر ہوئی تھی۔ اسے اچھا جانا تھا۔ وہ ہیرے کے دل والا تھا اور اس ہیرے کے دل میں اس نے اپنی تصویر دیکھ لی تھی۔ وہ دنیا میں سب سے پیارا تھا اور وہ اسے بھی سب سے زیادہ پیارا تھا۔

سڑک کے ایک طرف کنارے پر کھڑے افق یہ اعلان کرنے کے لیے تیار تھی کہ انسانوں میں ایک بے حد پیارے انسان "فرزام" سے وہ محبت کرتی ہے اور بے حد کرتی ہے۔ کرتی رہے گی اور کیے بنا رہے گی نہیں۔ اس اعلان کو کرتے وہ جھجکے گی نہیں۔ وہ وہاں سے گزرتے ہر شخص کو روک روک کر یہ بتا دینا چاہتی تھی کہ دیکھو! میں کتنی خوش قسمت ہوں۔ تم سب کتنے بدنصیب ہو۔ فرزام صرف میرے پاس ہے اور تم سب اس جیسے کے بغیر ہو۔ وہ تمہیں نہیں ملے گا۔ وہ صرف میرا ہے۔ اب وہ یہ بھی چاہتی تھی کہ وہ آئس کریم والے کو بیگ میں سے نکال کر بہت سارے ڈالرز پکڑا دے اور کہے کہ سب میں ساری آئس کریم مفت بانٹ دے۔ سب کو آئس کریم ملنی چاہیے سب کو مسکرانا چاہیے۔ آس پاس سے گزرتے لوگوں کو چاہیے کہ اسے فردا" فردا" مبارک باد دیں۔ سب اکٹھے ہو کر اسے چیئر کریں۔ مل کر تالیاں بجائیں اس کے لیے کوئی محبت بھرا لوک گیت گائیں۔ ہر تہوار کی آمد کا جشن منایا جاتا ہے۔ محبت کی وقوع پذیری کا جشن بھی شان سے منایا جانا چاہیے۔ اس جشن میں باقی سب جشنوں کو مات دے دینی چاہیے۔

محبت کی دھنک ابھر کر جب سامنے آتی ہے تو اس کے ساتھ جھول کر ناچنے گانے کو ہی جی چاہتا ہے۔ بے خودی کے رقص ایسے ہی نہیں ہو جاتے۔ یہ واقعہ صرف محبت ہی واقع کرتی ہے۔ وہ عشق حقیقی ہو یا مجازی بھوم جانے کو دونوں میں ہی جی چاہتا ہے۔

نشو سے ہونٹ صاف کر کے افق چند قدم چل کر اس شاپ کی طرف گئی۔ جس طرف فرزام گیا تھا۔ لیکن وہ اسے باہر نکلتا نظر آ گیا۔

"کیوں آ رہی تھیں میرے پیچھے؟" وہ خفا ہوا۔

"میں کب تک اکیلی کھڑی رہتی آخر؟"

"تھوڑی سی دیر تم اکیلی نہیں رہ سکتیں؟"

"نہ۔۔۔ نہ۔" اس نے ساتھ تیزی سے بچوں کی طرح سر ہلایا۔ فرزام کے ہاتھ میں کوئی شاپنگ بیگ نہیں تھا۔ جاتے ہوئے وہ اپنے ہاتھ میں پکڑے بیگز بھی اسے ہی پکڑا گیا تھا۔ انگوٹھی پھر یقینا" اس کے کوٹ کی جیب میں ہو گی۔ افق نے نظروں ہی نظروں میں اس کا جائزہ لیا اس نے بازو اس کی کمر میں حمائل کیا اور اسے ساتھ لے کر چلنے لگا۔ وہ اس کی طرف ہی دیکھ رہی تھی۔

"کیا تمہیں مجھ سے کچھ چاہیے؟" یہ سوال ایسے تھا۔ جیسے کیا ایک اور آئس کریم کھانی ہے۔ وہ اسے انتظار کروانا چاہتا تھا۔ ابھی یہ مرد گھٹنے ٹیکنے میں وقت لے گا۔

"ہاں!" فورا" کہا۔ "جو اندر سے لائے ہو۔"

"کہاں اندر سے؟" اس نے ذرا سی گردن گھما کر پیچھے کی طرف دیکھا۔

"میں نے تو کچھ نہیں لیا دیکھو! میرے ہاتھ خالی ہیں۔" دونوں ہاتھ آگے کیے۔

"کوٹ کی جیب میں ہو گا۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر بولی۔ اس نے دائیں طرف کی جیب میں ہاتھ ڈالا۔ خالی باہر نکالا۔ پھر بائیں جیب میں ہاتھ ڈالا۔ خالی ہاتھ آگے کیا۔

"کچھ ہے ہی نہیں۔" مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

"اندر والی جیب میں ہو گا۔" کوٹ کا دایاں کونا اٹھا کر اس نے کہا۔

فرزام کا ہاتھ اندر گیا۔ "آں۔۔۔ چلو! دیکھتے ہیں۔ کچھ مل ہی نہیں رہا۔"

وہ ہنس رہا تھا۔ پھر ہاتھ باہر آ گیا اور وہ مٹھی کی صورت بند تھا۔

"دیکھا! ہے اس میں کچھ۔۔۔ کھولیے اسے۔"

"سوچ لو افق! یہ خالی بھی ہو سکتا ہے۔"

"اگر یہ خالی ہوا تو یہاں سب کے درمیان نیچے بیٹھ کر میں رو دوں گی۔"

"اچھا! پھر ذرا آنکھیں بند کرو۔"

وہ اس کا بازو تھام کر بھیڑ میں سے نکال کر ایک طرف کونے میں لے گیا۔ دونوں آمنے سامنے کھڑے تھے۔ ذرا دور ایک بینچ پر ایک درمیانی عمر کا جوڑا بیٹھا برگر کھا رہا تھا۔ دونوں کا انداز اور مسکراہٹ ایسی تھی کہ وہ افق اور فرزام کی طرف ایسے ہی دیکھنے لگے۔ افق نے آنکھیں بند کر لیں اور بند کی ہی تھیں کہ تڑپ کر کھول دیں اور بجلی کی سی تیزی سے پیچھے پلٹی۔ جبکہ فرزام تو سامنے کھڑا تھا۔ مٹھی اس نے کھول لی تھی انگوٹھے اور شہادت کی انگلیوں میں انگوٹھی پکڑ لی تھی لیکن "افق" کی آواز سے وہ پیچھے دیکھنے لگی۔

اس کی بدقسمتی اس کی فاش غلطی پیچھے کھڑی تھی۔

"تم آئی کیوں نہیں؟" وہ پوچھ رہا تھا۔ "شام پانچ بجے کا وقت دے رکھا تھا۔ اب دس بجے رہے ہیں۔"

انگوٹھی کو مٹھی میں ہی بھینچ کر فرزام دو قدم آگے ہوا۔ اس کے برابر آ کر کھڑا ہوا اور اس کی طرف دیکھنے لگا۔ ایک نظر افق کو دیکھا۔ وہ اس وقت چکرا کر گرنے کے قریب تھی۔

وہ مسکرا رہا تھا۔ "تمہیں میں بعد میں پوچھتا ہوں۔ یہ کون ہیں؟ ان سے تعارف کرواؤ۔ تمہارے کزن ہی ہوں گے۔ میں اپنا تعارف خود ہی کروا دیتا ہوں۔ آئی ایم ڈاکٹر عدن غلام علی۔ آپ کہہ سکتے ہیں افق کا ایمان۔"

ہاتھ اس نے آگے کیا۔ جسے تھاما نہیں گیا۔ فرزام افق کی طرف دیکھ رہا تھا۔ افق عدن کے آس پاس پھیلے اندھیرے کو دیکھ رہی تھی۔ جو اسی کی طرف بڑھ رہا تھا۔ افق گونگی بن گئی اور فرزام بہرا ہونے کے قریب تھا۔

"افق کا ایمان" فقرے کی بازگشت بہت جان لیوا تھی اور یہ بازگشت تھم ہی نہیں رہی تھی۔ کینیڈا میں ترتیب دیے گئے سارے جملے اس بازگشت کے بھنور میں جا پھنسے۔

"ایک ہفتہ پہلے مجھے یہ ملی تھیں۔ آج کے دن کا وعدہ کیا تھا' دوبارہ ملنے کا۔ یہیں قریب میں ہی ایک ہوٹل ہے۔ میں کافی دیر سے وہاں بیٹھا انتظار کر رہا تھا۔ وہاں تو یہ آئیں نہیں' یہاں نظر آ گئیں۔ میرے رہا ہونے کو سیلیبریٹ کرنا تھا۔ سب افق کی وجہ سے ہی ہوا۔ ورنہ میں ابھی تک جیل میں ہی ہوتا۔"

افق نے فرزام کا بازو کھینچا۔ "چلیے! گھر چلتے ہیں۔"

"یہ کیا کہہ رہا ہے افق؟" فرزام کو اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ وہ جو سن رہا تھا اس کے بعد لگتا تھا کہ اگلا کچھ سنائی نہیں دے گا۔

"یہ جھوٹ بول رہا ہے۔" افق بمشکل کہہ سکی۔

سامنے کھڑا عدن مسکرایا۔ "یہ کریڈٹ لینا ہی نہیں چاہتی۔ میں نے ٹیبل صرف دو لوگوں کے لیے ہی بک کروائی ہے۔ ورنہ میں آپ کو بھی ضرور انوائٹ کرتا۔ آپ سمجھ ہی سکتے ہوں گے۔" وہ فرزام کی طرف دیکھ کر بات کر رہا تھا۔ آخر میں گھٹیا انداز سے آنکھ ماری۔

شریف بیویوں کے شریف شوہر سرراہ ایسے الفاظ اور ایسے گھٹیا انداز پر گریبان پکڑ لیا کرتے ہیں۔

"یہ کیا کہہ رہا ہے؟" پھر سے یہی سوال سختی سے کہا گیا۔

"چلیے گھر پلیز۔" افق اس کا کوٹ کھینچ رہی تھی۔

"یہ مجھے بلاوجہ تنگ کر رہا ہے۔"

"میں تنگ کر رہا ہوں۔" وہ ہنسا۔ "تم ایسے کیوں بات کر رہی ہو؟ ابھی چند دن پہلے تو تم مجھ سے ملی

WWW.PAKSOCIETY.COM

تھیں۔ ملی تھیں کہ نہیں؟ تب تو تم ٹھیک تھیں۔ اب ایسے بات کررہی ہو۔ اپنے کزن سے ڈر رہی ہو؟ انہیں میرے بارے میں بتایا نہیں؟

افق نے فرزام کے بازو پر دباؤ ڈالا اور آگے چلنے لگی۔

"تمہارا یہ رویہ مجھے حیران کررہا ہے افق!" ساتھ ساتھ چلتے وہ بلند، حیران آواز میں بولا "تم نے مجھے جیل سے ضمانت پر آزاد کروایا ہے۔ مجھے اپنا شکریہ تو ادا کرنے دو۔"

وائٹ گولڈ کی انگوٹھی فرزام کی مٹھی میں ہی شرمندہ ہوگئی۔ اس کا بازو گھسیٹتی تیز تیز چلتی افق اسی انگوٹھی میں ٹوٹ پھوٹ گئی۔ فرزام نے اپنا بازو افق کے ہاتھ سے آزاد کروایا۔

"تم نے اسے جیل سے آزاد کروایا؟" خود رک کر اور اسے بھی روک کر وہ پوچھ رہا تھا۔ عدن دو قدم دور کھڑا تھا۔ افق نے فرزام کی طرف التجا سے دیکھا کہ یہاں سرراہ اس گناہ کے سامنے، جو دو قدم ہی پیچھے کھڑا ہے، یہ سب نہ پوچھے۔ اس پر شک ضرور کرے لیکن اس پر یقین بھی رکھے۔

اپنے پیچھے کھڑے شخص سے اسے نفرت تھی۔ اپنے سامنے کھڑے شخص میں اس کی جان تھی اور ان دونوں کے درمیان کھڑی وہ ڈوب مرنے کے قریب تھی۔ اس کی خوشی ملیامیٹ ہوگئی۔ اس بار سرراہ اس کی عزت پر غلام علی نے نہیں، عدن غلام علی نے ہاتھ ڈالا تھا۔

کیا وہ یہ کہتی، ہاں کیا۔۔۔ یا کہتی نہیں۔۔۔ دونوں ہی سچ تھے اور دونوں ہی جھوٹ تھے۔ اس سوال کا سیدھا جواب کوئی نہیں تھا۔ اس سوال کے سب الٹے اور الجھے ہوئے جواب تھے۔ جواب دینے میں یہ معمولی سا تامل فرزام کو بہت سے جواب ایسے ہی دے گیا۔ ایک دم ہی وہ افق سے بہت دور جا کھڑا ہوا۔۔۔ بہت دور۔

"تم اپنا وعدہ پورا کرو۔" وہ آگے بڑھا۔ اس کے ہاتھ سے بیگز لیے اور تیزی سے چلنے لگا۔

"فرزام!" اس نے بلند آواز میں چیخ ہی ماری تھی۔

وہ رکا نہیں۔ وہ بھی تیز تیز چلتی اس کے پیچھے گئی۔

"میری بات سنیے! میں سب بتا دیتی ہوں۔ ایسے نہ کریں۔"

"بتانا ہوتا تو تم چھپاتیں کیوں؟"

اسی کی طرح تیز آواز میں اپنی آواز کی نمی چھپا کر وہ بھاگنے کے قریب تیز ہوگیا۔ اگر وہ رکا تو وہ واقعی عین سڑک پر سب کے درمیان زمین پر پھیل کر اونچی آواز سے رونے لگے گا اور اس بار وہ بہت روئے گا۔

افق "فرزام، فرزام!" ہی کرتی رہ گئی۔ وہ ٹیکسی لے کر چلا گیا۔ افق ہانپنے لگی۔ کوٹ کا کالر آنسوؤں سے بھیگ چکا تھا۔

فرزام کے لیے کیا گیا میک اپ بہہ رہا تھا۔ وہ پھر سے گھٹنوں میں سر دے کر رونے کے لیے تیار تھی اور وہ اونچی آواز سے رونے لگی۔ عدن اس کے سر پر آ کھڑا ہوا۔

"چلیں افق!"

ساری نفرت اور پوری قوت سے اس نے پلٹ کر زوردار تھپڑ اس کے دائیں گال پر لگایا۔ اس بددعا پر، جو نہ جانے اسے کون دے گیا تھا۔ وہ وقت ہی ہوگا۔

☆ ☆ ☆

چند قانون دانوں کے بیانات اور سینیٹرز کے شور مچانے پر اتنا ضرور ہوا کہ ایسے کیسوں کی سماعت میں تیزی آگئی۔ ویسے بھی وہ سالوں سے بند تھے۔ انہیں اب سزا سنائی جانی تھی یا رہا کردیا جانا تھا۔ عدن اور اس جیسے چند اور لوگ باہر رہ کر کیس لڑ سکتے تھے۔ لیکن وہ امریکا سے باہر نہیں جاسکتے تھے۔ کیس کی سماعت میں تیزی آتے ہی عزیز نے جان لگادی تھی۔ وہ ایک بے حد محنتی اور ایمان دار انسان تھا اور حقیقتاً "عدن کے لیے پریشان تھا۔ اسے معلوم تھا کہ لالچ میں اس سے غلطی ضرور ہوئی ہے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس کے ساتھ یہ سب کیا جائے۔

اسے امید تھی کہ جلد ہی اس کا مقدمہ بھی ختم ہو ہی جائے گا۔ فی الحال یہی بہت تھا کہ وہ باہر آچکا تھا۔

عدن نے عزیز کی بہت منت سماجت کی کہ وہ اسے افق کے بارے میں بتائے۔ لیکن عزیز نے صاف لاعلمی ظاہر کردی کہ وہ اس بارے میں نہیں جانتا۔ عدن کو یقین نہیں آرہا تھا۔

عزیز نے اس کے لیے رہائش کا انتظام کردیا تھا۔ پاکستان میں وہ سب سے بات کرچکا تھا۔ اب اسے صرف بات کرنے کے لیے افق چاہیے تھی۔ وہ اس ہیومن رائٹس کے ادارے کے دفتر آگیا۔ جس کا نمائندہ اسے سیل میں آکر ملا تھا۔ بظاہر وہ ان کا شکریہ ادا کرنے گیا تھا۔ لیکن باتوں ہی باتوں میں وہ معلومات لیتا گیا کہ ان کے پاس عدن کا کیس لے کر کون آیا تھا۔ اسے مسٹر جین کے اور ان کی این جی او کے بارے میں بتایا گیا۔ افق کے بارے میں بھی بتایا گیا۔ مسٹر جین کی این جی او کی ویب سائٹ پر اسے چند ماہ پہلے ہوئے فنڈز ریزنگ ایونٹ کی بہت ساری تصاویر ملیں۔ اسے بتایا گیا تھا کہ افق نے ان کی این جی او کے لیے کام کیا ہے ان کے لیے فنڈز اکٹھے کیے ہیں۔ مختلف ویب پیجز کا جائزہ لیتے اس کی نظر اس پیج پر بھی پڑی۔ جس میں فنڈز ریزنگ میں اچھے اسکور لینے والوں کے نام اور ان کے جمع کیے گئے فنڈز کی نشاندہی کی گئی تھی۔ بہت سے ناموں میں ایک نام افق کا بھی تھا۔ ایک طرف اس کی پیش کی گئی برانڈ "چینز" کا نام درج تھا۔ بریکٹ میں ملک کا اور شہر کا نام درج تھا۔

عدن نے سرچ انجن میں چینز کی ویب سائٹ نکال لی اور جہاں جہاں برانڈ چینز مل سکتی تھی، وہ پتے بھی ان میں سے ایک پتا بوسٹن کے ایک اسٹور کا تھا، جہاں سے اس برانڈ کو خریدا جاسکتا تھا۔

وہ بہت خوش تھا۔ اس نے اسے ڈھونڈ لیا تھا۔ اب وہ افق کو سرپرائز دینا چاہتا تھا۔ ایک بار اسٹور جا کر اس نے تصدیق کرلی تھی کہ وہی افق ہے۔ اسے بتایا گیا تھا کہ وہ دو یا تین دن بعد وہاں کا چکر لگاتی ہے۔ رابطہ نمبر کے طور پر اسے پاکستان میں موجود آفس کا کارڈ ہی دیا جارہا تھا۔

وہ مسلسل دو دن وہاں جاتا رہا۔ وہ قریبی ریسٹورنٹ میں بیٹھ جاتا۔ جہاں سے وہ اسٹور پر نظر رکھ سکتا تھا۔ سارا دن ایسے ہی بیٹھا رہتا۔ سالوں بعد وہ اسے دیکھنے جارہا تھا، اس سے ملنے جارہا تھا۔ اس نے اس کی زندگی بچالی۔ اسے باہر نکالا۔ اس پر اس کی زندگی کا سب سے بڑا احسان کیا۔ عین مرنے کے وقت اسے زندگی کی نوید دی۔ اس کا اسپتال ضبط کرلیا گیا تھا۔ ڈاکٹری کا لائسنس منسوخ کردیا گیا تھا۔ اس کی صحت، اس کا مردانہ حسن و وجاہت سب کچھ تباہ ہوچکا تھا۔ رشتے اور رتبے کے نام پر اس کے پاس کچھ نہیں رہا تھا۔ شروع کے صرف دو ڈھائی سالوں میں ہی اس کی ہمت پست ہوچکی تھی۔ ماریہ جس طرح اسے چھوڑ گئی۔ اس نے اپنا سر دیواروں پر مارا۔

وہ اسے چھوڑ جاتی لیکن اس کی تھوڑی مدد تو کردیتی۔ وہ امریکن تھی۔ وہاں پیدا ہوئی تھی۔ اس کے لیے بہت کچھ کرسکتی تھی۔ الٹا اس نے طلاق لے لی اور اس کا سسر، جس کی گندی بیٹی کی وہ چوکیداری کرتا رہا تھا۔ ایک بار آکر اس سے ملا تک نہیں۔ وہ دونوں ان دونوں کو گالیاں دیتا رہا۔ وہ انہیں بدذات سمجھتا تھا۔ وہ عدن کے لیے ایسے بے غیرت تھے۔ جن میں نام کی بھی غیرت نہیں تھی۔ نائٹ کلب میں ڈانس کرنے والی ڈانسر بھی اس کے نزدیک ماریہ سے زیادہ شریف اور قابل عزت تھی۔

اسے احساس ہوا کہ وہ دراصل اپنے پیمانے سے گر گیا تھا۔ اس کا پیمانہ صرف افق تھی۔ جہاں اس نے کالج کی بہت سی جان چھڑکنے والی امیرزادیوں کو لفٹ نہیں کروائی تھی۔ وہاں اس نے یہ لفٹ صرف افق کو کروائی تھی۔ اس نے فاش غلطی کی جو وہ بہک گیا۔ جبکہ اس نے سوچ ہی لیا تھا کہ اسے صرف افق سے ہی شادی کرنی ہے۔ وہ اچھے خاصے مہنگے پرائیویٹ اسپتال میں نوکری کرسکتا تھا۔ اپنا کلینک بنا سکتا تھا۔ بے حد پرآسائش نہ سہی، آرام دہ زندگی ضرور گزرتی۔ لیکن یہ آرام دہ زندگی اسے امریکی چند فٹی سیل میں بیٹھ کر دکھائی دی۔ جب وہ یہاں نہیں تھا تو اسے ڈبل اسٹوری اسپتال بنا بنایا بوسٹن میں نظر آرہا تھا۔ آغا کے

WWW.PAKSOCIETY.COM

اسٹورز کی چین نظر آرہی تھی۔ غلام علی غلام کو آغا کے ذاتی طیارے کے مالک ہونے کا غرور توڑنا تھا انہیں اس شخص آغا سے شدید نفرت تھی۔ اس شخص نے ہمیشہ انہیں ہر میدان میں پیچھے چھوڑا تھا۔ کمینہ 'عیاش 'الو' بے غیرت۔ وہ اسے بہت سے ناموں سے یاد کرتے۔ لاس ویگاس میں وہ جاجا کر کیا کرتا ہے۔ ایک دن غلام علی نے بہت رازداری سے ازبک بیوی کے کان بھرنے چاہے وہ پہلے تو اپنے شوہر کی طرح سنتی رہی۔

"وہ ایک ماہر جواری ہے۔ یہ میں جانتی ہوں۔ باقی کی معلومات مجھے کسی بھی دوسرے شخص سے زیادہ ہیں۔" مطلب آئندہ اپنی بکواس بند ہی رکھنا۔

تب اسے ماریہ جنت نظیر نظر آئی تھی۔ جو حور بھی تھی اور ایک دنیاوی جنت کی مالک بھی۔ تب کیوں سب ٹھیک لگتا تھا؟ اب سب کیوں برا لگ رہا ہے؟ عدن یہ بات نہیں جان سکا۔ وہاں وہ دن رات ایک ہی کام کرتا۔ "وہ افق کو یاد کرتا" ان دنوں اس پر افق کی محبت کا بھوت بری طرح سے طاری ہوگیا۔ اسے اس کے نام کے دورے پڑتے۔

وہ یہی تانے بانے بنتا رہتا کہ اگر وہ آج یہاں نہ ہوتا تو ایک گھر میں افق کے ساتھ زندگی گزار رہا ہوتا۔ اس کے بچے ہوتے۔ بے حد محبت کرنے والی بیوی ہوتی۔ تب اسے معلوم ہوا کہ زندگی میں ان دو چیزوں کے علاوہ کسی تیسری کی تمنا نہیں کرنی چاہیے۔ "سکون اور محبت"

اسے یاد آتا تھا کہ وہ اس سے کتنی بے لوث محبت کرتی تھی۔ ایسی محبت جو کچھ مانگتی نہیں 'پردے سب دیتی ہے۔

"اتنی اچھی پلاننگ میں یہ سب کیسے ہوگیا۔" وہ اپنے بال نوچتا۔ جب سب افق کے ساتھ سارے منصوبے بنا چکا تھا تو وہ سب کیوں نہ مضبوط رہا۔

اتنے سالوں میں غلام علی نے پیسہ پانی کی طرح بہایا تھا۔ آسٹریلیا میں پڑھنے والا اس کا چھوٹا بھائی حادثے کا شکار ہوگیا تھا۔ اس کی ریڑھ کی ہڈی تباہ ہوچکی تھی۔ غلام علی کے پیسے کے کنوئیں خالی ہورہے تھے۔

ان گزرے سالوں میں ان کی کمر ٹوٹ چکی تھی۔ فیکٹریاں نقصان میں ہی جارہی تھیں۔ قرضوں کی قسطوں کی ادائی نہ ہوسکی۔ سود در سود بڑھ گیا۔ یہ کھیل غلام علی کے ہاتھوں سے نکل گیا اور دونوں فیکٹریاں بینک نے ضبط کرلیں۔ جس فیکٹری میں آگ لگی تھی اس سمیت بینک نے فیکٹریاں نیلام کردیں۔ غلام علی کے پاس ایک چھوٹی تین کینال کی فیکٹری ہی بچی تھی یہ ایسے ہی تھا جیسے وہ مرسیڈیز چلاتے چلاتے سائیکل پر آگئے ہوں۔ لاہور ڈی ایچ اے کا بنگلہ بھی بک چکا تھا۔ سیالکوٹ کا گھر ہی بچا تھا۔ فارم ہاؤس پر بھی مزید قرضہ لے لیا گیا تھا۔

غلام علی چاہتے تھے کہ بس وہ جلد سے جلد واپس آجائے۔ اب بھی وہ اسے ایک چھوٹا سا اسپتال تو بنا کر دے ہی سکتے تھے نا۔ اسپتال کے کاروبار میں اتنا منافع ہے کہ دنوں میں ہی ان کا نقصان پورا ہو ہی جائے گا۔ پھر وہ تو امریکن ڈاکٹر بھی ہے۔ کہنے میں کیا جاتا ہے کہ اتنے سال اس نے امریکا میں پریکٹس کی ہے۔ امریکیوں کا علاج کرتا رہا ہے۔ پاکستان میں انہوں نے اس کے جیل جانے کی خبر کو سب سے چھپا کر رکھا تھا۔ وہ فیکٹری بیچ کر اسے ایک بڑا اسپتال بنا دیں گے اور نہیں تو چھوٹے چھوٹے دو تین ہی بنالیں گے۔ غلام علی نے بہت اعلا منصوبے بنا رکھے تھے۔

"حالات یہی رہے تو ہم فٹ پاتھ پر آجائیں گے۔" بارہ کینال کے گھر میں رہنے والے غلام علی کو فٹ پاتھ کے نام سے ہی نفرت تھی۔ جبکہ یہی فٹ پاتھ گاہے بگاہے انہیں خواب میں دکھائی دیتا تھا۔

"تم بھاگ نہیں سکتے وہاں سے؟ کوئی ایجنٹ ڈھونڈو عدن! کوئی تمہیں کینیڈا کے راستے یا برازیل کے راستے نکال سکے۔ میں یہاں بھی ایسا ایجنٹ ڈھونڈ رہا ہوں۔ تم بھی کوشش کرو۔ سنا ہے یہ سیاہ فام بہت طاق ہیں ان کاموں میں۔ بہت سوں کو امریکا لے آتے ہیں غیر قانونی۔"

اس نے سنتے ہی صاف صاف انکار کردیا۔ "میں

دوبارہ پھنس جاؤں گا اگر ایسے بھاگتے پکڑا گیا تو ان کا شک یقین میں بدل جائے گا۔ وہ مجھے دہشت گرد ہی سمجھ لیں گے۔ میں مرجاؤں گا یہیں مقدمہ بھگتے بھگتے لیکن دوبارہ جیل نہیں جاؤں گا۔"

"مرد بنو عدن۔۔۔ زندگی میں خطرات مول لینے ہی پڑتے ہیں۔"

"میں سوئی چبھنے جتنا خطرہ بھی مول لینا نہیں چاہتا۔" صاف انکار۔

"اتنے ڈرپوک ہو تم۔" انہیں غصہ آگیا۔

"جیل میں رہا ہوں۔ پولیس والوں کی شکل دیکھتے ہی جان نکل جاتی ہے۔"

"امریکا کا پانی پی کر تم بزدل بن گئے ہو۔" وہ اسے اکسا رہے تھے۔

"امریکا نہیں جیل کا پانی پی کر۔"

"مرد ہی جیلوں میں جاتے ہیں۔"

"پھر وہی مرد کسی اور قابل نہیں رہتے پاپا۔"

انہوں نے فون ہی بند کردیا۔ ایک طرف اس کے آنے کی خوشی 'دوسری طرف اس کی بزدلی پر افسوس۔

اس کی ہائی فائی فیشن ایبل ماں ڈپریشن کی مریضہ بن چکی تھی۔ وہ روتی پہلے تھی۔ بات بعد میں کرتی تھی۔ اس کی بہن نے یونیورسٹی کے ایک لوئر مڈل کلاس لڑکے سے خود ہی شادی کرلی تھی اور آج کل وہ دبئی میں تھی۔ غلام علی کو ایک عرصہ منانے کے بعد اس نے اس لڑکے سے خود ہی نکاح کرلیا۔ اس کے باپ کے پاس دولت کے علاوہ کوئی دلیل نہیں تھی دی جانے کے لیے اور اس کے پاس دولت کے علاوہ ہر دلیل تھی اس لڑکے کے حق میں دی جانے کے لیے۔ اسے اپنی بہن کے بارے میں معلوم ہوا تو اسے خود پر اور افسوس ہوا۔ کاش! وہ بھی اپنی بہن کی طرح کا ہی ہوتا۔

دبئی کے تیسرے روز رات کے وقت اپنے فلیٹ میں اندھیرا کیے وہ آخری بازی ہارا شخص بنا بیٹھا تھا۔ سود و زیاں کا حساب وہ جیل میں ہی لگا چکا تھا۔ ماریہ سے لے کر اپنی ڈاکٹری تک۔ غلام علی سے آغا تک۔ اس نے ہر چیز کی گنتی کرلی تھی۔ اسے سب مایا اور کھوکھلا نظر آیا۔ سب بے کار۔ اسے بہت احساس ہوا کہ زندگی کی اصل کامیابی اصل اور کھرے انسانوں کا حاصل کرنا ہے۔ انسانی تعلقات میں اول آنا ضروری ہے۔ جذبوں اور سچائی میں اول۔۔۔ وہ جان گیا کہ برے وقت میں انسان کو صرف ایک ہی چیز کی ضرورت پڑتی ہے۔ "اپنے انسان کی"

قید کے عرصے میں وہ ایسی کان میں دبا رہا' جہاں اسے کوئلوں اور ہیروں کی پہچان ملی۔ تاعمر اس نے کوئلوں سے ہی خود ہی کو سیاہ کیا تھا۔ ہیرے کو تو اس نے ٹھوکر مارنے کی بھی زحمت نہیں کی تھی۔ افق کو۔۔۔ طٰہٰ کو۔۔۔ اس کی بہن فضا کو۔۔۔ اپنے اسکول دوست طٰہٰ کی بہن فضا کو اپنے پیچھے پاگل کردیا۔۔۔ آج وہی طٰہٰ اقوام متحدہ کے ایک ذیلی ادارے کا ہیڈ تھا۔ اس کی بہن جس نے عدن کے لیے نیند کی گولیاں کھالی تھیں۔ ریڈ کراس کے لیے کام کرتی تھی اور وہ چار دوست جو اس کے ساتھ ڈی ایچ اے کے بنگلے میں رہے تھے۔ وہی ایگل گروپ کے ممبرز۔۔۔ آج بڑے بڑے ڈاکٹر بن چکے تھے۔ ایک تو امریکا میں ہی ہارٹ سرجن تھا۔ غلام علی نے تعاون کے لیے جب رابطہ کیا تو اس نے صاف انکار کرنے کی زحمت بھی نہیں کی اور آئندہ سے ان کا فون سننا ہی بند کردیا۔

تو ایسی صورت حال میں۔۔۔ اس سب حساب کتاب میں اس کے پاس افق ہی بچی تھی۔ این جی او کے نمائندے سے اس کے بارے میں جان کر پہلے تو اسے یقین ہی نہیں آیا کہ نیلے گنبد میں رہنے والی بمشکل ایف اے پاس لڑکی نے اتنی بڑی این جی او کو حرکت دے دی ہے۔ اس نے بار بار نمائندے سے پوچھا کہ "کیا وہ ایک پاکستانی مسلم لڑکی افق کی بات کررہا ہے۔" تو اس نے بتایا کہ "ہاں! یہی لڑکی ان کے دفتر میں آئی تھی اور اس کے بارے میں بتا کر گئی تھی۔"

اس رات عدن نے یہ نہیں سوچا کہ وہ کیسے اتنی کامیاب ہوگئی۔ اس نے صرف اتنا سوچا کہ اس کے لیے افق اتنی فعال ہوگئی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

باہر نکلتے ہی وہ اب اس سے شادی کرلے گا۔ اس نے اور افق نے بہت انتظار کرلیا۔ بس... اسے اس کی میٹھی آواز اور بھولی صورت یاد آئی... شرافت سے جھکا اس کا سر اور محبت سے بھرا اس کا دل... اب یہ دل کسی اور کا نہیں۔

☆ ☆ ☆

کالج سے سیدھا وہ اسٹور آگئی تھی۔

"کوئی آپ کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔" اسٹور کے ورکر نے اسے بتایا۔

"کون تھا؟"

"نام نہیں بتایا... صرف پوچھ رہے تھے۔"

"آرڈر دینا تھا؟"

"میں نے آرڈر کا پوچھا تو مسکرانے لگے۔ پوچھ رہے تھے کہ آپ کب تک آتی ہیں۔ میں نے کارڈ دے دیا تھا آپ کے ہیڈ آفس کا۔" کچھ ہی دیر میں وہ اسٹور سے باہر آگئی۔ جب پیچھے سے کسی نے آکر اس کی آنکھوں پر ہاتھ رکھا۔

"فرزام...؟" ایسا صرف وہی کرسکتا تھا۔

"یہ فرزام کون ہے؟" ہاتھوں کو فوراً" ہٹالیا گیا۔ آواز پر وہ ایسے پلٹی، جیسے سانپ نے کاٹ مار لیا ہو۔ جس پر اس کی نظر پڑی۔ وہ ہڈیوں کا ڈھانچہ... شان دار عمارت کا بدنما کھنڈر بنا عدن تھا۔ اس کی سرخ و سفید دودھیا رنگت، لمبے عرصے سے گردوں کے عارضے میں مبتلا مریض سی بدرنگی اور گدمیلی ہوچکی تھی۔ تھوڑا بہت جو گوشت جسم پر بچا تھا، وہ ڈھلتی عمر کے بیماری زدہ مرد کی جھریوں بھری کھال جیسا تھا۔

اپنے وقت کا شاہکار عدن عرف امان، کھنڈرات بنا کھڑا تھا۔

"یہ فرزام کون ہے افق؟" اس نے دوبارہ پوچھا۔ کون تھا، جو اس طرح اس کی آنکھوں پر ہاتھ رکھ سکتا تھا اور کون تھا، جس کے ہاتھ رکھنے پر افق کو کوئی اعتراض نہیں تھا۔ وہ صبح سے اس کا یہاں آکر انتظار کررہا تھا۔ ریسٹورنٹ اسٹور کے سامنے تھا۔ لیکن سڑک پار کرکے۔ کئی بار وہ اسٹور کے قریب بھی چلا گیا تھا۔ ریسٹورنٹ اوپن تھا اور دن کے شروع میں وہاں زیادہ رش نہیں ہوتا تھا۔ اس کی نظر ایک طرف اٹھی اسے گمان ہوا کہ یہ افق ہی ہے۔ لیکن اسے یقین نہیں آیا کہ کیا یہ افق ہوسکتی ہے۔ وہ کپ آئس کریم کھا رہی تھی۔ نیلے رنگ کی پنسل جینز پر اس نے مشرقی طرز کا کرتا پہنا ہوا تھا۔ ہلکے خاکی کرتے پر اس نے گہرے سرخ رنگ کا اسکارف گردن کے گرد لپیٹا ہوا تھا۔ بال کھلے ہوئے تھے اور بالوں میں سرخ ہی ہیر بینڈ لگا ہوا تھا۔ دونوں کانوں میں ایئر فون فکس تھے اور کپ سے چمچہ سے آئس کریم نکال نکال کر کھاتے ہوئے وہ ہنس رہی تھی۔ وہ یقیناً" کسی سے فون پر بات کررہی تھی۔

"میں تمہارے آس پاس ہی ہوں۔" فرزام کہہ رہا تھا۔

"کوئی نہیں۔" اس نے آس پاس دیکھا۔

"گردن گھماؤ مت نا... اسے ذرا سا جھکالو۔"

وہ ہنسی... وہ سمجھ گئی... اس کے پاس چند منٹ ہی تھے بات کرنے کے لیے۔ عدن کو یقین نہیں آرہا تھا کہ وہ یقین کرے کہ سرخ اسکارف میں جو لڑکی شرارتی چال چلتی جارہی ہے، وہ افق ہی ہے۔

اتنے سالوں میں کیا اس نے صرف یہی ایک کام کیا کہ وہ اور سے اور خوب صورت ہوتی گئی۔ اس بار اس نے اپنے ساتھ کیا کیا... کیا کہ وہ اتنی خوب صورت ہوگئی، اتنی پراعتماد۔ بوسٹن کی سڑک پر وہ ایسے چل رہی ہے۔ جیسے بوسٹن میں ہی پیدا ہوئی ہے۔ چادر کا کونا منہ میں دبا کر... سر کو جھکا کر پیدل چلنے والی... ہر ادا پر گھبرانے والی... ڈر جانے والی، کس ادا سے ہنس رہی ہے۔ اسے دیکھ کر لگ رہا ہے کہ اسے کوئی فکر، کوئی غم نہیں ہے۔ عدن کا تصور ذرا الٹ تھا۔ اس میں ایک تصور خاص غالب تھا کہ وہ اداس آنکھیں لیے ہر طرح سے بہت اداس ہوگی۔ اپنے امان سے دور... اس کی جدائی میں گھلتی، اس کے پیار کے لیے تڑپتی، افق عبدالقدوس۔

وہ چل کر اسٹور کے پاس ہی آکر کھڑا ہوگیا تھا۔

افق نے نفرت سے اسے دیکھا۔ عدن اس نظر پر حیران رہ گیا۔

"ہو آر یو؟" اس سوال پر بھی حیران رہ گیا۔

"میں کون ہوں؟" اس نے ہنسنے کی صرف کوشش ہی کی۔

"تمہاری جرات کیسے ہوئی مجھے ہاتھ لگانے کی؟" اگلا سوال پہلے سے بھی برا تھا۔ انداز اس سے بھی بدتر تھا۔ ساتھ ہی وہ اپنے بیگ میں سے کچھ ڈھونڈنے لگی۔ موبائل ہاتھ میں نکال کر پکڑا۔

عدن اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔ "تم پولیس کو فون کررہی ہو؟" اسے یقین ہی نہیں آرہا تھا کہ یہ سب افق کررہی ہے۔

"آئی... ایم سوری افق... ایسے تو نہ کرو۔" فون کو ہاتھ میں پکڑے پکڑے ہی افق نے اسے دیکھا۔

"تم نے مجھے ہاتھ کیوں لگایا؟" کہنا تو وہ یہ چاہتی تھی کہ تم باپ، بیٹے نے مجھے سمجھ کیا رکھا ہے۔

"میں پھر سے سوری کہتا ہوں... لیکن تم میرے ساتھ ایسا کیوں کررہی ہو؟" اس کے انداز اور کڑے تیوروں پر وہ بری طرح سے الجھ گیا۔ ساتھ ہی اس کی آواز رندھ گئی اور آنکھوں میں نمی نظر آنے لگی۔ افق کو بوا ترس آیا۔

"کیا چاہتے ہو ڈاکٹر عدن... کیوں آئے ہو یہاں؟"

"تمہیں شکریہ کہنے آیا تھا۔" فی الحال وہ یہ کہہ ہی نہیں سکا کہ تم سے فوری شادی کرنے کے لیے آیا ہوں، جو افق اب اس کے سامنے کھڑی تھی، وہ چادر کا کونا منہ میں دبا کر بیٹھی افق نہیں تھی۔

"کیوں؟" افق نے حیران ہونے کی کمال اداکاری کی۔

"مجھے معلوم تھا کہ تم ہی مجھے آزاد کرواؤ گی؟"

"میں نے؟ میں نے کیا کیا؟ تم جیل میں تھے کیا؟"

عدن اس پر الجھ گیا۔ "اتنی بڑی این جی او کا نمائندہ تم ہی نے تو بھیجا تھا میرے پاس... مارش نام تھا اس کا۔"

"میں نے تمہارے پاس کوئی نمائندہ نہیں بھیجا تھا۔"

"اس نے خود مجھے تمہارا نام بتایا تھا۔"

"تو تم بھی جیل میں تھے؟ وہ تمہارے پاس بھی چلا گیا؟" عدن اور الجھ کر اسے دیکھنے لگا۔

"این جی او جن لوگوں کے لیے کام کررہی تھی۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ ان میں تم بھی ہو... ہم نے عرب... بنگلہ دیش اور چند دوسرے ملک کے لوگوں کے لیے تھوڑا سا کام کیا تھا اور بس..." افق نے کندھے اچکائے۔

"تم جھوٹ بول رہی ہو۔" عدن کو یقین ہی نہیں آیا۔

"تم کیا سمجھ رہے ہو، مجھے اس سے مطلب نہیں ہے۔"

"تم ایسے کیوں کررہی ہو افق؟" وہ پھر سے رو دینے کے قریب ہوگیا۔

"کیسے؟"

"اجنبی کیوں بن رہی ہو... اتنے سالوں بعد ملی ہو۔ کوئی حال احوال پوچھو۔ کوئی بات کرو۔ میں پاگل ہورہا تھا تم سے ملنے اور تمہیں دیکھنے کے لیے۔"

"تم نے کہا، تمہیں میرا شکریہ ادا کرنا تھا۔ جب کچھ کیا ہی نہیں تو کیسا شکریہ۔" افق نے کلائی پر بندھی گھڑی کی طرف دیکھا۔

"تم جھوٹ بول رہی ہو... صاف جھوٹ... تم تو جھوٹ بولتی ہی نہیں افق! اب کیوں؟ میں جانتا ہوں، تم ناراض ہو مجھ سے۔"

اس سب پر افق کا جی چاہا کہ وہ دھکا دے کر اسے سڑک پر گرادے۔ اب یہ شخص اس سے اور کیا چاہتا ہے۔ اس کی سب خوبیوں کو جانتے ہوئے بھی چھوڑ گیا تو اب اور کیا چاہتا ہے۔ نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے ہاتھوں اس کی مدد ہوگئی تھی۔ اس مدد کو اس نے انسانیت کے خانے میں لکھ دیا تھا۔ عدن کے خانے میں نہیں۔

"تم نے اپنی محبت کا حق ادا کردیا۔" عدن کی اگلی

WWW.PAKSOCIETY.COM

بات افق کو چاٹنے کی طرح لگی۔
"کون سی محبت؟" افق کا سر گھوم گیا۔ اب ٹھیک ٹھیک اندازہ ہو رہا تھا کہ یہ سب ٹھیک نہیں ہو رہا۔ شاید بہت غلط ہونے جا رہا ہے۔
"ہماری محبت۔۔۔" اس نے بڑے دھڑلے اور جوش سے کہا۔
"ڈاکٹر عدن۔۔۔ زبان سنبھال کر۔" اس نے انگلی اٹھا کر تنبیہہ کی۔ "میری محبت میرا شوہر ہے اور بس۔۔۔ اس چکر کو جس میں مجھے پھنسایا تھا' اسے محبت کا نام مت دو۔"
قید سے پہلے "تم دہشت گرد ہو۔" اس پر آسمانی بجلی بن کر گرا تھا۔ رہائی کے بعد "میری محبت' میرا شوہر" وہی بجلی بن کر اس پر گرا۔ حیرانی' صدمہ' خوف' لاچاری' بے بسی' دکھ' سب آگے پیچھے اس پر وارد ہوئے۔ جب اسے مارش نے افق کے بارے میں بتایا تو وہ یہی سمجھا کہ قسمت افق پر مہربان ہو گئی ہے اور اس نے کسی نہ کسی طرح اتنی ترقی کر لی ہے کہ وہ امریکا تک آ پہنچی ہے۔
"تم نے شادی بھی کر لی افق؟" یہ بازی بھی ہاتھ سے گئی۔ عدن کا یہ سوال ایسے تھا کہ تم نے تو مجھے موت کی ہی سزا سنا دی۔ اس کا گلا میلا رنگ سیاہ پڑ گیا۔ دو آنسو آنکھوں سے نکلے۔
ایک بار پھر سے افق کو اس پر ترس آیا۔
"کیوں نہ کرتی؟" اس نے بہت اعتماد سے پوچھا۔ عدن کو تو شکر گزار ہونا چاہیے تھا کہ وہ اس کا گریبان نہیں پکڑ رہی۔ کوئی سوال تمہیں کر رہی۔ اس نے بمشکل سر کو ہلایا۔
"ہاں کرنی چاہیے تھی۔" اس کی طرف سے پیٹھ موڑ کر وہ مخالف سمت میں چلنے لگا۔
"دوبارہ کبھی میرے راستے میں مت آنا۔" افق کی آواز اس کے پیچھے آئی۔ اس نے تائید میں سر کو ہولے سے ہلا دیا۔ اب وہ ایک ایسے انسان کی طرح سڑک پر چل رہا تھا' جو نہ کسی میدان کا کھلاڑی تھا' نہ ہی تماشائی۔۔۔ دنیا کے سب ہی کھیل تماشے اس کے لیے ختم ہو گئے۔ بے نام قدم ہی اٹھیں گے اب۔۔۔ جو کہیں بھی رک جاتے ہیں اور کسی سمت بھی نہیں جاتے۔

☼ ☼ ☼

ساری رات وہ سڑکوں پر گشت کرتا رہا۔ اندھیرے کا فائدہ اٹھا کر روتا بھی رہا۔ دراصل اب ہی وہ صحیح معنوں میں خالی ہاتھ ہوا تھا۔ افق کے اب کبھی نہ ملنے پر اسے اصل دکھ ابھی ہوا۔ وہ اپنے شوہر سے محبت کرتی ہے۔۔۔ اس پر زیادہ ہوا۔۔۔ ہاں صرف شوہر۔
اس نے اپنی نم آنکھیں دائیں ہاتھ کی ہتھیلی سے صاف کیں۔ وحشت زدہ پاگل آنکھیں' جو صدمے اور دکھ میں جامد بھی ہو جاتی ہیں اور تیزی سے پھڑپھڑانے بھی لگتی ہیں۔ وہی نفسیاتی دورے کی کیفیت' جو اسے قید کے دوران پڑتے تھے۔
اتنا رو کر' اتنا پچھتا کر بھی عدن روز اسٹور کے قریب چلا جاتا۔ دو' چار' چھ دن' افق وہاں آ ہی نہیں رہی تھی۔ عدن کو ہنسی آئی۔ وہ اس سے ڈر رہی تھی۔ ایک ہفتے بعد وہ تھوڑی سی دیر کے لیے آئی اور چلی گئی۔ فاصلہ رکھ کر عدن اس کے پیچھے پیچھے اس کے گھر تک جا پہنچا۔ پھر وہ روز اس کے گھر تک جانے لگا۔ وہ اس کے شوہر کے انتظار میں تھا۔ افق اکیلی ہی گھر سے باہر نکلتی نظر آتی۔ وہ سمجھ گیا کہ افق نے اس سے جھوٹ بولا ہے کہ وہ شادی شدہ ہے۔ کیوں بولا ہے۔ یہ پوچھنے کے لیے وہ اس کے ساتھ ساتھ کالج آ گیا۔ اس پر نظر پڑتے ہی افق کا رنگ پھیکا پڑ گیا۔
"میری سمجھ میں نہیں آ رہا افق! تم مجھ سے اتنا کترا کیوں رہی ہو؟ میں وہی انسان ہوں' جو تمہاری جان ہے۔"
عدن نے کالج کی طرف جاتی سڑک پر اسے جا لیا تھا۔ افق نے سختی سے اپنے لب بھینچے اور ایسے ظاہر کیا کہ نہ اسے جانتی ہے' نہ ہی اسے سن رہی ہے اور تیز تیز چلنے لگی۔
"تم اتنا سخت ناراض ہو مجھ سے۔۔۔ میں نے تمہیں فون نہیں کیا' اس لیے۔۔۔ میں حالات میں پھنس گیا

تھا۔ تمہیں چھوڑ کر نہیں گیا تھا۔ تم میری بات تو سنو۔ تم اس طرح منہ موڑ کر کیسے میرے بغیر رہ سکتی ہو۔"
افق کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ یہ شخص کتنے مزے سے اس سے جھوٹ بول رہا تھا۔
"کیسے حالات؟" اس نے پوچھا۔
"میں امریکا نوکری کے لیے آیا تھا۔ مجھے اچانک آنا پڑا۔ جہاں اپلائی کیا تھا۔ وہاں سے فوری کال آ گئی تھی۔ تیاری کرنے میں' میں اتنا مصروف ہو گیا کہ تمہیں ایک فون نہیں کر سکا۔ سوچا تھا امریکا آ کر لوں گا۔"
"وہ اسپتال تمہارا اپنا نہیں تھا' جہاں تم نوکری کرتے رہے ہو؟"
وہ سمجھ رہا تھا کہ افق کو کچھ نہیں معلوم اور اسے یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ وہ عزیز سے بھی مل چکی ہے اور آرٹیکل بھی پڑھ چکی ہے۔ وہ اسے وہی افق سمجھ رہا تھا جو فیکٹری جایا کرتی تھی۔ ایف اے میں فیل ہو گئی تھی۔ کچھ جانتی ہی نہیں تھی۔
"وہ کسی آغا عباس حیدر کا تھا۔"
"اور وہ آغا عباس حیدر تمہارے سسر نہیں تھے؟"
اب عدن کا حلق خشک ہو گیا۔
"ان کی بیٹی۔۔۔ تمہاری بیوی۔۔۔ ماریہ۔۔۔ تمہارے بچپن کی محبت۔"
عدن کے فرشتوں کو بھی گمان نہیں تھا کہ وہ نہ صرف اس کی شادی۔ بلکہ ماریہ تک کے بارے میں جانتی ہے۔ وہ اتنا سب کچھ کیسے جانتی ہے؟
"میں اسے چھوڑ چکا ہوں۔" اسے یہی بات سوجھی۔
"طلاق اس نے لی تھی تم سے۔" افق کی معلومات زیادہ جامع تھیں۔
"تم اس لیے ناراض ہو کہ میں نے ماریہ سے شادی کر لی؟ پاپا نے زبردستی۔۔۔"
"میری طرف سے تم دنیا میں موجود ہر ماریہ سے شادی کر لو۔" افق نے تمسخر اڑایا۔
"روز میرے راستے میں ایسے مت آیا کرو۔ میں اپنے شوہر کو بتا دوں گی۔ میرا شوہر روایتی پاکستانی بھی ہے اور امریکا کا لاء تو تم جانتے ہی ہو۔ دونوں اگر مل گئے تو۔۔۔"
عدن جس کا شرمندگی سے حلق خشک ہو چکا تھا۔ افق کے اس دھمکی بھرے انداز سے آنکھوں میں خون اتر آیا۔ اسے وہ' دو پیسے کے کام کرتے دیکھا تھا نا۔ ہمارے ملازم۔۔۔ جوتیاں اٹھانے والے۔۔۔ گندے برتن دھونے والے۔۔۔ آواز پر جی کہنے والے۔۔۔ ترقی کر کے کسی بھی آسمان پر جا بیٹھیں۔ کسی کے لیے وہ تب بھی ملازم ہی رہتے ہیں۔
"شوہر کو؟" وہ ہنسا۔ "کس شوہر کو جو سرے سے ہے ہی نہیں۔ کہاں ہے وہ۔۔۔ بلاؤ۔"
افق نے اسے نظر انداز کرنا ہی مناسب سمجھا۔ اتنی بات کر کے بھی بے وقوفی ہی کی تھی۔ اس کی طرف دیکھے بغیر وہ آگے بڑھی اور عدن نے اسے آگے بڑھتے دیکھ اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر روکنا چاہا۔
"میں ہر بار تمہاری یہ جرات معاف نہیں کروں گی۔" وہ حلق کے بل چلائی۔
"تمہیں میری بات سننا ہی ہوگی۔" وہ بھی چلایا۔
"ورنہ میں بار بار تمہارے راستے میں آؤں گا۔ تمہارے گھر آ جاؤں گا۔ تمہیں ایک بار مجھے موقع دینا ہی ہوگا۔"
افق اس سے ڈرتی نہیں تھی۔ لیکن اندر ہی اندر اب ڈر گئی۔ وہ کالج تک اس کے پیچھے آ گیا تھا۔ اب بار بار آئے گا۔ گھر بھی آ جائے گا۔ وہ نہ جانے کیوں ایسے پاگل ہو رہا ہے۔
اس کی بات آخری بار سننے کے لیے وہ قریب کی کافی شاپ میں آ گئی۔
"تم یہ سمجھ رہی ہو کہ میں تمہیں چھوڑ گیا تھا۔ بتاؤ! کس کی قسم کھاؤں کہ تمہیں یقین آ جائے۔ میں نے تمہارے لیے اپنے خاندان کو' پاپا کو بھی منایا۔۔۔ گھر چھوڑنے کی دھمکی دی۔ دو دن ہوٹل میں رہا۔۔۔ ماما بیمار ہوئیں تو ہوئیں پاپا کی طبیعت زیادہ بگڑ گئی۔ اپنے باپ کے لیے میں اتنا بھی نہ کرتا کہ اس کی مرضی سے شادی کر لیتا؟ کس منہ سے تمہیں فون کرتا؟ سب بتاتا۔۔۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

مجھ پر الزام لگا کر جیل بھیج دیا گیا۔ ماریہ نے طلاق لے لی۔۔۔ اس سب میں میرا قصور کہاں ہے؟ میں نے تمہیں بہت یاد کیا افق۔۔۔ بہت۔۔۔ میں نے ہمیشہ صرف تم سے محبت کی۔۔۔ تمہارا کتنا احترام کرتا رہا ہوں میں۔۔۔ اتنے سال میں تمہارے لیے روتا رہا ہوں اور تم ایسے دور جا رہی ہو۔۔۔ مجھ پر کچھ رحم کرو۔ اتنی بڑی سزا نہ دو۔ میرے پاپا نے زبردستی میری شادی کردی۔"

افق صرف آخری بار اس کی بات سن رہی تھی۔ تاکہ وہ بار بار اتنی بات کہنے کے لیے اس کے راستے میں نہ آئے۔ اسے کوئی مطلب نہیں تھا کہ وہ جھوٹ اور کتنا سچ بول رہا ہے۔

"میں نے سب سن لیا ہے۔۔۔ ساری باتیں۔۔۔ تم اپنی زندگی میں خوش رہو۔۔۔ اور مجھے میری میں رہنے دو۔"

"تمہارے بغیر میں کیسے خوش رہوں؟"

افق نے بمشکل غصہ ضبط کیا۔ "میں اپنی قسمت پر رشک کرتی ہوں کہ اس نے مجھے فرزام دیا۔"

"مجھے اس کی قسمت پر رشک ہے۔"

"یہ ہماری آخری ملاقات ہے۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں تمہاری منت کرتا ہوں کہ مت جاؤ۔ تم تو کہتی تھیں کہ تم میرے بغیر رہ نہیں سکتیں؟"

"تب میں بے وقوف تھی۔" اس نے بہت اعتماد سے کہا۔

"تم اب بے وقوف بن رہی ہو اور مجھے بنا رہی ہو۔ تمہارے اندر آج بھی میں ہی ہوں۔ ورنہ تم میری مدد نہ کرتیں۔ تمہاری اماں نے زبردستی تمہاری شادی کروادی اور تم مان گئیں۔"

"تمہارے باپ نے تمہاری زبردستی شادی کی اور تم مان گئے۔" کرنے پر آئی تو کڑے طنز افق کے پاس بھی بہت تھے۔

"میں مجبور تھا افق۔"

"میں مجبور نہیں تھی۔ میں چودہ جماعتیں پڑھی، ایک عاقل و بالغ لڑکی تھی اور پورے ہوش و حواس میں فرزام کو تاعمر کے لیے "ہاں" کی تھی۔ اپنے منہ سے، اس کے عین سامنے ہو کر۔"

"حالات کے پیش نظر "ہاں" کردی ہوگی۔۔۔ محبت نہیں۔۔۔ تم مجھ سے جھوٹ نہیں بول سکتیں۔ محبت تم صرف مجھ سے کرتی ہو۔ تم میرے علاوہ کسی اور کے بارے میں سوچ ہی نہیں سکتیں۔" اتنا جانتا تھا وہ افق کو۔ اسی لیے اتنا دور تھا اس سے۔

"ہاں! شاید صرف خالی خولی محبت نہیں کرتی۔ کیونکہ یہ جذبہ تو اس سے بھی آگے کا ہے۔ میں فرزام کے لیے اپنی جان دے سکتی ہوں، ڈاکٹر عدن۔۔۔ اور کسی کی جان لے بھی سکتی ہوں۔"

اس نے ٹھہر ٹھہر کے عین اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔ اسے اندازہ ہونا چاہیے کہ افق کتنا بڑا سچ بول رہی ہے۔ خالی خولی دعوا نہیں۔

عدن تڑپ اٹھا۔ افق کے منہ سے کسی اور کے لیے یہ سن کر اس کا جی اس شخص کو مار دینے کو چاہا۔۔۔

"بکواس بند کرو اپنی۔" وہ چلایا۔ "جھوٹ مت بولو۔"

افق نے پروا بھی نہ کی اور قدم آگے بڑھا دیے۔ وہ پیچھے لپکا۔

"تم نے کہا تھا تم میرے بغیر سانس نہیں لیتیں۔ تمہارا دن رات ہوں میں۔ مجھے سوچ کر تمہیں نیند آتی ہے اور میں تمہارے سب ہی خواب ہوں۔"

افق آگے آگے تھی۔ وہ پیچھے پیچھے تھا۔ جو وہ کہہ رہا تھا۔ وہ اسے پاتال میں گراتا جا رہا تھا۔ وہ اس شخص سے اب اور نفرت کرنے لگی۔

"تم مجھ سے اب کیا چاہتے ہو؟" پلٹ کر وہ چلائی۔ وہ اس کے پیچھے ہی آتا جا رہا تھا۔

"فرزام کو چھوڑ دو۔ آؤ! ہم شادی کرلیں افق۔"

افق ہکا بکا رہ گئی۔ کس ہمت اور بے غیرتی سے وہ اسے کہہ رہا تھا یہ سب۔۔۔ اسے چھوڑ جانے والا۔ صفائی سے جھوٹ بولنے والا یہ توقع بھی کیسے کر سکتا تھا۔

"تمہارے جیسے دو کوڑی کے انسان کے لیے اسے

چھوڑ دوں؟ جس نے ایک امیر باپ کی بیٹی سے شادی کر کے مجھے چھوڑ دیا۔ اس شخص کے بیٹے کے ساتھ، جس نے میری عزت پر ہاتھ ڈالا۔"

افق یہ بات کسی کو بھی بتانا نہیں چاہتی تھی۔ یہ اس کی عزت کا پردہ تھا۔ اسے وہ چاک کرنا نہیں چاہتی تھی۔ لیکن اب عدن کے منہ پر یہ بات مارنی ہی پڑی۔ آخری بات سن کر عدن سناٹے میں رہ گیا۔

"تمہارا کمینہ باپ۔۔۔ مونچھوں والا گدھ۔۔۔ جب اپنی ماں کے علاج کے لیے تم سے مدد لینے تمہیں ڈھونڈتی میں وہاں گئی۔۔۔ تو اس نے میرے آگے پیسے پھینکے اور میری عزت پر ہاتھ ڈالا۔ تمہارے باپ نے میرے سامنے تمہیں فون کیا تھا۔ تم اور ماریہ جب ہنی مون پر تھے اور تم چاہتے ہو کہ اب بھی میں تمہارے جیسے انسان کا احترام کروں؟ تم سے بات کروں؟"

"ہونہہ۔۔۔ سفید جھوٹ، سراسر الزام۔" وہ الٹا بدک گیا۔ اگر حالات دوسرے ہوتے تو وہ گدھ کہنے اور ایسے الزام لگنے پر اس کی گردن دبا دیتا۔

"یہ تم اپنے باپ سے جا کر پوچھو۔ ہاں! میری وجہ سے تم باہر کھڑے ہو اس وقت۔ شاید اللہ میرے ہی ذریعے تمہیں باہر لانا چاہتا تھا۔ جو تم سے مدد لینے کے لیے گئی تھی اسی کے ذریعے۔ جاؤ! جا کر بتاؤ اپنے باپ کو یہ افق ہے، جس نے تمہاری مدد کی ہے۔ عزت بچا کر بھاگ جانے والی کے ہاتھ سے مدد کا یہ تھپڑ بہت زوردار ہے۔ یہ تھپڑ تم دونوں کو بہ یک وقت لگا ہے۔ بہت پاگل بنا لیا تم نے مجھے۔ بہت ذہین نہیں ہوں۔ لیکن کم سے اب ہمیشہ دور ہی رہوں گی۔ اتنی سمجھ دار تو ضرور ہوں۔"

افق چلی گئی۔ عدن بت بنا وہیں کھڑا رہا۔ ماں اور باپ صرف یہ دو ایسے رشتے ہیں کہ کتنے بھی گناہ گار ہوں اولاد کسی تیسرے کے منہ سے ان کے گناہ نہیں سن سکتی۔ اپنے باپ کو افق کے بارے میں بتا بھی چکا تھا۔ پھر بھی اپنے بیٹے کی پسند کے ساتھ۔۔۔ افق کے ساتھ۔۔۔ فون بوتھ سے اس نے فون کیا۔

"افق آپ کے پاس آئی تھی کبھی؟"

"کون افق؟" لمحہ بھر کے تامل کے بعد کہا گیا۔

"جس کی عزت پر آپ نے ہاتھ ڈالا تھا۔۔۔ جو میرا پوچھنے ڈی ایچ اے والے بنگلے میں آئی تھی۔" آخری حد پر تھا تحمل کی۔

"کیا بکواس ہے یہ؟"

"ہاں، نہ میں جواب دیں۔" تن کر کہا۔

"بکواس بند کرو گدھے۔ اپنے باپ پر الزام لگا رہے ہو؟"

"اسی افق نے بوسٹن میں مجھے اس سیل سے آزاد کروایا ہے، جہاں زمین پر میں نے ایڑیاں رگڑی ہیں اور دیواروں سے سر ٹکرایا ہے۔ اس۔۔۔"

"کیا بک رہے ہو؟" فون بند ہو گیا۔ عدن جان گیا۔ افق سچ کہہ گئی ہے۔ ایسا تو نہیں تھا کہ وہ اپنے باپ کی سرگرمیوں سے واقف نہیں تھا۔ لیکن اسی لڑکی کے ساتھ، جس کا ذکر وہ ان سے کر چکا تھا۔ اسی کے ساتھ یہ سب کچھ۔۔۔ عزیز کے ہاتھوں جب وہ بار بار پیغام بھجواتا تھا کہ افق کے گھر جائیں۔ اسے عدن کے بارے میں بتائیں تو اسے ایک ہی جواب ملتا تھا کہ وہاں کوئی ایسا گھر نہیں ہے۔ نہ ہی وہاں کوئی افق رہتی ہے۔

وہاں کوئی گیا ہی نہیں تھا۔ اس کا باپ کس منہ سے وہاں جاتا۔۔۔ زندگی کے اس حصے میں باپ نام کا بھرم رکھے اس شخص کی عزت بھی اس کے اندر سے گئی۔ تو اب سب کچھ چلا گیا عدن کے پاس سے۔۔۔ عدن خالی ہاتھ رہ گیا۔ اس سے اچھا تو وہ امریکی سیل میں ہی تھا۔ سر ہی پھوڑنا ہے تو آزادی میں ہی کیوں۔ پاگلوں کی طرح اس نے ایک ہی سڑک کے دس چکر لگائے۔ بڑبڑاتا رہا۔

اب اس کے پاس کچھ نہیں بچا۔۔۔ جو بچا تھا اسے چھین لیا گیا۔ اب اسے زندہ رہنا ہے تو صرف اپنی مرضی کے ساتھ۔ اپنے من پسند لوگوں کے ساتھ۔

☆ ☆ ☆

چند دن وہ عزیز کے ساتھ مقدمے کی سماعت میں مصروف رہا۔ چند اخبار والوں نے اس کے تفصیلی

WWW.PAKSOCIETY.COM

انٹرویو بھی لیے۔۔۔ عزیز اسے اپنے ساتھ چند دوسرے اداروں میں لے کر گیا' جو مزید اس کی مدد کر سکتے تھے۔ وہ ہفتے سے کچھ زیادہ دن مصروف رہا۔ فارغ ہوتے ہی اس نے افق کی نگرانی شروع کر دی۔ اب وہ گھر سے کم ہی باہر نکلتی تھی۔ لیکن جب بھی نکلتی' فرزام ساتھ نہیں ہوتا تھا۔ اسے فرزام کے آنے کا انتظار تھا۔ ٹیکسی میں بیٹھ کر ایک دن افق بہت بن ٹھن کر ایر پورٹ گئی۔ اسے وہ شخص دیکھنا تھا' جس کے لیے وہ جان لے بھی سکتی ہے تو اس کا خیال تھا کہ پھر یہ "جان" لینا فرزام کی ہی سہی۔ فرزام کی جان لے لینی چاہیے۔

اسی دن شام کو وہ دونوں اکٹھے باہر نکلے۔ وہ ان کے پیچھے ہی تھا۔ بس ایک بار اس نے انہیں ایک سڑک سے گم کر دیا تھا۔ دو گھنٹے وہ انہیں نیو بری میں ڈھونڈتا رہا۔ جب وہ اسے دوبارہ نظر آئے تو دونوں آمنے سامنے کھڑے ہنس ہنس کر باتیں کر رہے تھے۔

فرزام کی جان نکالنے کا یہ بہترین موقع تھا۔ وہ ان دونوں کے پاس چلا گیا تھا۔

تھپڑ مار کر وہ اس کا گریبان جھنجھوڑ رہی تھی۔ "تم نے میرے ساتھ یہ کیوں کیا؟ اتنا جھوٹ بولا؟ میں نے تمہاری مدد کی۔" وہ ساتھ ساتھ رو رہی تھی۔

"تم نے میری مدد نہیں کی۔ تم ہی نے کہا تھا کہ تم نے میرے باپ کے منہ پر تھپڑ دے مارا ہے۔ اس تھپڑ کے بارے میں میں نے انہیں بتا دیا ہے۔" خود کو اس کے ہاتھوں سے چھڑوا کر اس نے اطمینان سے کہا۔

"تم نے ایک بار پھر میرے ساتھ برا ہی کیا نا۔۔۔ تمہاری مدد کر کے میں خود اپنے ساتھ برا کیا۔"

"میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا افق! چھوڑ دو اسے۔۔۔ تم صرف مجھ سے محبت کرتی ہو۔ میں ہوں تمہارا مان۔"

ایک اور تھپڑ سے اپنا ہاتھ روک کر افق اسے وہیں کھڑا چھوڑ کر اپنے گھر کی طرف بھاگی۔

فرزام کا فون بند جا رہا تھا۔ پہلے جب اس نے کیا تھا تو ایک بیل گئی تھی۔ ٹیکسی میں بیٹھی وہ مسلسل اسے فون کر رہی تھی۔ اب وہ اسے سب سچ سچ بتا دے گی۔ اسے چھپانا ہی نہیں چاہیے تھا۔ وہ ناراض ضرور ہو گا۔ لیکن مان ہی جائے گا۔ بات بگڑ گئی تھی تو سنبھل بھی جائے گی۔

دروازہ کھول کر وہ اندر آئی تو ہر طرف اسے فرزام کا غصہ بکھرا نظر آیا۔ شاپنگ بیگز ادھر ادھر بکھرے پڑے تھے۔ جیسے ایک ایک کو اٹھا کر پھینکا گیا ہے۔ سارے جوتے' بیگز' کوٹ' کپڑے' شرٹس' پرفیوم' جیولری' ادھر ادھر بکھری پڑی تھی — گل دان بھی ٹوٹا ہوا تھا۔

"فرزام۔۔۔!" وہ لپک کر اس کے پاس آئی۔ وہ ڈائننگ ٹیبل پر سر رکھے بیٹھا تھا اور ایسے بیٹھا تھا جیسے کہیں سے بے عزت کر کے نکالا گیا ہو۔ اس نے سر اٹھا کر ایک تیز نظر اس پر ڈالی۔

"مجھے وہاں اکیلا چھوڑ آئے۔ مجھے سنتے تو سہی۔" راستے بھر وہ روتی آئی تھی۔ اسے دیکھتے ہی پھر سے رونے لگی۔

"لے لی تم نے اس کی ٹریٹ؟ کیسا رہا ڈنر؟"

"بکواس کر رہا تھا وہ۔" وہ چلائی۔ "جھوٹ بول رہا تھا۔ میں نے نہ بتا کر غلطی کی۔ اب نہیں کروں گی۔"

فرزام اٹھ کر صوفے پر آ بیٹھا۔ جیسے اسے سن ہی نہیں رہا۔

"پلیز میری بات سنو فرزام۔۔۔ میں نے مان لیا کہ میں نے غلطی کی۔ میرا یقین کرو۔ میں سب بتا دیتی ہوں۔"

"سن آیا ہوں۔ تم نے اس کی مدد کی۔"

"ویسے نہیں۔۔۔ جیسے آپ سمجھ رہے ہیں۔"

"پھر کیسے؟ تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ وہ کہاں ہے؟" وہ ایسے جرح کر رہا تھا۔ جیسے مقدمے کا فیصلہ تو پہلے ہی ہو چکا ہے۔ اب تو صرف وہ ایسے ہی سوال کر رہا ہے۔ "تم اسے بھولیں نہیں؟ تم نے اسے ڈھونڈ

نکالا۔"

اس نے صرف نفی میں سر ہی ہلایا۔ اتنے سے ہی سوالوں پر اسے اندازہ ہو چکا تھا کہ بات اتنی بھی آسان نہیں رہ گئی۔ اب اس یقین پر جواب دے دینے پر بھی کامل نہیں ہو گا۔ سر تیزی سے نفی میں ہلتا رہا۔

"ایسا نہیں ہے فرزام۔۔۔" آواز اور بھیگ گئی۔

"پھر کیسا ہے؟ کیسے ہوا یہ سب؟"

"میں نے میگزین میں اس کے بارے میں پڑھا تھا۔" وہ جانتی تھی۔ اس سلسلے میں پوچھا گیا اگلا سوال تھوڑے سے بچے کھچے یقین اور اعتماد کی بھی موت کر دے گا۔

"پھر۔۔۔" اس کے لیے پہلی بار فرزام کا انداز سخت تر ہو گیا۔ اس "پھر" کا جواب تو وہ خود نہیں جانتی تھی۔ اس "پھر" کا جواب ہی اسے لے ڈوبے گا۔ یہ "پھر" بہت الجھا ہوا تھا۔

"میں اس کے وکیل کے آفس گئی۔" اس کی آواز اٹک گئی۔ حلق خشک ہو گیا۔ الفاظ سارے غائب ہو گئے۔

"تمہیں اس کے وکیل کا کیسے معلوم ہوا؟"

"میں نے سرچ کیا تھا۔" شرمندہ سے وہ اور شرمندہ ہو گئی۔

"اوکے۔۔۔" یہ اوکے بہت جان لیوا تھا۔

"تم آفس کیوں گئیں؟ وہ سوال کر رہا تھا۔ وہ اپنا اور اس کا مذاق اڑا رہا تھا۔"

پاگل تھی جو گئی۔ خود نہیں جانتی تھی۔ اب بتا اور سمجھا نہیں سکتی تھی۔

"میں پاگل تھی فرزام! جو چلی گئی۔ خدا جانتا ہے۔ میں بنا کسی وجہ کے گئی۔ وکیل نے میری بہت منت سماجت کی۔ مجھے اکسایا۔ انسانیت کے واسطے دیے۔ مسلمان ہونے کا کہا۔"

"تم نے انسانیت کے ناتے یہ سب کیا؟" وہ بظاہر بہت اطمینان سے یہ سب پوچھ رہا تھا۔

"ہاں۔۔۔ میرا یقین کرو۔ حالات ایسے۔۔۔"

"لاکھوں لوگ جیلوں میں بند ہیں۔ پاکستانی' مسلمان'

پیارے بچوں کے لئے

قصص الانبیاء

تمام انبیاء علیہ السلام کے بارے میں مشتمل ایک ایسی خوبصورت کتاب جسے آپ اپنے بچوں کو پڑھانا چاہیں گے۔

ہر کتاب کے ساتھ حضرت محمد ﷺ کا شجرہ مفت حاصل کریں۔

قیمت -/300 روپے

بذریعہ ڈاک منگوانے پر ڈاک خرچ -/50 روپے

بذریعہ ڈاک منگوانے کے لئے

مکتبہ عمران ڈائجسٹ

37 اردو بازار، کراچی۔ فون: 32216361

WWW.PAKSOCIETY.COM

انسان بھی۔"

"مجھے معاف کردیں فرزام۔" اس کے پاس فرزام کے ایسے سوالوں کے جواب نہیں تھے۔ سوال کے نام پر اب اس کے پاس مانگنے کے لیے صرف معافی ہی تھی۔

"تم کس دن آفس گئیں؟"

"جس دن آپ کا میسج آیا تھا کہ گھر سے باہر نہ جانا۔" اب مسئلہ یہ تھا کہ وہ جتنے بھی سچ بول رہی تھی۔ وہ حیثیت میں دو کوڑی کے بھی نہیں تھے۔ ایک سچ جو جج کے سامنے بول کر کسی کو پھانسی سے بچالیتا ہے۔ اگر بروقت نہ بولا جائے تو بعد ازاں بے شک ساری دنیا کے سامنے بلند و بانگ بولا جائے۔ پھر وہ سچ صرف ایک گونج ایک اعلان ہی بن کر رہ جاتا ہے۔

"مجھے معاف کردیں فرزام۔۔۔ میں نے اتنا کچھ چھپایا۔۔۔ میرے اور اس۔۔۔"

"معاف کیا۔"

اسے درمیان میں ہی ٹوک کر وہ خود اٹھ کر بیڈ روم میں چلا گیا۔ دروازہ لاک کرلیا۔ لمحوں میں ہی اس نے اس دن سے اب تک کی ساری فلم آنکھوں میں چلائی۔ اس کے سارے جھوٹ فرزام کے کانوں کو سنائی دے گئے۔ افق لاؤنج میں کھڑی رہ گئی۔ گھٹنے ٹیکنے والا مرد مقفل ہو کر اکیلا ہی بیٹھ گیا۔ انگوٹھی نہ جانے کہاں گئی۔ ٹیکسی کی کھڑکی سے باہر۔۔۔ یا اس گھر کی۔ پہلی بار افق نے اپنی قسمت کو کوسا۔ منہ پر ہاتھ رکھ کر وہ رونے لگی۔ فرزام کی جگہ کوئی بھی ہوتا وہ یہی کرتا۔ شاید اسے سرراہ ہی تھپڑ مار دیتا۔ گھر سے نکال دیتا۔

عدن نامی دیا اسے ہمیشہ ناکام کروا دیتی تھی۔ آج وہ فرزام کے آگے بھی فیل ہو گئی۔

اگلے دن وہ صبح ہوتے ہی چلا گیا۔ وہ گھر میں ہی اس کا انتظار کرتی رہی۔ ابھی وہ غصے میں ہے۔ اس سے بہت ناراض ہے۔ وہ مان ہی جائے گا۔ وہ اس سے بہت محبت کرتا ہے۔

رات گئے وہ آیا اور سیدھا کمرے میں چلا گیا۔ اس نے کوشش کی بات کرنے اور کمرا کھلوانے کی۔ مگر نہ اس نے بات کی' نہ ہی کمرا کھلا۔ آنے والے چند اور دن بھی ایسے ہی چلتا رہا۔ پیرس جانے والا جوڑا اور خریدی گئی اتنی ساری چیزیں دھری کی دھری رہ گئیں۔ وہ سارا وقت روتی رہتی۔ دونوں کے درمیان وقت اور حالات کی جو خلیج تھی اور جسے دونوں ہی جانتے تھے اور وقت کے ساتھ ساتھ ختم کررہے تھے۔ وہ خلیج ایک دم ہی پھیل کر انہیں بہت دور لے گئی۔ اب جب وہ اس کے قدموں میں بیٹھنا چاہتی تھی۔ وہ اس سے بات بھی نہیں کرنا چاہتا تھا۔

کچھ غلطیاں نقصان کا باعث بنتی ہیں۔ کچھ غلطیاں لے ڈوبتی ہیں اور کچھ کچل کر ملیامیٹ کردیتی ہیں۔ عدن یہ تینوں غلطیاں تھا اور یہ تینوں افق سے ہوئی تھیں۔

اس کے باپ کو پہچان لینے پر بھی وہ اس کی خصلت کو نہیں جان سکی۔ آخر خون تو ایک ہی تھا نا۔ وار کردیا ناعدن نے اس پر۔ ایسا وار کہ اس کی جان ہی نکال لی۔

اگر انسانیت کے نام پر اسے یہ سب کرنا ہی تھا تو فرزام سے کیوں چھپایا؟ یہ غلطی اسے ملیامیٹ کرچکی تھی۔ اب اسے وقت کا ہی انتظار تھا کہ فرزام اس پر یقین کرلے۔

جس کمپنی کے ساتھ وہ کینیڈا کام کرکے آیا تھا۔ اسی کی ایک اشترا کی کمپنی میں وہ کام کرنے لگا۔ آفس کے پہلے دن جو اسے پھولوں کے بکے ملے۔ اسے اس نے ٹیبل پر پٹخ دیا۔ سارے منصوبے خاک ہو گئے۔ دو ماہ کی لمبی چھٹی اور یورپ کی سیر۔۔۔ صرف اس کی پیاری بیوی افق اور ساتھ صرف وہ۔۔۔

افق نے کالج جانا چھوڑ دیا۔ اسٹور جانا بھی چھوڑ دیا۔ وہ اس حالت میں ہی نہیں تھی کہ کہیں جاتی۔ سارا دن لفظ جوڑتی رہتی اور فرزام کی طرف نظر اٹھتے ہی اس کا دم نکل جاتا۔ وہ اس سے بات نہیں کرتا تھا۔ اس کی طرف دیکھتا نہیں تھا۔ ناشتا کرکے نہیں جاتا تھا۔ گھر آکر کھانا نہیں کھاتا تھا۔ رات رات بھر افق روروکر دعائیں کرتی رہتی۔ وہ فرزام کے بغیر نہیں رہ سکتی تھی۔ لیکن وہ فرزام کے ساتھ ایسے بھی نہیں رہ سکتی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ وہ اس سے محبت کرتا ہے اور اسے وہ بتا نہیں سکی کہ وہ اس سے کس قدر محبت کرتی ہے۔ دونوں ایک ہی راستے پر ایک ساتھ چلتے چلتے ایک دوسرے کی پشت پر آگئے۔

ایک روز وہ حسب معمول رات گئے آیا تو اس نے آتے ہی اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"خدا کے لیے میرے ساتھ ایسے نہ کرو فرزام! مجھے مارلو' برا بھلا کہو۔ لیکن ایسے نہ کرو۔"

سارا دن بھی وہ روتی رہی تھی۔ اس کے سامنے بھی رو رہی تھی۔

اس نے جھٹکے سے اپنا ہاتھ اس سے آزاد کروایا۔

"اور تم نے میرے ساتھ کیا' کیا افق! تم نے مجھ سے سب کچھ چھپایا۔ جھوٹ پر جھوٹ بولا۔ کئی بار میں نے تم سے پوچھا۔ تم ٹھیک ہو۔ تم یہی کہتی رہیں کہ تم ٹھیک ہو۔ ان دنوں تم اس سے مل رہی تھیں نا؟ چھپ کر اتنا کچھ کررہی تھیں۔"

"میں اس سے نہیں ملی تھی۔ وہ میرے راستے میں آتا تھا۔"

"کیوں اس شخص کے لیے تم اس وکیل کے آفس جا پہنچی تھیں۔ مجھے یقین دلاؤ افق! تم بنا کسی وجہ کے گئی تھیں۔ تم اس شخص عدن کے لیے نہیں گئیں۔ ابھی تک وہ تمہارے اندر ہے۔"

"میں اس سے نفرت کرتی ہوں۔۔۔ میرا یقین کرو۔"

"ہاں! مجھے یقین دلاؤ افق۔۔۔ میں یقین کرنا چاہتا ہوں۔ تم سے محبت کرتا ہوں۔ تمہارا ہی تو یقین کرنا چاہتا ہوں۔ لیکن تم نے اس یقین کا بہت غلط استعمال کیا۔ تم نے میرا اعتماد تار تار کردیا۔ اتنے سال سے میرے ساتھ ہو۔ مجھے جان نہیں سکیں۔ تم نے مجھ سے اتنے جھوٹ بولے۔ جس نے شادی سے پہلے ہر کڑوے سچ کو سن کر بھی تمہیں اپنایا۔ اگر تمہیں اس شخص سے نفرت ہوتی تو تم اس میگزین کو ہی پھاڑ کر پھینک دیتیں۔ یہ ہوتی تمہاری نفرت۔ اپنے قدم باہر کی طرف بڑھانے سے پہلے تم میری طرف آتیں۔ سالوں پہلے میں نے ہزاروں بار یہ شکوہ کیا تھا کہ کس قوت نے مجھے برطانیہ سے نکال باہر کیا۔ تم سے شادی کرتے ہوئے مجھے اس قوت پر بہت پیار آیا۔ میں نے لاکھوں بار شکر ادا کیا کہ مجھے افق کے لیے بروقت وہاں سے نکال دیا گیا۔ روی سے دور کردیا گیا۔ آج مجھے یقین ہوا ہے افق! کہ مجھے تو تم سے میرے ناکردہ گناہوں کی سزا دینے کے لیے ملوایا گیا ہے۔ جس کے بعد میں کسی اور قابل ہی نہ رہوں۔ بس تم ہی میرا یہ انجام ہو۔ ہر خواب کی اجڑی تعبیر۔ زندگی میں جس تباہی سے میں بچتا رہا' اس تباہی کو خود اپنی زندگی میں شامل کرلیا۔ مجھے یقین دلاؤ افق! تم اس شخص سے نفرت کرتی ہو۔۔۔ اور یہ سب کچھ تم نے نفرت میں کیا؟ اب نہ جانے یہ وقت کتنا وقت لے گا۔ پھر سے محبت کے لیے۔"

فرزام چلا گیا۔ افق کھڑی رہ گئی۔

اب اکثر وہ اسے آن لائن روی سے بات کرتا نظر آتا۔ افق نے چھپ کر عدن سے بات کی تھی۔ وہ سامنے کرتا تھا۔ مسٹر فرزام کے گھر میں مسز فرزام اجنبی ہو گئیں۔ دنیا کے ہر کام سے افق کا دل اچاٹ ہو گیا۔ ایک فرزام کے علاوہ اسے کسی کی فکر نہ رہی۔ ایک اسی کے علاوہ اسے کوئی دکھ نہ رہا۔ اس کی سب سے بڑی خوشی اس کے لیے سب سے بڑا غم بن گیا۔

وہ آفس سے جلدی آگیا۔ اسے آواز دے کر سامنے صوفے پر بٹھایا۔ دونوں کے درمیان آواز دے کر بلانے اور ایسے موقع پر آمنے سامنے بیٹھنے کا رواج ختم ہو گیا تھا۔ وہ اس کی شکل کی طرف دیکھ رہی تھی اور اس کی طرف دیکھ کر اس کا جی چاہا کہ کانوں میں انگلیاں دے لے۔

"میں کاغذات بنوا رہا ہوں۔۔۔ اسلامک سینٹر گیا تھا۔"

"کیسے کاغذات؟" اس نے درمیان میں ہی ٹوک دیا۔

"طلاق کے۔۔۔" کتنے آرام سے اس نے کہہ دیا۔ نہیں اتنے آرام سے بھی نہیں کہا۔ قیامت دونوں طرف ہی آئی تھی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

صائمہ اکرم چوہدری

دیمک زدہ خواہشیں

سکینہ جمیلہ مائی اور اللہ دتا کمہار کی اکلوتی بیٹی ہے' جو شادی کے سترہ سال بعد پیدا ہوئی اور چودہ برس کی عمر میں کپڑے پن کی بیماری میں مبتلا ہو گئی۔ پانچ سال لگاتار علاج کے بعد بیت المال والوں نے اسے سرکاری اسپتال میں پرائیویٹ کمرا دلوا دیا۔ جہاں ڈاکٹر خاور اس کا مفت علاج کر رہے ہیں۔ عام سی شکل و صورت والی سکینہ ڈاکٹر خاور کو پسند کرنے لگتی ہے۔ سکینہ کی آواز بہت خوب صورت ہے تاہم ڈاکٹر خاور اسے صرف اپنی مریضہ سمجھتے ہیں۔

ماہم منصور حسین ترین سائیکولوجسٹ ہے اور اپنا ذاتی کلینک چلاتی ہے۔ رامس علی اس کا مریض ہے۔ ماہم بلا کی حسن پرست ہے۔ اس کی دوست عائشہ قدرے کم صورت ہے۔ عائشہ کا بھائی موحد رحیم ماہم کو پسند کرتا ہے مگر سوات آپریشن میں اس کی دونوں ٹانگیں ضائع ہو جانے کے سبب ماہم اس سے کھنچ جاتی ہے۔ ماہم کی بڑی بہن ثمن عائشہ کے کزن انصر کی بیوی ہے اور ڈیپنڈنٹ ہے۔

رامس علی اپنے نفسیاتی عارضے کی وجہ سے خودکشی کی کوشش کرتا ہے لیکن بچ جاتا ہے۔ اس حادثے کے بعد رامس اور ماہم ایک دوسرے کے قریب آجاتے ہیں۔

سکینہ کی خوب صورت آواز کی وجہ سے ڈاکٹر خاور اسے ایک نعت کمپیٹیشن میں حصہ لینے کے لیے کہتے ہیں۔ ڈاکٹر خاور کی ساتھی ڈاکٹر زویا کو ان کا سکینہ پر مہربان ہونا ناگوار گزرتا ہے۔ سکینہ اور ڈاکٹر خاور کو ان کی ناپسندیدگی کا علم ہے۔ جمیلہ مائی وقتاً" فوقتاً" سکینہ کو سمجھاتی رہتی ہیں۔ نعت کمپیٹیشن میں سکینہ کی ملاقات موحد اور عائشہ سے ہوتی ہے۔ عائشہ کی پینٹنگز سے متاثر ہو کر علی اس میں دلچسپی لینے لگتا ہے۔ مگر ماہم کو یہ بات اچھی نہیں لگتی۔

ناولٹ

WWW.PAKSOCIETY.COM

ثنائلہ زبیر ایک مشہور مصنفہ ہے۔وہ اپنے فرضی کردار سکندر شاہ سے محبت میں مبتلا ہو جاتی ہے۔اسی سلسلے میں اس کی ملاقات ماہم سے ہوتی ہے۔ ثنائلہ اپنی ماں کا واحد سہارا ہے۔اس کا اکلوتا بھائی دوسرے ملک میں اپنی فیملی کے ساتھ رہتا ہے اور انہیں تقریباً" بھول ہی گیا ہے۔ معمولی ایکسیڈنٹ کے واقعے میں اس کی ملاقات موحد سے ہوتی ہے۔وہ سکندر شاہ سے بے حد مماثلت رکھتا ہے۔ثنائلہ اور موحد کی دوستی ہو جاتی ہے۔مارننگ شو کی میزبانی کرنے سے منع کرنے پر ثمن 'انفر سے خلع کا دعوا دائر کر دیتی ہے۔ ایک اسپتال میں عائشہ علی کو ایک لڑکی کے ساتھ گائنی وارڈ میں دیکھ کر برگشتہ ہو جاتی ہے۔ماہم 'رامس کی ٹانگوں پر برص کے نشان دیکھ کر پیچھے ہٹ جاتی ہے اور تقریباً" اس سے قطع تعلق کر لیتی ہے۔ رامس دلبرداشتہ ہو کر عائشہ سے رابطہ کرتا ہے۔عائشہ اسے ریلیکس کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ڈاکٹر خاور 'زویا سے سکینہ کے معاملے میں خفا ہو جاتے ہیں اور انہیں واپس اپنے ملک جانے کا کہہ دیتے ہیں۔عائشہ شاپنگ مال میں علی اور ماہم کو اکٹھے نہایت بے تکلفی سے باتیں کرتے دیکھ کر مزید ڈسٹرب ہو جاتی ہے۔

اعجاز کی ماں سکینہ سے اس کا رشتہ ختم کر کے اپنی بھانجی سے طے کر دیتی ہے۔ سکینہ خوش ہو جاتی ہے۔گفتگو کے دوران ثنائلہ کو پتا چلتا ہے کہ موحد 'ماہم کو جانتا ہے۔ رامس اپنی والدہ کو عائشہ کے گھر لے کر آتا ہے۔رامس اور موحد کی اچھی دوستی ہو جاتی ہے۔ماہم دیکھ کر حیران رہ جاتی ہے۔ انفر بھائی ثمن آپی کو طلاق دیتے ہیں۔ماہم 'علی میں دلچسپی لینے لگتی ہے۔ علی اس کے کلینک پر جاتا ہے تو بہت خوش ہو جاتی ہے۔ محفل موسیقی میں علی کا عائشہ سے سامنا ہوتا ہے مگر دونوں کے درمیان ناراضی ہنوز برقرار رہتی ہے۔ مزید وہ لائبریری میں اس لڑکی کو دیکھ لیتی ہے جسے پہلے بھی عائشہ نے علی کے ساتھ دیکھا ہوتا ہے۔وہ اپنا حوالہ علی کی بیوی کے نام سے دے رہی ہوتی ہے۔

ثنائلہ کی غیر موجودگی میں باہر سے اس کا کزن ملنے آتا ہے۔ مگر اس کی ملاقات صرف نابیہ سے ہی ہو پاتی ہے۔دونوں کو ایک دوسرے کی نظر میں اپنے لیے پسندیدگی نظر آجاتی ہے۔ماہم 'عائشہ کے ساتھ رامس کا نام لے کر علی کو بدگمان کرنے کی بھرپور کوشش کرتی ہے اور علی واقعی عائشہ کے ساتھ رامس کو دیکھ کر سخت برگشتہ ہو جاتا ہے۔ جبکہ عائشہ حیران رہ جاتی ہے کہ رامس اور علی بھائی ہیں۔ انفر کی والدہ انفر کے لیے عائشہ کی بات کرتی ہیں مگر مسز رحیم منع کر دیتی ہیں لیکن یہ بات پھیل جاتی ہے۔عائشہ کو سخت غصہ آتا ہے جبکہ ماہم اس پر خوب گرجتی ہے۔ رامس کی والدہ بیمار ہوتی ہیں۔وہ عائشہ کو ان سے ملوانے لے جاتا ہے۔وہاں علی بھی موجود ہوتا ہے۔ علی اور عائشہ کے درمیان ساری غلط فہمیاں ختم ہو جاتی ہیں۔

نویں قسط

"آپ عائشہ کو کیسے جانتے ہیں۔" رامس کے چہرے پر دنیا جہاں کی حیرانی تھی۔وہ علی کے چہرے پر لطف لیتی مسکراہٹ کو دیکھ کر حیران ہوا۔ جبکہ عائشہ کا چہرہ خاصا بدحواس سا دکھائی دے رہا تھا۔

"یہ تو آپ عائشہ سے ہی پوچھیں۔"

اس کی بات نے عائشہ کو بالکل ہی بوکھلا دیا۔وہ ایک دم گڑبڑا کر بولی۔ "آپ خود کیوں نہیں بتا دیتے۔"

"بھئی! یہ آپ دونوں کون سی پہیلیاں بجھوا رہے ہیں، سیدھے سیدھے بتا دیں۔" رامس تھوڑی سی اکتاہٹ کا شکار ہوا تو علی نے مسکرا کر اسے دیکھا۔

"ان کو کون نہیں جانتا' بہت اچھی سوشل ورکر اور بہت عمدہ مصورہ ہیں۔ میں نے ان کی ایگزیبیشن بھی اٹینڈ کی تھی' ویسے بھی اکثر ہیلو ہائے رہتی ہے۔" علی کے ہلکے پھلکے انداز پر عائشہ نے سکون کا سانس لیا۔ جبکہ رامس کے چہرے پر ہلکی سی الجھن جھلکی۔

"اگر آپ ان کو پہلے سے جانتے تھے تو اس دن ان سے کیوں نہیں ملے؟" رامس کے سوال نے ان دونوں کے ہی چھکے چھڑائے۔

"کس دن؟" علی نے مصنوعی حیرانی کی انتہا کر دی۔

"بھئی کچھ دن پہلے ہی کی تو بات ہے' جب میں اور عائشہ میڈیسن دینے گھر آئے تھے اور آپ گھر سے نکل رہے تھے۔" رامس نے معصومیت سے انہیں یاد دلانے کی کوشش کی۔

"اچھا۔" علی نے مصنوعی حیرت سے رامس کا الجھن بھرا چہرہ دیکھا۔ "مجھے یاد نہیں' ہو سکتا ہے کہ میں جلدی میں ہوں۔"

"اچھا۔" رامس نے لاپروائی سے کندھے اچکائے۔ لیکن اس کے انداز سے لگ رہا تھا جیسے اسے علی کی بات کا یقین نہ آیا ہو۔

"سچ سچ بتائیں کہ آپ واقعی علی بھائی کو جانتی تھیں۔" وہ اگلے ہی دن اس سے فون پر الجھن بھرے انداز میں پوچھ رہا تھا۔

"کیوں' تمہیں نہیں لگا کیا؟" عائشہ نے الٹا اس سے سوال کیا۔

"اصل میں بھائی کی بڑی لائف میں ان چیزوں کی گنجائش نہیں نکلتی۔ اس لیے حیران ہوں۔" رامس نے سادگی سے بتایا تو وہ جواباً" ہنس پڑی۔

"کیوں تمہارے بھائی کہاں کے منسٹر لگے ہوئے ہیں۔" عائشہ نے شرارت سے اسے چھیڑا تو وہ تھوڑا سا برا مان کر چپ ہو گیا۔

"بھئی اپنے ننھے منے دماغ پر اتنا زور نہ ڈالو۔ مجھے تو ہزاروں لوگ جانتے ہیں اور جہاں تک تمہارے بھائی کی بات ہے تو انہوں نے مجھ سے کچھ پینٹنگز خریدی تھیں۔" عائشہ نے اسے مطمئن کرنے کے لیے کچھ تفصیل سے بتایا وہ کچھ مطمئن ہوا۔

☆ ☆ ☆

"اماں۔" سکینہ نے سیپارہ پڑھتی اماں کو بڑی خوف زدہ سی آواز میں پکارا۔ اماں نے چونک کر سکینہ کی طرف دیکھا جو ہراساں نگاہوں سے کھڑکی کے باہر دیکھ رہی تھی۔

"کیا ہوا سکینہ؟"

"اماں! ذرا دیکھ اس درخت کو کیا ہو گیا۔" سکینہ کی آواز میں خوف ہی خوف تھا۔ اماں نے اس کی نظروں کے تعاقب میں باہر جھانک کر دیکھا تو ایک لمحے کو وہ بھی سناٹے میں آگئیں۔ ایک لمحے تو وہ بھی کچھ نہیں بول پائیں۔

"اماں! یہ آکاس بیل کتنی زہریلی نکلی' اچھے خاصے سرسبز درخت کو کھا گئی۔ دیکھ ذرا! کیسے سوکھ گیا ہے۔ یہ دونوں میں۔" سکینہ کی بات پر اماں نے چونک کر سکینہ کی نم آنکھوں کو دیکھا۔

"پگلی! تو کیوں پریشان ہوتی ہے۔" جمیلہ مائی کی آنکھوں میں سکینہ کے لیے ایک خاموش دلاسا تھا۔

"اماں! یہ دوسرا درخت ہے' جو میرے یہاں ہوتے ہوئے بھری بہار میں ٹنڈ منڈ سا ہو گیا ہے۔ اب چڑیاں کہاں بیٹھیں گی۔" سکینہ کے بچکانہ انداز پر جمیلہ مائی زبردستی مسکرائیں۔

"پتر! چڑیوں کی فکر نہ کر' وہ اپنا ٹھکانہ کہیں نہ کہیں کر لیں گی بھلا کسی کے مرنے یا اجڑنے پر بھی دنیا کا کاروبار رکا ہے۔" جمیلہ مائی کے لہجے میں کوئی ان کہا سا دکھ بولا۔

"ہاں اماں! تو ٹھیک کہتی ہے۔ بندوں کے مرنے پر کچھ نہیں ہوتا' یہ تو ایک درخت تھا۔" سکینہ اداس ہوئی۔

"میری دھی خوش خوش رہا کر۔" جمیلہ مائی نے اسے فوراً" نصیحت کی۔

"اماں! خوشی انسان کے اپنے اختیار میں تو نہیں۔ یہ جو انسان کے اندر کسی سانپ کی طرح کنڈلی مار کر بیٹھا ہوا غم ہوتا ہے نا' یہ ہر موقع پر اپنا پھن پھیلا کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ بندہ اس کے ڈر سے کھل کر خوش بھی نہیں ہو سکتا۔" سکینہ نے کوئی گہرا فلسفہ ہی بولا تھا جو جمیلہ مائی نے چونک کر اسے دیکھا۔

"ہاں پتر! یہ غم' دکھ' فکریں اور پریشانیاں بھی آکاس بیل کی طرح ہوتی ہیں۔ بندے کو چمٹ جائیں تو اسے اندر باہر سے ایسے ہی کھوکھلا کر دیتی ہیں۔" جمیلہ مائی نے کسی خیال میں ڈوب کر کہا تو سکینہ ایک لمحے کو چپ کر گئی۔

"کبھی کبھی تو مجھے لگتا ہے اماں! میں بھی اسی

WWW.PAKSOCIETY.COM

درخت کی طرح ہوں اور میری بیماری بھی مجھے اسی آکاس بیل کی طرح کھا جائے گی۔" سکینہ کی بات نے جمیلہ کو دہلا کر رکھ دیا۔

"اللہ کو مان سکینہ! کیسی باتیں کرتی ہے۔"

"اماں! بعض باتیں اور چیزیں انسان کے دل میں وحی کی طرح اترتی ہیں۔ ان کی تصدیق کے لیے انسان کو کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ان کی سچائی اور حقیقت خود بخود پانی کی طرح اپنا راستہ بنا لیتی ہے۔" سکینہ ہنسی تو جمیلہ مائی کو اس کی آواز میں ٹوٹے کانچ کی جھنکار سنائی دی۔

"دیکھ سکینہ! اللہ سے برا گمان نہ رکھا کر' اسے اپنے بندے کے منہ سے ناامیدی اور مایوسی کی باتیں اچھی نہیں لگتیں۔" جمیلہ مائی سچ مچ خفا ہوئیں۔

"پھر اللہ انسان کو ایسی آزمائش میں ڈالتا ہی کیوں ہے۔" بہت دن کے بعد سکینہ نے شکوہ کیا تھا۔

"دیکھ! بندے کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ اپنے رب سے سوال جواب کرے۔ جس سے محبت ہو' اس سے کیا' کیوں اور کیسے والے سوال نہیں کیے جاتے۔ خود کو بس اس کی مرضی پر ڈال دیا جاتا ہے۔ اس کی رحمت بندے کی آزمائش سے بہت زیادہ ہے۔ بس اللہ سے رحمت اور کرم مانگا کر۔" جمیلہ مائی عصر کی نماز پڑھنے کے لیے کھڑی ہو گئیں۔

"اماں! تو بہت عجیب باتیں کرتی ہے۔" سکینہ نے برا سا منہ بنا کر کتاب اٹھالی۔ اماں مسکراتے ہوئے واش روم کی جانب بڑھ گئیں۔ اسی لمحے کمرے کا دروازہ ہلکا سا بجا کر ڈاکٹر خاور اندر داخل ہوئے۔

"ڈاکٹر صاحب! ایسا لگتا ہے جیسے کوئی گمشدہ چیز آپ کو صحیح سلامت واپس مل گئی ہے۔" سکینہ نے ان کے سلام کا جواب دے کر فوراً" ہی کہا۔ وہ چونکے' اپنی جگہ پر ٹھٹکے اور مسکرا دیے۔

"تمہیں کیسے پتا لگا سکینہ!" وہ اسٹول کھینچ کر سکینہ کے بیڈ کے پاس بیٹھ گئے۔ ان کے ہاتھ میں سکینہ کی فائل تھی۔

"بہت دن کے بعد میں نے آپ کے چہرے پر مسکراہٹ دیکھی ہے۔" سکینہ کی بات پر وہ ہنسے۔

"مجھے لگتا ہے کہ تم نے اپنی آنکھوں میں ایکسرے مشین فٹ کروالی ہے یا خوردبین' جو انسان کے اندر کی باتیں بھی جاننے لگی ہو۔" انہوں نے ہلکے پھلکے انداز سے بات کو ٹالنے کی کوشش کی۔

"ڈاکٹر صاحب! یہ جو محبت ہوتی نا' اس کے لیے خوردبین سے بھی زیادہ طاقت ہوتی ہے۔ ہمیں جس بندے سے محبت ہو' اس کے اندر جھانکنے کے لیے کسی ایکسرے مشین یا خوردبین کا سہارا لینے کی ضرورت نہیں۔ ایک نظر ہی آپ کو وہ سب کچھ بتا دیتی ہے جو دنیا کی کوئی جدید مشین نہیں بتا سکتی۔" سکینہ نے کتاب بند کرتے ہوئے ڈاکٹر خاور کو حیران کیا۔

"سکینہ! فرض کرو' آپ کو کسی سے محبت ہو اور اسے آپ سے نہ ہو تو؟" ڈاکٹر خاور کے سوال پر ایک بڑا گہرا تاریک سایہ سکینہ کے چہرے پر پھیلا۔

"محبت کوئی لین دین کا سودا تو نہیں' جو کچھ لو اور کچھ دو کی بنیاد پر کیا جائے۔ یہ تو ایسا سودا ہے جو نفع نقصان سے بے نیاز ہو کر کیا جاتا ہے۔" سکینہ تھوڑا افسردہ ہوئی۔

"اور اگر دونوں طرف آگ برابر لگی ہو تو۔" ڈاکٹر خاور نے بال پوائنٹ اپنے دانتوں تلے دباتے ہوئے ایک اور سوال کیا۔

"اگر ایسا ہو تو اس سے بڑھ کر انسان کی کیا خوش قسمتی ہو سکتی ہے۔" سکینہ زبردستی مسکرائی۔

"اچھا! سکینہ اب آپ ان تمام فلسفوں کی دنیا سے نکل آئیں اور اپنے آپریشن کے بارے میں کچھ سوچیں' جو اگلے ہفتے ہو گا۔" ڈاکٹر خاور نے بات ایک دم ہی پلٹ دی۔ سکینہ تھوڑی سی مایوس ہوئی۔

"ڈاکٹر صاحب! ایک بات پوچھوں۔" سکینہ تھوڑا سا تذبذب کا شکار ہوئی۔

"ہاں' ہاں ضرور۔" ڈاکٹر خاور نے اس کی حوصلہ افزائی کی تو وہ جھجک کر بولی۔

"آپ ناراض تو نہیں ہوں گے؟"

"ہرگز نہیں۔"

"کیا مجھ جیسی لڑکی سے کسی کو محبت ہو سکتی ہے؟" سکینہ کے سوال نے ڈاکٹر خاور کو بری طرح چونکا دیا۔

"ہاں' بالکل ہو سکتی ہے۔" وہ بغیر کسی جھجک کے بولے تو اس دفعہ حیران ہونے کی باری سکینہ کی تھی۔

"کیا میری جیسی لڑکی سے آپ جیسے مرد کو محبت ہو سکتی ہے؟" سکینہ نے اس دفعہ کمرے میں بلاسٹ ہی کیا۔

"آف کورس۔۔۔" ڈاکٹر خاور نے ایک دفعہ پھر سکینہ کو حیران کیا۔

"میری بیماری کے باوجود؟" اسے نہ جانے کیوں یقین نہیں آیا۔

"دیکھو! محبت کے پاس ظاہری بصارت نہیں ہوتی' وہ اپنے محبوب کو ہمیشہ باطن کی آنکھ سے دیکھتی ہے۔ وہ اسے ویسا ہی دیکھتی ہے' جیسا اس کا دل اسے دکھاتا ہے۔ چاہے ساری دنیا مل کر اسے آنکھیں کیوں نہ دے دے' وہ اپنے محبوب کے معاملے میں اندھی رہنا ہی پسند کرتی ہے۔" ڈاکٹر خاور کا سحر انگیز لہجہ سکینہ کو پاگل کر رہا تھا۔

"کیا کوئی ایسا شخص میری قسمت میں بھی ہو گا۔" سکینہ کے لہجے میں گمشدہ اعتماد لوٹ آیا' جو ڈاکٹر خاور کو بہت اچھا لگا۔

"ہاں ضرور۔۔۔ ان شاء اللہ۔" وہ جمیلہ مائی کو واش روم سے نکلتے دیکھ کر مسکرائے۔

"اماں جی! سکینہ کے لیے دعا کریں۔ اس کے آپریشن کی ڈیٹ فائنل ہو گئی ہے۔" ڈاکٹر خاور کی بات پر سکینہ اور جمیلہ مائی دونوں ہی زبردستی مسکرائیں۔ سکینہ کی آنکھوں میں ایک ہلکا سا خوف در آیا۔

☆ ☆ ☆

"ہائی ایم سوری عائشہ! میں اس دن کچھ تلخ ہو گئی تھی۔" ماہم اس دن اچانک ہی ان کی طرف آ نکلی۔ عائشہ پہلے تو اسے دیکھ کر حیران ہوئی لیکن اسے ماہم کا تلخ لہجہ اور گفتگو یاد آئی تو اس کا دل ایک دم ہی اکتاہٹ کا شکار ہوا۔

"آؤ بیٹھو۔" اپنے لان میں بیٹھ کر چائے پیتی عائشہ نے سپاٹ لہجے میں کہا تو ماہم نے ایک لمحے میں اس کا اجنبی سا انداز محسوس کیا۔

"ایکچوئلی یار! انصر بھائی کے گھر والوں نے پورے خاندان میں یہ بات آگ کی طرح پھیلا دی تھی۔" ماہم نے صفائی دینے کی کوشش کی۔

"میں اس ٹاپک پر تم سے کوئی بات کرنا نہیں چاہتی۔" عائشہ روکھے انداز میں بولی تو ماہم کو دھچکا سا لگا۔

"پلیز ٹرائی ٹو انڈر اسٹینڈ۔۔۔ مجھے غصہ آگیا تھا کہ تم نے مجھے بتایا کیوں نہیں۔" ماہم نے ایک دفعہ پھر وضاحت کرنے کی کوشش کی تو عائشہ نے ہاتھ کے اشارے سے اسے مزید بولنے سے روک دیا۔

"قصہ صرف تمہاری میراث نہیں ہے۔ کسی اور

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لیے خوبصورت ناول

میرے خواب لوٹا دو

نگہت عبداللہ

قیمت -/400 روپے

منگوانے کا پتہ:
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37، اردو بازار، کراچی
فون نمبر:
32735021

WWW.PAKSOCIETY.COM

کو بھی آسکتا ہے۔ مگر پھر تمہیں برداشت نہیں ہوگا سو پلیز کوئی اور بات کرو۔" عائشہ کے لہجے میں اس قدر رکھائی اور اجنبیت تھی کہ ماہم کچھ لمحے تک بول ہی نہیں سکی۔

"تمہارا کلینک کیسا جارہا ہے۔" عائشہ نے دانستہ موضوع بدلا۔

"ٹھیک۔" وہ ابھی تک سنبھل نہیں پائی۔ سخت حیرت سے اپنے سامنے بیٹھی عائشہ کو دیکھ رہی تھی۔ جس کی شخصیت کا یہ عجیب سا پہلو اس کے سامنے آیا تھا۔

"اور ثمن آپی ٹھیک ہیں؟" عائشہ نے آج فارمل گفتگو کرنے کے سارے ریکارڈ توڑ دیے۔

"ہاں ٹھیک ہیں' بس احیان کو مس کرتی ہیں۔" ماہم کی بات پر ایک طنزیہ سی مسکراہٹ نے عائشہ کے چہرے کا احاطہ کیا۔ لیکن اس نے دانستہ اس بات پر بصرہ کرنے سے پرہیز کیا۔

"تمہارے لیے چائے بنواؤں؟" عائشہ کی اس بات پر ماہم کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا۔

"میرا خیال ہے کہ تم مجھ سے مزید بات کرنا نہیں چاہتی ہو۔" وہ ایک جھٹکے سے کھڑی ہوئی۔

"یہ تمہارا ذاتی خیال ہے اور ضروری نہیں کہ ٹھیک بھی ہو۔" عائشہ نے لاپروائی سے کندھے اچکائے۔ اسی وقت ملازمہ کارڈلیس اٹھائے لان میں نمودار ہوئی۔

"عائشہ بی بی! آپ کی کال ہے' رامس صاحب ہیں۔" ملازمہ کی بات پر ماہم کے چہرے کی رنگت متغیر ہوئی۔ وہ جو جانے کے لیے پر تول رہی تھی۔ دانستہ وہیں جم کر کھڑی ہوگئی۔

"ہاں بھئی کیسے ہو رامس! ماما کیسی ہیں؟ سوری میں آج نہیں آسکی۔" عائشہ کی بات پر ماہم کی آنکھوں میں حسد اور جلن کی کیفیت نمودار ہوئی۔

"زیادہ فضول باتیں کرنے کی ضرورت نہیں۔ اگر کوئی مسئلہ ہے تو خود آکر لے جاؤ' میری گاڑی ورکشاپ میں ہے۔" عائشہ نے دوسری جانب اس کی کسی بات کے جواب میں بے تکلفی سے کہا تو ماہم کا تن بدن میں آگ سی لگ گئی۔

"تمہارے پاس تو انصر بھائی سے زیادہ بہتر [illegible] موجود ہے۔ سوری! مجھے اس کا خیال ہی نہیں آیا۔" اس نے جیسے ہی فون بند کیا' ماہم نے طنز کا تیر چلایا۔ عائشہ نے بمشکل خود کو مشتعل ہونے سے روکا۔

"میرے پاس رامس سے بھی بہتر آپشن ہے اس کی تمہیں گمان نہیں ہوگا۔" عائشہ نے کھڑے ہو کر بڑے اعتماد سے ماہم کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا تو اس کے چھکے چھوٹ گئے۔

"دھیان سے اڑنا' فضا میں بہت عقاب ہیں اور کسی معصوم فاختہ کی طرح ہو۔" ماہم اب براہ راست طنز پر اتر آئی۔

"نصیحت کا بہت شکریہ۔ میں اپنی ہی فضاؤں میں اپنی ہی حدوں کے اندر اڑتی ہوں۔ اس لیے مجھے عقابوں کا کوئی خوف نہیں' تم اپنی فکر کرو' کہیں پرائے آسمانوں کی تلاش میں سورج کی تپش ہی برداشت نہ کرسکو اور سارے پروں کو جلا بیٹھو۔" عائشہ کی بات نے ماہم کو سلگا کر رکھ دیا۔

"اس کا فیصلہ تو وقت ہی کرے گا۔" ماہم کا لہجہ عائشہ کو چیلنج کرتا ہوا محسوس ہوا۔

"اور مجھے یقین ہے کہ وہ وقت دور نہیں۔" عائشہ نے ایک دفعہ پھر اسے حیران کیا۔

☆ ☆ ☆

وفا کے وعدے وہ سارے بھلا گیا چپ چاپ
وہ میرے دل کی دیواریں ہلا گیا چپ چاپ

کمرے کی تاریکی اور خاموشی میں یہ غزل موحد بہت اچھی لگ رہی تھی۔ آنکھیں بند کیے وہ [illegible] وہیل چیئر پر بیٹھا کسی اور ہی دنیا میں گم تھا۔ جب [illegible] دبے پاؤں اس کے کمرے میں داخل ہوئی۔ اس نے دروازے کے پاس دیوار پر لگے سارے بٹن ایک ساتھ روشن کردیے۔ کمرے میں روشنی کا پورا طوفان آگیا تھا۔ موحد کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ اس نے

ساختہ اپنی آنکھوں پر دونوں ہاتھ رکھ لیے۔

"بھائی! آنکھوں پر ہاتھ رکھنے سے حقیقت بدل نہیں جاتی۔ زمانے کو قبیس کرنا سیکھیں۔" عائشہ نے بڑی محبت سے اس کے دونوں کندھوں پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"پتا نہیں کیوں' روشنیاں میری آنکھوں کو اچھی نہیں لگتیں۔" وہ شدید قسم کی قنوطیت کا شکار لگ رہا تھا۔

"اور مجھے آپ کے چہرے پر اداسی اور رنجیدگی اچھی نہیں لگتی۔" عائشہ کے لہجے کی کھنک پر وہ تھوڑا سا حیران ہوا۔

"عاشو! بہت خوش لگ رہی ہو۔" موحد نے آنکھیں کھول کر اپنی پیاری بہن کا پرسکون چہرہ دیکھا اور دل ہی دل میں نظر بد سے بچنے کی دعا کی۔

"خوشی کا تو پتا نہیں' لیکن بہت مطمئن ہوں میں۔" وہ اس کے سامنے آن بیٹھی۔ اس کا چہرہ اندرونی خوشی کے احساس سے جگمگا رہا تھا۔

"مطمئن ہونا' خوش ہونے سے زیادہ قیمتی جذبہ ہوتا ہے۔ سکون ایسی دولت ہے جو کسی کسی دل کو ہی نصیب ہوتی ہے۔" موحد نے اس کی چمکتی آنکھوں سے بمشکل آنکھیں چرائیں۔

"ان شاء اللہ! آپ کو بھی اللہ اس دولت سے مالا مال کرے گا۔" عائشہ نے دل کی گہرائیوں سے اپنے بھائی کو دعا دی۔

"پتا نہیں۔" وہ نہ جانے کیوں مایوسی سے گھرا ہوا تھا۔

"کیا حال ہے آپ کی ہیلن آف ٹرائے کا۔" عائشہ نے اسے چھیڑنے کی کوشش کی۔

"پتا نہیں' ایک ہفتے سے کوئی رابطہ نہیں۔۔۔" موحد کے جواب پر وہ چونکی۔ "کیوں۔۔۔"

"میں نے اسے ماہم کے بارے میں بتا دیا تھا۔ اب مجھے نہیں لگتا کہ وہ کبھی مجھ سے دوبارہ رابطہ کرے گی۔" موحد نے اپنے دل کا بوجھ ہلکا کر ہی دیا۔

"کیا بتایا؟" عائشہ کی بے تابی پر وہ افسردگی سے مسکرایا۔ "یہی کہ میرے دل پر بہت عرصہ اس نے حکمرانی کی تھی۔"

"یہ بتانا کیا ضروری تھا؟" عائشہ ناراض ہوئی۔

"اس نے پوچھا تھا اور میں نے جھوٹ بولنا مناسب نہیں سمجھا۔" اس کی سادگی پر عائشہ نے بے ساختہ اپنے ماتھے پر ہاتھ مارا۔

"بھائی! ہر حقیقت بتانے کے لیے نہیں ہوتی۔ کچھ چیزوں پر جب اللہ پردہ ڈال دیتا ہے تو بندے کو بھی پردہ ڈال دینا چاہیے۔" عائشہ نے اسے سمجھانے کی کوشش کی تو وہ اپنے نچلے لب کچلنے لگا۔

"پتا نہیں کیوں' لیکن میں اس سے جھوٹ نہیں بول سکتا۔" موحد نے کھلے دل سے اعتراف کیا۔

"اچھا۔ آپ اس کا نام بتائیں اور مناسب سمجھیں تو مجھے اس کا نمبر دیں۔" عائشہ کی فرمائش پر اسے جھٹکا سا لگا۔

"تم کیا کرو گی؟"

"اخبار میں تلاش گمشدہ کا اشتہار دوں گی۔" وہ ہلکا سا جھنجلائی۔ "بھئی' اس سے بات کروں گی اور کیا کروں گی۔" اس نے موحد کی سوالیہ نگاہوں سے گھبرا کر فوراً وضاحت دی۔

"میرے لیے خوشیوں کی بھیک مانگو گی؟" وہ تلخ ہوا۔

"کیوں' آپ کوئی لولے لنگڑے ہیں جو آپ کے لیے بھیک مانگوں گی۔" عائشہ اپنی روانی میں خاصا غلط بول گئی۔ لیکن موحد کا تاریک چہرہ دیکھتے ہی اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا۔

"آئی ایم سوری بھائی!" اس نے شرمندگی سے سر جھکایا۔

"کوئی بات نہیں' سچ منہ سے نکل ہی جاتا ہے۔ تمہیں شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں۔" موحد کا سپاٹ لہجہ عائشہ کو دکھی کر گیا۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی' موحد اپنی وہیل چیئر کے پہیوں پر تیز تیز ہاتھ مارتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔ عائشہ کو لگا جیسے اس کی ٹانگوں سے جان نکل گئی ہو۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

☼ ☼ ☼

"ہوں۔۔۔ بات تو آپ نے واقعی غلط کی اور بہت ہی زیادہ غلط کی۔" وہ رامس کو اپنا سارا دکھڑا سنا کر چپ ہوئی تو فون کی دوسری جانب سے رامس نے فوراً" ہی اسے مزید شرمندہ کیا۔

"اب کیا کروں؟" اس کی معصومیت پر رامس کو ہنسی آگئی اور دوسری جانب موجود عائشہ کو اس کی ہنسی کی آواز نے بتادیا۔

"میری جان پر بنی ہوئی ہے اور تم ہنس رہے ہو۔" وہ باقاعدہ جل کر گویا ہوئی۔

"آپ بات ہی ہنسنے والی کر رہی ہیں۔ بھئی سیدھی سی بات ہے کہ جب کوئی غلطی ہوجائے تو اس پر ایکسکیوز کرلینا چاہیے۔" رامس نے مسکراتے ہوئے اسے مشورہ دیا جو عائشہ کو بالکل بھی پسند نہیں آیا۔

"تمہارا کیا خیال ہے کہ میں نے سوری نہیں کیا ہوگا۔" اس نے طنزاً" پوچھا۔

"جی ضرور کیا ہوگا۔" رامس مسکرایا۔ "لیکن اس انداز سے کیا ہوگا کہ اگلا بندہ مزید دکھی ہوگیا ہوگا۔" وہ رامس کے درست اندازے پر حیران ہوئی۔

"تمہیں کس نے بتایا۔" اس کی حیرت پر وہ اب قہقہہ لگا کر ہنسا۔

"اچھا' اب ایسا کریں کہ جس مسئلے کی وجہ سے موحد بھائی پریشان ہیں۔ وہ حل کردیں۔" رامس نے اسے ایک نئی راہ دکھائی۔

"کیا مطلب۔"

"بھئی مطلب یہ کہ اس لڑکی کو فون کریں یا اس سے جاکر مل لیں۔" رامس نے مشورہ دیا۔

"ماشاءاللہ بہت عقل مند واقع ہوئے ہیں آپ۔" عائشہ کے لہجے میں طنز کی آمیزش شامل ہوئی۔ "اس لڑکی کا فون نمبر مانگنے کی وجہ سے ہی تو ساری گڑبڑ ہوئی ہے۔" عائشہ نے اسے یاد دلایا۔

"اوہ۔۔۔" وہ چونکا کچھ سیکنڈ کے توقف کے بعد بولا۔

"فون نمبر تلاش کرنا تو کوئی مسئلہ نہیں۔"

"وہ کیسے۔" عائشہ نے عجلت بھرے انداز میں پوچھا۔

"یہ بتاؤ کہ موحد بھائی کے فون کال کہاں آتا ہے' گھر پر یا آفس کے ایڈریس پر۔" رامس کے سوال پر حیران ہوئی۔

"گھر پر۔۔۔" عائشہ نے مختصراً" بتایا۔

"بس پھر تو سارا ہی مسئلہ حل ہوگیا۔ ان کے پچھلے مہینے کا بل چیک کرو' جس نمبر پر سب سے زیادہ اور سب سے لمبی کالز ہوئی ہوں گی۔ وہ اسی لڑکی کا نمبر ہوگا۔" رامس نے چٹکی بجاکر اس کا سارا ہی مسئلہ حل کردیا۔

"اوہ مائی گاڈ! تم کتنے چالاک ہو رامس!" عائشہ ایک دم ہلکی پھلکی ہوئی۔

"دیکھ لو' پھر بھی آپ کی دوست کے ہاتھوں دھوکا کھا گیا۔" اس نے استہزائیہ انداز سے اپنا مذاق اڑایا جو عائشہ کو بالکل اچھا نہیں لگا۔

"اس کی تو تم بات ہی نہ کرو ہم سب مل کر بھی باہم کے دماغ کا مقابلہ نہیں کرسکتے۔" عائشہ نے ہنستے ہوئے کہا۔

"خیر اب ایسی بھی بات نہیں۔ اونٹ کبھی نہ کبھی تو پہاڑ کے نیچے آئے گا نا۔" رامس کا لہجہ خاصا معنی خیز تھا۔ عائشہ تھوڑا سا الجھی۔

"چھوڑو' ہمیں کیا ضرورت ہے۔ بس اللہ سب کو ہدایت دے۔" عائشہ کی بات پر وہ مسکرایا۔

"آپ بہت اچھی فطرت کی حامل ہیں۔ لیکن افسوس کہ آپ جیسے لوگ بہت کم ہوتے ہیں۔" رامس نے کھلے دل سے اعتراف کیا۔

"پتا نہیں۔" عائشہ نے لاپروائی سے کہا۔ "میں بس ہر چیز کے لیے اپنے اللہ کے اور اپنے ضمیر کے آگے جواب دہ ہوں۔ دوسرے کیا ہیں اور کیسے ہیں میں ان باتوں پر اپنا وقت ضائع نہیں کرتی۔"

"بہت اچھا کرتی ہیں۔ ورنہ ہم میں سے اکثر فیصد لوگ اپنی ذات کے بجائے دوسروں کی ٹوہ میں لگے

رہتے ہیں۔ اسی سے معاشرے میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔" رامس سنجیدہ ہوا تو وہ سر ہلا کر رہ گئی۔

"تمہارے بھائی کا کیا حال ہے۔" عائشہ نے کچھ جھجک کر پوچھا۔

"بھائی بہت زیادہ بزی ہیں۔ آج کل کم کم ہی ملاقات ہوتی ہے۔" رامس نے سادگی سے بتایا تو اس نے فوراً" پوچھا۔

"کیا کرتے ہیں تمہارے بھائی؟"

"کیا مطلب؟" رامس ٹھٹکا۔ "انہوں نے آپ کو نہیں بتایا؟"

"نہیں' میں نے ان سے کبھی نہیں پوچھا۔" عائشہ کی سادگی نے رامس کو کافی زیادہ حیران کیا۔

"مائی گاڈ! کیسی لڑکی ہیں آپ۔" وہ خوش گوار انداز میں ہنسا تو دوسری جانب عائشہ چڑ سی گئی۔

"بس ایسی ہی ہوں۔" وہ اس کے جل کر بولنے پر بے اختیار ہنسا اور ہنستا ہی چلا گیا۔

☼ ☼ ☼

"سکینہ! آخر تو مجھے غلط کیوں سمجھتی ہے۔" آنکھوں میں ڈھیروں سرمہ اور تیل سے چپڑے ہوئے بالوں کے ساتھ جاجی پچھلے ایک گھنٹے سے سکینہ کی برداشت کا امتحان لے رہا تھا۔ اللہ دتا کمہار اور جمیلہ مائی ڈاکٹرز کے ساتھ سکینہ کے آپریشن کے سلسلے میں بات کرنے گئے تھے۔

"تجھے میری محبت کا اعتبار کیوں نہیں آتا؟" جاجی کے سوال نے اسے سلگا کر رکھ دیا۔

"میں نے تیری محبت کا کیا اچار ڈالنا ہے۔" وہ فوراً مشتعل ہوئی۔

"اچھا۔ پھر کس کی محبت کا اچار ڈالے گی۔" جاجی نے بھی آج ڈھٹائی کے سارے ریکارڈ توڑ دیے۔ اس کے سوال پر سکینہ ایک دم ہکا بکا ہوئی۔

"مجھے کیا' یہ میرا معاملہ ہے۔" سکینہ نے اماں کی غیر موجودگی کا بھرپور فائدہ اٹھایا۔ جاجی کا چہرہ ایک دم تاریک سا ہوگیا۔

"دیکھ سکینہ! محبت اپنے ماں کے لوگوں میں اچھی رہتی ہے۔ اپنے سے اونچا دیکھے گی تو گردن اکڑ جائے گی۔" جاجی کے ذومعنی انداز نے سکینہ کو ایک لمحے کو چپ کروادیا۔ اسے پہلی دفعہ احساس ہوا کہ وہ اتنا بھی بے خبر نہیں' جتنا وہ اسے سمجھتی ہے۔

"میری گردن اکڑے یا ٹوٹے' تجھے کوئی مسئلہ نہیں ہونا چاہیے۔" سکینہ نے نظریں چراتے ہوئے تلخ لہجے میں کہا۔

"مجھے ہی تو سارا مسئلہ ہوگا۔" جاجی کے لہجہ میں محبت کے ساتھ ساتھ افسردگی بھی تھی۔

"مجھے تیرے مسئلوں سے کوئی سروکار نہیں۔" سکینہ نے بے رخی سے کہتے ہوئے اپنا رخ موڑ لیا۔ وہ اب لان میں پھیلی دھوپ کو دیکھ رہی تھی۔ چمکیلی دھوپ نے سارے پودوں کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔

"دیکھ سکینہ! تو جتنی بھی میرے ساتھ بے رُخی برت لے' لیکن یاد رکھنا کہ زندگی میں جب بھی تو کوئی قدم اٹھائے گی۔ مجھے اپنے پیچھے پائے گی۔" جاجی کا پراعتماد انداز سکینہ کو سخت برا لگ رہا تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ جاجی کو مکھی بنا کر سامنے دیوار پر چپکا دے۔

"یہ دیکھ! جان چھوڑ میری۔" سکینہ نے باقاعدہ اس کے آگے ہاتھ جوڑے تو جاجی کا چہرہ پھیکا پڑ گیا۔ اندر داخل ہوتے ڈاکٹر خاور نے یہ آخری منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ وہ استعجابیہ نگاہوں سے دونوں کو دیکھنے لگے۔ جاجی تو گڑبڑا کر کھڑا ہوا اور کمرے سے نکل گیا۔ جبکہ سکینہ کا چہرہ زبردستی مسکرانے کی کوشش میں عجیب سا تاثر دینے لگا۔

"جو لوگ ہم سے محبت کرتے ہوں۔ ان کی قدر کرتے ہیں سکینہ!" نہ جانے کیوں ڈاکٹر خاور کے منہ سے نکلنے والے یہ الفاظ سکینہ کے دل پر کسی اینٹ کی طرح لگے۔

"پھر آپ میری قدر کیوں نہیں کرتے؟" اس نے بے باکی سے ڈاکٹر خاور کی طرف دیکھا جو اپنی جگہ پر ساکت رہ گئے۔ الجھن بھری نگاہوں سے سکینہ کو

WWW.PAKSOCIETY.COM

دیکھتے ہوئے انہوں نے خود کو بڑی جلدی سنبھالا۔
"مگر میں نے کبھی آپ سے اس لہجے میں بات کی' جس لہجے میں آپ اعجاز سے کرتی ہیں۔" ڈاکٹر خاور کی بات پر سیکنڈ بر گھڑوں پانی پڑ گیا۔ وہ خفت زدہ انداز سے اپنے لبوں کو کچلنے لگی۔ وہ برے طریقے سے لاجواب ہو چکی تھی۔
"وہ مجھے اچھا نہیں لگتا۔" اپنے ہاتھوں کو مسلتے ہوئے اس نے بچکانہ سے انداز میں کہا۔ کسی نرس کے ساتھ ڈاکٹر زویا اسی لمحے کمرے میں داخل ہوئیں۔
"لیکن مجھے تو آپ اچھی لگتی ہیں۔" ڈاکٹر خاور کا یہ جملہ ڈاکٹر زویا کے تن بدن میں آگ سا لگا گیا۔ انہوں نے دروازے کو ہلکا سا بجا کر اپنی موجودگی سے باخبر کیا۔ دونوں بے اختیار چونکے۔
"میرا خیال ہے میں نے خاصے غلط ٹائم پر انٹری دی ہے۔" ڈاکٹر زویا کے لہجے میں ہی نہیں' آنکھوں میں سے بھی شعلے نکلے۔
"آپ اکثر ہی غلط ٹائم پر انٹری دیتی ہیں اور بد قسمتی کی بات یہ ہے کہ آپ کو خود بھی کافی دیر کے بعد پتا چلتا ہے۔" ڈاکٹر خاور اپنی بات کہہ کر رکے نہیں اور کمرے سے نکل گئے۔ ڈاکٹر زویا کو یوں لگا جیسے ان کی قوت گویائی سلب ہو کر رہ گئی ہو۔

☆ ☆ ☆

"تھینکس گاڈ! امی کی طبیعت ٹھیک ہوئی اور ڈاکٹرز نے ان کو گھر شفٹ کرنے کا کہہ دیا۔" ثنائلہ نے اپنے بیڈ کی چادر ٹھیک کرتے ہوئے نابیہ سے کہا۔
"ہاں یار! ان کی بیماری نے تو واقعی ہاتھ پیر پھلا کر رکھ دیے تھے۔" نابیہ نے اپنے کندھوں کو دباتے ہوئے جواب دیا۔
"تھینک یو نابیہ۔" ثنائلہ بیڈ کی چادر درست کر کے اس پر بیٹھ گئی۔
"اگر مزید کوئی بکواس کی تو یہ بیگ گھما کر تمہارے سر پر دے ماروں گی۔" نابیہ نے کھا جانے والی نگاہوں سے ثنائلہ کو دیکھا۔
"قسم سے تمہارا بہت آسرا ہے مجھے' کاش میرا کمینہ بھائی بے وفائی نہ کرتا۔" ثنائلہ کے لہجے میں حسرتوں کا ایک جہان آباد تھا۔
"تھینک گاڈ! تمہارے خود غرض اور لالچی بھائی سے میری جان چھوٹ گئی' ورنہ تمہارا ہینڈسم کزن کیسے میری زندگی میں آتا۔" نابیہ نے اپنی ٹانگیں بے تکلفی سے میز پر رکھتے ہوئے ثنائلہ کو چھیڑا۔
"ہاں' کہہ تو تم ٹھیک رہی ہو' لیکن تم اس کی خود غرضی کی انتہا دیکھو کہ پورے ایک ہفتے میں صرف ایک کال کی اور اس میں بھی اپنی غربت کے رونے شروع کر دیے اس نے۔" ثنائلہ کو اپنا ایک اور دکھ یاد آیا۔
"مٹی ڈالو اس پر' یہ بتاؤ کہ تمہارے ہیرو کا کوئی فون آیا؟" نابیہ نے موضوع تبدیل کرنے کی غرض سے پوچھا۔
"نہیں یار!" ثنائلہ افسردہ ہوئی۔ "وہ سمجھ رہا ہو گا کہ میں اس سے خفا ہوں۔" ثنائلہ کو اپنی آخری گفتگو تمام تر جزئیات کے ساتھ یاد آئی۔
"ویسے نابیہ! سوچنے کی بات ہے کہ ماہم منصور نے آخر اس کے ساتھ ایسا کیا' کیا تھا جو وہ اتنا اس سے بد ظن ہو گیا۔" ثنائلہ نے مزید کہا۔
"ہو سکتا ہے کہ ماہم کا قصور اتنا نہ ہو۔" نابیہ نے ایک نکتہ نکالا۔
"جتنا' میں اسے جانتی ہوں' میں مان ہی نہیں سکتی کہ وہ کسی کے ساتھ کچھ برا کر سکتا ہے۔" ثنائلہ کے لہجے میں موحد کے لیے اندھا اعتبار تھا۔
"واہ جی واہ۔ صدقے جاؤں تمہارے اس اعتقاد پر۔" نابیہ نے ہنستے ہوئے اس کا مذاق اڑایا۔
"زیادہ فضول بولنے کی ضرورت نہیں۔ میرے کزن کو کچھ غیرت دلاؤ کہ اس کی پھپھو اتنی بیمار رہی ہیں' وہ اب تو انہیں دیکھنے آجائے۔" ثنائلہ کو اچانک یاد آیا۔
"اس کی اپنی والدہ ایک ہفتے سے اسپتال میں ایڈمٹ ہیں۔ میں نے تمہیں اس لیے نہیں بتایا کہ

نہیں تم پریشان نہ ہو جاؤ۔" نابیہ کی بات پر وہ حیران ہوئی۔
"ممانی جان بیمار ہیں۔" ثنائلہ ایک دم فکر مند ہوئی۔ "ماموں پاکستان واپس آگئے؟" اسے یاد آیا تو فوراً پوچھ لیا۔
"نہیں۔" نابیہ نے آہستگی سے کہتے ہوئے نظریں چرائیں تو ثنائلہ چونک سی گئی۔
"ادھر دیکھو میری طرف نابیہ! تم مجھ سے کیا چھپا رہی ہو۔" ثنائلہ کی چھٹی حس نے اسے بروقت چوکنا کیا۔
"میرے پاس' تمہارے لیے اس حوالے سے کوئی اچھی خبر نہیں۔" نابیہ کی بات پر اس کا دل بے ہنگم طریقے سے دھڑکا۔
"کیا مطلب ہے تمہارا؟" ثنائلہ نے بے تابی سے پوچھا۔
"دراصل تمہارے ماموں کا دو سال پہلے انگلینڈ میں انتقال ہو چکا ہے۔" نابیہ نے اس کے سر پر بم ہی تو پھوڑا تھا۔ وہ دکھ سے اسے دیکھتی رہ گئی۔ اسے یقین ہی نہیں آرہا تھا کہ ایسا بھی کچھ ہو سکتا ہے۔

☆ ☆ ☆

وہ آج پھر اپنے کینوس اور رنگوں کے ساتھ پارک میں موجود تھی۔ بہت عرصے کے بعد اس کا دل چاہا تھا کہ وہ کوئی خاص چیز پینٹ کرے۔ آج وہ اپنے وقت سے بہت پہلے ہی اپنی مقررہ جگہ پر آپہنچی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ جب تک وہ جوگنگ ٹریک پر آیا۔ عائشہ اپنا اسکیچ کام نپٹا چکی تھی۔ ایک بہت خوب صورت پینٹنگ اپنے آخری مراحل میں تھی۔ جب عائشہ کو اپنی پشت پر دو گہری نظروں کا حصار محسوس ہوا۔ اس نے بے اختیار مڑ کر دیکھا۔ سامنے سنگ مرمر کے بینچ پر وہ لاپروائی سے بیٹھا ہوا تھا اور اس کی توصیفی نگاہیں کینوس پر جمی ہوئی تھیں۔ عائشہ کا دل ایک دم ہی بغاوت پر اتر آیا۔ وہ اسٹروک لگانا بھول گئی۔
"اوں ہوں۔" اس کے منہ سے نکلنے والی آواز پر عائشہ کا ہاتھ کانپا۔ اس نے پیچھے مڑ کر اسے گھور کر دیکھا۔
"غلط جگہ پر اسٹروک لگا رہی ہیں آپ۔" وہ لاپروائی سے کہتے ہوئے سامنے درخت پر بیٹھی کوئل کو دیکھنے لگا' جس کی آواز صبح کے سناٹے میں بہت دلفریب لگ رہی تھی۔
"میری پینٹنگ ہے' میں جیسی بھی بناؤں۔" عائشہ نے خود کو سنبھالتے ہوئے دانستہ ہلکا پھلکا لہجہ اختیار کیا۔
"آپ عادتاً" اپنی چیزوں کو خراب کرتی ہیں یا فطرتاً" ایسی ہیں۔" وہ اس کے بالکل قریب آکر اپنے دونوں بازو سینے پر باندھ کر بڑے گہرے لہجے میں گویا ہوا۔ عائشہ کے لیے اپنی دھڑکنوں پر قابو پانا دشوار ہو گیا۔
"میں خود سے ایسے نہیں کرتی' چیزیں خود بخود مجھ سے خراب ہو جاتی ہیں۔" اس کے سادہ انداز پر علی نے اپنے چہرے پر آنے والی مسکراہٹ کو بمشکل چھپایا۔
"پھر تو یہ بہت خطرناک چیز ہے۔ کیا آپ اپنے ریلیشنز کے معاملے میں بھی ایسی ہی لاپروا ہیں۔" علی کا اجنبیت سے لبریز لہجہ عائشہ کی جان نکال رہا تھا۔
"آپ کہنا کیا چاہتے ہیں۔" وہ جھٹکے سے مڑی تو عین اس کے پیچھے کھڑے علی کے سفید ٹریک سوٹ سے اس کا برش ٹکرا گیا۔ سفید شرٹ پر رنگوں کی ایک لائن سی بنتی گئی۔ عائشہ ایک دم بوکھلا کر اپنے دوپٹے سے اس کی شرٹ کو صاف کرنے لگی تو علی نے فوراً" ہی اس کی کلائی پکڑ لی۔
"پہلے چیزیں خراب کرتی ہیں' اس کے بعد اپنا نقصان کر بیٹھتی ہیں۔" علی نے سحر انگیز لہجے میں کہا۔ اس کی آنکھوں سے نکلنے والی محبت کی کرنیں عائشہ کے سارے وجود کو منور کر رہی تھیں۔ اسے لگ رہا تھا جیسے ساری دنیا ایک ہی تال پر محو رقص ہو۔ پلکوں پر ڈھیروں بوجھ آن پڑا۔ اس کے لیے نظر اٹھا کر اپنے سامنے کھڑے دشمن جاں کو دیکھنا محال ہو گیا تھا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

"میرا ہاتھ تو چھوڑیں۔" عائشہ کے ہاتھ سے برش چھوٹ کر زمین پر جا گرا۔

"یہ چھوڑنے کے لیے نہیں پکڑا۔" علی کا لہجہ عائشہ کے چھکے چھڑا رہا تھا۔ اس نے پلکیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ جس کی آنکھوں میں محبت اور شرارت کے بڑے انوکھے رنگ تھے۔

"میں آپ سے خفا تھا۔ آپ نے مجھے منایا کیوں نہیں۔" اس نے بڑے استحقاق سے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ عائشہ گڑبڑا گئی۔

"پلیز' میرا ہاتھ تو چھوڑیں۔" عائشہ کی آنکھیں نم ہوئیں تو علی نے فوراً" اس کا ہاتھ نرمی سے چھوڑ دیا۔ وہ گھبرا کر اس سے چند قدم دور ہو کر کھڑی ہو گئی۔ اس کے رخساروں پر انار سے پھوٹتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔

"جن لوگوں سے محبت ہو' ان کے ساتھ ایسے کرتے ہیں بھلا؟" علی نے گمبھیر لہجے میں کہا۔

"ہاں تو آپ نے کیوں ٹھیکہ اٹھا رکھا تھا سارے شہر کی لڑکیوں کے ساتھ گھومنے کا۔" وہ جل کر بولی تو علی کا بے باک قہقہہ فضاؤں میں پھیل گیا۔

"جیلس ہو رہی تھیں۔" وہ ایک دم آگے بڑھ آیا۔

"مجھے کیا ضرورت پڑی ہے جلنے کی۔" وہ دانستہ رخ موڑ کر کھڑی ہو گئی۔

"اچھا۔۔۔ واقعی؟" وہ اب دوسری جانب سے اس کے سامنے آن کھڑا ہوا۔ عائشہ سٹپٹا گئی۔

"یس۔۔۔ ہنڈریڈ پرسنٹ۔" عائشہ نے لاپروائی سے کہا۔

"اچھا۔۔۔ چلو دیکھتے ہیں۔" اس نے کندھے اچکائے۔ "اچھا' یہ بتائیں آج کل آپ کے جو ڈھیروں ڈھیر پروپوزل آئے ہوئے ہیں۔ ان میں سے کوئی فائنل ہوا؟" علی کی بات نے عائشہ کو چونکا دیا۔

"آپ سے یہ کس نے کہا؟"

"آپ کی بیسٹ فرینڈ ماہم نے۔" عائشہ بے اختیار چونکی۔

اس کا شوخی سے لبریز انداز عائشہ کو سلگا گیا۔

"اور آپ نے ماہم کو پروپوز کر دیا' میں نے تو آپ سے کچھ نہیں کہا۔" عائشہ کی خفگی پر وہ مسکرایا۔ "میں اپنے ہوش و حواس میں تو آپ کی دوست کو پروپوز نہیں کر سکتا۔ بے ہوشی کی کیفیت میں کچھ کہہ دیا ہو تو مجھے یاد نہیں۔" وہ سراسر عائشہ کا مذاق اڑا رہا تھا۔ جسے محسوس کر کے اس کا منہ بن گیا۔

"آپ کی خاطر کئی کئی گھنٹے آپ کی دوست کو برداشت کرنا پڑا۔ اوپر سے وہ ہر ملاقات میں آپ کے کسی نہ کسی پروپوزل کی داستان سنا کر میرا دل زخمی کر دیتی تھی۔" علی کی بات پر وہ زبردست انداز میں چونکی لیکن دانستہ خاموش رہی۔ ناراضی کے بادل چھٹ چکے تھے۔ آج بہت عرصے کے بعد دونوں کو اس خوب صورت صبح میں دلکشی کے سارے رنگ دکھائی دیے تھے۔ کچھ ہی دیر کے بعد دونوں آپس میں اس طرح محو گفتگو تھے جیسے درمیان کا عرصہ بیچ میں آیا ہی نہ ہو۔

☆ ☆ ☆

"پتا ہے ڈاکٹر صاحب! جب میں ٹھیک ہو جاؤں گی تو بہت سا پیسہ کماؤں گی۔" سکینہ کی بات نے ڈاکٹر خاور کو حیران کیا۔ وہ آج سکینہ کو دیکھ کر پھر لان کی طرف آ گئے تھے۔ انہیں دیکھ کر سسٹر ماریہ فوراً" ہی اٹھ کر چلی گئیں۔ سکینہ کو احساس ہوا کہ آج کل ڈاکٹر خاور اس کو زیادہ سے زیادہ ٹائم دے رہے ہیں۔

"ڈھیر سارا پیسہ لے کر کیا کریں گی؟" ڈاکٹر خاور سامنے درختوں کے جھنڈ سے ایک سفید رنگ کا پھول توڑ کر لے آئے۔

"میں اس پیسے سے معذور بچوں کے لیے ایک ادارہ بناؤں گی۔ ان میں ایسے بچوں کو رکھوں گی۔ جن کے والدین کے پاس ان کے علاج کے لیے پیسہ نہیں ہو گا۔" سکینہ آج کل انہیں قدم قدم پر چونکا رہی تھی۔

"اور میں اس ادارے کے بچوں کا مفت علاج کروں گا۔" ڈاکٹر خاور کے منہ سے نکلنے والی بے ساختہ بات نے سکینہ کا ڈھیروں خون بڑھا دیا۔

"وعدہ۔۔۔" وہ بالکل بچوں کے سے انداز میں خوش ہوئی۔

"پکا وعدہ۔" ڈاکٹر خاور نے اس کی جانب پھول بڑھاتے ہوئے اسے یقین دلایا۔

"پتا ہے ڈاکٹر صاحب! آج کل مجھے زندگی بہت خوب صورت لگنے لگی ہے۔" سکینہ نے مسکراتے ہوئے پھول پکڑا تو انہوں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"لیکن اس کے ساتھ ساتھ ایک عجیب سا دھڑکا بھی میرے دل کو لگا رہتا ہے۔" اس کی آنکھوں میں ہلکا سا خوف در آیا۔

"دیکھو سکینہ! اپنے آپ کو دونوں قسم کے حالات کے لیے تیار رکھو۔ اگر تمہارا آپریشن کامیاب ہو گیا تو یقیناً" اس سے زیادہ اچھی بات کوئی نہیں ہو سکتی۔ لیکن آج مجھ سے یہ بھی وعدہ کرو کہ خدانخواستہ ایسا نہ ہوا تو تم اپنے والدین اور خود کو پریشان نہیں کرو گی۔" ڈاکٹر خاور نے اسے ذہنی طور پر ہر قسم کے حالات کے لیے تیار کرنا چاہا۔

"مجھے معلوم ہے ڈاکٹر صاحب!" وہ زبردستی مسکرائی۔

"دیکھو سکینہ! ایک مسیحا کی حیثیت سے میرے ہاتھ میں جو کچھ ہوا' میں کروں گا۔ مجھے اپنے اللہ پر یقین ہے' وہ کوئی نہ کوئی اچھی راہ ضرور نکالے گا۔" ڈاکٹر خاور کا مثبت رویہ سکینہ کے دل میں امیدوں کے کئی چراغ روشن کر گیا۔

☆ ☆ ☆

"کیا مصیبت ہے جو یہ میرا فون اٹینڈ نہیں کر رہا۔" ماہم کا کوفت کے مارے برا حال تھا۔ وہ غصے اور جھنجلاہٹ سے اپنے کمرے کے کئی چکر کاٹ چکی تھی۔ اس کے ہاتھ میں سیل فون تھا جس پر وہ بار بار ایک ہی نمبر ڈائل کر رہی تھی۔

"سمجھتا کیا ہے خود کو' ایسا کون سا نواب لگا ہوا ہے۔" ماہم نے ہاتھ میں پکڑا سیل فون غصے سے بیڈ پر پھینک دیا۔ اس کا چہرہ غصے کی زیادتی سے ٹماٹر کی طرح سرخ ہوا۔

"ایک عائشہ صاحبہ ہیں' جن کے مزاج نہیں مل رہے۔ اگر اللہ نے ڈھنگ کی شکل دے دی ہوتی تو محترمہ آسمان پر کمندیں ڈالتی پھرتیں۔" ماہم کا دماغ بری طرح گھوما ہوا تھا۔ وہ کبھی علی کو اور کبھی عائشہ کو بلند آواز میں کوسنے لگتی۔ اسی لمحے سیل فون کی گھنٹی پر وہ متوجہ ہوئی۔ اس نے بڑی عجلت سے اسکرین پر آنے والے نمبر کو دیکھا۔ علی کا نام دیکھ کر اس کے غصے کا لیول کئی ڈگری نیچے آ گیا۔

"آئی ایم سوری ماہم! میں کچھ بزی ہوں' آپ کو پھر کال کروں گا۔" دوسری جانب وہ بھی خاصی عجلت میں تھا۔

"لیکن مجھے تو آپ سے تفصیلاً" بات کرنی ہے۔" وہ مچلی۔

"ابھی اس ہفتے میں تو ممکن نہیں' ہاں اگلے ہفتے دیکھوں گا۔" وہ عجلت بھرے انداز میں گویا ہوا۔

"آپ کو پتا ہے کہ عائشہ کی انگیجمنٹ ہو رہی ہے رامس علی کے ساتھ۔۔۔"

"ہوں۔۔۔" وہ ہلکا سا چونکا۔ "میری طرف سے مبارک باد دے دیجیے گا انہیں۔۔۔" ہلکے پھلکے لہجے میں کہہ کر وہ فون بند کر چکا تھا۔ ماہم کو اس کے انداز پر کرنٹ سا لگا۔

"گو ٹو ہیل" اس نے سیل فون پوری طاقت سے زمین پر دے مارا۔ اس کا پچھلا حصہ کھلا اور بیٹری نکل کر بیڈ کے نیچے جا گری۔ وہ اب دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھامے صوفے پر بیٹھ چکی تھی۔ دماغ میں سوچوں کا ایک طوفان تھا۔ اسے پتا ہی نہیں چلا کب ثمن آپی پریشانی کے عالم میں اندر داخل ہوئیں۔

"تمہیں پتا ہے ماہم! انصر نے اپنی ایک کولیگ کی بہن سے کورٹ میرج کر لی ہے۔" ثمن آپی کی بات پر

WWW.PAKSOCIETY.COM

وہ چونکی۔
"بھاڑ میں جائے انصر! آپ کو کیا پرابلم ہے۔ اب وہ جس سے مرضی شادی کرے۔" ماہم کا سارا غصہ ثمن آپی پر نکل گیا۔
"تم کیوں لال پیلی ہو رہی ہو۔" ثمن آپی کو بڑی جلدی اس کے خراب موڈ کا اندازہ ہوا۔
"اس علی کے بچے نے دماغ خراب کر رکھا ہے۔" وہ روانی میں سچ بول گئی۔
"دفع کرو اسے۔ یاد رکھو مرد اس عورت کی کبھی قدر نہیں کرتا' جو اسے آسانی سے مل جائے۔ خود کو ناقابل تسخیر بنا کر پیش کرو' تمہارے پیچھے پاگل ہو جائے گا۔" ثمن آپی نے اپنے تجربے کی روشنی میں بتایا۔
"رہنے دیں آپی! یہ بھی کر چکی ہوں۔" ماہم نے بے زاری سے کہا۔ "وہ مردوں کی اس قسم سے ہے' جو ناپید ہو چکی ہے۔ بس کوئی ایک آدھ نادر عجوبہ باقی ہے۔"
"پھر دفع کرو اسے' تم نے کون سا کوئی میوزیم کھولنا ہے جہاں ایسے نادر عجوبے رکھو گی۔" ثمن آپی کا انداز اکتاہٹ لیے ہوئے تھا۔
"اس نے ماہم منصور کو اگنور کیا ہے اور کوئی مجھے نظر انداز کرے' یہ کیسے ہو سکتا ہے۔" ماہم کا لہجہ خاصا عجیب تھا۔
"تو پھر کیا کرو گی؟" ثمن آپی نے یونہی پوچھا۔
"جب تک اسے اپنی زلفوں کا اسیر نہیں بناؤں گی' مجھے سکون نہیں آئے گا۔" ماہم کی آنکھوں سے شعلے نکلے۔ ثمن حیرانی سے اپنی بہن کو دیکھتی رہ گئیں جس کا خوب صورت چہرہ اس وقت شدید تناؤ کا شکار ہو کر بہت بدصورت لگ رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

"میں موحد کی بہن ہوں' مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔" ثنائلہ ایک دم پریشان سی ہو گئی۔ اس نے گھبرا کر چولہا بند کر دیا۔
"میں آپ سے ملنا چاہتی ہوں۔" عائشہ کی اگلی فرمائش نے اسے مزید پریشان کیا۔
"آپ عائشہ بات کر رہی ہیں؟" دوسری جانب سے جھجک کر پوچھا گیا تو عائشہ مسکرا دی۔
"آپ کو بھائی نے میرے بارے میں بتایا ہے کیا؟" اس کا دوستانہ انداز ثنائلہ کو تھوڑا سا پرسکون کر گیا۔
"جی' وہ اکثر ہی آپ کا ذکر کرتے تھے۔" ثنائلہ نے دوبارہ چولہا جلا کر چاولوں کو ہلکی آنچ پر دم دیا۔ عائشہ کو وہ بڑی سادہ سی لڑکی لگی تھی۔
"آپ مجھ سے کیوں ملنا چاہتی ہیں۔"
"میں دیکھنا چاہتی ہوں کہ آخر وہ کون سی لڑکی ہے جو میرے بھائی سے لڑتی رہتی ہے۔" عائشہ کے شرارتی انداز پر ثنائلہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ اس کے بعد دونوں میں جو گفتگو کا سلسلہ شروع ہوا وہ اگلے بیس منٹ تک جاری رہا۔ آخر کار طے یہ پایا تھا کہ ثنائلہ اپنی دوست کے ساتھ عائشہ سے ملنے آئے گی۔
"یہ کس سے ہنس ہنس کر باتیں کر رہی تھیں تم؟" نابیہ حلیم کا پیالہ اٹھائے کچن میں آن دھمکی۔ وہ پچھلے پانچ منٹ سے کچن کے دروازے میں کھڑی تھی لیکن ثنائلہ کو اپنی گفتگو کے دوران اس کی موجودگی کا ذرا بھی احساس نہیں ہوا۔
"موحد کی بہن تھی عائشہ۔" ثنائلہ نے مختصراً بتایا جبکہ اس اطلاع پر نابیہ کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔
"توبہ! کتنی میسنی گھنی ہو تم' کہاں کہاں کنکشن ملا رکھے ہیں اور مجھے کانوں کان خبر نہیں۔" نابیہ نے شرارت سے اس کے کندھے پر مکا مارا۔ اس نے مڑ کر غصے سے گھور کر دیکھا۔
"کتنی بدتمیز ہو تم نابیہ۔"
"اس میں تو کوئی شک ہی نہیں۔" اس نے ڈھٹائی سے سر خم کیا۔
"یہ پیالہ اٹھا کر کیا مانگنے آئی ہو' خبر ہو گئی ہو گی کہ میں مٹر پلاؤ بنا رہی ہوں۔" ثنائلہ نے اسے چھیڑا۔
"محترمہ میں مانگنے نہیں' بلکہ لٹانے آئی ہوں اور" بھی اپنی اماں کے ہاتھ کا بنا حلیم۔" نابیہ نے ہنستے ہوئے اطلاع دی۔ ثنائلہ نے ایک دفعہ پھر اسے گھور کر

دیکھا۔
"اچھا سنو! وہ تمہارا کزن اپنے اہل و عیال کے ساتھ رات کو تشریف لا رہا ہے۔" نابیہ کی بات پر اسے جھٹکا سا لگا۔
"کیا واقعی؟" اس نے خوشگوار حیرت سے پوچھا۔
"ہم سے ملنے آ رہا ہے یا تمہارے رشتے کی بات کرنے؟" ثنائلہ نے اس کے گلابی ہوتے چہرے کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔
"ابھی تو حالات کا جائزہ لینے آ رہا ہے۔" نابیہ نے اپنی پلیٹ میں بے تکلفی سے چاول نکالتے ہوئے بتایا۔
"صبر کرو' سکون سے کھا لینا' اپنا منہ جلاؤ گی کیا۔" ثنائلہ نے اسے گرم گرم چاول کھاتے دیکھ کر ٹوکا۔
"جو مزا گرم گرم چیز کھانے میں ہے' وہ ٹھنڈے میں کہاں؟" نابیہ نے عجلت بھرے انداز سے کھاتے ہوئے اپنا نظریہ بتایا۔ اس سے پہلے کہ ثنائلہ اس کی بات کا کوئی جواب دیتی' داخلی دروازے کی بیل نے دونوں کو اپنی طرف متوجہ کیا۔
"اس وقت کون آ گیا بھلا۔۔۔ تم دروازہ بند کر کے آئی تھیں کیا؟" ثنائلہ صحن میں نکل آئی۔ نابیہ نے بھی اس کی پیروی کی۔
"کون ہے۔۔۔؟" ثنائلہ نے دروازے کے پاس پہنچ کر بلند آواز میں پوچھا۔
"دروازہ کھولو' میں ہوں۔۔۔" ایک انتہائی مانوس آواز نے ثنائلہ اور نابیہ دونوں کو سوواٹ کا جھٹکا دیا۔ ثنائلہ نے فوراً" ہی بڑی بے تابی کے ساتھ دروازہ کھولا۔ سامنے کھڑے شہیر کو دیکھ کر ثنائلہ ہکا بکا رہ گئی۔ جب کہ نابیہ کے ہاتھ سے چاولوں کی پلیٹ چھوٹ کر زمین پر جا گری۔ چاول اور مٹر کے دانے پورے صحن میں پھیل گئے۔ وہ دونوں خوشی اور بے یقینی سے سامنے کھڑے شہیر کو دیکھ رہی تھیں۔

☆ ☆ ☆

"سکینہ کے ابا! کچھ دن سے دل کچھ پریشان سا ہے۔" جمیلہ مائی کے منہ سے نکلنے والی اس غیر متوقع بات نے اللہ دتا کو حیران کیا۔ وہ دونوں اس وقت لان میں بنے بینچ پر بیٹھے تھے۔
"کیا ہوا' ایسے کیوں دیکھ رہے ہو؟" جمیلہ مائی کو اپنے میاں کی حیرت نے حیران کیا۔
"اصل میں تیرے منہ سے ایسی باتیں بہت کم نکلتی ہیں نا' تو تو اپنے سارے دکھ سکھ اللہ سوہنے سے کرنے کی عادی ہے نا' اس لیے حیران ہو گیا۔" اللہ دتا نے ان کی تسلی کے لیے تفصیل سے جواب دیا۔
"ہاں مگر کبھی کبھی دل چاہتا ہے نا کہ اللہ کے بندوں سے بھی دل کا حال احوال کہا جائے۔" جمیلہ مائی اداسی سے مسکرائیں۔
"اللہ کے بندے کہاں اس قابل کہ ان سے دل کی باتیں کی جائیں۔ ان کے دل بڑے چھوٹے ہوتے ہیں۔ آپ کے دکھ سکھ کے ساتھی تو بن جاتے ہیں لیکن کسی نہ کسی ویلے جتا بھی دیتے ہیں کہ ہم نے تمہارا اوکھے ویلے میں کتنا ساتھ دیا۔ اس لیے اندر کی باتیں اللہ کے ساتھ ہی بجتی ہیں۔" اللہ دتا اپنا حقہ پتا نہیں کہاں سے بھروا لائے تھے۔ اب بے تکلفی سے بیٹھے کش پہ کش لگا رہے تھے۔
"اب بندہ کیا اپنے مجازی خدا کے ساتھ بھی دل کی باتیں نہ کرے۔" جمیلہ مائی کو اپنے میاں کی بات اچھی نہیں لگی۔ اس لیے ہلکی سی ناراضی ان کے لہجے میں در آئی۔
"یہ مجازی خدا تو زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔ اس لیے کہ جو عورت اس کے نکاح میں آ جاتی ہے وہ اس پر اپنے رب سے زیادہ حق سمجھنے لگتا ہے۔ اسے "مجازی" کا لفظ بھول جاتا ہے' صرف "خدا" یاد رہ جاتا ہے۔ اس لیے یاد رکھ یہ میاں بیوی کا رشتہ جتنا مضبوط ہوتا ہے اس سے زیادہ نازک ہوتا ہے۔ مرد کا جب دماغ خراب ہوتا ہے تو وہ فوراً" اس حق کو استعمال کرنے کی دھمکی دیتا ہے' جو اللہ کے نزدیک حلال ہونے کے باوجود سب سے ناپسندیدہ ہے۔" اللہ دتا کمہار آج بڑے ترنگ میں تھے۔ جمیلہ مائی کے چہرے پر پھیلتے

WWW.PAKSOCIETY.COM

ناگواری کے رنگ انہیں بہت اچھے لگ رہے تھے۔ وہ جان بوجھ کر انہیں چھیڑ رہے تھے اور اس کوشش میں کامیاب بھی ہوگئے۔

"اچھا یہ بتا کہ لاڈو رانی کیسی ہے؟ ڈاکٹرنی اس کو ورزش کروا گئی۔" اللہ دتا کو اچانک یاد آیا۔

"ہاں کروا گئی ہے' اب ٹھک کے سو گئی ہے۔" جمیلہ مائی کے لہجے میں والی اداسی تھی۔

"پھر یہ بتا کہ اداس کیوں ہے۔" اللہ دتے نے اپنا حقہ ایک سائیڈ پر کر کے دونوں ٹانگیں اوپر کیں اور آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئے۔

"بہت عجیب سا خواب دیکھا میں نے دوپہر میں۔۔۔" جمیلہ مائی کی آنکھیں نم ہوئیں تو وہ چونک گئے۔

"میں نے دیکھا کہ ہم اپنے پنڈ واپس گئے ہیں لیکن ہمارے ساتھ سکینہ نہیں ہے۔" جمیلہ مائی کے چہرے پر پریشانی واضح تھی۔

"پھر۔۔۔؟" اللہ دتا کی رنگت بھی ایک لمحے کو متغیر ہوئی لیکن انہوں نے خود کو سنبھال لیا۔

"اس کے بعد میں نے اپنے پنڈ والے گھر میں نکے نکے بچے کھیلتے دیکھے' ایک پڑوسن نے مجھ سے حیرانی سے پوچھا' نی جمیلہ یہ بال (بچے) کس کے ہیں؟ اس سے پہلے کہ میں کوئی جواب دیتی' تو نے باہر نکل کر کہا' ہمارے پتر کی اولاد ہے تو ہمارے پوتے پوتیاں ہوئے نا۔" جمیلہ مائی نے الجھن بھرے انداز سے اپنا خواب سنایا۔ اللہ دتا ان کا خواب سن کر کچھ لمحے کو بالکل چپ ہوگئے۔

"فکر نہ کر' سکینہ کی ماں! دن کے خواب کہاں سچے ہوتے ہیں۔" انہوں نے لاپروائی سے کہہ کر حقہ اٹھایا۔ آگ سرد ہو چکی تھی لیکن وہ بے خیالی میں پھونکیں مارے جا رہے تھے۔

"ہوں۔۔۔" جمیلہ مائی نے بھی غائب دماغی سے سر ہلا دیا۔

"دیکھ سکینہ کی ماں! یہ جو مومن کی دعا ہوتی ہے نا' اس میں بڑا زور اور بڑی طاقت ہوتی ہے جب دل کی گہرائیوں سے اللہ پاک پر پورا یقین رکھ کر کی جائے' یہی دعا' تقدیر کے آگے آن کھڑی ہوتی ہے۔ سوہنا رب سچا رب اپنے پیارے بندے کی اس ادا پر قربان ہو جاتا ہے۔ بس تو بھی دعا کی کنجی کو پکڑ لے۔ سوچ لے سارے تالے اسی کنجی سے کھلتے ہیں۔ اللہ پاک کرم کرے گا۔"

اللہ دتے کی بات سے جمیلہ مائی کو تھوڑا سا اطمینان ہوا۔

☆ ☆ ☆

"عائشہ! سکینہ کا میسج آیا ہے' وہ ہم دونوں سے ملنا چاہتی ہے۔ اس کا آپریشن ہے۔" موحد نے اس دن عائشہ کو باہر نکلتے ہوئے دیکھ کر روکا۔ وہ جونئر ریزنگ کے سلسلے میں کسی میٹنگ میں جا رہی تھی۔ اس کی بات پر چونک گئی۔

"سکینہ کا آپریشن؟ کب ہے؟" اس نے اخبار پڑھتے موحد کو دیکھا۔ جو خاصا کمزور کمزور سا دکھائی دے رہا تھا۔ اس کی آنکھوں کے نیچے چند ہی دنوں میں سیاہ حلقے بن گئے تھے۔ عائشہ کو ڈھیروں تاسف نے آن گھیرا۔

"ٹاپریشن پرسوں ہے۔" موحد کی اطلاع پر وہ چونکی۔

"پھر کب جانا ہے؟" اس نے فوراً" ہی سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔

"جب بھی تمہیں فراغت ہو۔" موحد نے گیند اس کے کورٹ میں پھینکی۔

"میں تو ابھی بھی چلنے کو تیار ہوں۔"

"پھر ابھی چلے چلتے ہیں۔" موحد کی بات پر اس نے فوراً" ہی گاڑی کی چابی اٹھائی اور موحد کے خاص ملازم کو بلانے چلی گئی' جو ایسے موقعوں پر اس کے ساتھ ہوتا تھا۔

وہ دونوں جب اسپتال کی حدود میں داخل ہوئے تو شام کا وقت تھا۔ سورج ڈوبنے کی تیاریوں میں تھا۔ آسمان کا زرد رنگ عجیب سے انداز میں آسمان پر گھلا ملا سا تھا۔

رہائشی عائشہ' موحد کی وہیل چیئر کو دھکیلتی ہوئی اس پرائیویٹ وارڈ کی جانب آگئی تھی۔ سکینہ کے دروازے کو اس نے ہلکا سا بجایا۔ دروازہ کھلتا گیا۔ موحد کی گود میں پھولوں کا ایک بڑا سا گلدستہ تھا جو دونوں بن بھائی بطور خاص سکینہ کے لیے لائے تھے۔ ان دونوں کو دیکھ کر اس کمرے کے مکینوں کے چہروں پر پھیلنے والی حیرانی بہت دلچسپ تھی۔

"سکینہ! اماں نے تمہارے لیے بہت سی دعائیں اور پیار بھیجا ہے۔" عائشہ نے بڑے خلوص اور محبت سے اس کا ہاتھ تھام کر کہا تو سکینہ جھینپ سی گئی۔

اللہ دتا اور جاجی ان کے لیے چائے لینے کینٹین کی طرف بڑھ گئے۔

"میری دعا ہے سکینہ! تم ایک دن ضرور زمین کو اپنے قدموں کے ساتھ محسوس کرو۔" موحد کے لہجے میں چھپی حسرت جمیلہ مائی کو بے چین کر گئی۔

"پتر! اللہ پاک ان شاء اللہ تجھے بھی وہ ویلا ضرور دکھائے گا۔ بس اللہ سوہنے سے اچھی امید رکھ۔"

"بس آنٹی! آپ میرے بھائی کے لیے بھی دعا کیجیے گا۔" عائشہ کی بات پر جمیلہ مائی مسکرائیں۔

"پھر میں آپ کو اور سکینہ کو اپنے بھائی کی شادی پر بھی بلاؤں گی۔" عائشہ کی اپنائیت جمیلہ مائی کو بہت اچھی لگی۔

"بھائی کی کہیں منگنی شنگنی کی ہے بیٹا!" جمیلہ مائی نے سوال کیا۔

"جی بس سمجھیں کہ ہو ہی گئی ہے۔" عائشہ کے معنی خیز انداز پر موحد کے چہرے پر بڑا تاریک سا سایہ لہرایا۔ وہ پھیکے سے انداز سے مسکرا دیا۔ وہ اور سکینہ بالکل خاموش تھے۔

"اللہ پاک قسمت اچھی کرے۔" جمیلہ مائی نے دل سے دعا دی۔

"آپ لوگ یہاں کب سے ہیں؟" عائشہ نے پرائیویٹ روم کو توصیفی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"پتر! ہماری ایسی اوقات کہاں' یہ تو اللہ پاک نے کرم کیا اور ڈاکٹر خاور کی مہربانی ہے۔ جو رہنے کو چھت ملی ہوئی ہے اور میری سکینہ کا مفت علاج ہو رہا ہے۔" جمیلہ مائی کی بات پر موحد چونکا۔

"یہ ڈاکٹر خاور علی وہی ہیں نا جو اسپائنل سرجن ہیں اور ایک کلینک میں بھی شام کو بیٹھتے ہیں۔" موحد نے عجلت بھرے انداز میں پوچھا تو جمیلہ مائی سادگی سے بولیں۔

"پتر مجھے یہ تو نہیں پتا کہ انہوں نے کیا کیا ہے' بس بڑے بڑے آپریشن کرتے ہیں اور غریب مریضوں کا مفت علاج کرتے ہیں۔"

"جی' جی وہ' وہی اسپائنل سرجن ہیں۔۔۔" سکینہ نے اماں کو ہلکا سا گھورتے ہوئے جواب دیا۔ جب کہ اماں ایک دفعہ پھر اپنی سادہ لوحی کے ہاتھوں مجبور ہو کر انہیں سکینہ کی بیماری کی ساری داستان سنانا شروع ہو گئی تھیں۔ سکینہ کی گھوریاں بے اثر تھیں۔

"ایسا ہے ڈاکٹر تنویر! سکینہ کی ڈائٹ سے ساری سولڈ چیزیں آج سے بند کر دیں۔" کوئی بہت تیزی سے اندر آیا۔ اسے دیکھ کر عائشہ کو کرنٹ سا لگا جب کہ وہ اپنی روانی میں سیدھا اس اسٹینڈ کی طرف بڑھا جہاں سکینہ کی فائلیں اور رپورٹس پڑی ہوئی تھیں۔ اس نے اندر موجود مکینوں پر کوئی غور نہیں کیا۔ ویسے بھی سکینہ کا بیڈ دیوار کی سائیڈ پر تھا اور دروازہ کھلتے ہی سامنے اسٹینڈ رکھا ہوا نظر آتا تھا۔

"ڈاکٹر خاور! سکینہ کی ساری رپورٹس آچکی ہیں۔ آپریشن کی تیاری مکمل ہے۔ باقی جو آپ کہیں۔۔۔" ان کے عین پیچھے کھڑے ڈاکٹر نے بھی بڑے مصروف انداز میں کہا۔

"ڈاکٹر خاور۔۔۔ السلام علیکم۔" موحد کی پرجوش آواز پر انہوں نے فائل سے سر اٹھایا اور سامنے بیٹھے موحد کی طرف بڑے دوستانہ انداز میں دیکھا۔

"ہیلو جینٹلمین۔۔۔!" وہ فائل ایک طرف رکھ کر اب بڑی گرم جوشی کے ساتھ موحد سے ہاتھ ملا رہے تھے۔ عائشہ کا سارا وجود زلزلوں کی زد میں آگیا۔ وہ سخت بے یقینی سے اپنے سامنے کھڑے شخص کو دیکھ رہی

WWW.PAKSOCIETY.COM

تھی۔

"ان سے ملیں یہ میری سسٹر ہیں عائشہ، بہت اچھی مصورہ ہیں۔" موحد کی بات پر وہ مڑے۔ انہیں جھٹکا سا لگا۔ ان کی آنکھوں میں پھیلتی حیرانی اس بات کی گواہ تھی کہ وہ اس بات سے پہلے سے باخبر نہیں تھے۔

"السلام علیکم! مجھے ڈاکٹر خاور علی کہتے ہیں۔ میرے بابا کو علی نام بہت پسند تھا۔ اس لیے وہ مجھے اسی نام سے پکارتے تھے۔" انہوں نے سر کو ہلکا سا خم دے کر سلام کرتے ہوئے بڑے ذو معنی انداز سے جتایا۔

"عائشہ! یہ ڈاکٹر خاور علی ہیں، جن کا میں اور ماما اکثر گھر میں ذکر کرتے ہیں۔" موحد کے لہجے کی خوشی اس بات کی گواہ تھی کہ اسے اس اچانک ملاقات سے خوشی ہوئی ہے۔

"بھائی! میں ڈاکٹر خاور کو بہت اچھی طرح جانتی ہوں۔" عائشہ کے شرارت بھرے انداز پر ڈاکٹر خاور نے بوکھلا کر اسے دیکھا۔ جس کی آنکھوں میں شوخی کسی روشن ستارے کی طرح جگمگا رہی تھی۔ جب کہ ڈاکٹر خاور کے چہرے پر واضح گھبراہٹ کے آثار تھے۔

"وہ کیسے...؟" موحد نے حیرانی سے دریافت کیا۔ جب کہ عائشہ اب کھل کر مسکرائی۔ سکینہ نے الجھن بھرے انداز سے پہلے عائشہ اور پھر ڈاکٹر خاور کو دیکھا۔ وہ ایک دم ہی بے چین ہو گئی تھی۔ اس کا دل نہ جانے کیوں ایک نئی داستان اسے سنانے لگا تھا۔

☆ ☆ ☆

"کیا مصیبت ہے، یہاں تک آ گئی ہو تو اندر کیوں نہیں جا رہی ہو۔" نابیہ نے کہنیاں مار مار کر ثنائلہ کی کمر زخمی کر دی۔

"اب تم نے ایک دفعہ بھی اور مجھے کہنی ماری تو میں تمہاری بتیسی توڑ دوں گی۔" موحد کے آفس کی طرف جاتے ہوئے ثنائلہ نے منہ پر ہاتھ پھیر کر اسے دھمکی دی۔

"تم بھی یہ فلمی ہیروئنوں کی طرح لمبے لمبے سانس لینا بند کرو اور شرافت سے اپنے ہیرو کے کمرے میں چلو، غضب خدا کا ایک تو نیا جوتا کاٹ رہا ہے اوپر سے تمہاری مصنوعی ادائیں دماغ خراب کر رہی ہیں۔" نابیہ نے وہیں کاریڈور میں کھڑے کھڑے اس کی کلاس لی تو وہ اسے گھورتی ہوئی موحد کے آفس کی طرف بڑھ گئی۔

"اب کیا تمہارے قدموں کے نیچے ایلفی لگ گئی ہے۔" اسے دروازے کے پاس جم کر کھڑے دیکھ کر نابیہ تپ گئی۔

"کاش ایلفی اس وقت میرے پاس ہوتی تو میں کم از کم تمہارے ہونٹوں پر ضرور چپکا دیتی۔" ثنائلہ غصے سے کچھ اونچا ہی بول گئی۔

"کم ان..." اندر سے آنے والی رعب دار آواز نے دونوں کو ہی بوکھلا دیا۔

"السلام علیکم! میں نابیہ ہوں، ثنائلہ کی بیسٹ فرینڈ..." نابیہ نے دروازے سے جھانک کر شوخی سے کہا۔

"میں سکندر شاہ ہوں، ثنائلہ کی کہانی کا ہیرو..." دوسری جانب سے بھی شرارت کا مظاہرہ ہوا۔

"تھینکس گاڈ! آپ تو اچھے خاصے شریف انسان ہیں یہ ثنائلہ نے تو مجھے اچھا خاصا ڈرا دیا تھا۔" نابیہ کی بات پر ثنائلہ نے غصے سے اسے گھورا جبکہ موحد کے چہرے پر پھیلنے والے رنگ، بہت خوب صورت تھے۔

"انہوں نے کیا بتایا تھا میرے بارے میں۔" موحد نے کہنیاں میز ٹکاتے ہوئے بڑی دلچسپی سے پوچھا اور ساتھ ہی دونوں کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"بتا دوں ثنائلہ...؟" نابیہ نے شرارتاً ثنائلہ کو دیکھا، جس کا بوکھلایا ہوا چہرہ ان دونوں کو بہت لطف دے رہا تھا۔

"نکو مت...!" ثنائلہ نے کھا جانے والی نظروں سے اسے دیکھا۔

"دیکھ لیں بھئی! آپ بھی کچھ سوچ لیں، آپ کا حال بھی مستقبل میں میرے جیسا ہی ہو گا۔" نابیہ کی شرارتیں عروج پر تھیں۔ موحد کو یہ ہلکی پھلکی چھیڑ چھاڑ مزا دے رہی تھی۔ اعصاب پر چھایا ہوا بوجھ

دھیرے دھیرے سرک رہا تھا۔

"اللہ مالک ہے میرا بھی..." موحد کھل کر مسکرایا۔ "اور یہ بتائیں چائے لیں گی یا کافی...؟"

"چائے نہ کافی۔ ہم تو کھانا کھانے کے موڈ میں ہیں۔ یا کم از کم پراٹھے سے گرما گرم فریش چیز والا پراٹھا منگوالیں، قسم سے بہت بھوک لگی ہے۔" نابیہ کی بے تکلفی موحد کو اچھی لگ رہی تھی جب کہ ثنائلہ کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اس کا بازو پکڑ کر گھسیٹتی ہوئی باہر نکل جائے۔

"جی ضرور..." موحد نے انٹر کام اٹھا کر کسی کو ہدایات دیں۔

"اور سنائیں جی! کیسی گزر رہی ہے زندگی؟" نابیہ اب بے تکلفی سے اس کا انٹرویو اسٹارٹ کر چکی تھی۔ جب کہ موحد اس سے گفتگو کرتے ہوئے کن انکھیوں سے ثنائلہ کو دیکھ رہا تھا جو دونوں کی گفتگو کے دوران خاموش تھی جب کہ اس کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔

"ایکسکیوزمی...! میری ایک ضروری کال آ رہی ہے۔ آپ لوگ بات کریں، میں ابھی آپ کو جوائن کرتی ہوں۔" نابیہ بڑی بے تکلفی سے اپنے بیگ سے سیل فون نکال کر کھڑی ہوئی اور عجلت بھرے انداز سے ان کے آفس سے نکل گئی۔

"آپ کی دوست تو خاصی سمجھ دار واقع ہوئی ہیں۔" اس کے کمرے سے نکلتے ہی موحد نے اسے چھیڑا۔

"ہاں، خاصی سمجھ دار ہے، جب تک خاموش رہے۔" ثنائلہ نے جل کر کہا تو موحد کے حلق سے نکلنے والا قہقہہ بڑا جان دار تھا۔

"ناراضی ختم ہو گئی آپ کی؟" موحد نے اسے نگاہوں کے حصار میں لیتے ہوئے کہا۔

"کس آپ سے ناراض تو نہیں تھی۔" ثنائلہ نے اپنی بے ترتیب دھڑکنوں پر قابو پاتے ہوئے جواب دیا۔

"کیوں...؟" موحد کی سوالیہ نگاہوں کے جواب میں وہ فوراً گویا ہوئی۔

"میں ناراض نہیں، بلکہ حیران تھی کہ ایسی کون سی بات تھی جس نے آپ جیسے انسان کو اتنا ہائپر کر دیا۔" ثنائلہ کی بات نے موحد کو حیران کیا۔

"ہو سکتا ہے کہ میری کسی بات نے تمہاری فیورٹ سائیکولوجسٹ کو مجھ سے بدظن کر دیا ہو۔" موحد کی بات پر ثنائلہ نے تیزی سے اس کی بات کاٹی۔

"ایسا نہیں ہو سکتا کہ آپ کی کسی بات پر ایسا ہوا ہو۔" ثنائلہ کی بات میں چھپا یقین موحد کو تعجب میں مبتلا کر گیا۔ وہ کئی لمحوں تک بول ہی نہیں سکا۔ بس ثنائلہ کو ہی دیکھتا رہا جس نے آج اسے بہت معتبر کر دیا تھا۔

☆ ☆ ☆

"ابا! میں نے تجھے اور اماں کو بہت تنگ کیا ہے نا۔"

"ارے نہیں پتر! اولاد تو اپنے والدین کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہوتی ہے اور ٹھنڈک تو دل کو سکون دیتی ہے۔" جمیلہ مائی نے نوالہ منہ میں ڈالتے ہوئے سکینہ کو محبت سے دیکھا۔

"لیکن میں نے تو ہمیشہ آپ دونوں کا دل ہی جلایا ہے۔" سکینہ شدید قسم کی قنوطیت کا شکار تھی۔ اس کے والدین نے چونک کر اس کا رنجیدہ چہرہ دیکھا۔

"ایسی بات نہیں کرتے میری جان۔" جمیلہ مائی نے بے اختیار اٹھ کر اپنی بیٹی کا ماتھا چوما۔ سکینہ کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

"دیکھ نا اماں! میں تم دونوں کی اکوں اک اولاد تھی، مگر میری وجہ سے ساری زندگی بس اسپتالوں کے ہی دھکے کھائے۔ کوئی خوشی نہیں ملی میری طرف سے۔" سکینہ کا لہجہ خود بخود بھیگتا چلا گیا۔

"اچھا، یہ بتا دھی رانی! اگر اللہ ہمیں تیری صورت میں بھی اولاد کی نعمت نہ دیتا تو ہم کیا کرتے۔" اللہ دتا نے بڑے پرسکون انداز میں پوچھا۔

"پتا نہیں ابا!" اس نے سادگی سے جواب دیا۔

"ہم دونوں کے پاس زندگی گزارنے کے لیے کوئی

WWW.PAKSOCIETY.COM

مقصد نہ ہوتا۔ ہم دونوں ہی زندگی کے لگے بندھے اصول کے تحت بس وقت گزارے جاتے' ہے نا؟" اللہ دتا کمہار نے سکینہ کے مضطرب انداز کو غور سے دیکھا۔

"مجھے اللہ سے کوئی شکوہ نہیں۔ اس نے ہمیں معذور سہی لیکن اولاد تو دی۔ اس نے ہماری زندگیوں کو ایک محور تو دیا اور تجھے کیا پتا پتر! تو نے ہماری زندگیوں میں کتنے خوب صورت رنگ بھرے ہیں۔ ہمیں ماں باپ بننے کی سعادت نصیب کی ہے۔ اس لیے ایسی باتیں نہ کیا کر پتری! دل کو تکلیف ہوتی ہے۔" اللہ دتا کے لہجے میں محبت کی فراوانی تھی۔

"چلو بھئی سکینہ! شام کی واک پر چلتے ہیں۔" سسٹر ماریہ ایک دم ہی کمرے میں داخل ہوئی تو سب کی توجہ اس کی جانب مبذول ہوگئی۔

"پتا ہے مجھے ڈاکٹر خاور نے بھیجا ہے کہ سکینہ کو لے کر لان میں آؤ۔" سسٹر ماریہ کے رازدارانہ انداز پر سکینہ چونکی۔ وہ دونوں اس وقت کاریڈور میں تھیں اور لان کی طرف بڑھتے ہوئے سسٹر ماریہ نے سکینہ کو بتایا۔ ڈاکٹر خاور سامنے بینچ پر بڑے اطمینان سے بیٹھے ان کے منتظر تھے۔

"سکینہ! اداس کیوں ہو؟" ڈاکٹر خاور نے اس کا چہرہ غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ سسٹر ماریہ اسے چھوڑ کر اندر جا چکی تھی۔

"آپ کو کس نے کہا کہ میں اداس ہوں۔" اس نے چونک کر الٹا سوال کیا۔ وہ مسکرائے۔

"چہرہ شناسی کا دعوا صرف آپ کو ہی تو نہیں ہے۔ کوئی اور بھی اس ہنر میں کمال رکھ سکتا ہے۔" ڈاکٹر خاور کی بے تکلفی سکینہ کو حیران کر گئی۔

"بدصورت چہروں کو کون دیکھتا ہے؟" وہ تلخ ہوئی۔

"چہرے بدصورت نہیں ہوتے' ان کو دیکھنے والی نگاہ خوب صورت یا بدصورت ہوتی ہے۔ جو سامنے والے منظر کو اپنے مطابق رنگ دیتی ہے۔" ڈاکٹر خاور سینے پر ہاتھ باندھ کر اسے غور سے دیکھ کر بولے۔ ایک پھیکی سی مسکراہٹ سکینہ کے چہرے پر پھیلی۔

"یہ بتائیں سکینہ! اس دن عائشہ کو دیکھ کر آپ ٹینس کیوں ہوئی تھیں؟" ڈاکٹر خاور نے کب کا رکا ہوا سوال اس سے پوچھ ہی لیا۔ جس مقصد کے لیے انہوں نے اسے یہاں بلایا تھا۔ سکینہ نے بغور ڈاکٹر خاور کو دیکھا۔

"یہ سوال آپ اپنے آپ سے پوچھیں۔" اس کی بات نے ڈاکٹر خاور کو ایک لمحے کو بوکھلا کر رکھ دیا۔

"کیا مطلب ہے آپ کا؟" انہوں نے جانچتی نگاہوں سے اس کا چہرہ کھوجا۔

"عائشہ بہت اچھی ہیں۔" سکینہ کچھ لمحے چپ رہنے کے بعد بولی تو وہ مسکرا دیے۔

"اس کا مطلب ہے کہ آپ کو اچھی لگیں۔"

"جو لوگ دل کے اچھے اور سچے ہوں وہ کس کو اچھے نہیں لگتے۔"

"بہت سے لوگ ہیں دنیا میں' جن کو دل کی اچھائی اور سچائی سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ وہ بس ظاہری خوب صورتی کے پیچھے بھاگتے ہیں۔" ڈاکٹر خاور نے سنجیدگی سے کہا۔

"لیکن آپ ایسے نہیں ہیں' مجھے پتا ہے۔" سکینہ کے لہجے میں یقین کا ایک سمندر تھا۔

"تم بہت اچھی ہو سکینہ!" ڈاکٹر خاور اب سامنے والے بینچ پر بڑی فرصت سے بیٹھ گئے۔ اپنی تعریف پر سکینہ کا چہرہ بالکل سپاٹ رہا۔ یہ بات ڈاکٹر خاور کے لیے اچنبھے کا باعث بنی۔

"کیا بات ہے سکینہ کوئی ناراضی ہے کیا؟"

"مجھے ناراضی کا کوئی حق نہیں ہے ڈاکٹر صاحب!" اس کا لہجہ بڑا عجیب سا ہوا۔

"دیکھو سکینہ! آج تو یہ بات کر دی' لیکن آج کے بعد ایسی کوئی بات نہیں کرنی۔ اوکے۔" انہوں نے ایک دم کھڑے ہوتے ہوئے ہلکی سی برہمی سے کہا۔ سکینہ کے چہرے کی رنگت متغیر ہوئی۔ پارکنگ میں کھڑی ڈاکٹر زویا نے یہ منظر بہت تنفر سے دیکھا۔

☆ ☆ ☆

"بھابھی! آپ ایک دفعہ مجھے بتائیں تو سہی میں اپنے

کر اپنے بھائی کو دیکھنے آجاتی۔" ثنائلہ کی والدہ کے آنسو کسی صورت نہیں تھم رہے تھے' جب سے انہوں نے اپنے بھائی کے انتقال کی خبر سنی تھی۔ وہ اس وقت اپنے بیٹے رامس کے ساتھ ثنائلہ کے گھر میں موجود تھیں۔

"بس کیا بتاتی' میرے اوپر تو خود غموں کا ایک طوفان ٹوٹ پڑا تھا۔ ایک تو پردیس اور اوپر سے اتنی محبت کرنے والے شریک حیات کی جدائی نے مجھے تو نیم پاگل سا کر دیا۔" وہ بہت محبت سے اپنی نند کا ہاتھ پکڑ کر ساری تفصیل بتاتی گئیں۔

"پاکستان آنے کے بعد میں نے سوچا کہ آپ کے حصے کی رقم پہلی فرصت میں آپ تک پہنچا دوں۔ اس کے بعد خود بیمار ہوگئی۔ اس لیے وکیل صاحب کو بھجوا دیا۔" ان کی بات پر بالکل چپ بیٹھے شہیر نے بے چینی سے پہلو بدلا۔

"یہ تو اچھا خاصا ہینڈسم بندہ ہے' لیکن پتا نہیں کیوں مجھے ایسا لگتا ہے کہ میں نے اسے کہیں دیکھا ہے۔" کچن میں ان لوگوں کے لیے کھانا تیار کرتی ثنائلہ نے اپنی الجھن نابیہ سے بیان کی۔ جو رامس کی والدہ کی آمد کا سنتے ہی فوراً" تیر کی طرح آن پہنچی تھی۔

"دیکھو! اب تم اپنے سکندر شاہ کی طرف ہی دھیان دو' کوئی ضرورت نہیں اس پر بری نظر ڈالنے کی۔" نابیہ نے سلاد کے لیے کھیرے کاٹتے ہوئے اسے شرارت سے جواب دیا۔

"جب بھی بات کرنا' کوئی نہ کوئی بونگی ہی مارنا۔" اس نے کباب تلتے ہوئے جل کر جواب دیا تو نابیہ کھلکھلا کر ہنسی۔

"ایک گلاس پانی مل جائے گا۔" شہیر کے سپاٹ انداز پر وہ دونوں چونکیں۔ وہ نہ جانے کب کچن کے دروازے میں آن کھڑا ہوا تھا۔ ثنائلہ نے فوراً" فریج سے بوتل نکال کر اس کی طرف بڑھائی۔ جسے لے کر وہ اندر کی جانب بڑھ گیا۔

"یہ تمہارے بھائی کے منہ پر کیوں ساڑھے بارہ بجے ہوئے ہیں۔ جب سے آیا ہے ایسے ہی کھا جانے والی نگاہوں سے دیکھ رہا ہے۔" نابیہ نے ہلکے پھلکے انداز میں جتایا تو ایک تاریک سا سایہ ثنائلہ کے چہرے پر پھیلا۔

"ہاں' اسے سخت غصہ ہے کہ ہم نے ماموں سے رابطے کی بات اس سے کیوں چھپائی اور یہ کہ پیسے گھر کی مرمت پر کیوں ضائع کیے۔" ثنائلہ کی بات پر نابیہ کو جھٹکا لگا۔

"دماغ ٹھیک ہے تمہارے بھائی کا' خود تو کویت جا کر بیٹھ گیا اور تم لوگوں کو اس کھنڈر جیسے گھر میں چھوڑ کر دوبارہ مڑ کر نہیں پوچھا۔" نابیہ سلاد بنانا بھول گئی۔

"اسے غصہ ہے کہ اگر وہ پیسے اسے مل جاتے تو وہ پاکستان آکر کوئی بزنس کر لیتا۔" ثنائلہ نے ہاتھ دھوتے ہوئے طنزیہ لہجے میں بتایا۔

"ہونہہ! اب اس کی مطلبی اور خود غرض بیگم اسے چھوڑ کر چلی گئی تو اسے پاکستان کی یاد آگئی۔" نابیہ کا لہجہ زہر آلود ہوا۔

"خواتین! آج کی تاریخ میں کھانا مل جائے گا۔" رامس کے خوشگوار انداز پر وہ دونوں چونکیں۔ نابیہ کے ہاتھ میں پکڑا کھیرا چھوٹ کر زمین پر جا گرا۔ جب کہ اپنے دوپٹے سے ہاتھ صاف کرتی ثنائلہ مسکرا دی۔

"بھئی۔ میں تو اپنے حصے کا کام نبٹا چکی ہوں' یہ دوسری پارٹی ہی اتنی سست ہے تو کیا کیا جائے۔" ثنائلہ نے شرارت سے نابیہ کی طرف اشارہ کیا جو اس حملے پر گڑبڑا سی گئی۔

"اوہو تو یہ مسئلہ ہے۔" رامس دونوں بازو اپنے سینے پر جما کر اب بڑی گہری نگاہوں سے نابیہ کو دیکھ رہا تھا۔ اس کی نگاہوں کی تپش سے نابیہ کے رخسار سرخ ہوئے۔

"اس کا مطلب ہے کہ مجھے اپنے مستقبل کے بارے میں کچھ سوچنا چاہیے۔" رامس کا معنی خیز انداز نابیہ کے ہاتھ پیر پھلا گیا۔

"باقی داوے رامس صاحب! آپ اگر کسی انسپکشن ٹیم کے ہیڈ کی طرح ہمارے سروں پر سوار رہے تو آج کا ڈنر آپ کو کل ہی ملے گا۔" ثنائلہ نے

WWW.PAKSOCIETY.COM

اسے مصنوعی خفگی سے گھورا تو وہ اپنے بالوں میں ہاتھ پھیر کر رہ گیا۔

"کتنی ظالم دنیا ہے۔ ان کا بس بھی ہم جیسے غریبوں پر ہی چلتا ہے۔" اس نے فرضی دکھ کے زیر اثر ایک لمبی آہ بھری۔ "حالانکہ بندہ پوچھے کہ میں نے کہا کیا ہے۔" رامس کی شوخی عروج پر تھی۔ وہ مسلسل نابیہ پر نظریں جمائے اسے نروس کر رہا تھا۔

"بھئی! یہ جو آپ ظالم نظروں کے وار کر رہے ہیں نا عوام الناس پر، اس کی وجہ سے ہمارا سلاد خاصا لیٹ ہو رہا ہے۔" ثنائلہ نے بڑی صفائی سے چھری نابیہ کے ہاتھ سے پکڑلی۔

"ادھر دو... کہیں زلیخا کی طرح انگلیاں نہ کاٹ بیٹھنا، آج کل تو ویسے بھی رشتوں کا بڑا مسئلہ ہے، بغیر انگلیوں والی لڑکی کو کون اپنائے گا۔" ثنائلہ نے ہنستے ہوئے نابیہ کو چھیڑا۔

"کچھ لوگ بڑے دل جگرے والے ہوتے ہیں۔ وہ گونگی، بہری، اندھی کانی حتی کہ خاصی زبان دراز لڑکیوں کو بھی اپنانے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔" رامس کی بات پر ثنائلہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ جبکہ نابیہ نے اسے گھور کر دیکھا جس کی زبان دانی کے جوہر آج کھل کر سامنے آ رہے تھے۔

☆ ☆ ☆

"مجھے تو پہلی دفعہ احساس ہوا کہ آپ دوسروں سے بدلہ لینے کی بھرپور صلاحیت رکھتی ہیں۔" ڈاکٹر خاور علی نے آج پھر اسے پارک میں پکڑ لیا تھا۔ وہ چوپینٹنگ بنانے کے لیے اپنا کینوس سیٹ کر رہی تھی ان کی بات سمجھ کر مسکرا دی۔ اسے بخوبی اندازہ تھا کہ ان کا اشارہ اس دن والی ملاقات کی طرف تھا جہاں عائشہ نے ان کے چھکے چھڑا دیے تھے۔

"بلیو می، میں نے ایسا جان بوجھ کر نہیں کیا، بس ایسے ہی زبان پھسل گئی۔" عائشہ نے مسکراتے ہوئے انہیں یقین دلایا۔ گہرے سبز رنگ میں وہ اس خوب صورت صبح کا ایک دلکش اور دلفریب سا رنگ لگ رہی تھی۔

"آپ کی زبان نے تو حقیقتاً" میرے چھکے اڑا دیے، مجھے تو موحد کا ڈر تھا کہ وہ کیا سوچے گا۔" ڈاکٹر خاور نے خوشگوار انداز میں بتایا تو وہ ہنس دی۔

"میرا بھائی ماشاء اللہ بہت اچھا ہے، وہ ایسی فضول باتوں پر دھیان نہیں دیتا۔" عائشہ کے لہجے میں یقین تھا۔

"پھر بھی ایک دفعہ تو آپ نے میرے حواس ہی گم کر دیے۔" وہ بے تکلفی سے بتاتے ہوئے سامنے رکھے بڑے سے پتھر پر بیٹھ گئے۔

"آپ نے مجھے بتایا کیوں نہیں کہ آپ ڈاکٹر ہیں؟" اس نے گلہ کیا۔

"آپ نے کبھی پوچھا ہی نہیں۔" انہوں نے سادگی سے جواب دیا۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ اپنے اتنے بزی شیڈول سے اتنا ٹائم نکال کر ایگزیبشن وغیرہ میں کیسے چلے آتے تھے۔" عائشہ بھی ان کے مقابل ایک پتھر پر آن بیٹھی۔

"بھئی جس چیز کا انسان کو شوق ہو، وہ اس کے لیے ٹائم کہیں نہ کہیں سے نکال ہی لیتا ہے۔" خاور علی نے اسے بغور دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

"ٹھیک کہتے ہیں۔" عائشہ مسکرائی۔ "یہ رامس کہاں بزی ہے آج کل..." اسے اچانک ہی یاد آیا۔

"وہ آج کل ماما کا رائٹ ہینڈ بنا ہوا ہے۔ ان کے کاموں کو نبٹا رہا ہے۔"

ڈاکٹر خاور کی بات پر وہ چونکی۔ "کیسے کام...؟"

"بھئی۔ میرے لیے کسی اچھی سی لڑکی کی تلاش میں ہیں دونوں..." خاور کی بات پر عائشہ کا دل بے ہنگم انداز سے دھڑکا۔ اس نے جھٹکے سے سر اٹھا کر خاور علی کو دیکھا۔

"کوئی اچھی لڑکی ہو نظر میں تو بتائیے گا۔" خاور کے چھیڑنے پر وہ بری طرح چپ۔

"ہاں ہے..." اس نے بڑی سرعت سے کہا۔

"کون...؟" خاور نے اس کا پتا پتا سا چہرہ بڑی دلچسپی

سے دیکھا۔

"آپ کی دوست، ماہم..." وہ اب غصے سے اپنے بیگ سے رنگ اور برش نکالنے لگی۔

"ہوں... ماہم بھی اچھی چوائس ہے۔" ڈاکٹر خاور کی آنکھوں میں شرارت رقصاں تھی۔ جب کہ عائشہ کے چہرے پر ناراضی تھی۔

"ویسے بائی دا وے! آپ کی ماہم سے کوئی ناراضی چل رہی ہے کیا؟" انہوں نے ایک دم ہی پوچھا۔

"نہیں تو... آپ کو کس نے کہا؟" اس نے چونک کر خاور کا سنجیدہ چہرہ دیکھا۔

"اچھا، مجھے ایسا لگا۔ اللہ جانے کیوں..." وہ تھوڑا سا الجھے۔

"کیسا لگا تھا...؟" وہ ساری ناراضی بھول بھال کر ان کے قریب آ کر کھڑی ہو گئی۔ خاور علی اس کے اس انداز پر مسکرا دیے۔ وہ اب دل ہی دل میں سوچ رہے تھے کہ عائشہ کو کس طرح ٹالنا ہے کہ اس کو برا بھی نہ لگے۔

☆ ☆ ☆

"ماما! ہائیٹ دیکھی ہے آپ نے اس بندے کی، میرے کندھوں تک بھی بمشکل آئے گا۔" ماہم نے بے زاری سے ہاتھ میں پکڑی تصویر صوفے پر اچھالی اور زبردستی ٹی وی کی طرف متوجہ ہوئی جہاں ثمن آپی کا مارننگ شو مکرر آ رہا تھا۔

"بزنس کی دنیا میں ایک نام ہے اس کا سی اے کیا ہوا ہے۔ کروڑوں کی جائیداد کا تنہا وارث ہے۔" مسز منصور نے اسے اس پروپوزل کی خصوصیات بتائیں جو ان کی نظر میں خاصی پرکشش تھیں۔

"ماما! کیا فائدہ..." وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ چہرے پر دنیا جہاں کی بے زاری اور کوفت تھی۔ "جب ایک بندہ آپ کے ساتھ چلتا ہوا ہی اچھا نہیں لگ رہا تو ایسی کروڑوں کی جائیداد کو چاٹنا ہے کیا۔" اسے غصہ ہی آگیا۔

"پھر مسز گیلانی کے بیٹے میں کیا برائی تھی، اچھا خاصا چھ فٹ کا بندہ تھا۔" ان کو اس کا ایک اور مسترد کیا پروپوزل عین وقت پر یاد آیا۔

"رنگ دیکھا تھا آپ نے مسز گیلانی کے بیٹے کا..." ماہم سلگ کر بولی۔ "بلیک پینٹ کوٹ میں پتا ہی نہیں چل رہا تھا کہ کہاں سے شروع ہو رہا ہے اور کہاں ختم..." اس کے کھل کر مذاق اڑانے پر مسز منصور نے تاسف سے اسے دیکھا۔

"ماہم! کچھ خدا کا خوف کرو، اچھی خاصی گندمی رنگت تھی اس کی، جیسے ستر فیصد ہمارے ملک کے مردوں کی ہوتی ہے۔"

"رہنے دیں ماما! آپ کو تو ہر راہ چلتا لڑکا پسند آ جاتا ہے اپنی بیٹیوں کے لیے۔" ماہم نے طنزیہ نگاہوں سے انہیں دیکھا۔

"پھر اس کا ایک ہی حل ہے میرے پاس..." وہ تپ کر کھڑی ہوئیں۔

"وہ کیا...؟" ٹی وی اسکرین پر نظریں جمائے بیٹھی ماہم نے بے زاری سے ماما کو دیکھا جن پر آج کل ماہم کی شادی کروانے کا بھوت سوار تھا۔

"تم اللہ سے کہہ کر خاص طور پر ہی اپنے لیے کوئی لڑکا تیار کروالو، ورنہ جیسی تمہاری ڈیمانڈ ہے۔ کوئی نہیں ملنے والا..." ماما شعلہ برساتی نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے کمرے سے نکل گئیں اور ماہم لاپروائی سے اپنے کندھے جھٹک کر دوبارہ ٹی وی کی طرف متوجہ ہو گئی۔

"یہ ثمن آپی بھی اپنے شو میں کبھی کبھی ضرورت سے زیادہ ہی اوور ہو جاتی ہیں۔" اس نے کوفت سے چینل بدلا جہاں کوئی فیشن شو آ رہا تھا۔ وہ کچھ دیر پہلے کی کوفت بھلائے دلچسپی سے ٹی وی دیکھنے لگی... جب سیل فون کی مترنم سی گھنٹی نے اسے اپنی طرف متوجہ کیا۔ سامنے "حلی کالنگ" کے الفاظ پڑھ کر اسے اپنی ساری ناراضی یاد آ گئی۔ اس نے بہت غصے سے اس کی کال کاٹ دی اور صوفے کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔ اس کا سارا ذہنی سکون ایک لمحے میں غارت ہو گیا۔

☆ ☆ ☆

"امی! دماغ ٹھیک ہے شہیر کا۔ آخر وہ کس منہ سے

WWW.PAKSOCIETY.COM

آپ سے نابیہ کے رشتے کے لیے کہہ رہا ہے۔" ثنائلہ کا دماغ بھک کر کے اڑا۔ جب اس نے اپنی والدہ کے منہ سے صبح صبح یہ عجیب بات سنی۔

"وہ تو تم ٹھیک کہہ رہی ہو بیٹا!" مسز زبیر نے دانستہ نگاہیں چراتے ہوئے کہا۔ "لیکن اس کی ضد ہے کہ میں اس کا رشتہ مانگنے جاؤں' ورنہ وہ واپس کویت چلا جائے گا۔" انہوں نے اپنی مجبوری بیان کی تو ثنائلہ کو ٹھیک ٹھاک قسم کا غصہ آگیا۔

"جانا ہے تو ہزار دفعہ جائے۔ ہمیں بلیک میل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ پہلے بھی وہ ہماری مرضی کے بغیر ہی گیا تھا۔ جو کچھ اس نے کمایا اپنی سالیوں کی شادیوں پر لگا دیا۔" ثنائیلہ نے غصے سے ہاتھ میں پکڑا چائے کا کپ میز پر پٹخا۔ تھوڑی سی چائے چھلک کر سفید میز پوش پر داغ ڈال گئی۔

"پھر مجھے بتاؤ' میں کیا کروں۔" ان کے بے بس انداز پر ثنائلہ کا سارا غصہ بھک کر کے اڑا۔ وہ تھوڑا نرم انداز میں بولی۔

"دیکھیں امی! ثنائلہ کے گھر والوں سے ہمارے بہت اچھے تعلقات ہیں۔ وہ ہمارے دکھ سکھ کے ساتھی ہیں۔ آپ خود سوچیں کہ وہ اپنی اچھی خاصی بیٹی کا رشتہ کیوں شہیر کو دیں گے۔ جس کے بارے میں سب کو پتا ہے کہ وہ ایک شادی کر چکا ہے۔"

"لیکن بیٹا! بات کرنے میں تو کوئی ہرج نہیں۔ شہیر مطمئن ہو جائے گا۔" امی کی بات پر ایک تلخ مسکراہٹ ثنائلہ کے لبوں پر ابھری۔

"ہونہہ! اپنے بیٹے کو مطمئن کرنے کے لیے آپ دوسروں کا سکون غارت کریں گی؟" وہ خود کو بولنے سے روک نہ پائی۔

"کیا کروں' اپنے بیٹے کی محبت کے ہاتھوں مجبور ہوں۔" وہ رنجیدگی سے بولیں۔

"نابیہ کے گھر کے علاوہ کوئی ایسا گھر نہیں جو مشکل وقت میں ہمارے کام آسکے۔ ایسا نہ ہو بیٹے کی محبت کے ہاتھوں مجبور ہو کر آپ اپنے تعلقات خراب کر بیٹھیں۔" ثنائلہ نے ان کو تصویر کا دوسرا رخ دکھایا۔

جب کہ اس سے زیادہ سننا شہیر کی برداشت سے باہر تھا۔ وہ جو سمجھ رہی تھی کہ وہ گہری نیند میں ہے۔ اسے پتا ہی نہیں چلا کہ وہ کب اس کے سر پر آن کھڑا ہوا۔ مسز زبیر کا رنگ فق ہوا۔

"آپی! آپ کے ساتھ مسئلہ کیا ہے۔ آپ کیوں ہاتھ منہ دھو کر میرے پیچھے پڑ گئی ہیں؟" وہ طنزیہ لہجے میں بولتا ہوا اس کے بالکل سامنے آن کھڑا ہوا۔

"اس لیے کیونکہ تم ہمارا ذہنی سکون برباد کرنے کی باتیں کر رہے ہو۔" ثنائلہ نے اس کے رعب میں آئے بغیر دوبدو جواب دیا۔

"میں نے کون سا آپ کا سکون برباد کیا ہے؟" وہ سلگ کر بولا۔

"کبھی تمہیں لگتا ہے کہ ہم نے اس گھر پر پیسہ لگا کر ساری جمع پونجی داؤ پر لگا دی ہے اور کبھی تمہیں یہ خوش فہمی ہونے لگتی ہے کہ نابیہ کے لیے تمہارا پروپوزل اب بھی ہاتھوں ہاتھ لیا جائے گا۔" ثنائلہ نے طنزیہ نگاہوں سے اپنے چھوٹے بھائی کو دیکھا جس کی خود غرضی پر اب اسے کوئی شبہ نہیں رہا تھا۔

"ہاں تو اس میں غلط کیا ہے۔" شہیر کی غلط فہمی عروج پر تھی۔

"تو ٹھیک ہے بھجوا کر دیکھ لو اپنا پروپوزل' منہ کی کھاؤ گے۔" ثنائلہ ایک جھٹکے سے کھڑی ہوئی۔

"یہ آپ کی بھول ہے۔" وہ استہزائیہ انداز سے ہنسا۔ "نابیہ مجھ سے محبت کرتی ہے۔"

"تصحیح کر لو' وہ تم سے محبت کرتی تھی۔" ثنائلہ نے لفظ "تھی" پر زور دیتے ہوئے کہا اور اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ مسز زبیر نے سراسیمہ نگاہوں سے اپنے بچوں کو دیکھا۔ جو ایک دوسرے کو کچھ دیر پہلے کھا جانے والی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

☆ ☆ ☆

"تھینکس گاڈ بھائی! آپ کے چہرے پر بھی مجھے مسکراہٹ نظر آئی۔" عائشہ نے ناشتے کی میز پر بلاوجہ مسکراتے موحد کو دیکھ کر چھیڑا۔ جب کہ ماما نے بھی

چونک کر اپنے دونوں بچوں کے تر و تازہ چہرے دیکھے اور دل ہی دل میں دونوں پر آیت الکرسی پڑھ کر پھونکی۔

"میں نے سوچا آج کل تم ہر وقت مسکراہٹوں کے پھول بکھیرتی رہتی ہو تو میں کیوں پیچھے رہوں۔" موحد نے سلائس پر جیم لگاتے ہوئے اسے چھیڑا۔

"ہوں۔۔۔ مجھے تو آج کل زعفران کے کھیت نظر آرہے ہیں۔ آپ کی طرف کیا ماجرا ہے۔" اس نے اورنج جوس کا گلاس لبوں سے لگایا۔

"بس یہ سمجھو کہ میری طرف بھی کچھ ایسا ہی معاملہ ہے۔" ایک ذو معنی سی مسکراہٹ موحد کے چہرے پر ابھری۔

"یہ تم دونوں آپس میں کون سے کوڈ ورڈز میں باتیں کر رہے ہو۔" ماما نے جھنجھلا کر دونوں کو دیکھا۔

"یہ تو آپ بھائی سے ہی پوچھیں۔" عائشہ مسکرائی تو وہ گھور کر رہ گیا۔

"میں سوچ رہا ہوں ماما! عائشہ کی شادی دادی کا کچھ کریں۔ لڑکیوں کی عمر نکلنے کا پتا تھوڑی چلتا ہے۔" موحد نے موقع پر ہی حساب برابر کیا۔ عائشہ اس کی شرارت سمجھ کر مسکرا دی۔

"میں تو خود اس سلسلے میں خاصی اپ سیٹ ہوں' کل ہی مجھے مسز کامران نے ایک پروپوزل کے بارے میں بتایا ہے۔" ماما کی بات پر عائشہ چونکی۔

"وہ بتا رہی تھیں کہ لڑکے کی والدہ نے عائشہ کو کسی فنکشن میں دیکھا ہے اور پسند بھی کر لیا ہے۔" ماما کے پرجوش انداز پر عائشہ کا رنگ اڑا۔

"اچھا۔۔۔ کیا کرتا ہے وہ۔۔۔؟" موحد نے فوراً دلچسپی ظاہر کی۔

"آرمی میں میجر ہے۔" ماما کے جواب پر موحد کے چہرے پر ایک تاریک سا سایہ دوڑا۔ وہ آج بھی آرمی کا نام سن کر جذباتی ہو جاتا تھا۔

"پھر تو آپ فوراً" بلا لیں انہیں۔۔۔" موحد کی دلچسپی ماما کے لیے مورل سپورٹ کا باعث بنی۔

"آج ہی فون کرتی ہوں انہیں۔۔۔"

"کوئی ضرورت نہیں ہے ماما! مجھے آرمی لائف پسند نہیں۔۔۔" عائشہ ایک جھٹکے سے کھڑی ہوئی۔ اس کا چہرہ شدید تناؤ کا شکار لگ رہا تھا۔ اس کی بات پر ماما نے ناگواری سے اسے دیکھا اور موحد کو نظروں ہی نظروں میں کوئی اشارہ کیا۔

"کیا بات ہے عائشہ! ایسے ٹینس کیوں ہو رہی ہو۔" موحد کی بات پر عائشہ نے اسے شکوہ کناں نگاہوں سے دیکھا' جیسے کہہ رہی ہو کہ مجھے آپ سے اس بات کی توقع نہیں تھی۔ اس نے ہاتھ میں پکڑا آدھا ٹوسٹ پلیٹ میں رکھا اور ڈائننگ روم سے ہی نکل گئی۔

"دیکھا۔۔۔ دیکھا تم نے' اس لڑکی نے مجھے کتنا زچ کر رکھا ہے۔" ماما کو ایک دم ہی غصہ آیا۔

"ڈونٹ بی چی یا ماما! میں بات کروں گا عائشہ سے۔۔۔" موحد نے انہیں تسلی دینے کی کوشش کی لیکن وہ بجائے مطمئن ہونے کے بھڑک اٹھیں۔

"دماغ خراب ہو گیا ہے اس کا' اور کچھ نہیں۔ تم صاف صاف پوچھو اس سے' اگر کوئی پسند ہے تو بتائے' ورنہ اس دفعہ میں اس کی کچھ نہیں سننے والی۔" ماما نے بھی دو ٹوک دھمکی دی اور کمرے سے نکل گئیں۔ موحد سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ سیل فون کی گھنٹی نے اسے اپنی طرف متوجہ کیا۔ دوسری جانب ثنائلہ تھی۔

"کیا ہوا موحد؟" وہ اس کا لہجہ سنتے ہی پریشان ہوئی۔

"کچھ نہیں یار! ماما اور عائشہ کے درمیان سینڈوچ بنا ہوا ہوں۔" اس نے اپنی الجھن اس کے ساتھ شیئر کی۔

"کیا مطلب۔۔۔؟"

"بھئی عائشہ کے لیے کوئی پروپوزل آیا ہے' مگر اس نے صاف انکار کر دیا اور ماما سخت غصے میں ہیں۔" اس نے مختصراً" بتایا۔

"اچھا۔۔۔ عائشہ تو مجھے بہت سادہ اور دوستانہ مزاج کی لگی ہے۔" ثنائلہ کی بات پر وہ بری طرح چونکا۔

"تمہیں کیسے پتا؟"

"اس نے مجھے کال کی تھی۔" ثنائلہ کی بات پر

WWW.PAKSOCIETY.COM

موحد کو جھٹکا سا لگا۔
"کب.....؟" وہ بے تابی سے بولا۔
"کافی دن ہو گئے اب تو....." ثنائلہ کی بات پر اسے غصہ آگیا۔ "تم نے مجھے بتایا کیوں نہیں؟"
"سوری ذہن ہی سے نکل گیا تھا اور پھر میرا خیال تھا کہ اس نے آپ سے ہی نمبر لیا ہوگا۔ اس لیے آپ کے علم میں ہوگا۔" ثنائلہ نے گھبرا کر اسے وضاحت دی۔
"یہ کوئی اتنی عام سی بات تو نہیں تھی کہ تمہارے ذہن سے نکل جائے۔" دوسری جانب موحد کا موڈ خراب ہو چکا تھا۔ اچانک ہی اس کے ذہن میں ایک بات آئی۔
"کہیں تم عائشہ کے کہنے پر تو مجھ سے ملنے نہیں آئی تھیں؟" اس کے لہجے میں چھپی بدگمانی ثنائلہ کا دل خراب کر گئی۔
"آپ کی بدگمانی کبھی کبھی میرے دل کو اتنے برے طریقے سے مسلتی ہے کہ میں اسے لفظوں میں بیان نہیں سکتی۔" ثنائلہ کا رنج بھرا انداز موحد کو بے چین کر گیا۔ جب کہ دوسری جانب وہ ناراض ہو کر فون بند کر چکی تھی۔

☆ ☆ ☆

"آپ مجھ سے ناراض ہیں نا؟" وہ اس دن اچانک ہی ماہم کے کلینک میں چلا آیا۔ علی کو اپنے سامنے دیکھ کر بھی ماہم بدستور اپنے کام میں مگن رہی جو اس کی ناراضی کا بھرپور اظہار تھا۔ اس نے بس ایک نگاہ اٹھا کر ہی علی کو دیکھا تھا۔
"بیٹھنے کے لیے نہیں کہیں گی آپ؟" علی نے دونوں ہاتھ میز پر رکھ کر تھوڑا سا جھک کر اس ادا سے ماہم کی طرف دیکھا کہ اس کے لیے اپنے دل کی اتھل پتھل کیفیت کو سنبھالنا مشکل ہو گیا۔ اس نے آنکھ کے اشارے سے اسے بیٹھنے کے لیے کہا۔ علی کے لبوں پر ایک مبہم سی مسکراہٹ ابھری۔
"آئی ایم سوری! میں پچھلے دنوں اپنے اسپتال اور پرائیویٹ کلینک میں بہت بزی رہا اور آپ سے زیادہ کون جان سکتا ہے کہ ڈاکٹرز کی لائف کتنی بزی ہوتی ہے۔" علی کی بات پر ماہم نے جھٹکے سے سر اٹھا کر سامنے بیٹھے علی کو غور سے دیکھا۔
"آپ ڈاکٹر ہیں؟" اس کے چہرے کے تاثرات بڑی سرعت سے تبدیل ہوئے۔ "آپ نے کبھی بتایا ہی نہیں کہ آپ ڈاکٹر ہیں؟" ماہم کی ساری ناراضی بھک کر کے اڑ گئی۔ وہ اب توصیفی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔
"اسپیشلائزیشن کس میں ہے آپ کی؟"
"اسپائنل سرجری میں یو کے سے....." علی نے بھی آج ماہم کو متاثر کرنے میں کوئی کمی نہیں چھوڑی تھی۔
"اور کتنے بہن بھائی ہیں آپ۔"
"صرف دو بھائی ہیں۔ فادر کی ڈیتھ ہو چکی ہے۔ صرف ماما ہیں۔" علی کے بتائے ہوئے سارے ہی کوائف متاثر کن تھے۔
"کچھ نہیں۔ بس آج کل ماما پر میری شادی کا بھوت سوار ہے۔ اس سلسلے میں چھانٹی پروگرام جاری ہے۔" ماہم کی خودپسندی کو باہر نکلنے کے لیے کسی خاص موقع کی ضرورت نہیں ہوتی تھی اور آج تو اس کے ہاتھ میں اچھا خاصا موقع تھا۔
"ہوں..... اس کا مطلب ہے کہ امیدواران کی لسٹ خاصی لمبی ہے۔" علی نے ہلکے پھلکے انداز میں کہا۔
"جی ہاں....." ماہم نے اپنی راج ہنس جیسی خوب صورت گردن اٹھا کر دیکھا۔ "ابھی تو شارٹ لسٹنگ ہونی ہے۔" وہ بڑی ادا سے مسکرائی۔
"اف! میرے جیسے غریب لوگ تو مارے جائیں گے پھر....." علی کے شرارتی انداز پر وہ کھلکھلا کر ہنسی۔
"غریبوں پر ہم خصوصی نگاہ کرم کرتے ہیں۔" ماہم کے ذومعنی انداز پر علی نے مسکراتے ہوئے اپنے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔

"آپ کی دوست کی انگیجمنٹ ہو گئی؟" علی کے اچانک موضوع تبدیل کرنے پر وہ جی بھر کر بدمزہ ہوئی۔
"جی سننے میں تو یہی آرہا ہے۔" اس نے گول مول جواب دیا۔
"اسی رامس کے ساتھ؟"
"جی جی وہ ہی جو میرا اپوئنٹ تھا۔" ماہم نے بڑی صفائی سے جھوٹ بولا۔ علی نے اب اس کے چہرے کو بغور دیکھا۔
"کیا کوئی محبت وحبت کا چکر تھا۔"
"جی لگتا تو بظاہر یہی ہے۔" ماہم نے اپنے کندھے اچکائے۔
"چلیں اچھی بات ہے۔ اللہ ان دونوں کو خوش رکھے۔" علی کی بات پر ماہم کے لبوں پر بڑی پرسکون سی سانس خارج ہوئی۔ وہ اب بڑی مطمئن سی نظر آرہی تھی۔
"آپ کا فنڈ ریزنگ پروگرام کہاں تک پہنچا؟" علی کی بات پر ماہم نے ایک دفعہ پھر کوفت بھرے انداز سے پہلو بدلا۔
"میں نے ثمن آپی سے بات کی تھی۔ ان کا آج کل بڑا بزی شیڈول ہے۔ تھوڑی سی فراغت مل جائے تو ان شاء اللہ کچھ نہ کچھ کرتے ہیں۔" اس نے بیزاری عمدگی سے خود کو سنبھالتے ہوئے اسے مطمئن کرنے کی کوشش کی۔ اس دفعہ علی کے چہرے پر پھیلنے والی مسکراہٹ بڑی عجیب سی تھی۔

☆ ☆ ☆

"مجھے بہت دکھ افسوس اور حیرت ہو رہی ہے ثنائلہ کہ....." نابیہ نے بہت افسردگی سے ثنائلہ کو دیکھا جو لیپ ٹاپ کے ساتھ زمین پر بے معنی سی لکیریں کھینچ رہی تھی۔
"کیا تم یہ گمان بھی کر سکتی ہو کہ میں ایسا کچھ کر سکتی تھی۔" ثنائلہ کے رنجیدہ لہجے پر نابیہ ایک لمحے میں لاجواب ہوئی۔
"آئی ایم سوری یار!" وہ اب اس کے ساتھ ہی باورچی خانے کی دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔ "میں بھی حیران تھی کہ تمہیں تو ہر بات کا پتا تھا' پھر تم نے شہیر کے پروپوزل کے لیے خالہ جان کو کیوں بھیجا۔"
"میں نے اس بات کے خلاف اسٹینڈ لیا اور اسی وجہ سے میری شہیر کے ساتھ بول چال بند ہے۔" ثنائلہ بڑے دھیمے سے انداز سے گویا ہوئی۔
"شہیر کی اتنی جرات کیسے ہوئی۔ مجھے تو یہی سمجھ میں نہیں آرہا۔" نابیہ کا غصہ کسی طور بھی کم نہیں ہو پا رہا تھا۔
"موصوف کو لگتا ہے کہ میرے دل میں ابھی بھی اس کے لیے کوئی سوفٹ کارنر ہے۔" نابیہ بے یقین ہوئی۔
"اس کو لگتا نہیں' بلکہ بھرپور قسم کا یقین ہے۔" ثنائلہ مسکرائی تو نابیہ کی تیوری کے بل گہرے ہو گئے۔
"دفع کرو اسے تم۔ یہ بتاؤ کہ تمہارے ہیرو صاحب کا کیا حال ہے؟ کب بھیجیں گے وہ اپنے گھر والوں کو۔" نابیہ نے خود کو سنبھالتے ہوئے موضوع تبدیل کیا۔ اس کی بات پر ثنائلہ کے لبوں پر ایک تلخ سی مسکراہٹ ابھری۔
"یہاں تک آنے سے پہلے ہی بات بگڑ جاتی ہے۔" اس کی آنکھوں میں نمی لہرائی۔
"مائی گاڈ! کیا پھر لڑائی ہو گئی؟" نابیہ نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا۔
"میں کیا کروں' نہ چاہتے ہوئے بھی کوئی نہ کوئی ایسی بات ہو جاتی ہے۔" ثنائلہ کا دل بھر آیا۔
"اب خبردار! ایک بھی آنسو بہایا تو۔ میں ٹھیک کرتی ہوں تمہارے ہیرو کو۔" نابیہ کو ایک دم ہی غصہ آیا۔ "ویسے یار ہے تو وہ روڈ سا بندہ' یاد نہیں اس دن ہم لوگ آئے تو نہ تو اس نے اٹھ کر استقبال کیا اور نہ ہی دروازے تک چھوڑنے آیا۔ کم از کم اتنی اخلاقیات تو سکھا دو اس کو۔"
نابیہ کو فوراً اس دن والی ملاقات یاد آئی۔ اس کی بات پر ثنائلہ نے بے ساختہ نظریں چرائیں۔
"آئی ایم سوری نابیہ! میں نے تمہیں ایک بات

WWW.PAKSOCIETY.COM

نہیں بتائی۔" ثنائلہ آہستہ سے بولی۔
"تم نے میرا وہ ناول پڑھا تھا نا، جس میں سکندر شاہ ایک ایکسیڈنٹ میں معذور ہو جاتا ہے۔" اس کی بات پر نابیہ کے چہرے پر الجھن کے تاثرات نمودار ہوئے۔
"ہاں یار! وہ بھی کوئی بھولنے والا ناول ہے۔" اس نے فوراً" ہی کہا۔
"بس سمجھو کہ میرے ساتھ بھی حقیقت میں ایسا ہی ہوا ہے۔"
نابیہ نے سوالیہ نگاہوں سے اپنی دوست کی طرف دیکھا۔
"میری حقیقی زندگی کا سکندر شاہ بھی سوات آپریشن میں اپنی ٹانگیں کھو چکا ہے۔" ثنائلہ کی بات پر نابیہ کو یوں لگا جیسے باورچی خانے کی چھت اس کے سر پر آن گری ہو۔
"واٹ۔" وہ بولی نہیں، بلکہ باقاعدہ چیخی۔ اس کی آنکھوں میں فطری سی برہمی تھی۔ "وہ موحد رحیم، معذور ہے اور تم ایک معذور شخص کے پیچھے پاگل ہو ثنائلہ؟" وہ ایسے ثنائلہ کو دیکھ رہی تھی جیسے اس کے سامنے دنیا کا آٹھواں عجوبہ بیٹھا ہو۔
"موحد رحیم معذور ہے لیکن میری محبت تو معذور نہیں۔" وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی۔
"شہیر اور خالہ جان کیا اس کے پروپوزل کے لیے مان جائیں گے۔" اس نے فوراً" ہی اپنا خدشہ بیان کیا۔
"ان کو ماننا ہو گا نابیہ! یہ میری زندگی ہے اور میں بہتر طور پر جانتی ہوں کہ مجھے اسے کیسے بسر کرنا ہے۔" ثنائلہ نے ہنوز سابقہ لہجے میں کہا۔
"تم بہت عجیب ہو یار!" نابیہ کچھ لمحوں کے توقف کے بعد اتنا ہی بولی۔
"میں نہیں، بلکہ محبت ہی ایک عجیب جذبہ ہے کہ اس کا سودا جس سر میں سما جائے، وہ اپنے نفع، نقصان اور زمانے کی مصلحتوں سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔" ثنائلہ اتنے دھیمے سے بولی کہ نابیہ نے بمشکل ہی اس کی بات کو سنا۔
"بیٹا! شہیر سے کہہ کر بازار سے کچھ چیزیں منگوا لو، تمہاری ممانی جان کا فون آیا ہے۔ وہ آ رہی ہیں۔" اس کی امی نے کچن میں جھانکا۔ ان دونوں نے چونک کر امی کا خوشی سے جگمگاتا چہرہ دیکھا۔ وہ خاصی پرجوش لگ رہی تھیں۔
"خیریت تو ہے امی!" اسے حیرت ہوئی۔ کیونکہ ابھی دو دن پہلے تو ممانی جان ان کے گھر سے ہو کر گئی تھیں۔
"مجھے لگتا ہے کہ وہ تمہارے رشتے کے لیے آ رہی ہیں۔" امی جان کی بات پر دونوں سہیلیوں کو کرنٹ سا لگا۔
"میرے رشتے کے لیے۔ آپ سے کس نے کہا۔" ثنائلہ نے عجلت بھرے انداز سے انہیں دیکھا۔
"بھئی! ڈائریکٹ تو نہیں کہا، لیکن یہ کہہ رہی تھیں کہ آپ سے ایک خاص چیز مانگنے آ رہی ہوں اپنے بیٹے رامس کے لیے۔" انہوں نے اپنی طرف سے دھماکا ہی تو کیا۔
"میرا رشتہ رامس کے لیے۔" ثنائلہ کے منہ سے نکلنے والے الفاظ نے نابیہ کو کسی گہری کھائی میں دھکا دیا۔ اس کا رنگ فق ہو گیا۔ وہ خوف زدہ نگاہوں سے ثنائلہ اور اس کی امی کو دیکھنے لگی۔

☆ ☆ ☆

"عائشہ! تم نے ثنائلہ کا نمبر کہاں سے لیا؟" وہ جو ٹی وی لاؤنج میں کسی ٹاک شو کو دیکھنے میں مگن تھی۔ موحد کے سنجیدہ سے لہجے پر حیران ہوئی۔
"کون ثنائلہ۔" عائشہ نے بے دھیانی میں پوچھا۔
"کیا اب یہ بھی مجھے ہی بتانا ہو گا۔" موحد کے لہجے سے چھلکتی خفگی پر وہ مکمل طور پر اس کی طرف متوجہ ہوئی، جو چہرے کے تاثرات سے کچھ خفا خفا سا لگ رہا تھا۔
"اچھا۔ اس کا نام ثنائلہ ہے۔ میں نے پوچھا ہی نہیں۔" عائشہ کی سادگی پر وہ بری طرح جھنجھلایا۔
"تم نے اس کا نمبر کہاں سے لیا۔" اس نے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔
"آپ کے فون کے بل سے۔" عائشہ تھوڑا سا شرمندہ ہوئی۔
"کیوں۔" عائشہ کو اس کے چہرے کی سنجیدگی سے گھبراہٹ ہوئی۔
"کیا ہو گیا ہے بھائی آپ کو۔ کیا مجھے اتنا بھی حق نہیں اور میں نے ایسا کیا کہہ دیا ہے اس سے، جو آپ اتنے خفا ہو رہے ہیں۔" عائشہ کی گلہ آمیز نگاہوں سے موحد کو ہمیشہ الجھن ہوتی تھی۔
"کیا، تم نے اس سے کہا تھا کہ وہ اپنی ناراضی ختم کر کے مجھ سے ملنے آئے؟" اس کے چہرے پر نظریں جمائے موحد نے بڑا عجیب سا سوال کیا۔
"میرا دماغ خراب ہے، جو میں ایسی کوئی بات کروں گی۔" عائشہ کو ایک دم غصہ آ گیا۔
"پھر تم نے اس سے کیا بات کی؟" موحد تھوڑا سا ڈھیلا پڑ گیا۔
"میں تو اس سے فیملی بیک گراؤنڈ اور اس کی امی کی بیماری کی تفصیلات ہی پوچھتی رہی اور تو کوئی خاص بات نہیں ہوئی۔ مجھے تو اتنا بھی دھیان نہیں رہا کہ اس کا نام پوچھ سکوں۔" عائشہ نے خفا خفا سے لہجے میں ساری تفصیل بتائی۔
"اوہ۔" وہ ایک دم شرمندہ ہوا تو عائشہ چونک گئی۔
"کیوں، کیا ہوا۔"
"کچھ نہیں، میں سمجھا کہ شاید تم نے اس سے کہا تھا کہ مجھ سے ملنے آ جائے۔" وہ اب خفت زدہ انداز میں اصل بات بتا گیا۔
"اب کیا کر دیا ہے آپ نے۔" عائشہ ہلکا سا جھنجھلائی۔
"میں اسے خفا کرنے کے علاوہ کر بھی کیا سکتا ہوں۔ آج میں اتنا شکی مزاج کیوں ہو گیا ہوں۔" وہ صدرِ جہ کوفت کا شکار ہو رہا تھا۔ ایسے لگتا تھا جیسے اسے اپنے آپ پر غصہ آ رہا ہو۔ عائشہ نے ایک تاسف

پیارے بچوں کے لئے
پیاری پیاری کہانیاں

بچوں کے مشہور مصنف
محمود خاور
کی لکھی ہوئی بہترین کہانیوں پر مشتمل ایک ایسی خوبصورت کتاب جسے آپ اپنے بچوں کو تحفہ دینا چاہیں گے۔
ہر کتاب کے ساتھ 2 ماسک مفت
قیمت -/300 روپے
ڈاک خرچ -/50 روپے
بذریعہ ڈاک منگوانے کے لئے
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37 اردو بازار، کراچی۔ فون: 32216361

WWW.PAKSOCIETY.COM

بھری نگاہ اس پر ڈالی۔
"بس میں نے فیصلہ کرلیا ہے بھائی!" عائشہ اچانک کھڑی ہوئی۔ "آپ لوگوں نے سوائے لڑنے جھگڑنے کے کچھ نہیں کرنا۔ میں ماما کو لے کر ان کے گھر جاتی ہوں۔ پھر ایک ہی گھر میں ایک ہی روم میں آمنے سامنے بیٹھ کر جتنا مرضی لڑتے رہیں۔" اس کے ہلکے پھلکے انداز پر موحد زبردستی مسکرایا۔
"وہ لوگ ایک ادھورے شخص کے ہاتھ میں اپنی بیٹی کا ہاتھ تھمادیں گے کیا؟" موحد کا دل اندیشوں سے لبریز تھا۔
"اگر آپ کا اور ثنائلہ کا ساتھ اللہ سات آسمانوں کے اوپر لکھ چکا ہے تو دنیا کی کوئی طاقت اس کو ختم نہیں کرسکتی۔" عائشہ کے پراعتماد انداز نے موحد کو کچھ مطمئن کیا۔
"پھر کب جاؤ گے تم لوگ۔" اس کے منہ سے بے اختیار پھسلا' اگلے ہی لمحے وہ ہلکا سا جھینپا اور عائشہ اس کی بات پر کھلکھلا کر ہنستی چلی گئی۔

☆ ☆ ☆

وہ ایک حبس بھری سی شام تھی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے ہوا کا دم گھٹ کر رہ گیا ہو۔ فضاؤں میں عجیب سی اداسی تھی۔ سکینہ نے کھڑکی کھولی تو اسی لمحے بجلی کے ایک تار پر کرنٹ لگنے سے ایک معصوم فاختہ زمین پر گری اور اس نے تڑپ تڑپ کر جان دے دی۔ سکینہ کو ایسے لگا جیسے کسی نے اس کا دل مٹھی میں پکڑ کر مسل دیا ہو۔ اسی لمحے ڈاکٹر خاور اس کے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئے۔
"کیا ہوا سکینہ... طبیعت ٹھیک ہے۔" انہوں نے اس کا پسینے سے شرابور چہرہ دیکھا۔
"ڈاکٹر صاحب! وہ فاختہ مرگئی۔" اس نے ہاتھ کی انگلی سے باہر کی جانب اشارہ کیا۔ ڈاکٹر خاور نے اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا۔
"اوہ سو سیڈ۔" انہوں نے آگے بڑھ کر ہمدردی سے اس کے کندھے کو سہلایا۔ سکینہ کی بے ربط دھڑکنوں کو تھوڑا سا سکون میسر آیا۔
"نروس کیوں ہو سکینہ! اللہ بہت بہتر کرے گا۔" ڈاکٹر خاور آج خصوصی طور پر وقت نکال کر اس کے پاس آئے تھے تاکہ اس کا حوصلہ بڑھا سکیں۔ صبح سات بجے اسے آپریشن تھیٹر میں لے جانا تھا۔
"پتا نہیں۔" اس کی اداس آنکھوں میں عجیب سی وحشت ابھری۔
انہوں نے مسکرا کر اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا۔ سکینہ کے دل کی دھڑکن ایک لمحے کو رک سی گئی۔
"مجھے معلوم ہے کہ یہ جسمانی بیماری میرا کچھ نہیں بگاڑے گی لیکن میری بدقسمتی کے جالے میں پھنسی میری محبت کسی مکڑی کی طرح زیادہ دیر سانسیں نہیں لے سکے گی۔ جس کے موسم بھلا کب کسی کو راس آتے ہیں۔" وہ پھیکے سے انداز سے مسکرائی۔ ڈاکٹر خاور کو پہلی دفعہ اس کی آنکھوں سے چھلکتے جذبوں سے خوف آیا۔
"پتا ہے ڈاکٹر خاور! مجھے آپ کی مسیحائی سے کوئی گلہ نہیں۔ آپ نے میرا اس وقت ساتھ دیا۔ جب ساری دنیا مجھے دھتکار چکی تھی۔ آپ نے اس وقت مجھے عزت و احترام بخشا۔ جب سب کی آنکھوں میں میرے لیے تمسخر جھلکتا تھا۔ آپ نے اس وقت میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ کے پھول کھلائے جب میری زندگی میں ہر طرف خزاں ڈیرے ڈالے ہوئے تھی۔ میں ٹھیک ہوتی ہوں یا نہیں' مجھے ساری زندگی اس کوہان کے ساتھ رہنا ہوگا یا نہیں؟ میرا دل ان تمام چیزوں سے بے نیاز ہوچکا ہے۔ مجھے بس اس چیز پر فخر ہے کہ آپ نے مجھے کبھی مایوسی کے سمندر میں دھکیلنے کی کوشش نہیں کی۔ دوسرے مسیحاؤں کی طرح مجھے کبھی نہیں کہا کہ... سکینہ تمہارا مرض لاعلاج ہے۔ میں آپ کا احسان زندگی بھر نہیں اتار سکوں گی۔" سکینہ کی آنکھوں میں آنسو ایک لڑی کی صورت بہہ نکلے۔
"دیکھو سکینہ! میری پروفیشنل زندگی کے بارے میں لوگ کہتے ہیں کہ ڈاکٹر خاور کے لیے ہر مریض وی آئی پی ہوتا ہے۔ اس لیے کہ میں اپنی ملازمت کو ہمیشہ عبادت سمجھ کر ادا کرتا ہوں۔ مجھے اپنے پروفیشن سے محبت نہیں' عشق ہے۔ میں آخری لمحے تک جدوجہد کرنے کا قائل ہوں۔ نیتوں کا حال اللہ جانتا ہے لیکن آپ میرے لیے ہمیشہ اہم رہی ہیں۔"
"میں عائشہ سے ملنا چاہتی ہوں دوبارہ۔" اس نے کچھ لمحے خاموش رہنے کے بعد بالکل عجیب سی فرمائش کی۔ ڈاکٹر خاور حیران ہوئے۔
"کیوں۔" انہوں نے تعجب سے اسے دیکھا۔
"میں ان کے خوب صورت چہرے کو دوبارہ دیکھنا چاہتی ہوں۔ جسے آپ اس دن بہت پیار سے دیکھ رہے تھے۔" سکینہ کے منہ سے لفظ ٹوٹ ٹوٹ کر نکلے۔ ڈاکٹر خاور کو لگا کہ جیسے کسی نے انہیں اچانک زمین پر دھکا دے دیا ہو۔
"کیا وہ چہرہ تمہیں اچھا نہیں لگا سکینہ!" انہوں نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔
"یہ کیسے ہو سکتا ہے ڈاکٹر صاحب! کہ جو چیز آپ کو اچھی لگے' وہ مجھے بری لگے۔" سکینہ نے نظر اٹھا کر ڈاکٹر خاور کی طرف دیکھا۔ اس ایک نظر میں کچھ تھا کہ ڈاکٹر خاور کے دل کی دھڑکنیں پہلی دفعہ بے ربط ہوئیں۔ انہیں لگا کہ اگر کچھ لمحے بھی یہاں ٹھہرے تو کوئی انہونی ہوجائے گی۔ وہ مضطرب ہو کر اٹھے اور سکینہ کی طرف دیکھے بغیر بہت تیزی سے باہر نکل گئے۔
"تم اپنے آپ کو سمجھتی کیا ہو۔" ڈاکٹر خاور کے کمرے سے نکلتے ہی ڈاکٹر زویا بڑی تیزی سے اندر داخل ہوئیں۔ ان کی آنکھوں سے نفرت کے شعلے نکل رہے تھے۔
"تم نے کبھی آئینے میں اپنی بدصورت شکل دیکھی ہے۔ تمہیں پتا ہے' تمہیں دیکھ کر کراہیت کا احساس ہوتا ہے۔ تم نے کبھی اپنی کمر پر اونٹ کی طرح کوہان دیکھا ہے۔ تم اس سے ساری زندگی چھٹکارا نہیں پاسکتیں۔" ڈاکٹر زویا ایک قدم اور آگے بڑھ کر بولیں۔ سکینہ نے خوف زدہ نگاہوں سے ڈاکٹر زویا کی طرف دیکھا۔
"تم جو ڈاکٹر خاور کو پانے کے لیے اونچے اونچے خواب دیکھ رہی ہو... اپنی اوقات دیکھی ہے تم نے۔" ڈاکٹر زویا کے زہر آلود لہجے نے سکینہ کو کسی اندھے کنویں میں گرایا۔
"اللہ جانے کون سے تعویذ گھول کر ڈاکٹر خاور کو پلا دیے ہیں جو وہ اپنی بصارت سے محروم ہوگئے ہیں اور انہیں تمہارا اتنا بڑا کب نظر نہیں آتا اور وہ پاگلوں کی طرح تمہارے کمرے کا طواف کرتے رہتے ہیں۔ ان کی ساری توانائیاں تمہارے آپریشن کی کامیابی کے لیے خرچ ہورہی ہیں۔" ڈاکٹر زویا نے انگلی کے اشارے سے اس کو دھمکی دی۔ "میرے اور ان کے درمیان آنے کی کوشش کروگی تو میں تمہارا جینا حرام کردوں گی۔ یاد رکھنا! ڈاکٹر خاور جیسے شخص سے محبت کرنے سے پہلے ایک دفعہ غور سے آئینہ دیکھ لیتیں تو ساری زندگی سر اٹھا کر ان کی طرف دیکھنے کی جرأت نہ ہوتی تمہیں مگر۔" ڈاکٹر زویا کا زہر آلود لہجہ سکینہ کے دماغ پر کسی ہتھوڑے کی طرح برس رہا تھا۔ وہ کسی وحشت زدہ ہرنی کی طرح آنکھیں کھولے ڈاکٹر زویا کی طرف دیکھ رہی تھی جو اپنی ساری بھڑاس نکال رہی تھیں۔
"ہر روز اس اسپتال میں بے شمار لوگ مرتے ہیں۔ لیکن تم اتنی بدصورت ہو کہ موت بھی تم سے گھبراتی ہے۔ تم جیسے لوگ ہمیشہ دوسروں کی قوت برداشت کا امتحان لیتے رہتے ہیں۔" ڈاکٹر زویا نے ایک نفرت انگیز نگاہ سکینہ پر ڈالی اور جانے کے لیے مڑیں مگر سامنے کھڑی سسٹر ماریہ کو دیکھ کر تھوڑا سا گڑبڑائیں اور اگلے ہی لمحے تیزی سے کمرے سے نکل گئیں۔
سسٹر ماریہ نے سکینہ کا سفید ہوتا چہرہ دیکھا۔ وہ ہراساں نگاہوں سے اس دروازے کی طرف دیکھ رہی تھی جہاں سے ڈاکٹر زویا باہر نکلی تھیں۔
سکینہ کے منہ سے ایک لفظ بھی نہیں نکلا۔ اس نے سسٹر ماریہ کے کمرے سے نکلتے ہی اپنا سر تکیے پر گرا لیا۔ اس کا دماغ ماؤف ہورہا تھا۔ ڈاکٹر زویا کے زہریلے جملے کمرے میں گونج رہے تھے۔ سکینہ نے کھڑکی سے باہر گری فاختہ پر ایک نگاہ ڈالی اور اس کا ذہن اندھیروں میں ڈوبتا چلا گیا۔

(آخری قسط آئندہ ماہ اِن شاء اللہ)

WWW.PAKSOCIETY.COM

سیگا بنتِ عاصم

میں زبیدہ خالہ کے گھر سے واپس آئی تو امی بازار گئی ہوئی تھیں۔ وہ کافی دیر بعد لوٹیں تو میرے چہرے پر آزردگی کی گہری چھاپ تھی۔

"کیا ہوا۔ مل آئیں سفینہ سے۔ آپا زبیدہ تو ٹھیک ہیں نا!"

وہ ٹھنک گئی تھیں اور میری مشکل یہ تھی کہ ان سے کچھ چھپا نہ پاتی۔

"سفینہ کو انہوں نے ایک بار پھر آپا توفیق کے گھر چھوڑ دیا ہے۔ اونچے رشتے کی آس میں۔ خود گھرداری کے دھندے بھگتانے میں ہلکان تھیں۔"

"ہئے۔ ہئے! کہاں آپا زبیدہ کی دھان پان جان اور کہاں گھرداری کے بکھیرے۔ میں تو کہوں ان کی عقل پر پتھر پڑ گئے ہیں۔ ایک بار ٹھوکر کھا کر بھی عقل نہ آئی۔ کیسی موہنی صورت ہے سفینہ کی۔ مگر آپا زبیدہ کی بلند پرواز۔ اپنے ہاتھوں سے مقدر پھوڑے ہیں۔ پہلے کیا کم بھد اڑی ہے۔ مگر۔"

انہوں نے افسوس سے سر ہلایا۔ خالہ زبیدہ اپنی ہٹ کی پکی تھیں۔ وہ شادی بیاہ کے معاملے میں اولاد کو کیش کروانے کی قائل تھیں۔ خصوصاً" سفینہ کے لیے تو ان کا نظریہ تھا کہ بیٹی لاکھوں میں ایک ہے تو بیاہ کرا اونچے بڑھیا گھرانے میں جائے۔ معمولی رشتوں کو خاطر میں نہ لائیں۔ رشتے داری میں تو خیر مجبوری تھی، ورنہ وہ متوسط طبقے کے لوگوں کو تو منہ لگانے کی بھی قائل نہ تھیں۔

"ان کا تو وہ معاملہ ہے کہ رسّی جل گئی مگر بل نہ گئے۔ ہاتھ پلے کچھ نہیں اور مزاج آسمانوں کی سیر کرتے ہیں۔ مرحوم میاں کی پنشن پر گھر چلتا ہے مگر باتیں بڑی بڑی۔ لڑکیوں کے معاملے میں مزاج اور معیار پست ہی رکھنا چاہیے۔ بڑے بول نہیں بولنے چاہئیں۔"

"امی! بڑے بول تو خیر کسی معاملے میں نہیں بولنے چاہئیں۔ یوں کہیے کہ بے چاری سفینہ پر ان کا بس چلتا ہے۔ لڑکے تو ہاتھ آئے نہیں۔"

"سچ کہتی ہو۔ لڑکے مزاجاً" سرکش ہوتے ہیں یا آپا زبیدہ جیسی ماؤں کے سامنے بگڑ جاتے ہیں۔ اور بہوویں ان سے چار ہاتھ آگے۔ ان کی زبان کی تیزی سے اللہ بچائے۔ کسی سے بنتی بھی تو نہیں۔ خیر سے دو بہوویں ہیں مگر ان کی نکتہ چینی، تیزی، طراری۔ اللہ کی پناہ! ورنہ گاہے گاہے کو اس بڑھاپے میں صفائیوں دھلائیوں میں ہلکان رہتیں۔ چین سے چارپائی پر بیٹھ کر اپنا بڑھاپا کاٹتیں۔"

امی ٹھیک کہتی تھیں۔ انہیں صفائی کا خبط تھا مگر بہوؤں سے ان کی ایک پل نہ بنتی۔ اب یہ کہاں ممکن تھا کہ چار لوگوں میں ہر چیز دھلی منجھی ٹھکانے پر نظر آئے۔ وہ دونوں بہوؤں سے خار کھاتی تھیں۔ منٹوں میں انہیں بے عزت کر دیا کرتیں سفینہ کی طرح۔

دونوں بھائیوں کے لیے بھی آپا توفیق نے بہتیرے ہاتھ پیر مارے کہ کسی بڑے گھرانے میں ان کا رشتہ ہو جائے۔ خیر! یہ ایسا ناممکن بھی نہ تھا۔ بیٹے قابل کماؤ تھے۔ مگر بڑے بیٹے کو ان کی مال دار پھوپھی کے نواسے کا

بھانجا دے کر خالی خولی بٹی خالہ زبیدہ کے سر تھوپ دی۔ اپنے بیٹے کی باری آئی تو مکر گئیں کہ بیٹے کی پسند نہیں اور ہے۔

خالہ زبیدہ تلملاتی پھریں۔ وہ اس خیال میں تھیں کہ نند لکھ پتی ہیں لینا دینا خاک نہ پڑے گا۔ ان کی بیٹی آرام سے بڑے گھر کی بہو بن جائے گی۔ مگر یہاں ہاتھ ہی کچھ نہ آیا تھا۔

دوسرے بیٹے کو اپنی کولیگ بھا گئی۔ وہ اس کے لیے ماں کے منہ کو آگیا۔ خالہ پھر ہار گئیں۔ پھر ان کے مزاج کے سامنے کوئی کہاں ٹکتا تھا۔ بڑے بیٹے بہو نے اپنی دنیا گھر کے اوپر پورشن میں بسالی۔ وہ پلٹ کر ساس کو نہ پوچھتی۔ وہ بھی بری تھی۔ جو — نہیں پوچھتی تھی وہ

WWW.PAKSOCIETY.COM

تو کمی ہی بری۔ جیسے کی پسند جو تھی۔ دوسروں کو ان کی خامیوں سمیت بھگتنے کے لیے بڑا جگر درکار ہوتا ہے' وہ خالہ زبیدہ کے پاس کہاں تھا۔

"جانے بھی دیجیے۔ خالہ زبیدہ جیسے لوگوں کا بدلنا ناممکن ہوتا ہے۔ وہ جو سوچتی ہیں' کھٹ سے کہہ بھی دیتی ہیں۔ اس بار بھی سفینہ کے لیے آپا توفیق کا سہارا ہے' کہ بڑی بہن پوش علاقے میں رہتی ہے۔ باحیثیت لوگوں سے میل جول ہے' کہیں کوئی جڑ ہی جائے گا۔ ماضی کے تجربے سے خاک نہ سبق سیکھا۔ اب بھی پرواز بلند ہے۔" امی توبہ تلا کرنے لگیں۔ پھر چونکیں۔

"چولہے پر کچھ جل رہا ہے کیا؟"

"ہاں۔ ابھی قیمہ دھو کے چڑھایا تھا۔" مجھے اچانک یاد آیا۔

"ہائیں۔ وہ قیمہ کیا آج پکانے کے لیے رکھا تھا؟ وہ دوپہر کی دال کیا ہوئی؟"

"دال کم تھی۔ تین افراد میں تو پوری ہونے سے رہی۔"

"اے تو پانی بڑھا کے پھر سے بگھار لگا دیتیں۔" انہیں پتنگے لگ گئے۔

"ذرا اس لڑکی کو پروا نہیں۔ پیسے درختوں پر اُگتے ہیں کیا؟

باپ منسٹر لگا ہے یا جوان کڑیل بھائی کما کما کے لا رہے ہیں۔ ایک کمائی میں گھر کیسے چلاتی ہوں' کوئی مجھ سے پوچھے۔ ابھی تو تیرا من بھر کا بوجھ ڈھونا بھی باقی ہے۔"

امی بھی آخر خالہ زبیدہ کی بہن تھیں۔ جن کی زبان کی تیزی سے زمانہ کانوں کو ہاتھ لگاتا تھا۔ وہ دیر تک بڑبڑاتی رہیں۔ میں کان دبائے سنتی رہی۔

☆ ☆ ☆

سفینہ کی زندگی برباد کرنے میں آپا توفیق کا بڑا ہاتھ تھا۔ خالہ زبیدہ کی یہ بیٹی خیر سے مال دار آدمی سے بیاہی تھی۔ میکے کو خوب بھرتی۔ کوئی پوچھنے گچھنے والا تھا نہیں۔ میاں کاٹھ کا الو۔ بیوی کی خوبصورتی کا اسیر۔ وہ ہر معاملے میں ماں بہن کو ساتھ رکھتی۔ ہوٹلنگ' شاپنگ' تفریح۔۔۔ خالہ زبیدہ کی آنکھوں پر چربی چڑھ گئی۔ سفینہ کا جیون ساتھی بھی ایسا ہی ہو۔ زندگی مزے میں گزرے۔ وہ کئی کئی دن سفینہ کو بہن کے گھر چھوڑتیں۔ بیٹی چندے آفتاب' چندے ماہتاب ہے۔ کوئی اونچا بر جڑ جائے۔

اور پھر ایسا ہی ہوا۔ آپا توفیق کے توسط سے سفینہ کا رشتہ ان کے پڑوس میں طے ہو گیا۔ خالہ زبیدہ نے زمین و آسمان ایک کر دیے۔

"بڑا گھرانا ہے۔ لاکھوں کے مالک ہیں۔ میری سفینہ عیش کرے گی۔ سارا گھر جگر جگر چمک جائے گا۔ ان کی ایک بھی بہو سفینہ جیسی حسین صورت نہیں ہے۔ ڈیڑھ لاکھ مہر بندھوایا ہے اور چھ تولے سونا۔ پیسے والوں کے لیے کیا مشکل۔"

ایسے میں کوئی انہیں ان کی اوقات یاد دلا دیتا تو چمک اٹھتیں۔

"اے لو۔ لاکھوں میں ایک حسین صورت مل رہی ہے' یہ کیا کم ہے۔ ہم نے تو حیثیت دیکھی ہے۔ ورنہ وہ گرانڈیل کوئی سفینہ کے جوڑ کا ہے؟ ایسے ہی تھوڑی سفینہ کے رشتے کے لیے پاؤں پڑ گئے۔ ویسے جو دینا دلانا ہے' توفیق ہی کرے گی۔ اس کے پاس کوئی کم پیسہ ہے۔ میری بچی نے اس کی خدمت کم کی ہے۔"

میں جانتی تھی۔ وہ آپا توفیق کا سارا گھر سنبھالتی تھی۔ وہ پڑے پڑے حکم چلایا کرتیں۔ شروع سے آپا توفیق کے گھر میں اس کا بڑا عمل دخل تھا۔

شادی ہو گئی۔ کچھ دن سکھ میں بھی گزرے پھر کیڑے پڑ گئے۔ آپا توفیق سفینہ پر اپنا پورا حق تصور کرتیں۔ اس کی زندگی میں بے جا مداخلت پر سفینہ کے سسرال والوں نے اس کی کمک توڑنے کو آپا توفیق کا بائیکاٹ کیا اور یہیں سے خرابی کا آغاز ہوا۔ آپا توفیق کی انا پر شدید ضرب پڑی۔ انہوں نے ماں کے کان بھرے کہ سفینہ پر ظلم کے پہاڑ توڑے جا رہے ہیں۔ خالہ زبیدہ بلبلا اٹھیں اور سفینہ کو دبوچ کے میکے لا

بٹھایا۔ پھر تو گویا توپوں کا منہ کھل گیا۔ برابر کی گولہ باری کا آغاز ہوا۔ سفینہ کی معصوم ذات پر کیچڑ اچھالی گئی۔

آپا کا پڑوس ہر معاملے کا چشم دید گواہ تھا۔ بہن بہنوئی کے ساتھ گھومنا' پھرنا' شاپنگ' تفریح' خوب بھد اڑی۔ معاملہ طلاق پر نمٹا۔

جب اختلاف جنم لیتے ہیں تو خوبیاں بھی خامیاں بن جاتی ہیں۔ سفینہ کے معاملے میں بھی ایسا ہی ہوا۔ بھلے تہہ میں پڑے پتھر اوپر آ گئے۔ بلاوجہ اسے بہنوئی سے خفا کروا گیا۔ سفینہ کا پڑاؤ مہینے میں بیس دن بہن کے گھر ہو رہا کرتا تھا۔ اس میں خالہ زبیدہ کی غرض تھی اور آپا توفیق کی بھی۔۔۔ مگر زیر عتاب اس کی معصوم زاد آئی۔

وہ مجھ سے دل کی ہر بات کہہ لیا کرتی تھی۔ مجھے لگتا اس کے ساتھ ظلم ہوا ہے۔ بہت سے اپنے دوست نما دشمن ہوتے ہیں۔ ان کے اپنے نظریات اپنے وضع کردہ اصول ہوتے ہیں جن پر وہ دوسروں کو بھی نچاتے ہیں۔ یعنی دوستی کی آڑ میں کھلی دشمنی بعض رشتوں میں انسان زیر ہو ہی جاتا ہے۔ مگر کچھ لوگ ٹھوکر کھا کر بھی نہیں سنبھلتے۔ خالہ زبیدہ بھی ان لوگوں میں سے تھیں جن کے خسارے ان کے اپنے خریدے ہوئے ہوتے ہیں۔

☆ ☆ ☆

واقعی سفینہ کا رشتہ ایک بار پھر کسی بڑے گھر میں ہو گیا مگر اس بار رشتہ زبیدہ خالہ کی کسی واقف کار کے توسط سے طے ہوا تھا جو کسی زمانے میں ان کے گھر کے اوپری پورشن میں کرائے پر رہ چکی تھیں۔ خالہ زبیدہ اس بار بھی بڑی بڑی باتیں کرتی نظر آئیں۔

"لڑکے کا اپنا کاروبار ہے ساؤتھ افریقہ میں۔ نکاح کر کے چلا جائے گا' کچھ عرصہ بعد سفینہ کو بھی وہیں بلوائے گا۔ میری سفینہ تو شہزادی ہے' راج کرے گی۔ لڑکا کروڑوں کا مالک ہے۔"

امی نے ٹوک دیا۔ "آپا! ہاتھی پالو تو دروازے بھی اونچے رکھنے پڑتے ہیں۔ لڑکیوں کو بیاہنے کے لیے صرف حیثیت ہی تو نہیں دیکھی جاتی۔"

"اے لو۔ تو کیا آٹھ دس ہزار مہینہ کمانے والے کے ہاتھ میں تھما دوں۔ انسان کی زندگی میں سارے مسائل پیسے کی کمی کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ غربت کی چکی میں پس کر اچھی اچھی رنگ روپ والی بھی نچڑ جاتی ہیں۔ اپنی توفیق کو دیکھا ہے۔ بیٹی بیاہنے کے قابل ہو گئی۔ ابھی تک لڑکی سی نظر آتی ہے۔ پیسے کی تنگی جو نہیں۔ اللہ ہونے والوں سے بچائے۔"

امی کے کلیجے پر ہاتھ پڑا۔ خالہ زبیدہ سمجھیں کہ بہن اپنی محرومی کے سبب جل گئی ہے۔ ان کے جانے کے بعد بڑبڑاتی پھریں۔

"خاک پڑے ہونے والوں پہ۔ ہم اپنی بیٹی کے لیے بلند پرواز نہیں رکھتے۔ شریف' نیک' معقول رشتے کی تلاش ہے۔ ان کی طرح بھنکتے نہیں کہ اونچی اونچی پینگیں لیں اور دھڑام سے نیچے۔ دیکھوں گی' کس محل میں بیاہا ہے سفینہ کو۔ پہلے بھی یونہی بڑے بڑے بول بولے تھے۔ چار روز میں سارے کس بل نکل گئے۔ اونچے گھروں والے ایسے ہی ہم جیسوں کی بیٹیاں بیاہنے نہیں آ جاتے۔ ان کے لیے ان جیسے بہتیرے۔"

مگر ایسی باتیں خالہ زبیدہ کہاں سمجھتی تھیں۔ وہ معیار سے کم پر سمجھوتا کرنے والوں میں سے نہ تھیں۔

اور شادی والے روز دولہا کو دیکھ کر میری تو طبیعت ہی مکدر ہو گئی۔ سفینہ سے دگنی عمر تھی۔ کنپٹیاں سفید۔ نظریں خونخوار۔ ہاں مگر مالدار تھا ایک بار پھر تکا لگ گیا تھا۔ امی نے خالہ زبیدہ کی واقف کار امینہ کو جالیا۔ میرے لیے بھی کوئی اچھا رشتہ نظر میں رکھنے کی تاکید کی۔ مگر ان کا کام رشتے کروانا نہیں تھا۔ صرف تعارف کروایا تھا۔ مانو سفینہ کی قسمت زور کر رہی تھی' انہوں نے پھر بھی وعدہ کر لیا۔ پھر خالہ زبیدہ کی شکایتوں کا پٹارہ کھول کے بیٹھ گئیں۔ انہوں نے چار روز کے لیے مکان کیا کرائے پر لیا' خالہ زبیدہ نے ان کی زندگی اجیرن کر دی تھی۔ ٹکے ٹکے کا حساب رکھتیں۔ بات

WWW.PAKSOCIETY.COM

بے بات جان کو آجاتیں۔ لحاظ مروت نام کو نہ تھی۔ امینہ کے زخم آج بھی رستے تھے۔ مگر انہیں بھی سفینہ پر رحم آیا تھا۔ سفینہ نے ایک بار ان پر اپنی گزشتہ زندگی کے باب کھولے تھے۔ امینہ مجھے بھی گھیر کے بیٹھ گئیں۔ اپنے تئیس برس پرانے مشوروں سے نوازا۔

"بال اتنے ہی ہیں یا تم بڑھاتی نہیں ہو۔۔۔ شادیوں میں سج سنور کے جایا کرو تاکہ لوگوں کی نظروں میں آؤ۔۔۔ رنگ صاف کرنے کے لیے کوئی اچھی سی کریم استعمال کرو۔ یہ۔۔۔ وہ۔۔۔"

امی لب سیے سنتی رہیں۔ پھر امید باندھ کے بیٹھ گئیں۔ کم رو بیٹیوں کے والدین امید پر ہی تو جیتے ہیں۔

اگلے روز ولیمہ تھا۔ ولیمہ کیا تھا کہ اعلیٰ ریستوران میں کچھ نشستیں بک کروالی تھیں۔ گنے چنے لوگ تھے۔ ولیمہ بھگتا کے بالا ہی بالا روانہ کردیا گیا۔ امی بہت جھلائیں انہیں وہ گھر دیکھنے کا چاؤ تھا جہاں سفینہ بیاہ کے گئی تھی مگر خالہ زبیدہ نے سب کو پرے پرے ہی رکھا۔

بعد میں بھی سفینہ سے کئی بار ملاقات ہوئی۔ وہ آئی گئی مگر مجال ہے جو کبھی پھوٹے منہ بھی آنے کو کہا ہو۔ امی کہتیں۔

"مال دار گھر میں بیاہ کر سفینہ کی بھی آنکھوں پر چربی چڑھ گئی ہے۔"

مگر میں سمجھتی تھی۔ دودھ کا جلا چھاچھ میں بھی پھونکیں مارتا ہے۔ سفینہ کا پہلا گھر اُجاڑنے میں کان بھرنے والوں کا بھی بڑا ہاتھ رہا تھا۔

پھر سنا' سفینہ ساؤتھ افریقہ چلی گئی۔

جانے کتنے دن گزر گئے۔ ایک روز خالہ زبیدہ کے گھر جانا ہوا تو خالہ زبیدہ بڑی خوش و شاداں تھیں۔ سفینہ کچھ دن پہلے لوٹی تھی۔ وہ ماں کے لیے جو سوغاتیں لائی تھی۔ ان کی بھرپور نمائش کی گئی۔ "لڑکے" کے والدین تو تھے ہی نہیں۔ ایک بیاہی بہن کی فیملی کے ساتھ رہنا بسنا ہے۔ نارتھ ناظم آباد میں بڑا شان دار بنگلہ ہے۔ لاکھوں کی کمائی ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

میں لوٹنے لگی تو صدر دروازے پر ان کی اوپر والی بہو نے دبوچ لیا۔

"دیکھ آئیں افریقہ سے آئی سوغاتیں۔ ہزار مجھ سے بول کے ماں کی آنکھوں پر پٹی باندھی ہے۔ ورنہ یہاں بھی نہ بسنے دیتیں۔ جڑ سے اکھاڑ لاتیں بیٹی کو۔ مجھ سے پوچھو' چار روز ساؤتھ افریقہ میں رہ کر لوٹا ہے وہاں دوسری جو بیٹھی ہے۔ اب یہ یہیں نند کے کپڑے کی خدمت کرے گی اور روٹی کھائے گی۔ تم نے وہ مثل سنی ہے نا! ہاتھ تو آیا' منہ نہ تھا۔"

میرے دل کو دھکا سا لگا۔ اگر ایسا تھا بھی تو کالے پھرنے کی کیا تک بنتی ہے۔ مگر ان رشتوں میں یونہی کمینگی دکھا کر خار نکالی جاتی ہے۔ میں خوب سمجھتی تھی۔

اگلی بار وہ مجھے پبلک ٹرانسپورٹ میں ملی۔ کورنگی سے نارتھ ناظم آباد جانے والی بس میں۔!

مجھے حیرت ہوئی۔ خالہ زبیدہ کہتی تھیں۔ سفینہ کے بنگلے میں چار گاڑیاں کھڑی ہیں۔ اور سفینہ نے کہا کہ اتنی دور سے ٹیکسی کا کرایہ لگ بھگ ہزار بنتا ہے۔ میری حیرت کو زبان مل گئی۔

"کہاں گئیں وہ گاڑیاں بنگلے۔۔۔؟"

"وہ گئے چنے پیسے بھیجتے ہیں اور یہاں ہر چیز میں ساجھا ہے۔ بہن مختلف بہانوں سے۔ بڑی رقم اینٹھ لیتی ہے۔ مکان کے کرائے میں ساجھا۔ نوکروں کی تنخواہ میں ساجھا۔۔۔ بلوں میں ساجھا۔۔۔ بڑے گھروں میں زندگی اتنی آسان کہاں ہوتی ہے۔ بڑے گھروں میں رہنے والے کبھی چھوٹے دلوں کے بھی تو نکل آتے ہیں۔"

اس کا انداز پُرسکون تھا۔ شاید یوں کہ اس نے زندگی کو 'جو ہے اور جیسی ہے' کی بنیاد پر جھیلنا سیکھ لیا تھا۔

پھر اس کا اسٹاپ آگیا۔ وہ اتر گئی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

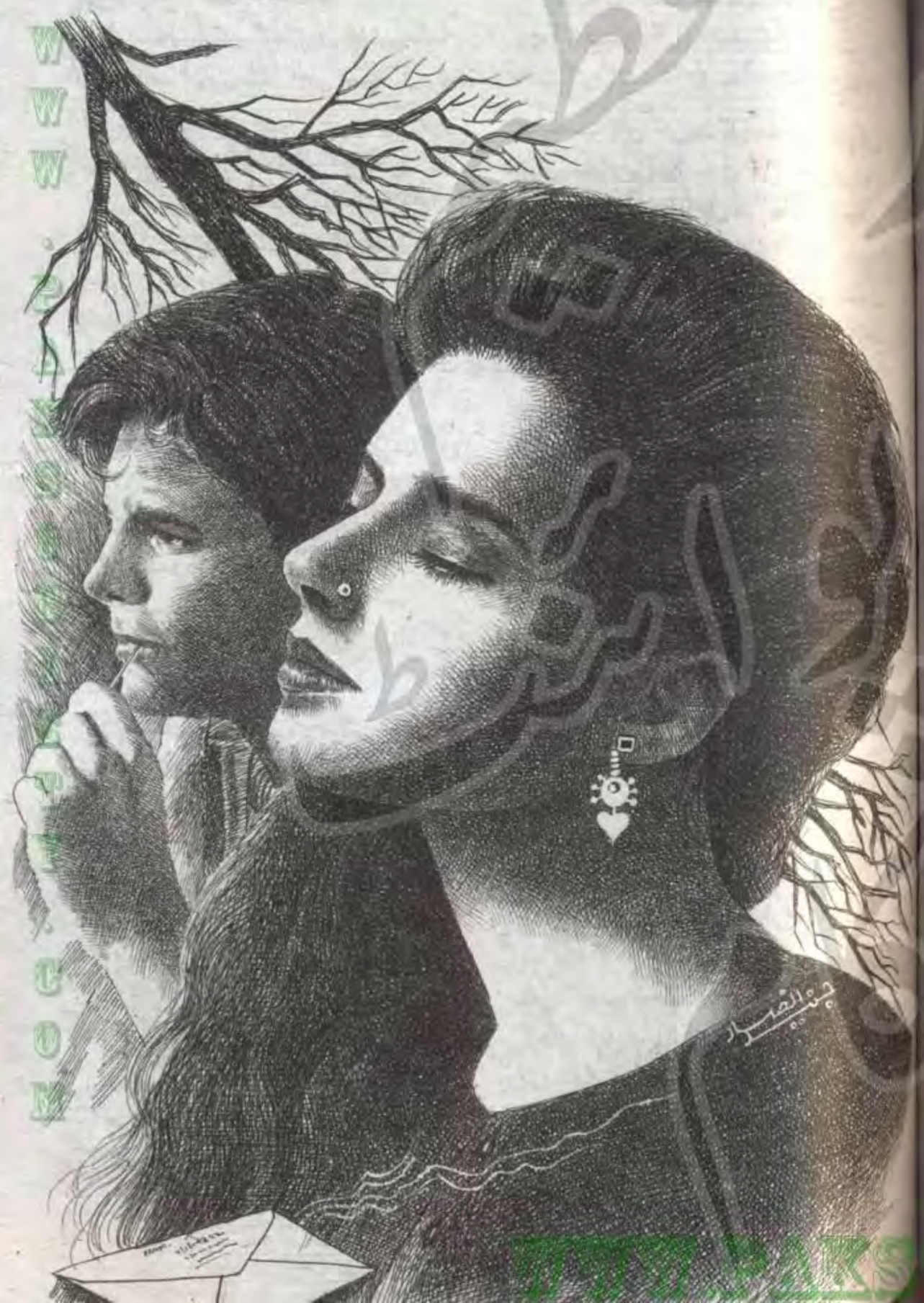

سائرہ رضا

جیسا تم چاہو

"پچھلی بار اس کے سامان نے حیران کیا تھا۔۔۔ اتنا کم اور اس بار اتنا زیادہ۔۔۔ اللہ جانے کیا کیا اٹھا کر لے آئی تھی۔ چھوٹے بڑے بیگ تھیلے کارٹن۔ وہ نانو اور خالہ کی حیرت بھانپ گئی۔ کھانا کھا رہی تھی نوالہ نگلا۔

"میں واپسی کے تمام راستے بند کر کے آگئی ہوں نانو ۔۔۔ یعنی تمام کشتیاں جلا ڈالیں۔ یعنی جینا مرنا سب یہیں اس در پر۔۔۔"

جملہ بے حد معنی خیز اور ڈراتا ہوا تھا۔ مگر لہجے کی مصنوعی بے بسی اور ناکامی اور آنکھوں میں ناچتی شرارت۔۔۔

"اللہ نہ کرے کیسی باتیں کرتی ہو بیٹا!" نانو ہول ہی تو گئی تھیں مگر نوین نے شرارت بھانپ لی۔ اسے مزہ آیا' سو پوچھنے لگی۔

"طارق بن زیاد نے تو کشتیاں جلا کر ہار جیت کا فیصلہ کیا تھا۔ مر جائیں گے۔ یا مار دیں گے۔ تمہارے کیا ارادے ہیں؟"

"نیک ہی ہیں۔" "آپ پریشان نہ ہوں نوال کبھی کوئی غلط کام نہیں کرتی۔ کیونکہ۔" اس نے قصداً جملہ ادھورا چھوڑا۔۔۔ وہ اگلا جملہ ان ہی کے منہ سے سننا چاہتی تھی۔

"کیونکہ نوال کا ضمیر ابھی زندہ ہے۔" نوین نے شوخی سے اسی کا سا انداز اپنایا تھا۔

"اور یہ جملہ میں نے۔۔۔" نوال نے انہیں مزید آگے کچھ کہنے پر اکسایا۔ نوین کو مزید مزہ آیا۔

"اور یہ جملہ تم نے اپنے باپ کے لیے کہا ہے۔"

"اوہو۔۔۔" نوال مایوس ہوئی۔ "ابھی بہت وقت لگے گا آپ کو نوال ضمیر کو سمجھنے میں۔ یہ والا جملہ میں نے اپنے آپ کے لیے کہا ہے ضمیر مطلب۔۔۔ میری

WWW.PAKSOCIETY.COM

سوچ، میرا ارادہ، میرے خیال۔ آپ سے کس نے کہہ دیا خالہ کہ صحیح یا غلط کام کرنے کے لیے باپ سے یا باپ کے نام سے ڈرنا چاہیے یا پاس رکھنا چاہیے۔ اچھائی اور برائی اندر سے پھوٹتی ہے۔"

"میں نے زندگی میں کبھی کسی کو اپنے باپ کے نام کو ایسے مختلف طریقوں سے استعمال کرتے نہیں دیکھا۔"

نوین نے تائید طلب نگاہوں سے زینت بیگم کو دیکھا۔ جن کی آنکھیں جھلملا سی گئی تھیں۔

"اب آنکھوں میں یہ جھلملاہٹ سی کیوں؟" نوال نے حیرت سے پوچھا۔ زینت بیگم نے جواب نہیں دیا۔ ساری کے پلو سے آنکھیں رگڑ لیں۔

"مجھے لگا تم نہیں آؤ گی۔"

وہ جملہ ادھورا چھوڑ کر کمرے کی دیواریں اور چھت کو دیکھنے لگیں۔

"مجھے اپنا گھر قبرستان لگنے لگا تھا اور ہم جیسے دو بھٹکی روحیں۔"

"مجھے آنا ہی تھا نانو..... وہ تو بس شادی آگئی بیچ میں اور ابھی آپ رو رہی ہیں۔ فون تو ایک بار بھی نہ کیا کہ آجا کہ انتظار....."

وہ سنجیدگی سے کہتی آخر میں گنگنائی۔ نوین کے چہرے پر مسکراہٹ آگئی۔

"ہم نے فون اس لیے نہیں کیا کہ کہیں تمہیں یہ نہ لگے ہم تمہیں پریشرائز کر رہے ہیں۔"

"واہ! آپ اور آپ کے ارفع خیالات..... اللہ نے زبان اور کان کہنے سننے کو دیے ہیں..... آپ بس اندر ہی اندر سوال جواب کھیلتی رہا کریں۔ خوامخواہ۔"

نوین جواباً کچھ نہ بولی۔ اسے نوال کا جلدی جلدی نوالے بھرنا اور تیز تیز بولنا بولتے ہوئے سر کی جنبش سے ہلتی پونی سب بے حد اچھا لگ رہا تھا۔

"اب اتنی میٹھی میٹھی نظروں سے مجھے گھورے کیوں جا رہی ہیں؟"

"گھور نہیں رہی بے وقوف! پیار سے دیکھ رہی ہوں۔" نوین نے پرسکون سانس بھری۔ "ایسا لگ رہا ہے..... جیسے..... جیسے ویرانے میں چپکے سے بہار آجائے۔"

"ہی ہی ہی..... بہت خوب میری شاعرہ خالہ..... کیا مثال دی ہے۔ جی خوش ہوا۔" نوال کو بڑا مزہ آیا۔

"اور جہاں تک ویرانے میں بہار کے چپکے سے آنے کا تذکرہ ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ نے آنا تھا اپنے اس چہیتے کے ہمراہ..... خود سے گاڑی نہ چلانا تو آپ کے لیے ممکن نہیں..... میں نے سوچا کہ اچانک جا کر اس کے سر پر ہتھوڑے کی طرح برسوں اور اس کے چہرے کے تاثرات دیکھوں....." وہ انعام کو جان ہی چکی تھی۔

"اسے کیسے لے کر آتی۔ بائیک کے ایکسیڈنٹ میں بازو فریکچر ہو گیا اور ٹانگ پر الگ پلاسٹر چڑھا ہے۔" نوین کا لہجہ اور زینت بیگم کا چہرہ دکھ کی تصویر بن گیا۔

"ارے وہ کیسے؟ سب خیریت ہی ناں، زیادہ گہری چوٹیں تو نہیں آئیں؟"

نوال کا نوالہ چباتا منہ رک گیا۔ اس نے بے حد تشویش سے دریافت کیا۔

☼ ☼ ☼

بے خود خان کو اسکول سے واپسی پر نوال کی آمد کی خبر ہوئی۔ اونچی آواز میں ڈیک چل رہا تھا۔

"بد تمیز دل، بد تمیز دل جانے ناں....."

اس گھر میں کوئی ایسا تھا ہی نہیں جو دل کی کیفیات بیان کرے اور وہ بھی ایسی اطلاع کہ دل بد تمیز ہے اور بے حد نافرمان بھی..... توبہ۔

"نوال باجی.....!" خوشی سے آواز پھٹ جانے کو تھی۔ "مجھے لگا آپ جھوٹا وعدہ کر کے گئی..... اور نہیں آئے گی؟" وہ بے خود تھا۔

"مجھے آنا ہی تھا بے خود!" نوال کی آنکھیں بھی جذبوں سے بھر گئی تھیں گویا۔

"جاؤ جا کر یونی فارم چینج کرو..... نوال اب یہیں ہے۔ کھانا وغیرہ کھالو تو پھر آنا۔ یہ خالی بیگز اور کارٹنز اسٹور میں رکھنے ہوں گے۔" نوین نے ٹوکا۔

"یہ سارا آپ کا سامان ہے نا۔" بے خود نے اس ڈھیر سے اس کے قیام کی مدت کا اندازہ لگایا۔ چہرہ چمکنے لگا تھا۔

"بی بی نے مجھے آپ سے فون پر بات بھی نہیں کروایا۔ بولتی تھی کہ ام کسی کو مجبور نہیں کر سکتے اور یہاں آنے کا تو بالکل نہیں کہہ سکتے..... اور۔"

"جاؤ بے خود.....!" نوین نے ذرا سختی سے اسے ٹوکا۔

"کیوں خالہ؟" نوال نے اس کے جانے کے بعد نوین کو کسی قدر افسوس سے دیکھا۔

"دلی جذبات بھی پہنچانے میں آپ اتنی روو کد کرتی ہیں۔ اب دل اچانک چاہنے لگا کہ آپ نے ایک بار ہی کال کر کے کہا تو ہوتا" نوال اب تک آئیں کیوں نہیں..... یا کب تک آ رہی ہو؟" نوین کا سر جھک گیا۔

"پتا ہے بعض باتیں کہہ دینے سے سننے والے کو تو خوشی ملتی ہے ہی۔ مگر کہہ دینے سے کہنے والے کو جو سکون ملتا ہے وہ..... کبھی کہیں گی تو پتا لگے گا۔ سمجھیں!"

"کوئی پھل نہیں ہے فریج میں..... یہ سڑے ہوئے تین کیلے نکلے ہیں بس۔" نوال نے جھنجھلاہٹ سے کیلوں کو بغور دیکھا اور پھر نانو اور نوین کو۔

"انعام خفش کے ایکسیڈنٹ کے دن پریشانی میں گزرے۔ مارکیٹ تک جانا ہی نہیں ہوا۔"

زینت بیگم اور نوین کے چہرے پر تاسف سا پھیل گیا۔

"چھوڑیں نانو! آپ لوگ نہیں سدھر سکتیں۔" نوال نے نفی میں سر ہلایا۔ "ایکسیڈنٹ اس انعام خفش کا ہوا ہے اور مفلوج زندگی اب آپ لوگوں نے گزارنی ہے۔ مجھے تو لگتا ہے آپ دونوں دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتے وقت اپنے لیے خیر و تندرستی نہیں مانگتی ہوں گی بلکہ ورد کرتی ہوں گی۔ اللہ انعام خفش کو زندگی، صحت دے سے ہے ناں!"

افوہ! میرا مطلب تھا کہ..... ایک ایمرجنسی سی نافذ ہو گئی تھی گھر میں ابھی بے زار لالا اور بے خود کو لسٹ بنا کر دیتی ہوں تو سب آجاتا ہے۔"

"نہیں! ہم خود ہی چلیں گے سپر اسٹور تک....." نوال نے کہا۔

نوین نے زینت بیگم کو دیکھا اور ہتھیار ڈال دیے۔

"او کے چلیں گے..... لیکن کیا ہی اچھا ہوتا کہ تم انعام خفش کی خیریت معلوم کرنے چلی جاتیں۔ بہت سیریس ایکسیڈنٹ ہوا..... کہ۔" نوین موزوں جملہ سوچنے لگی۔ نوال کا موڈ اور خراب ہو گیا۔

"خیر اب اتنا سیریس نہ ہوا ہو گا جتنا دہشت ناک منہ آپ بنا رہی ہیں۔"

نوین جھینپی، ہنسی ہنس دی۔ واقعی ایکسیڈنٹ کا ذکر کرتے ہوئے اس کی آواز سراسیمہ، آنکھیں حلقوں سے ابلی اور چہرہ سنسنی سے بھر جاتا تھا۔ دوسری طرف زینت بیگم تاسف آمیز سراسیمگی سے نوین کو دیکھتیں اور رواں رواں ہاں میں ہاں ملاتا۔

"نوال کھڑی ہو گئی۔" جا رہی ہوں آپ کے چہیتے کی خیریت کی طلبی کے لیے۔

"بے خود..... بے خود!" اس نے بلند آواز سے پکارا تو وہ جیسے کہیں پاس ہی کھڑا تھا۔ جھٹ حاضر۔ "آؤ ذرا خیریت معلوم کر کے آتے ہیں۔"

"کوئی مزہ نہیں آئے گا تھوڑا ہی لگی ہے..... زیادہ وہ بچ گیا ہے۔" پٹھان خون تھا۔ دشمن ہے تو رعایت کیسی۔

"تو یہی تو دیکھنے جائیں گے اور کہاں کہاں لازمی چوٹیں لگنی چاہیے تھیں۔" اس نے تسلی کروائی۔

☼ ☼ ☼

اشتیاق احمد نے بے حد اچھنبے، نا سمجھی کے عالم میں اسے دیکھا۔ پھر بے حد بے زار چہرے والے بے خود خان کو جو سلام جھاڑ کر یوں کھڑا تھا جیسے جانتا ہی نہیں۔ گھنگھریالے بال پونی میں سر کے عین اوپر جکڑے ہوئے تھے۔ دھلا دھلایا گلابی چہرہ سنہری آنکھیں دبلا پتلا سراپا..... بلیک جینز پر اونچی گول دامن والی پیلی

WWW.PAKSOCIETY.COM

شرٹ' مولویوں کی طرح شانوں پر تکونا اسکارف دھرا تھا آگے لاکر گانٹھ دی گئی تھی۔ بااعتماد مسکراتا بے فکرا سا چہرہ۔۔۔۔

اشتیاق صاحب نے کسی کے بتائے بنا پہچان کا مرحلہ خود سے ہی طے کیا اور مارے اشتیاق کے باچھیں چر گئیں۔

"ہیلو نوال۔۔۔۔!"

"اوہائے۔۔۔ ہیلو!" نوال کا مسکراتا چہرہ حیرت کی تصویر بن گیا۔ اس نے ذرا سی گردن موڑ کر بے خود کو دیکھا جو بے فکر سا کھڑا تھا۔ ہاں ایک لاپرواہ سی خفگی نمایاں تھی۔ بے خود کی طرف سے کوئی تعارفی جملہ یا اشارہ نہ پاکر نوال' بے حد خوش میزبان کی جانب متوجہ ہوئی۔

سامنے موجود شخصیت کی پہلی قابل دید چیز تھی موٹاپا۔۔۔ موٹاپا اور بے حد موٹاپا۔۔۔ گہرے اورنج کلر کا ٹریک سوٹ اس پر گلابی رنگ بے حد گلابی اتنا کہ آتشی گلابی ہی لگنے لگے۔ آڑی مانگ نکال کر سرمئی بال جمائے گئے تھے۔ سب سے حیران کن چیز جو نوال نے اپنی زندگی میں کبھی نہیں دیکھی تھی۔ وہ تھا آنکھوں کا سرمہ۔۔۔ اتنا آآآ سرمہ۔۔۔ اتنا سرمہ تو قبائلی عورتیں نوزائیدہ بچے کی پلکیں اور بھوئیں بنانے پر بھی خرچ نہ کرتی ہوں گی۔

اس نے جائزہ پورا ہونے پر اشتیاق احمد کو پسندیدگی کی سند عطا کی اور دل سے مسکرائی۔

"یہ دادا جان ہیں۔ اخفش بھائی کے۔" بے خود نے جیسے سنجاتے ہوئے کہا۔

نوال کو بے ساختہ یاد آیا۔ نوین نے کہا تھا "اخفش کے دادا ایک بالکل ہی الگ انسان ہیں۔ ان سے مل کر مزہ آجاتا ہے۔"

نوال کو یقین آیا۔ ابھی تو صرف دیکھا تھا اور واقعی مزہ آگیا تھا۔

"میں تو کب سے تمہارا منتظر تھا۔ تم نے اتنے دن لگادیے نوال!" وہ بچپن کے بچھڑے دوستوں کی طرح شکوہ کناں لہجے میں بولے۔

"اندر چلو ناں ادھر ہی کیوں کھڑی ہو۔ صوفیہ بھی تمہیں یاد کررہی تھی۔"

"اب یہ صوفیہ کون؟" نوال نے بے خود کو دیکھا۔

"دادی جان کا نام ہے؟" بے خود نے دبی زبان سے کہا۔

بے حد خوب صورت' سجے بنے صاف ستھرے کامن میں ایک دبلی پتلی خاتون وہیل چیئر پر براجمان ٹی وی دیکھ رہی تھیں۔ بہت ہلکے لیمن کلر کے سوٹ میں وہ بے حد باوقار اور حسین تھیں۔

آہٹ پر چونکیں۔ نگاہ اٹھا کر نوال کو دیکھا اور پھر اپنے مجازی خدا کو جو نوال کی کلائی یوں دبوچے کھڑے تھے جیسے وہ بھاگ جانے والی ہو۔۔۔ یا وہ اسے بھاگنے سے پکڑ لائے ہوں اور اب اپنے کارنامے کی داد چاہتے ہوں (کہو بیگم کیسا؟)

"نوال۔۔۔" وہ جوشیلی آواز میں بولی تھیں بساتھ ہی بانہیں وا کردیں۔ "آؤ ادھر میرے پاس۔" اشتیاق احمد نے بھی دبوچی کلائی چھوڑتے ہوئے اسے کھلی بانہوں میں سما جانے کے لیے کھلی چھوٹ دے دی۔

وہ آگے بڑھ کر رسمی سا ملنے لگی تھی۔ مگر صوفیہ بیگم نے گرمجوشی سے اسے خود میں بھینچ لیا۔ پھر چہرہ ہاتھوں کے کٹورے میں بھر کے صبیح پیشانی چوم لی۔ "ماشاء اللہ۔"

نوال ایسے والہانہ استقبال پر حق دق تھی۔ وہ تو اخفش ہی جیسے بے حد سڑے' بورنگ اور اکڑے لوگوں اور ماحول کا سوچ کر آئی تھی۔ مگر یہاں تو۔۔۔

"بھئی پروین کو آواز دو۔۔۔ اس سے کہو' مہمان آئے ہیں بلکہ مہمان کیا۔۔۔ کہو ہمارے گھر لڑکی' آئی ہے ذرا مزے دار سی ٹیبل تو سجادے۔"

اشتیاق احمد نے بیگم سے کہا مگر آواز اتنی بلند تھی کہ پروین تک سارا پیام پہنچا۔ وہ کہیں دور سے چلائی "جی اچھا!"

"ہاں تو بیٹا۔۔۔ کیسی ہو۔۔۔ اور تمہارا باپ کیسا ہے؟" وہ تسلی سے نرم صوفے میں دھنستے ہوئے بولے۔

"ڈیڈ اچھے۔۔۔ میں بھی اچھی۔۔۔" چونکہ یہاں

استقبال بالکل ہی سوچ سے الگ ہوا تھا تو نوال کچھ اٹکی تھی۔

"اور بیٹا! تمہاری امی۔۔۔ کیا حال ہیں ان کے؟"

صوفیہ بیگم کو دھیان آیا۔ "مشعال کیسی ہیں؟"

"آپ جانتی ہیں ممی کو؟"

"ارے! انہیں کیسے نہ جانوں گی۔۔۔ ابھی منیر بھائی کے انتقال پر تو ملے تھے سال ہوچکا مگر ابھی کل ہی کی بات لگتی ہے۔"

"او۔۔۔ آئی سی" نوال کو سب سمجھ میں آگیا۔

"کل تو تھکاوٹ اور سامان کھولنے میں ٹائم لگا۔۔۔ آج میں نے سوچا ذرا اخفش کی خیریت معلوم کرآؤں تو۔۔۔ ویسے کہاں ہے وہ؟"

"اوہو! کس بور آدمی کا ذکر لے بیٹھی ہو۔۔۔ بلکہ لو جی شیطان کا نام لیا اور موصوف حاضر۔۔۔" تینوں نے ان کی نگاہوں کے تعاقب میں دیکھا تو سامنے سے وہی آرہا تھا۔ بائیں ٹانگ پر پلاسٹر چڑھا تھا اور دایاں بازو بیلٹ کے سہارے گردن میں لٹکا تھا۔ وہ لنگڑا کر بہت دھیرے دھیرے قدم اٹھاتا آرہا تھا۔

اس کے چہرے سے کمزوری اور بے زاری مترشح تھی جس میں اب شدید ترین بے یقینی کا رنگ غالب آگیا۔

"السلام علیکم کیسے ہو؟ میں تمہاری ہی طبیعت معلوم کرنے آئی تھی۔ کیا بہت زیادہ لگ گئی؟" نوال نے عیادت کے اصولوں کے عین مطابق لہجہ اور چہرہ بہت دردمندانہ اور متفکرانہ بنا کر پوچھا۔

اخفش کی حیرت کے کیا کہنے وہ کوئی بھی جملہ کہنے سے گویا قاصر تھا۔ قوت گویائی سلب ہوگئی تھی شاید

"تم۔۔۔!" اس کے منہ سے بمشکل نکلا۔ "تم پھر آ گئیں؟" اب سچی بات ہے کہ یہ جملہ کہنے پڑھنے اور سننے میں انتہائی بے مروت اور انسلٹنگ تھا اور اس پر چہرے کے کسی قدر متوحش تاثرات ناگواری والے

اشتیاق صاحب کا سر پیٹ لینے کو دل چاہا جبکہ صوفیہ بیگم "ارے۔۔۔ ارے" ہی کرتی رہ گئیں۔

"مجھے تو آنا ہی تھا۔ میں نے کب کہا تھا کہ میں وقت ہوں ہاتھ سے پھسل گیا تو پھسل گیا۔ ریت کی طرح۔۔۔"

"اتنی ڈاؤن ٹو ارتھ ہوگئی ہو کہ خود کو ریت مٹی کہنے لگیں۔ چکنی مٹی کہو جو چپک ہی جاتی ہے۔ اتارے نہیں اترتی۔"

اس نے دوبدو جواب دیا۔

"چکنی مٹی کی جگہ مجھے خوشبو بھی کہہ سکتے تھے۔ انمول' ایک دائمی احساس۔۔۔ مگر جملے سوچ کے اور سوچ شخصیت کی آئینہ دار ہوتی ہے اور تم۔۔۔" اس نے قصداً "جملہ ادھورا چھوڑا مگر ٹاک ٹاک کر پوائنٹ مارنے کے بعد۔۔۔

"بڑی خوش فہمی ہے۔" وہ اب باقاعدہ گھور رہا تھا۔

"نہیں۔۔۔ خود شناسی کہیے۔"

"اونہہ۔۔۔!" ذرا سی کراہ کے ساتھ وہ صوفے پر براجمان ہوگیا۔ بے خود کو جملوں کی گہرائی' کاٹ اور معنی تو بالکل سمجھ میں نہ آئے۔ مگر نوال کے چہرے کی مسکان اور اخفش کے جوابی وار کی جگہ اونہہ نے اسے بتلایا جیت ان ہی کے حصے آئی ہے۔ وہ کسی قدر شانے اکڑا کر بیٹھا تھا۔

دوسری جانب صوفیہ بیگم بابی ڈول نظر آتی نوال کے جملے سن کر ششدر تھیں۔ بس ایک اشتیاق احمد تھے جن کی آنکھیں دمک رہی تھیں' چہرہ چمک رہا تھا۔

"میں بھی اتنی دیر سے سوچ رہا تھا۔ یا تو لڑکی غلط ہے یا پھیلائی ہوئی باتیں غلط۔۔۔ مگر اب یقین آگیا دونوں چیزیں درست ہیں۔" اشتیاق احمد نے اپنی بیگم کو مخاطب کرتے ہوئے نوال کو سنایا۔ تو وہ کسی قدر ناسمجھی سے دونوں کو دیکھنے لگی۔ اخفش نے ایک اور "ہونہہ" کہہ منہ موڑا تھا۔

"دراصل بیٹی! تمہارے بارے میں بہت کچھ سنا تھا۔ یہ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ تم جب سے آئی تھیں خاموش نیا تلا بول رہی تھیں۔ مجھے بھی لگا کہ وہ سب جھوٹ تھا لیکن اب یقین آگیا۔ تمہارے بارے میں بتائی گئی باتیں درست ہی تھیں۔"

WWW.PAKSOCIETY.COM

نوال چونکی۔
"کون سی باتیں..... اور کس نے کیں باتیں.....؟"
اس نے تینوں کو گھورا۔
"میں نے بتایا سب کو؟" بے خود نے فخر سے سینہ تانا "نوال باجی! سب کچھ کر سکتی ہے وہ بجلی ٹھیک کرتی ہے۔ موبائل اور چارجر بھی اور واشنگ مشین اور گاڑی بھی چلانا آتی ہے اور بندوق بھی..... اور وہ کسی سے نہیں ڈرتی اور اس کو بکرے خریدنے بھی آتے ہیں اور....."
"اوہو.....!" نوال کے چہرے پر اطمینان آگیا۔ اخفش نے پہلو بدل کر برا منہ بنایا۔
"بس آنٹی! دراصل مجھے شروع ہی سے کچھ الگ کرنے کا شوق ہے مگر نئی روایات آج کی عورت کو روایتوں کا پاس دار تو ہونا چاہیے یہ وسیع بسیط آسمان ہے پرواز کے لیے..... عورت کو بھی نئے جہان تلاشنے ہوں گے پر پھیلا کر....."
(" اخفش کے دل میں ایک خواہش انگڑائی جس نے ہونٹوں پر مسکان پھیلا دی۔ نکلو پھر کسی دن تم ..... پر پھیلا کر..... دادا جی کے زمانے کی بندوق ویسے ہی زنگ کھا رہی ہے۔ لگاؤں پھر میں زمین سے نشانے ..... ٹھاہ ٹھاہ ٹھاہ)
تقریر کرتی نوال نے اخفش کے چہرے کو دیکھا۔ وہ اس کے خیالات سے اتنا متاثر تھا، مسکرا رہا تھا نوال نے سلسلۂ کلام جاری رکھا۔
"اللہ نے مرد کو برتر مقام دیا ہے میں اس بات کو تسلیم کرتی ہوں۔ لیکن یہ کیا؟؟؟ کہ میلے کپڑوں کا ڈھیر لے کر بیٹھی رہے کہ شام کو وہ آئیں گے تو سوچ جوڑ کر دیں گے۔ یا شدید گرمی میں ان کے انتظار میں لکڑ فین جھلتی رہے کم از کم ایک فیوز تو لگا لینا چاہیے۔ اونہہ دراصل۔"
وہ سانس لینے کو رکی۔ جب سامع اتنے ذوق و شوق سے ہمہ تن گوش ہوں تو کون بے وقوف خاموش رہ سکتا ہے۔ لیکن دانت پیستے اخفش کو اسی پل بھر کے وقفے کا انتظار تھا۔
اس نے بڑی متاثر ہوتی مسکراہٹ سجائی۔ جیسے حرف بہ حرف قائل ہوا ہے۔
"تو تم ایسا کیوں نہیں کرتیں کہ W.W.F میں جا اور عورتوں کی ریسلنگ میں حصہ لو۔"
"ہائیں!"
"اس کے علاوہ تمہارے ڈفرنٹ انوکھے اچھوتے شوق پورے کرنے کے لیے میرا سب سے اہم آئیڈیا یہ ہے کہ امریکہ جاؤ اور ناسا والوں سے اس خلائی شٹل کا ٹکٹ لے لو جو صرف لے کر جائیں گے۔ واپسی آپ کی اپنی ذمے داری....."
حاضرین کے چہروں کے تاثرات سے بے نیاز اخفش نے دوبارہ منہ کھولا۔
"اب اتنی ٹیلنٹڈ تو تم ہو کہ واپسی کا کوئی نہ کوئی راستہ ڈھونڈ لو گی۔ یہ کام کرنا جانتی ہو..... میرا مطلب کر سکتی ہو تو خلا سے واپسی تو تمہارے لیے یوں چٹکی بجانے کا کام ہو گا ہے ناں؟"
صوفیہ بیگم کے چہرے پر ہلکی سی مسکان آرکی تھی۔ جبکہ اشتیاق صاحب کے قہقہے کی گڑگڑاہٹ نے دیواروں پر لگی آرائشی اشیاء کو بھی ایک پل کے لیے ہلا دیا۔ بے خود کو جملے تو تعریفی لگے تھے۔ مگر اخفش کے چہرے کی چمک اور آنکھوں میں مزہ چکھانے کی کیفیت اس پر نوال کا شدید حیرت سے کھلا منہ.....
اور یہ نوال باجی جواب کیوں نہیں دیتیں۔
چوٹیں اخفش انعام کے جسم پر آئی تھیں نہ کہ زبان پر..... وہ ویسے ہی تیز دھار تھی کہ اگر چاقو نہ ہو تو مسواک اتارنے کے لیے شاخ کو موصوف زبان سے بس ایک بار چاٹ لیں۔
نوال کو فوری طور پر کچھ نہ سوجھا حملہ ہی اتنا اچانک تھا۔
اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی "السلام علیکم" کی پکار سب کے ساتھ وہ بھی چونکی۔
"ارے.....!"
نوال نے فقط تصاویر ہی دیکھی تھیں۔ مگر وہ پہچان گئی۔ وہ تصاویر ہی میں اس شخص پر فدا ہو گئی تھی۔ مگر سامنے سے.....
تصاویر میں دل موہ لینے والا..... سامنے سے کیا تھا۔ نوال جیسے گرد و پیش کو بھول گئی۔ خوب صورتی زبان کھول دیتی ہے۔ چاہتے نہ چاہتے منہ سے واہ واہ سبحان اللہ نکل جاتا ہے۔
لیکن اگر خوب صورتی دلکشی کسی مرد کی شخصیت میں ہو۔ قد کاٹھ، آنکھوں، ماتھے پر گرے بالوں..... اور دل پر خنجر کی طرح وار کر دینے والی مسکراہٹ میں۔
تو مشرقی لڑکیاں زبان دانتوں تلے ہی داب لیں۔ نگاہیں چرا لیں۔ اسی میں بہتری ہے۔
نوال تھی تو مشرقی لڑکی..... مگر ساتھ ہی نوال ضمیر بھی تھی۔ وہ مسحور سی بس دیکھے چلے جا رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

یونی ورسٹی شروع ہوئی تو وہ ہر لحاظ سے بے پناہ مصروف ہو گئی۔ نیا ماحول نئے راستے، نئی پڑھائی..... جاتی بھی بس میں تھی۔ پیدل اسٹاپ تک پھر بس بے پناہ مصروفیت میں وہ اپنے مقاصد کو بھولی تو نہیں..... مگر کسی قدر فراموش ضرور کر گئی تھی۔
لیکن
اس دن یونی سے واپسی پر جب موسم بے حد خوشگوار تھا اور اس کی چال ایسی تھی کہ رات تک گھر پہنچ ہی جائے گی۔ تب ہی سیاہ گاڑی کے ٹائر اس کے قریب چرچرائے۔ اس نے اچھل کے پیچھے ہو کر ڈرائیور کو گھورا تو جیسے دل پکڑ کے رہ گئی۔ اخطب اشتیاق گاگلز کو ناک کی نوک پر لگا کر اب نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھ رہے تھے۔ ساتھ بیٹھے اخفش نے البتہ کوئی تاثر نہ دیا۔
"ہیلو.....!" اس نے دل کو دھیرے دھیرے گرفت سے آزاد کیا۔
"کیا طبیعت ٹھیک ہے جو اتنا دھیمے دھیمے چل رہی ہو؟"
"ہاں بالکل..... بس یہ موسم....." اس نے گھٹاؤں کو دیکھا اور ہوا سے اڑتے بال ایک ہاتھ سے اوپر چڑھانے کی کوشش کی، جو دوبارہ نیچے.....
"تو کہیں چلے چلتے ہیں..... یہ تو عام گزرگاہ ہے۔"

مشہور و مزاح نگار اور شاعر
انشاء جی کی خوبصورت تحریریں،
کارٹونوں سے مزین
آفسٹ طباعت، مضبوط جلد، خوبصورت گرد پوش

کتاب کا نام		قیمت
آوارہ گرد کی ڈائری	سفرنامہ	450/-
دنیا گول ہے	سفرنامہ	450/-
ابن بطوطہ کے تعاقب میں	سفرنامہ	450/-
چلتے ہو تو چین کو چلیے	سفرنامہ	275/-
گھری گھری پھرا مسافر	سفرنامہ	225/-
خمار گندم	طنز و مزاح	225/-
اُردو کی آخری کتاب	طنز و مزاح	225/-
اس بستی کے کوچے میں	مجموعہ کلام	300/-
چاند نگر	مجموعہ کلام	225/-
دل وحشی	مجموعہ کلام	225/-
اندھا کنواں	ایڈگر ایلن پو / ابن انشاء	200/-
لاکھوں کا شہر	او ہنری / ابن انشاء	120/-
باتیں انشاء جی کی	طنز و مزاح	400/-
آپ سے کیا پردہ	طنز و مزاح	400/-

مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37، اردو بازار، کراچی

WWW.PAKSOCIETY.COM

"کہاں لے کر چلیں گے؟"
"کہیں بھی..... سی سائیڈ پر یا جہاں تم کہو....."
"نانو سے پوچھ لوں۔" انخفش نے پہلو بدلا۔
"بڑی آئی فرماں بردار۔"
"خالہ کو بھی لے لیں گے ناں۔"
"اخطب نے گہری سانس لی..... "پھر تو تم گھوم آئیں..... وہ کبھی نہیں جائیں گی۔"
"خالہ میری کوئی بات نہیں ٹالتی ہیں۔" اس نے بچکانہ یقین سے کہا۔
اخطب کے چہرے پر ایک عجیب سی مسکراہٹ آ گئی.....
"تم ابھی اپنی خالہ کو جانتی نہیں ہو بچے.....!" ان کے لہجے میں دکھ تھا۔ تکلیف اور ناکامی سی۔
نوال ڈھیلے پن سے کھڑی تھی۔ چونک کر کسی فوجی کی طرح سیدھی ہوئی اور تن کر کھڑی ہو گئی۔
"اور آپ ابھی مجھے نہیں جانتے..... میں اپنی بات منوانے کے لیے..... فرش پر بچھوں و پیچ پیر پھیلا کر بیٹھ جایا کرتی ہوں اور بھاں بھاں کر کے روتی ہوں۔ منہ سر پیٹ لیتی ہوں..... بلکہ بالوں میں خاک ڈال لیتی ہوں اور....."
"آپ واقعی اپنی خالہ کو نہیں جانتیں۔" اخطب نے قہقہہ لگایا اور تائید کے لیے ساتھ سوجے منہ والے بھتیجے کو دیکھا جو گاگلز سے آنکھیں چھپائے یوں بیٹھا تھا جیسے خلائی شٹل کی سیٹ پر براجمان ہو..... تن تنہا..... اور گونگا تو ہو ہی سماعت بھی چلی گئی ہو۔
انخفش نے گاگلز ماتھے پر چڑھا کر اسے دیکھا اور چاچو سے مخاطب ہوا۔
"یہ بڑے بڑے دعوے کر کے گئی تھیں اور بڑے بڑے ارادوں سے آئی ہیں۔ اب تو بس یہ دیکھنا ہے نتیجہ کیا نکلے گا۔" نوال سادہ سے جملوں کے اندر چھپے بھید تک پہنچی۔
"میں کبھی غلط بات نہیں کہتی اور عنقریب تم دیکھ لو گے۔"
"اب تم گاڑی میں آ رہی ہو یا ابھی مزید انجوائے کرو گی۔" اخطب بولے۔
"آنی نے دیکھ لیا تو تمہیں لگ پتا جائے گا۔"
"پھر تو میں ضرور بیٹھوں گی۔" وہ ضدی لہجے میں بولی تھی۔
باہر گھٹائیں غائب ہو گئی تھیں اور سورج یوں چمک رہا تھا جیسے کہیں گیا ہی نہیں۔
"ایک تو میں کراچی کے اس موسم سے بہت پریشان ہوں۔ ٹکتا ہی نہیں۔" وہ کینہ توز نگاہوں سے دھوپ کو دیکھتے ہوئے بڑبڑائی تھی۔
"ابھی آپ نے کراچی میں اور بھی بہت کچھ نہیں دیکھا۔" اخطب بولے۔
"اور دعوے آسمانوں تک....." انخفش نے ٹکڑا لگایا۔
نوال نے جواب نہ دیا۔ وہ گہری سوچ میں ڈوب رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

نوین اور نانو کی زندگی کو بدل دینا یا نئے رخ پر ڈال دینے کا پلان اتنا مشکل قطعی نہیں تھا۔ لیکن جب وہ دونوں ایسا چاہیں بھی ناں تو..... جو جیسا کی بنیاد پر صبح سے شام۔ کوئی ارادہ نہیں..... خواب نہیں..... خواہشوں سے دستبرداری.....
ہٹ دھرمی، ناکامی، بے بسی کو قناعت کا نام دے کر خود کو ستائش سے نوازنا اپنے لیے خود ہی میڈلز چن لینا۔

جبکہ
میڈل تو وہ ہوتا ہے جو دوسرے دیتے ہیں۔
اور نوال کے حساب سے ایوارڈ تو دور..... وہ کسی ایوارڈ شو میں شرکت کے قابل بھی نہیں تھیں خصوصاً "نوین منیر خان....."
وہ دونوں نوال کے مچائے ہنگامے میں خوش رہتی تھیں۔ اس کی حرکتوں اور باتوں پر ہنستی تھیں۔ مگر پل بھر کے لیے۔ نوال کی غیر موجودگی۔
نوال نے اکثر خاموشی سے انہیں دیکھا تھا۔ زینت

منیر خان ٹی وی چلاتی تھیں۔ مگر فقط نیوز چینل..... وہ بھی آواز بند کر کے نیچے چلتی پٹیاں پڑھتی رہتیں، کبھی کوئی پرانی فلم لگا لیتیں۔ کوئی گانا تو..... خصوصاً" مکیش و لتا کے پرانے گانے..... وہ محض ایک جھلک دیکھ کر گانا بتا دیتی تھیں۔ بے ساختہ آواز بڑھا بھی لیتیں۔ مگر ایک مصرع پورا ہونے سے پہلے ہی آواز بند کر دیتیں، شاید منیر خان مرجانے کے بعد بھی ان کے اعصاب پر سوار تھے۔
ٹی وی بند ہوتا تو یونہی درازیں کھول کر چیزیں دیکھ لیتیں کبھی یونہی الماریاں درست کرنے لگ جاتیں۔ خاموش خالی ویران۔
اچھا چلو..... وہ تو عمر کے اس دور میں تھیں۔ جب یونہی پوٹلیاں کھول کے دیکھنا گانٹھیں لگانا اور پرانی چیزوں کو ہاتھ میں پکڑ کر ان سے وابستہ یادوں کو تازہ کرنا وقت کا بہترین مصرف ہو جاتا ہے۔
مگر نوین کے ساتھ کیا مسئلہ تھا۔ وہ چونسٹھ برس کی نہیں تھی۔ وہ بتیس تیس برس کی ینگ لڑکی تھی۔ اس کے ساتھ کی لڑکیاں شوخ و شنگ تھیں۔ زندگی کے جام سے قطرہ قطرہ رس بھرنے والی۔
زور سے ہنسنے والی، بازاروں میں من پسند چیزوں کی خریداری میں عجلت دکھانے والی، ریموٹ ہاتھ میں لے کر چینلز بدل کر لطف اٹھاتی تھیں۔
جن کی موجودگی در و دیوار سے جھلکتی تھی۔ جاگتی 400 واٹ کے بلب کی طرح روشن لڑکیاں.....
اور نوین..... نوین منیر خان.....
خاموش..... گرد و پیش سے انجان بجھی ہوئی موم بتی جیسی لڑکی۔
روشنی تو لرزہ براندام..... وجود تو پگھلتا ہوا۔ دن بدن گھلتا ہوا۔ ڈھیلے ڈھالے لباس میں..... سیدھی چوٹی گوندھے بے آواز قدموں سے اندر باہر گھومتی لڑکی۔

نہ کوئی رنگ نہ ترنگ
لڑکیاں کوئی ایسی ہوتی ہیں۔ دفع..... نوال نے سوچا۔ اس نے نوین کے معمولات کو نوٹ کیا تھا۔
نوال کے جی، نرسری کی چھوٹی بچی نہیں تھی مگر دونوں ماں بیٹی صبح اہتمام سے اٹھ جاتیں جیسے نوال کو تیار کروا کے بھیجنا ان کا اولین فرض ہو۔
نوین اس کا بیگ چیک کرتی اور فائل کو سامنے رکھتی۔
نانو کا دل چاہتا، وہ انڈا پراٹھا اپنے ہاتھوں سے اس کے منہ میں ڈالیں۔ (بلکہ اگر ہو سکے تو لنچ بکس بھی بنا دیں) پونیاں کس دیں۔
وہ نماز کے بعد اہتمام سے کچن میں جا کھڑی ہوتیں۔
ویران زندگی میں نوال نام کی ہلچل نے رنگ ہی رنگ بھر دیے تھے۔
نوال بظاہر ایک لاابالی، لڑکی دکھائی دیتی تھی، خود میں مگن، اپنے دل کی کہتی۔ جبکہ در حقیقت وہ بے حد حساس، نرم دل، لڑکی تھی مگر اس کی اضافی خداداد خوبی یہ تھی کہ وہ دکھوں پر تکیوں میں منہ دے کر روتی نہیں تھی۔ ہار تسلیم نہیں کرتی تھی۔
آج چھٹی تھی۔ زینت بیگم نے نہاری بنائی تو ایک ڈونگا انخفش کے لیے بھی بھر لیا۔ وہ بے خود کو بھیج رہی تھیں کہ آج چھٹی ہے۔ اخطب بھی گھر میں ہو گا اور چھٹی کے دن دیر سے اٹھنے کے باعث یہ ان کے ناشتے کا وقت ہو گا۔
"انہیں یہیں بلا لیں نانو..... سب مل کر کریں گے۔" نوال صوفے پر اوندھی پڑی تھی۔
"نہیں۔ بس بھیج رہے ہیں۔ ہم مل کر کریں گے۔" نوین نے قطعیت سے کہا۔
نوال کی سوالیہ نگاہیں نانو پر ٹکیں۔
"وہ دراصل تمہارے نانا کے انتقال کے بعد بھائی صاحب اور اخطب نے بھی ادھر اندر آنا بالکل چھوڑ دیا ہے۔ بہت مجبوری ہو تو....." زینت بیگم نے ذرا اٹک کر کہا۔
"وہ انخفش تو ہر وقت گھسا رہتا ہے۔" نوال کو آگ لگی۔
"بیٹا! وہ بچہ ہے نواسوں پوتوں کی عمر کا ہے گھر کا فرد

WWW.PAKSOCIETY.COM

ہی لگتا ہے جبکہ۔" زینت بیگم نے جملہ ادھورا چھوڑا۔

"جبکہ۔۔۔؟" نوال نے سوالیہ نگاہیں ماں بیٹی پر جمادیں جو ایک دوسرے کو دیکھ کر خاموش تھیں۔

"بیٹا۔۔۔" زینت بیگم نے حلق تر کیا۔ "اشتیاق بھائی میرے ہم عمر ہیں۔ سالوں کا ناتا ہے مگر دنیا۔۔۔" وہ تھوڑا سا رکیں۔

"مگر نانو! بندے کا دل صاف ہونا چاہیے ناں۔۔۔ میں اپنے اعمال کی خود ذمہ دار ہوں۔ میں دنیا سے کبھی نہیں ڈرتی نانو۔۔۔ کیا نعمان بھائی آپ کی اس مشکل سے واقف ہیں؟" اسے دھیان آیا۔

"جب کوئی دور ہو جاتا ہے نہ واقفیت رہ جاتی ہے نہ مشکل کشائی۔" نوین کا جملہ سرگوشی نما تھا۔

"اور اخطب اس لیے نہیں آتے ہیں کہ وہ نوین خالہ کے ہم عمر ہیں۔" نوال نے جیسے سرا پکڑ لیا (سو طے ہوا کہ نہاری اسے ہی وہاں لے کر جانا ہوگی)

"نہیں۔۔۔" زینت بیگم کے منہ سے کراہ آمیز اختلاف ابھرا "اسے نوین نے آنے سے منع کر دیا۔"

"مگر کیوں۔۔۔؟" اس نے باری باری دونوں کا چہرہ دیکھا۔ مگر زینت بیگم جیسے اب کچھ اور بولنا نہیں چاہتی تھیں۔ یہ فالتو کا جملہ بھی بس یونہی منہ سے نکل گیا تھا جیسے۔ نوین کڑے تیوروں سے ماں کو گھور رہی تھی۔

اس نے پچھلی بار وقت رخصت انعش انعام کے ایک انکشاف پر اپنی ازلی دعویدار فطرت کے پیش نظر کچھ دعوے کیے تھے۔

"ارے سنو! اتنا ہینڈسم بندہ اور ابھی تک شادی نہیں کی۔ کمال ہے کیوں نہیں کی؟" اس نے اخطب اشتیاق کی سحر انگیز تصویر دیکھ کر بڑے دھڑلے سے پوچھا تھا۔

اور جواب میں انعش انعام نے کتنے دل جلے انداز میں الٹا سوال جڑ دیا تھا۔

"تمہاری خالہ بھی تو اتنی خوب صورت، اسمارٹ ہیں۔ انہوں نے اب تک شادی کیوں نہ کی؟"

اور اس نے کہا تھا کہ "کیا ان دونوں باتوں کا آپس میں کچھ تعلق ہے؟"

تو انعش نے سرزور زور سے اثبات میں ہلایا تھا۔

"میں اصل بات معلوم کر سکتی ہوں انعش۔۔۔"

"وہ کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ مگر کیا تم انجام تک پہنچا سکو گی؟"

اور نوال ضمیر نے سرزور سے ہاں میں ہلایا تھا۔

اور اسے یاد تھا کہ اس نے یہ کام کرنا ہے۔ باقاعدہ پلان نہیں تھا۔ کب کیسے اور کیوں؟ لیکن۔

"اب وہ وقت آچکا ہے نوال!" اس نے خود کو مخاطب کیا۔

وہ جن حالات و واقعات سے اس نے آگاہی حاصل کی تھی وہ بے حد روایتی اور عام سے پھیٹچر تھے۔ مگر نانو کا یہ جملہ۔

کہ اخطب اشتیاق کو خود نوین نے اپنے گھر آنے سے منع کر دیا۔ اپنے اندر بہت اسرار معنی کہانی لیے ہوئے تھا۔

"تو چلو نوال ضمیر۔۔۔ آج سے یہ کام شروع کیا جائے۔" اس نے نہاری کا ڈونگا اٹھاتے ہوئے خود کلامی کی۔

بخیر انجام کی طرف پہلا قدم۔

☆ ☆ ☆

بڑی ادھیڑ بن کے عالم میں اس نے انعش کے گھر میں قدم رکھا تھا۔

اسے مسلسل یہ احساس ہو رہا تھا کہ وہ کچھ دیر کر چکی ہے۔ اپنے دعووں کی تکمیل کے لیے۔۔۔ لیکن خیر اتنی دیر بھی نہیں۔۔۔ جس وقت جو کام شروع کر دیا جائے وہی اس کا اصل وقت ہوتا ہے اور جہاں تک میرا خیال ہے سب سے باخبر شخص اور کام کا بندہ انعش انعام ہے اور ضرورت کے وقت گدھے کو بھی باپ بنا لینا پڑتا ہے۔ خود کو عقل دیتے ہوئے اس نے سامنے گدھے کو بھی دیکھا جو معذور ہاتھ کے باعث الٹے ہاتھ سے ساس پین میں پانی بھر رہا تھا چائے بنانے کی کوشش۔۔۔ صوفیہ اشتیاق اخبار دیکھ رہی تھیں اور اخطب اشتیاق صوفے پر بند آنکھوں کے ساتھ

بیٹھے تھے۔ چائے ملتی تو آنکھ کھلتی ناں۔۔۔ اور ٹھنڈے ہاتھ کی چائے۔۔۔ آہ)

"انعش سے دوستانہ تعلقات وقت کی اہم ضرورت ہیں نوال۔۔۔!" اس نے سوچا۔۔۔ ابھی وہ آگے بڑھے گی اور اس کے ہاتھ سے برتن لے کر چائے بنائے گی۔ ایک احسان اس پر اور ایک ان پر جو اونگھ رہے ہیں وہ دبے قدموں انعش کے عین سر پر پہنچنے والی تھی۔ چونکانے کے لیے مگر۔۔۔ ہائے۔

خود بری طرح چونکی بلکہ ڈونگا گرنے سے بڑی مشکل سے بچایا۔

"تم تو ملتی ہی نہیں۔" بسورے لہجے کا زبردست شکوہ۔ اشتیاق احمد اس کے سر پر کھڑے تھے اور اس کی چیخ نما ہائے پر تینوں افراد ہی متوجہ ہو گئے۔ صوفیہ بیگم نے اخبار رکھ کے بھرپور خیر مقدمی مسکراہٹ سے اسے دیکھا۔

اخطب کی نیند اڑ گئی۔ اب وہ بیدار تھے۔

انعش نے ساس پین واپس رکھ دیا۔۔۔ اس کی کوئی بھی سچی جھوٹی کمزوری نوال کے سامنے کیوں عیاں ہو۔۔۔ خوامخواہ۔

"یہ۔۔۔ یہ" نوال نے ڈونگا ان کی جانب بڑھا دیا۔

"آپ کے لیے۔"

"ہاں ٹھیک ہے۔" انہوں نے ڈھکن اٹھا کر ایک لمبا سانس کھینچا۔ "نوین نے بنائی ہے۔"

وہ خوشبو ہی سے بنانے والی کو پہچان گئے۔ سب کو مطلع کیا۔

"اتنے دنوں سے آئیں کیوں نہیں۔۔۔؟" اب وہ ڈپٹ کر پوچھ رہے تھے۔

"بس وہ مصروفیت۔۔۔" نوال سچ مچ گڑبڑا گئی۔

"آپ پر یہ رنگ بہت سوٹ کر رہا ہے۔" اس نے تیزی سے کہا۔

تیز پیلے رنگ کا ٹراؤزر شرٹ۔۔۔ سرمے والی کالی آنکھیں۔

"یہ تو کچھ بھی نہیں۔۔۔" ڈونگا کچن کاؤنٹر پر جما کر وہ تسلی سے بیگم کی وہیل چیئر کے برابر کرسی جما کر بیٹھے اور اسے بھی بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"تم نے کبھی مجھے۔۔۔ بے بی پنک کلر کے ٹریک سوٹ میں نہیں دیکھا۔ اس میں تو میری اسکن ایسے شائن کرتی ہے کہ کیا بتاؤں۔۔۔ پتا نہیں لگتا۔ اسکن کون سی ہے اور ڈریس کہاں ہے۔ کل آنا میں وہی پہنوں گا۔"

نوال کی آنکھیں پھیلیں۔۔۔ اس نے تینوں کو دیکھا جو ہمہ تن گوش تھے۔

"آپ روز جاگنگ پر جاتے ہیں، جب ہی آپ کی فٹنس بہت خوب ہے۔" گڑبڑاتی نوال نے ٹاپک بدلنے کی غرض سے کہا۔

"فٹنس۔۔۔ حق ہا۔" ایک لفظ کہہ کر وہ صدماتی مراقبے میں چلے گئے۔

"یہ تو کچھ بھی نہیں۔۔۔ تم کبھی بیس سال پہلے مجھ سے ملتیں۔ پھر دیکھتیں میری فٹنس کا عالم۔۔۔"

"بیس سال۔۔۔ پہلے۔۔۔ میں پیدا نہیں ہوئی تھی۔۔۔ انکل!"

"کیا۔۔۔؟ تم نے مجھے انکل کہا۔۔۔!" وہ شدید صدمے میں آگئے جیسے۔

"جی۔۔۔!" اس نے نا سمجھی میں اقرار کیا۔

"سب کچھ کہنا مگر۔۔۔" انہوں نے شعوری وقفہ دیا "مجھے انکل مت کہنا۔" وہ بالکل خفا ہو گئے تھے۔

"تت۔۔۔ تت تو پھر میں آپ کو کیا پکاروں گی؟" اس نے انہیں دیکھا اور پھر سب کو۔۔۔

"آپ، یہ، میں، وہ، یہ سب کیا ہے تم میرا نام کیوں نہیں لیتیں؟"

اشتیاق احمد نے بڑے شکوہ کناں انداز میں پوچھا آخری لفظ تک پہنچتے انداز ڈپٹنے جیسا ہو گیا۔ بہت دیر سے خاموش مدہم مسکراہٹ چہرے پر سجائے بیٹھی صوفیہ بیگم نے پہلی بار ردعمل ظاہر کیا۔

آسمان کی طرف مدد طلب نگاہوں سے دیکھا اور سر ہاتھوں پر گرا لیا۔

اس کے چہرے کا زلزلہ۔۔۔

اشتیاق احمد نے قہقہہ لگایا اور پھر لوٹ پوٹ ہو

WWW.PAKSOCIETY.COM

گئے۔

"مذاق کر رہا تھا یار..... تم انکل شنکل کا ٹنٹنا ہٹاؤ ..... سیدھے سیدھے دادا جان کہو انشفش کی طرح یا پھر نانا جی!"

سرمے سے لدی شریر آنکھیں..... شریر انداز ..... نوال کھلکھلا کر ہنس دی۔

"یہ آپ اتنا سرمہ کیوں لگاتے ہیں؟ یہاں کراچی میں بسوں میں آواز لگا کر سرمہ بیچنے والے بھی اس سے کم ہی لگاتے ہوں گے۔" اس نے جوابی حملہ کیا۔

"یہ سرمہ..... ہاہاہا یہ تو کچھ بھی نہیں۔ تم کبھی مجھے جوانی میں ملتیں جب میں کالج میں تھا۔ پنجاب یونیورسٹی کے ہاسٹل میں میرے فیلوز مجھے تاکا سری کہتے تھے۔ اب تو وہ آنکھ ہی نہ رہی..... جس کی حاشیہ آرائی تھی۔ آہ.....!"

ان کے پرملال انداز اور غم زدہ چہرے نے تو اس بار نوال کا منہ کھول دیا تھا۔ حاضرین اشتیاق صاحب کے جملے سے زیادہ نوال کے چہرے سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔

☆ ☆ ☆

نانو کے کمرے سے تیز اور اونچا بولنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔

اونچی اور تیز آواز نوین کی تھی اور چونکہ نوال نے کبھی اسے اس طرح بولتے سنا نہیں تھا۔ سو ذرا متذبذب ہو کر وہ آواز کے تعاقب میں نانو کے کمرے تک پہنچی تھی۔

زینت بیگم کی نگاہوں میں بے چارگی' دل گرفتی' حیرانگی اور افسوس تھا۔ وہ خاموشی سے نوین کو تک رہی تھیں پھر نگاہیں جھکا لیں۔

دوسری جانب نورین کا چہرہ تمتما رہا تھا۔ خفا' بے زار' جارحیت کا ایک رنگ بھی چھب مار تا تھا۔ وہ بلاوجہ ہی سیٹ کمرے کو دوبارہ سے سیٹ کر رہی تھی۔ تکیے جھاڑتی' بیڈ شیٹ کو جماتی..... وہ کچھ بول بھی رہی تھی۔

"جب میں ایسا کچھ چاہتی ہی نہیں ہوں تو پھر آپ کیوں ہر مہینے یہ اہتمام کر کے بیٹھ جاتی ہیں۔"

"زندگی اکیلے نہیں گزرتی۔"

"گزار تو رہے ہیں ناں..... اور اکیلے کب ہیں اور آپ ہیں اور اب تو نوال بھی ہے اور۔"

"تم ہو' یہی سب سے بڑی فکر ہے۔ نوال ہے۔ دو چار سال تک کا تعلق اور میں..... مجھے تو اپنی عمر کا بھی یقین بھی نہیں کہ رات دیکھوں گی بھی کہ نہیں۔"

زینت بیگم نے حقیقت بیانی کی حد کر دی۔

نوین کے تیزی سے چلتے ہاتھ ٹھٹکے تھے۔ مگر پھر جیسے اس نے آنے والے کسی منحوس خیال کو تیزی سے جھٹکا اور ساتھ ہی تکیے پر بھی زور کا ہاتھ جمایا۔

"شادی کرنی ہی پڑتی ہے نوین.....!" زینت بیگم کا لہجہ شکست خوردہ ہو گیا۔

"اور..... کئی لوگوں کی شادی ہوتی ہی نہیں۔" وہ ترنت بولی تھی۔

"میں نہیں چاہتی کہ تم ان کئی لوگوں میں شامل ہو ..... خدانخواستہ۔" زینت بیگم دہل ہی گئیں۔

"ہمارے چاہنے نہ چاہنے کی جیسے بڑی اہمیت ہے ناں۔" نوین کا لہجہ زخمی سا تھا۔

"ہے نا اہمیت....." زینت بیگم ایک نئے ولولے سے اٹھی تھیں۔

"مگر تم تو وہ بھی نہیں مانتیں۔" وہ دھیمی ہو گئیں۔ ناکام۔

"وہ باب ختم ہو چکا امی.....!"

"مگر ہے وہ اب بھی زندگی کی کتاب کا ایک حصہ ....." زینت بیگم نے برجستگی سے کہا تھا۔

نوین کو چپ لگی۔ وہ اسی کی ماں تھیں خاموش' بوڑھی' بے بس مگر.....

"اکثر کتابوں میں کچھ باب غیر ضروری ہوتے ہیں۔ انہیں روانی و بے دھیانی میں اگر پڑھ بھی لیا جائے تو کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ وہ امتحان میں آنے ہی نہیں ہوتے تو پھر مزید وقت کا ضیاع کیوں؟"

"کتاب کا حق ہے کہ اس کے ہر باب کو عزت دی

جائے۔ غیر ضروری اوراق کو پھاڑ کر الگ تو نہیں کرتے۔ وہ ہمیشہ جڑے رہتے ہیں۔"

"میں نے کب کہا کہ میں پھاڑ چکی ہوں یا پھاڑ دوں گی۔ بس میں ان صفحات سے بہت آگے نکل آئی امی ..... لکھا پڑھا سب بھول گئی۔ مجھے اب کوئی امتحان پاس نہیں کرنا..... کوئی میڈل نہیں جیتنا۔ مجھے بس زندگی کے دن جینے ہیں آپ....."

"یہاں کون جج بیٹھا ہے نوین؟" زینت بیگم کی آواز بھرا گئی۔ شکست خوردگی نے چہرے کو تاریک کر دیا تھا "جو اچھے جملوں پر داد دے گا۔ میں جملے بازی میں تم سے مقابلہ نہیں کر سکتی..... تم زیادہ پڑھی لکھی اور قابل ہو۔ میرا تو بس ایک سوال ہے۔ ضد چھوڑ کر اپنا گھر بسا لو۔ مجھے سکون کی نیند سونا ہے۔ بس ایک انکار کے علاوہ کچھ بولتیں نہیں نہ وجہ..... نہ اعتراض..... کچھ تو کہہ دو....." ان کی آنکھیں بھیگ گئیں تو..... نوین بھی ہاری ہاری سی بیڈ پر ٹک گئی۔

خاموشی سے سب سنتی نوال کے لیے قدم اٹھانا دوبھر ہو گیا۔ کیا وہ واپس پلٹ جائے۔ اس کی کچھ سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ نہیں نوال ضمیر پلٹنے کا نام نہیں۔

"آج لنچ میں کچھ خاص اہتمام ہونا چاہیے مابدولت بڑے دنوں بعد گھر میں ہوں گے۔" وہ شاہانہ لہجے میں کہتی کمرے میں یوں داخل ہوئی کہ جیسے چھت سے ٹپکی ہو..... دونوں ہی طرح چونکیں۔

زینت بیگم کے چہرے پر ملگجی سی مسکراہٹ لہرائی۔ جبکہ نوین نے تیزی سے چہرے پر "سب اچھا ہے" کا دانہو پھیرا بشاش نظر آنے کی بھونڈی کوشش۔

"واؤ..... پکچرز.....!" نعرے کے ساتھ ہی اس نے درمیانی تپائی پر پڑی چند تصاویر اٹھائیں۔

"اچھا آآآ۔" اس نے تصویر پلٹی تو پیچھے درج بائیوڈیٹا سامنے آگیا۔

"تو یہ وہ تصاویر ہیں جو رشتے کرانے والی آنٹیوں کے پرس میں ہوتی ہیں..... لیکن یہ یہاں ہمارے گھر میں کیا کر رہی ہیں؟" اس نے خود ہی بولتے بولتے آخر پوچھ ہی لیا۔ پھر دوبارہ جواب کا انتظار کیے بغیر شروع ہوئی۔

"اب یقیناً" چوائس کا مشکل مرحلہ ہو گا۔ تصویریں ماشاء اللہ ہیں ان ان ہی اتنی اچھی....." اس نے تصاویر کو الگ کیا اور ٹیبل پر سجا دیا۔

"دیکھئے..... ان تینوں کے یہ جو فارغ البال ہیں ان کے ان چٹیل میدانوں پر اعتراض کرنا بے وقوفی ہے جب حورم سلطان گنجے سلیمان پر اور خزینہ پھینی' گنجے ابراہیم پر دل و جان سے فدا ہو سکتی ہیں کہ مرنے مارنے پر آجائیں تو آپ اور میں کون ہوتے ہیں اعتراض کرنے والے..... "میرا سلطان" گنجوں کے لیے امید صبح ہے ایک نئی زندگی..... لڑکیاں بھول گئی ہیں بابر علی' ریتھک روشن' رنویر سنگھ کے بالوں کو..... گنجے فیشن میں ان ہیں۔"

زینت بیگم اس کی فراٹے سے چلتی زبان سن کر گنگ تھیں جبکہ طرز بیان نے نوین کے چہرے پر مسکان بکھیر دی تھی۔

اس کے انداز سے اس کا فطری لاابالی پن جھلک رہا تھا۔ لیکن درحقیقت وہ بڑی گہری نگاہ سے ہر چیز کو دیکھ رہی تھی۔

سب سے پہلا لفظ ذات تھا جو سب کی وہی تھی جو نانا جان کی تھی۔ پکی عمروں کے مرد..... خرانٹ..... تھری پیس پہن کر جما کر بنائے گئے بال فوٹو اسٹوڈیو کے بیک گراؤنڈ والی پکچرز..... جن پر پہلی نگاہ ڈالنا ہی دل گردے کا کام تھا۔

ایک صاحب نے تو حد کر دی۔ رنڈوے تھے اور ایسی تصویر بھیجی تھی جس میں مسکین ہو جانے والے دو بچے بھی ہمراہ کھڑے تھے۔ صاحب حیثیت تھے اور سچائی کے علمبردار بھی..... جلی حروف میں درج تھا۔

"کوئی ڈیمانڈ نہیں..... بس ایک نیک' دراز قد' عمر 35 سے زیادہ نہ ہو اعلا تعلیم یافتہ' گھریلو سلیقہ شعار' صوم و صلوٰۃ کی پابند کنواری دوشیزہ کا رشتہ درکار ہے جو بچوں کو ماں کا حقیقی پیار دے سکے۔ (شادی بچوں کے لیے ہی کی جا رہی ہے)"

"میرے خیال میں آپ کو اتنے ہی قانع رشتے کی

WWW.PAKSOCIETY.COM

ضرورت تھی۔" اس نے چبا چبا کر دونوں کو دیکھا۔
"پھر کون سا فائنل کرنے کا ارادہ ہے؟"
"یہ مانتی ہی نہیں۔" زینت بیگم نے بجھے لہجے میں کہا۔
"واحد صحیح کام جو یہ کر رہی ہیں۔" وہ تاسف آمیز لہجے میں کہتے ہوئے کھڑی ہو گئی۔ "ان کے علاوہ اور کوئی پرپوزل نہیں ہے؟"
"ہیں تو مگر... کاسٹ (ذات) الگ ہے اور تمہارے نانا جان کی پہلی شرط کاسٹ ہوتی ہے۔"
"نانا جان؟" وہ ہلکا سا چلائی۔ "وہ یہاں کہاں سے آ گئے... وہ فوت ہو چکے ہیں نانو؟"
اس نے ان کی بے خبری پر سر پیٹا تھا۔ وہ دونوں کو باری باری گھور رہی تھی۔ جنہوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر نظریں چرا لی تھیں۔
"اور کیا اب اس قسم کے رشتے فائنل کیے جائیں گے۔ خالہ کیا ایسے پارٹنر ڈیزرو کرتی ہیں اور دوسرے۔" اس نے ذرا رک کر دونوں کو گھورا۔ "جتنا میں نانا جان کو جان چکی ہوں اس حساب سے تو خالہ کی شادی کم از کم پندرہ برس پیشتر کر دی جانی چاہیے تھی۔ پھر اتنی دیر کس لیے... پہلے کیا سب سو رہے تھے؟"
نوین کے چہرے پر عجیب سا تاثر آ رکا۔ نوال منہ پھٹ تو تھی۔ مگر وہ اتنا تحیر مار کہ سوال بھی کر سکتی تھی کہ...
دونوں کی خاموشی نے نوال کے غصے کو بھڑکایا۔
"اب جواب کیوں نہیں دیتیں؟"
"پہلے تو یہ بہت چھوٹی لگتی تھی... اس طرف دھیان نہ گیا۔ پھر تمہارے نانا ذات برادری کو بہت اہمیت دیتے تھے تو۔"
"اوہ شٹ!" نوال نے بھنا کر اپنا ہاتھ سر پر مارا تھا۔
"پہلے تو خاندان ہی سے باہر نکلنے کو تیار نہیں تھے۔ پھر کئی سالوں میں اس بات پر قائل ہوئے کہ چلو باہر ہی کرتے ہیں لیکن ذات برادری میں۔ وہ تھے تو مجھے بھی احساس نہ ہوا اور اب لوگ کہتے ہیں۔ کچھ بچا ہی نہیں۔ سارے رشتے ایسے ہی آتے ہیں۔ ایک تو رشتوں کا ویسے ہی کال پڑا ہے اور پھر اگر اس پر شرائط باندھ دی جائیں تو سمجھو "بھس کے ڈھیر سے سوئی ڈونڈو۔"
زینت بیگم کا لہجہ اتنا مدھم تھا جیسے وہ تنہا بیٹھی خود کلامی کر رہی ہوں۔ یادداشت ٹٹول رہی ہوں۔
"ایسا کیسے ہو سکتا ہے نانو...! خالہ میں کس چیز کی کمی ہے؟" وہ تحیر کے باعث اٹک اٹک کر بول رہی تھی۔ "زیادتی ہی زیادتی کہیے... شکل صورت رنگ روپ، تعلیم، خاندان، شرافت، نجابت۔"
نوین کی نظریں سامنے دیوار پر ٹکی تھیں اور چہرہ یوں بے تاثر تھا جیسے کچھ سنائی نہ دے رہا ہو۔
"رشتے تو... اور ہیں بھی مگر وہی ذات برادری اور تمہارے نانا کی شرائط..."
"نانا اب نہیں رہے نانو...!" نوال نے سر پیٹ لیا۔
"تو...؟" نوین نے یکدم سر اٹھا کر سوال جڑ دیا اور اس کے "تو" کے اندر بہت کچھ تھا جتاتا، پوچھتا، بتاتا، دھمکاتا۔
"تو یہ کہ آپ اپنے حساب سے چیزوں کو فائنل کریں جو آپ کو مناسب لگے۔" نوال کے آگے گتھی سلجھنے لگی تھی۔
نوین نے نگاہیں اس کے چہرے پر ٹکا دیں۔ "تم پاگل ہو نوال!" ذرا توقف سے بولی۔
نوال نے سینے پر ہاتھ لپیٹے۔ وہ عین سامنے جا کھڑی ہوئی۔
"اور آپ بے وقوف ہیں خالہ!" اس نے اسی کے لہجے میں مگر جارحانہ انداز میں جواب دیا۔
"مجھے اپنی بے وقوفی عزیز ہے... تم اس معاملے میں مت آؤ۔" وہ درشتی سے کہتی باہر نکلی تھی۔
"ہائیں!" نوال نے ہلتے پردے کو دیکھا اور پھر آنسو پونچھتی نانو کو...

رات گرم اور بوجھل تھی یو پی ایس سے چلتا پنکھا دم توڑنے کو تھا۔ نوال کو گرمی لگی۔ پیاس لگی اور پھر بھوک... وہ ڈولتی جھومتی کچن تک آئی۔ فریج سے انگور کی پلیٹ اٹھا کر ڈائننگ ٹیبل پر آ گئی۔
کامن کی کھلی کھڑکی سے ہوا آ رہی تھی۔
چپ چپاتی بے سُری رات... اس نے رات کو نام دیا۔ لیکن نہیں، کہیں بہت ہلکے سر بج رہے تھے۔ اس کا سوتا ذہن پوری طرح بیدار ہو گیا۔ واقعی بڑی ہی مدھم آواز گونج رہی تھی۔
"لو آ گئی... ان کی یاد، وہ نہیں آئے۔"
وہ آواز کے تعاقب میں گئی تو لان میں نکلی... آواز نمایاں ہوتی جا رہی تھی۔
"ہیں...!" وہ چونک کر پوری طرح بیدار ہو گئی۔
کین کی کرسی پر نوین براجمان تھی۔ رات کے اس پہر وہ ہی دل بہلا رہی تھی۔ آنکھیں بند تھیں اور سینے پر ایک ڈائری دھری تھی۔ وہ دبے قدموں نوین کے پیچھے جا کھڑی ہوئی۔ نوال نے دیکھا وہ سو چکی تھی۔
چاندنی رات میں اتنی روشنی تھی کہ وہ قیاس کر سکتی۔ نوین کچھ لکھ رہی تھی۔ کیونکہ ایک غزل کے مصرعے کا ادھورا پن نمایاں تھا۔
"واؤ... چاندنی رات... اولڈ غمگین سانگ... اور غزل کہتی ایک لڑکی واہ کیا سین ہے۔"
اس نے احتیاط سے ڈائری اس کے ہاتھ کے نیچے سے نکالی۔
اعصاب کو شل کر دینے والی موسیقی کا گلا گھونٹا اور موبائل ٹارچ کھلے ورق پر ڈالی اور پڑھتی چلی گئی۔
ہائے، اتنی اداس... خشک، مرنے کے بعد بھی بندہ کم از کم اس سے زیادہ زندہ غزل کہے۔ اف، اس نے دل کر سوچا۔
ڈائری کے ورق پھڑپھڑا کے دیکھے تو اکثر میں کچھ نہ کچھ لکھا نظر آیا۔ نوال نے ایک اور نظم چنی۔
ایسی نظم جو سی این جی پمپ پر ساری رات کھڑے رہنے کے بعد باری آنے پر پتا لگے، جی گیس ختم ہو گئی بندہ پھر بھی اس نظم سے اچھا ہی سوچے۔
گوانتاموبے میں خالہ کی غزلیں سنوا کر قبول جرم کروایا جا سکتا ہے۔
چودہ سالہ قید کے بجائے۔ یہ نظمیں ہی صبح شام پڑھنے کو دی جائیں تو...
دفعتاً" اسے ایک سایہ سا محسوس ہوا۔ انخفش کی گیلری سے نظر آتا ایک وجود... نوال جہاں کھڑی تھی وہاں سے وہ گیلری میں کھڑے شخص کو نظر نہیں آ سکتی تھی۔ مگر کین کی کرسی پر بیٹھا شخص اس سائے کو بغور دیکھ سکتا تھا۔
یہ کمرہ انخفش کا تھا۔ مگر سایہ انخفش کا نہیں تھا۔
ریلنگ پر دونوں ہاتھ جما کر ساکت ہو جاتا... پھر سگریٹ کے کش لیتا ہوا یہ اخطب کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔
تذبذب کا شکار نوال بری طرح چونکی۔
مردہ خانے میں رکھی جانے والی وہ نظم جسے نوال نے ابھی پڑھا تھا۔ اس کا عنوان تھا... "سایہ"
یعنی مائی گاڈ اس نے خالہ کو گھورا تھا۔

☆ ☆ ☆

"میں سوچ رہی ہوں خالہ... یہ لوگ اپنی کتابوں کا انتساب کس سوچ کے تحت... لوگوں کے نام کرتے ہیں؟" نوال بڑے اچھے موڈ میں نوین کے بیڈ پر اوندھی لیٹی کتابوں کے انتساب پڑھ رہی تھی۔
"کوئی بھی سوچ جو ان کے دماغ میں اس وقت آتی ہو... یا جو حق دار ہوں۔"
"حق دار... حق دار سے تو یوں لگتا ہے جیسے چندے کی تقسیم ہو... لیکن پھر بھی... اب دیکھیں یہ ایک امریکن عورت نے کتاب لکھی اور انتساب کر دیا اپنے کتے کے نام۔"
"ارے!" نوین حیرت زدہ رہ گئی۔ "ان خاتون سے ملنا پڑے گا۔"
"الٹی باتیں ہیں آپ کی۔" نوال کا موڈ آف ہوا۔
"اس کتے سے ملنا پڑے گا خالہ!" نوین زور سے ہنس دی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

"اچھا اگر آپ کبھی کوئی کتاب لکھیں تو انتساب کس کے نام کریں گی؟" وہ گھیر گھار کے نوین کو مطلب پر لائی۔

"میں..... میں نے کبھی سوچا نہیں۔"

"یہ خالہ بھی ناں آسانی سے ہاتھ نہیں آتیں۔" نوال نے دانت پیسے

"اچھا اگر تم کبھی کتاب لکھو تو کس کے نام کروگی؟"

"لو جی یہ کوئی سوال ہے اگر کیوں؟ میں عنقریب ایک کتاب لکھنے والی ہوں۔" اس نے مضبوط لہجے میں کہا۔

"کس موضوع پر.....؟" نوین نے دلچسپی سے پوچھا۔

"نوال ضمیر کے لیے موضوعات کی کیا کمی..... میں ہر موضوع پر سیر حاصل تبصرہ کر سکتی ہوں مگر خیر آپ کی معلومات کے لیے.....

فی الوقت پیش نظر دو موضوعات ہیں بس یہ ڈن کرنا باقی ہے کہ پہلے کون سا چنوں....." اس نے ادیبانہ توقف کیا۔

"گھریلو آلات کی مرمت خواتین خود کریں۔" نوین کے چہرے پر ستائش ابھری نوال سے اچھی کتاب اس موضوع پر اور کوئی نہیں لکھ سکتا تھا۔

"اور دوسری کتاب تخریبی نوعیت کی ہے مگر..... خیر

"مردوں پر گھریلو تشدد کے طریقے" بہت متاثر ہو کر سنتی نوین بھونچکی رہ گئی۔

"یہ کیسی کتاب ہوگی؟" نوین کی آواز میں ہکلاہٹ آگئی۔

"اس میں یہ ہوگا کہ کیسے خواتین ذرا سی بھی حکم عدولی پر مردوں سے باز پرس کر سکتی ہیں۔ انہیں دھمکا سکتی ہیں اور سدھار سکتی ہیں۔"

"وہ کیسے؟" نوین کا تو حلق خشک ہونے لگا۔

"دیکھیے پہلا اصول تو یونیورسل ہے کہ پہلے پیار سے اور بعد میں مار سے لیکن مرد ذات آغاز پر نہیں انجام پر یقین رکھتی ہے لہٰذا۔" وہ ٹھہری۔

"عورتیں مارنے کے لیے کچھ بھی استعمال کر سکتی ہیں جو انہیں میسر ہو۔ لیکن کب اور کہاں مارنا ہے یہ کتاب سے پتا لگے گا۔ دو باتیں پیش لفظ میں لکھوں گی۔

"جرم کر کے جائے وقوع سے ترنت غائب ہونا۔" اور دوسرے "جرم کا نشان نہ چھوڑنا۔" یو نو سیف سائیڈ....." نوال خاموش ہوئی۔

"اور ان کتابوں کا انتساب کس کے نام ہوگا؟"

"پہلی والی کا تو ظاہر ہے اپنے ڈیڈ ضمیر خان کے نام اور دوسری کا میں اپنے ہی نام کروں گی۔"

"بہت اچھا کروگی..... اور تمہاری ہی ہمت ہے جو اپنے نام کرلوگی جبکہ ایسی کتاب بے نام ہو تو زیادہ اچھا ہے۔"

اخفش کی جلی کٹی آواز پر دونوں چونکیں..... نوین کی آنکھوں میں پانی تھا اور جبڑے دکھ رہے تھے۔

"نہیں۔ میں اتنی بھی سیلفش نہیں..... اگر تم کہو تو تمہارے نام بھی کر سکتی ہوں۔ کیونکہ؟" نوال بڑے محبوبانہ انداز میں مسکرائی۔ "ایک انسپائریشن تو تم بھی ہو ناں۔"

"مجھے تو تم معاف رکھو۔" اخفش نے ہاتھ جوڑ دیے۔

"اور تم چھپ کر ہماری باتیں سن رہے تھے۔" نوال کو دھیان آیا "چھپنے کی کیا ضرورت تھی۔ تم آکر بیٹھ بھی سکتے تھے۔ میں کوئی منع کرتی۔ یو نو علم بانٹنے سے بڑھتا ہے۔"

"رہنے دو بلی جو ہا لنڈورا ہی بھلا۔" اخفش نے جل کر دونوں ہاتھ جوڑنے کی سعی کی (پلستر جو بندھا تھا) نوال نے فلک شگاف قہقہہ لگایا۔ نوین بھی سمجھ کر ہنس دی اخفش نے بے خیالی میں خود کو چوہا کہہ دیا تھا۔

"چھت پر کیبل والا کھڑا ہے۔ آپ دیکھیں۔ اب چینلز صاف آرہے ہیں یا نہیں؟" اخفش نے اپنی آمد کا مقصد بھی بتایا۔

"ارے ہاں.....!" نوین اچھل کر ٹی وی کی سمت بڑھی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

"تو خالہ! آپ نے بتایا نہیں کہ آپ اپنی کتاب کا انتساب کس کے نام کریں گی؟" انخفش ریموٹ کے ساتھ لگا تو اسے اس ساری لن ترانی کے اندر چھپا اصل مقصد یاد آیا۔

نوین نے چونک کر اسے دیکھا۔ اس کا چہرہ کھلا ہوا تھا۔ اتنے دنوں بعد وہ دل سے ہنسی تھی۔ اسے بھانجی پر ٹوٹ کر پیار آیا۔

"تمہارے نام کردوں گی۔" نوین نے اس کے گال پر ہاتھ پھیرا اس کا چہرہ سچائی بیان کر رہا تھا۔

"واہ جی....!" نوال کا مقصد پورا ہو گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

"واقعی بعض لوگ اُلٹے ہاتھ سے بھی ہانڈی میں ڈوئی گھمادیں تو ذائقہ آجاتا ہے۔"

نوال کی شوخ جتاتی سراہتی آواز پر انخفش بدک کر چولہے سے دور ہوا سیدھا ہاتھ تو پلاستر کے باعث گردن میں اٹکا ہوا تھا۔ وہ ڈھیروں سامان سلیب پر پھیلائے الٹے ہاتھ سے ڈوئی گھما رہا تھا۔

صوفیہ بیگم اپنی وہیل چیئر سمیت کچن میں تھیں اور گود میں شیٹ بچھا کر ٹماٹر کاٹ رہی تھیں۔ نوال کے سلام کا جواب اشارے سے دیا۔

"خوشبو تو شان دار ہے کیا بن رہا ہے؟"

"بریانی.... اخطب کے دو تین دوست آرہے ہیں ڈنر پر...." صوفیہ بیگم نے بتایا۔

"تو وہ آپ کی پروین.... فرمین، شرمین کہاں ہے؟" اس نے اِدھر اُدھر دیکھا۔

"وہ آج نہیں آئی ہے جب ہی تو.... فون بھی کیا تو.... فون بند جارہا ہے۔"

"تو بازار سے منگوالیتیں ناں سب کچھ.... اب دعوت کا اہتمام کیسے ہوگا؟"

"میں اور دادو مل کر کرلیں گے۔ تمہیں فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔" انخفش پہلی بار بولا۔

"تو تمہاری فکر کر کون رہا ہے۔ لیکن میں اس طرح کے تجرباتی کھانے نہیں کھا سکتی۔"

"تو تمہیں تکلیف کرنے کو کہہ کون رہا ہے۔" اسے غصہ ہی آگیا۔

"تو دادو!" وہ معصوم و مظلوم چہرہ لے کر صوفیہ بیگم کی سمت گھومی "کیا میں چلی جاؤں۔"

"ارے کیوں کیوں.... تم بیٹھو بیٹا!" ساتھ ہی انخفش کو گھورا "اور تمہارا ہاتھ کیوں رک گیا ہے۔ یہ ٹماٹر ڈال دو اندر...." انخفش متذبذب تھا۔ سر پر کھڑی بلا جو ایڑی پر گھوم رہی تھی، سرخا سرخ ٹماٹر کھا رہی تھی۔

انخفش نے اسے گھور کر دیکھا اور چولہے کی سمت گھوم گیا۔ نوال کا بظاہر دھیان ادھر ادھر تھا مگر اس نے دیکھا۔ انخفش کام تو کر رہا تھا مگر کافی سستی اور تکلیف سے۔ وہ یقیناً "اچھا پکاتا ہوگا (اس کے ہاتھ کے تکے، سیخ بوٹی تو وہ کھا ہی چکی تھی)

جب پوچھ پوچھ کر ہی پکانا ہے تو.... یہ کام تو وہ بھی کر سکتی ہے۔

"ہٹ جاؤ تم۔ میں کرتی ہوں۔" اس نے یکدم ڈوئی ہی اچک لی۔

"خراب کردو گی تم سب کچھ۔" وہ چلایا اور مدد طلب نگاہوں سے دادی کو دیکھا۔

"کچھ خراب نہیں ہوگا۔ جو کام تم کر رہے ہو، وہی میں بھی کرلوں گی۔ دادو سے پوچھ پوچھ کر ہی تو کرنا ہے ناں، کیوں دادو؟" صوفیہ مسکرائیں۔ وہ انخفش کی تکلیف دیکھ ہی رہی تھیں۔

"پہلے کبھی بنائی ہے بریانی تم نے؟" وہ حواس باختہ ہی ہو گیا۔

"تو کیا ہوا.... کھائی تو ہے ناں۔" وہ لاپروائی سے بولی اور ساتھ ہی ڈوئی گھمائی اور ہدایت کے بموجب آنچ دھیمی کر کے ڈھکن رکھ دیا۔ اب گوشت دھونا تھا اور بھیگے چاول اٹھالنے تھے۔ صوفیہ کی ہدایات کے ساتھ ساتھ انخفش کی سہمی اور کبھی چلاتی ہدایت بھی کانوں پڑتی تھی۔

"اب چاولوں کی لگدی نہ بنادینا.... کھلے کھلے، دانہ الگ الگ ہو۔" انخفش نے سب سے مشکل مرحلے

کے آغاز میں کہا۔

"ارے واہ!" اس نے ہاتھ نچایا۔ "تم کیا جانتے نہیں، آج چاول بھی نوال ضمیر خان کے ہاتھوں میں اپنی خوش قسمتی پر نازاں ہیں۔ وہ تو پکنے سے پہلے ہی کھل کر گلاب ہو چکے ہیں کہ کہاں ہم اور کہاں یہ مقام اللہ اللہ"

صوفیہ بیگم کا منہ اور انخفش کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

ایک سیدھی سادھی تنبیہہ کا اتنا پہلو دار جواب

"بھئی! بیگم! تمہارے صاحبزادے فرماتے ہیں کوفتوں میں ابلے ہوئے انڈے بھی ڈال لینا۔"

اشتیاق احمد کے کان سے فون لگا تھا۔ وہ بولتے بولتے اندر داخل ہوئے۔

"لیکن ہم تو کوفتے بنا ہی نہیں رہے۔" صوفیہ بیگم اور انخفش ہم آواز ہو کر بولے۔

"وہ جو پرسوں پروین نے بنا کر فریز کیے تھے۔ وہ ختم ہو گئے کیا۔"

"ختم تو نہیں ہوئے مگر کوفتوں کو ہینڈل کرنا بہت مشکل ہے۔" صوفیہ نے کہا۔

"اور وہ مجھے بھی نہیں آتا۔" انخفش کی گھبرائی آواز ابھری۔

"اور مجھے تو انہیں کھانا بھی نہیں آتا۔ پھسل پھسل جاتے ہیں نوالے کے نیچے رکتے ہی نہیں۔" نوال کا اپنی ہی طرز کا جواب تھا۔

"نوین کو کال کرتا ہوں، وہ بنا دے گی۔" اشتیاق احمد نمبر ملانے لگے۔

"وہ کبھی نہیں آئے گی۔" صوفیہ نے ہولے سے کہا۔

"کہہ دیجئے گا.... اخطب نہیں ہے گھر میں، شام کو آئے گا۔ دوڑی چلی آئیں گی۔" انخفش نے جلے بھنے لہجے میں اصل بات اور اصل ترکیب بتائی۔

نوال کے کان کھڑے ہو گئے۔

یہ انخفش اور دادا جان اور دادو یہاں تک سے تو واقف ہیں کہ وہ اخطب کی موجودگی میں نہیں آئیں گی.... تو پھر یہ.... یہ بھی جانتے ہوں گے کہ کیوں نہیں آئیں گی۔ یہ خود ساختہ بندی ہے یا؟

جب تک اس بات کا پتا نہ لگے تب تک کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔

تو سب سے صحیح بندہ کون ہوگا۔ اندر کی باتیں اگلوانے میں.... دادا جان.... جن سے نوال کی زبردست دوستی ہو گئی تھی۔

ابھی پرسوں ہی تو اسے لے کر گفٹ سینٹر گئے تھے۔ دو فرینڈ شپ بینڈ دو فرینڈ شپ کارڈ مانگے۔ نوال کے استفسار پر بتایا۔

"ایک میری طرف سے تمہارے لیے.... اور ایک تمہاری طرف سے میرے لیے۔"

"اس نئی نئی دوستی سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے نوال.... وہ کہے گی دوستی میں راز نہیں رکھے جاتے فقط شیئرنگ.... بس۔"

وہ ایک نتیجے پر پہنچ کر بے فکری سے مسکرائی۔ وہ اب اشتیاق احمد کو سن رہی تھی۔

"کتنے دن ہو گئے مزے کے کھانے کھائے ہوئے۔ آج اس گدھے نے اپنے دوستوں کی دعوت کی تو سوچا ہمارے نصیب بھی کھلیں گے۔ مگر وہ پروین غائب ہے۔ آجاؤ.... وہ سب تو رات گئے آئیں گے۔ تب تک ہم کچھ انجوائے ہی کرلیں گے۔ بریانی کا مسالہ اور چاول بوائل تو نوال نے کرلیے ہیں مکس تو مہمان آنے کے بعد ہی کیے جائیں گے۔ ہاں ہاں نوال نے۔ اب تم خود سوچو ہمیں کس قسم کے کھانے کھانے پڑیں گے۔ ہاں وہ سب تو شام کو اخطب کے ساتھ ہی آئیں گے۔ تو پھر تم آرہی ہو ناں؟"

وہاں سے جواب اثبات میں تھا۔ جس کا گمان پاکر صوفیہ بیگم انخفش اور اشتیاق صاحب کا چہرہ کھل گیا۔

"کتنے عرصے بعد آج نوین ادھر آئے گی؟" وہ بیگم سے پوچھ رہے تھے۔

"شاید.... چھ ماہ بعد.... وہ حج کی خوشی میں دی جانے والی دعوت میں بھی نہیں آئی تھی اگلے روز صبح آئی

WWW.PAKSOCIETY.COM

تھی جب اخطب آفس جا چکا تھا۔" صوفیہ کی آواز حسب معمول مدھم تھی۔ انعشق کے چہرے پر سوچ کی لکیریں تھیں۔ وہ غیر محسوس انداز میں سر ہلا رہا تھا۔ سب کی نگاہیں دروازے پر تھیں۔

☼ ☼ ☼

"کل ایک تاریخ ساز فیصلہ کن دن تھا۔" نوال صوفے پر پیر اوپر رکھ کے بیٹھی تھی اور بریانی کے نوالے ہاتھوں سے بنا کر کھا رہی تھی۔ نوین اور زینت بیگم اس کے بولنے کی منتظر تھیں۔

"پہلا تو یہ کہ میں نے باقاعدہ کوکنگ کا آغاز کر دیا اور بے حد لذیذ بریانی بنائی۔"

نوین نے سر جھکا کر مسکراہٹ چھپائی۔ اس نے جس طرح اس مسالے اور چاولوں کو سنبھالا تھا، وہی جانتی تھی۔

"یعنی میرے ہاتھ میں قدرتی ذائقہ ہے۔" اس نے چٹخارا بھرا۔

"دوم میں نے یہ سیکھا کہ میرے لیے ضروری ہے کہ میں کچن کے کاموں میں بھی مہارت حاصل کر لوں ـــ ویسے تو اپنی بات پر قائم ہوں کہ پیٹ بھرنے کے لیے ایک نوڈلز کا پیک اور چند پھل کافی ہوتے ہیں لیکن ـــ اگر مہمان رات کی طرح پیٹو ہوں تو ـــ لہٰذا اب نوال ضمیر خان کوکنگ سیکھیں گی۔"

نوین نے مسکرا کر سر ہلایا جبکہ زینت بیگم بہت ہی خوش ہوئیں۔ وہ لڑکیوں کے ہنروں میں اول درجہ کچن کے امور میں طاق ہونے کو دیتی تھیں۔

"اب یہ تو ہوا میرے حوالے سے فیصلہ ـــ کل ہی ایک اور فیصلہ ہوا لیکن اس کی جب تاریخ طے ہو گی تب اسے تاریخ ساز کہا جائے گا۔ ابھی میں نے یہاں کراچی میں یہی دو گھر ذرا تفصیل سے دیکھے ہیں اور انہی دو گھروں میں تصحیح طلب کام ہیں۔ لیکن آغاز ہمیشہ گھر سے کرنا چاہیے۔ خالہ اور نانو کی زندگی بدل دینے کا پلان تو میں ترتیب دے ہی چکی ہوں لیکن ادھر اس موٹے آلو کے گھر میں بھی سب پاگل ہیں۔" اس نے تاسف سے سر ہلایا۔ "دادا جان بوڑھے، آنٹی زانوں سے وہیل چیئر پر، انہیں تو بیٹے کی ـــ بھگتنے کی بارات چڑھا دینی چاہیے تھی مگر ناں جی وہ انعشق ٹنڈے ہاتھوں سے ہانڈی بھونتا ہے ـــ صاف کہہ دیا میں نے ـــ اس ٹنڈے آلو کو تو لڑکی ملنی مشکل ہے ـــ آپ اپنے گھر میں بھولائیں، پہلے ہی دیر کر دی۔ آنٹی جی نے ہاں میں سر ہلایا کہ وہ تو خود یہی چاہتی ہیں مگر عزیزی اخطب نہیں مانتے ـــ کہتے ہیں گرلی ہی نہیں ـــ شاید کسی کے عشق میں گرفتار ہیں۔ اچھا خاصا عاقل بالغ آدمی ہے۔ بالکل نہیں اچھا لگا اس کے حوالے سے یہ جملہ سن کر۔"

اس نے تائید طلب نظروں سے سامعین کو دیکھا۔ جو فق چہرے سے تڑ تڑ زبان کو سن رہی تھیں۔

"بس جی یہ اہم گفتگو چل ہی رہی تھی کہ جناب خود تشریف لے آئے۔ دامن چھڑا کر جانا چاہتے تھے۔ مگر آگے کون تھا میں ـــ بقلم خود گھسیٹ لیا ساتھ، سنائیں چار باتیں کہ آج کل کے زمانے میں کون ذی ہوش بندہ عشق میں مبتلا ہوتا ہے پھر اس پر دنیا تیاگ دینے کا عزم ـــ بوڑھے والدین پر ترس نہیں آتا ـــ خالی بھاں بھاں کرتا گھر ـــ ایک صوفیہ دادی ہیں کچھ گھنٹے کی نشست میں تین جملے بولیں گی اور چھ سو بار کی اسمائل ـــ انکل اپنا دل خود ہی بہلائے رکھتے ہیں اور وہ گھر کا سب سے اسمارٹ گائے۔"

"آ ـــ آ ـــ آگے کیا ہوا اُف ـــ فیصلہ کیا ہوا؟" نوین کی دبی آواز نکلی۔

"آپ اتنی جلدی آ گئیں فیصلے تک۔ ابھی تو میرے سنہری الفاظ کا محض پیش لفظ آپ نے سنا ہے۔"

"پھر میں نے ایک تنقیدی مکالمہ ان محترمہ کے لیے بیان کیا۔ جس میں ان کی کم عقلی اور بدنصیبی کو موضوع بنایا۔ جو اتنے شان دار آدمی کو ٹھکرا رہی ہے اور ـــ"

"کیا کیا ـــ لڑکی کا نام بھی بتایا؟" نوین کی ہتھیلیوں سے پسینہ پھوٹا۔ نوال کا کیا بھروسہ ـــ وہ جبراً نکاح پڑھا دینے والے کسی فیوڈل لارڈ کی روح رکھتی تھی۔

"نہیں بتایا ـــ نہ ہی میں سننے میں انٹرسٹڈ تھی۔ ہونی کوئی احمق، بے وقوف پاگل ہو نہ ـــ" اس نے نفر سے کہا۔

"میرا ٹارگٹ اخطب اور ان کا اجڑا اجڑا گھر تھا۔ لو جی ـــ پھر میں نے ہاں کروا کے دم لیا۔"

"مطلب ـــ؟" زینت بیگم کے اڑے چہرے پر پہلی بار اضطراب آن رکا۔

"مطلب یہ کہ ـــ میں جس کام میں ہاتھ ڈالوں اور وہ پایۂ تکمیل تک نہ پہنچے ـــ ایسا کبھی ہوا تو نہیں ـــ" وہ داد طلب نگاہوں سے انہیں دیکھنے لگی۔ جو دھک دھک کرتے دل اور فق چہروں کے ساتھ جیسے ہوش کھونے والی تھیں۔

"منوا کر دم لیا۔"

"کون مان ـــ گیا؟" نوین کی آواز میں ٹھہراؤ سا آیا، جیسے اس نے سب کچھ سننے کے لیے خود کو تیار کر لیا ہو اور اسے پتا ہو کہ وہ اشتیاق احمد اور صوفیہ ہی کا نام لے گی۔

"کسے ماننا تھا؟" نوال نے لاپروائی سے انگلیاں چاٹیں۔ "دادا جان اور دادو جی تو میرے جملوں کا وار نہ سہ سکے، ڈھے گئے۔ ہاں تھوڑی محنت اخطب صاحب پر کرنی پڑی مگر نتیجے کے لیے محنت ضروری ہے۔ منوالیا ڈیٹس اٹ۔"

وہ برتن رکھنے کے لیے کچن کی جانب بڑھنے لگی۔ زبان اب بھی چل رہی تھی۔ پھر کچن میں آ کر لمبے لمبے سانس لیے۔ اللہ سے توبہ کی۔ اتنا بڑا جھوٹ کڑی در کڑی پہلی بار بولا تھا۔

کسی بھی قسم کی عملی کارروائی کے لیے سیاق و سباق سے آگاہی ضروری تھی اور کل کا ٹارگٹ یہی تھا۔ لیکن تب وجہ جو بھی رہی ہو۔ پہلا تیر ہدف پر جا کر لگا تھا۔

☼ ☼ ☼

"اوہ ـــ ہیلو ـــ دادا جان!" نوال کب سے اپنے نیم دائرے سے باہر جھانک رہی تھی۔ جیسے ہی اشتیاق احمد کو باہر نکلتے دیکھا، سرعت سے باہر نکل کر عین ان کے سامنے کھڑی ہو گئی۔

"اوہیلو ہائے!" وہ اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔

"یہ آپ کے لیے ـــ" نوال کے دونوں ہاتھ پشت پر بندھے تھے۔ دایاں ہاتھ آگے کیا اور سرخ گلاب ان کی جانب بڑھایا۔

"اوہ ڈیر ـــ" وہ گلاب تھامتے تھامتے خوشی و بے یقینی سے دوہرے ہو گئے۔ گلاب کو لمبے سانس سے سونگھا "میری ہمیشہ سے یہ خواہش تھی کہ کوئی لڑکی مجھے اس طرح سے سرِ راہ روک کر پھول دے۔" انہوں نے لہجہ حسرت ناک بنایا۔

"تو یہ ایک اور لیجیے۔" نوال نے ایک اور پھول بڑھایا۔

"اتنے عرصے سے یہاں آئی ہوئی ہوں۔ گھریا یونی ورسٹی ـــ بس بہت شور مچالوں تو میٹرو لے جاتی ہیں یا کبھی بازار ـــ وہ بھی تیر کی طرح مطلوبہ دکان میں گھستی ہیں۔ نہ ادھر دیکھتی ہیں نہ ادھر ـــ اور اگر جو میں ذرا ہاتھ پیر چلانا چاہوں تو دبوچ کر گھسیٹتی ہوئی ہانک کر گھر لے آتی ہیں۔ یہ جینا بھی کوئی جینا ہے؟" اس کا لہجہ دکھ سے چور چور ہو گیا۔

"تو تم کیا چاہتی ہو؟" سامع کا چہرہ بھی دکھ کا ترجمان بن گیا۔

"کہیں گھومنے چلیں؟" اس نے لچاتے ہوئے انداز میں ڈیلے گھمائے۔

"سی سائیڈ پر یا کسی پارک میں یا پزا کھانے ـــ یا۔"

"او ڈارلنگ! میری ہمیشہ کی خواہش تھی کہ میں کسی اچھی سی لڑکی کے ساتھ سی سائیڈ پر جاؤں اور بعد میں زبردست کھانا۔"

"تو پھر چلیں ـــ" نوال چہکی۔

"کب؟"

"آج ـــ بلکہ ابھی ـــ" وہ پوری تیاری سے ہی تو آئی تھی۔

"بس ـــ صوفیہ جیسی خاتون کے ساتھ رہ رہ کر میں

WWW.PAKSOCIETY.COM

نے تو اپنے جذبات پہ پہرہ بٹھا رکھا ہے۔" وہ مصنوعی حسرت سے شروع ہوئے۔ نوال نے سر ہلا کر تائید کی۔

"ایک بوتل میں دو اسٹرا ڈال کر۔۔۔" انہوں نے قصداً "جملہ ادھورا چھوڑا نوال کی پھیلی آنکھیں دیکھ لی تھیں "بلبلے بنانے کا جو مزہ ہے۔ وہ کسی اور میں کہاں؟ نوال کی ہنسی دور تک پھیل گئی جس میں اشتیاق احمد کا مشفق قہقہہ بھی شامل ہو گیا۔

"تم بہت اچھی بیٹی ہو۔" اشتیاق احمد نے اپنا ہاتھ دھیرے سے اس کے سر پر رکھا۔ "ویسی بیٹی جو رحمت لفظ کی عملی تصویر ہو۔ ضمیر بہت خوش قسمت ہے۔" ان کا لہجہ جذبے سے بھرپور تھا۔ نوال کا چہرہ کھل گیا۔

"حادثاتی معذوری کے بعد ضمیر خان خود کو دنیا کا بد قسمت انسان کہتے تھے۔ کتنی مشقتوں سے وہ اس ٹراما سے نکلے تھے۔ اس میں سب کا ہاتھ تھا ممی کا 'مشعال آپی کا گلال کا۔۔۔ لیکن سب سے آگے نوال تھی۔ اُس کی محبت توجہ یقین نے ٹوٹے شکست خوردہ روتے خود کو بد نصیب کہتے ضمیر خان کو اس بات پر مجبور کر دیا تھا کہ وہ ایک روز بے ساختہ کہہ اٹھے۔ وہ دنیا کے خوش قسمت انسان ہیں 'ظاہری معذوری کوئی معنی نہیں رکھتی۔

نوال جیسے کھو گئی۔ سوچ چہرے سے جھلکنے لگی تھی۔ اشتیاق احمد چہرہ پڑھ رہے تھے۔

"لیکن میں سوچ رہا ہوں۔۔۔ میں اپنے بڑے سے اہل خانہ کے ساتھ رہتے رہتے بجھ جاؤں گا۔ اور تم ان ڈل 'بے رنگ عورتوں کے ساتھ رہ رہ کر اگر خدانخواستہ ان جیسی ہو گئیں تو؟" انہوں نے جیسے جھرجھری لی۔

"ارے واہ خوامخواہ۔" نوال اپنی جون میں واپس لوٹی۔

"ہم تو وہ ہیں جو پانیوں کا رخ بدل دیں۔ لال جوڑا پہن لیں تو ہر طرف سرخی چھا جائے۔ سفید لبادہ ہو تو ہر جگہ نور برسے اور آپ کہتے ہیں۔۔۔ بی بریو دادا جان۔۔۔ ہم ان بڈھی روحوں جیسے نہیں ہوں گے۔ بلکہ وہ ہم جیسی ہوں گی۔ بدلنا ہمیں نہیں انہیں ہے۔ اور وہ بھی عنقریب۔۔۔"

اس کے جملے میں اقرار چڑھاؤ میں یقین اور قطعیت تھی۔

اشتیاق احمد نے اس کا شانہ تھپتھپایا تھا۔

☆ ☆ ☆

"بالکل الگ فطرت کے تھے ہم دونوں۔۔۔ میں ویسا ہی جیسا تمہیں آج نظر آتا ہوں اور وہ ویسا ہی جیسا تم سن چکی ہو یا سمجھ چکی ہو۔ ہم دونوں ایک دوسرے کا الٹ تھے۔ مگر کالس فیلو ہونے کے بعد جب روم میٹ بھی بن گئے تو لاکھ مختلف ہونے کے باوجود ایک دوسرے سے جڑ گئے۔ جیسے صبح اور شام ایک دوسرے کا الٹ ہوتے ہیں مگر آگے پیچھے چلتے ہیں جدا نہیں ہوتے ایک دوسرے کی سوچ کا احترام کرنے لگے۔ میں نے اسے اس کی تنگ ذہنی پر نہیں ٹوکا اور اس نے مجھے میری عادات سمیت قبول کر لیا۔ ہاں یہ تھا کہ ہم دونوں ایک دوسرے کی حد تک کبھی نہیں آئے۔

میری حرکتیں شرارت کے زمرے میں آتی تھیں اور اس کی عادات پرورش کا نتیجہ تھیں۔ وہ سخت پختون خاندان کی روایتوں میں پلا بڑھا تھا۔ اس کے دماغ میں ہر شے طے شدہ تھی اور ترمیم کی گنجائش نشتہ۔۔۔ اور دوستی کے رشتے میں ایک دوسرے کو بدلا نہیں جاتا قبول کیا جاتا ہے۔"

ساحل کی مست ہواؤں سے لطف اندوز ہوتے اشتیاق احمد اور نوال ہاتھوں سے ریت میں چھپی سیپیاں چن رہے تھے اور ساتھ ہی ماضی کے خوش کن لمحے بھی۔۔۔

"یونیورسٹی ختم ہوئی تو سب نے حسب روایت ایک دوسرے سے کبھی بھی تعلق نہ توڑنے کے عہد کیے۔ خط و کتابت کے لیے پتے کھنچ ہوئے۔ گھر اور محلے بھی ڈائری میں۔ نوٹ کیے گئے مگر کون کسی سے ملتا ہے۔ سب غم روزگار میں غرق ہو جائیں تو یاد اتنی بھی باقی نہیں رہتی۔

میرے معاملے میں بھی یہی ہوا۔ لیکن جب میں

بوجہ ٹرانسفر کراچی شفٹ ہوا تو میرا پڑوسی منیر خان تھا۔ عجیب حسن اتفاق تھا۔ ہم دونوں بہت خوش ہوئے۔ ثمر اس نے۔۔۔ واضح کر دیا کہ وہ اپنی سوچ اور عادتوں میں ویسا کا ویسا ہی ہے۔ مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑا۔ جلد ہی صوفیہ اور بھابھی بیگم میں دوستی کا اٹوٹ رشتہ تشکیل پا گیا۔ جو اور خوشی کی بات تھی۔ دونوں ایک دوسرے سے گھنٹوں باتیں کرتیں اور یہاں وہاں پائی جاتیں۔ میری جانب سے صوفیہ پر کوئی پابندی نہیں تھی۔ منیر بھی میرے گھر کسی بھی وقت آ سکتا تھا۔ جہاں دل چاہے بیٹھ سکتا تھا۔ مگر میرے لیے اس کے گھر میں مہمان خانہ تھا۔ جہاں مجھے دستک دے کر باقاعدہ آواز لگا کر جانا ہوتا اور مجھے کبھی برا نہیں لگا نہ صوفیہ کو۔۔۔ پھر پتا نہیں کیسے ایک دن خود ہی بھابھی بیگم کو الگ دسترخوان چننے کے بجائے مشترکہ ہی کہہ دیا۔ اتنا عرصہ لگایا اس نے مجھ پر اعتماد کرنے میں یا۔۔۔ بہرحال اس کی سوچ تھی۔ گھر اور خواتین کے حوالے سے اس کی مخصوص سوچ تھی۔ جس میں وہ ذرا ترمیم کرنے کو تیار نہیں تھا اور ضرورت بھی نہیں تھی کہ بھابھی بیگم جو ایک لبرل فوجی بیک گراؤنڈ والے گھر سے آئی تھیں۔ ایک ماڈرن پڑھا لکھا میکہ' وہ بھی شوہر کی خوشنودی کے لیے بلا چوں و چراں اس کے رنگ میں رنگ گئیں۔ میرے لیے دسترخوان ایک ہوا تھا۔ کامن روم کا دروازہ کھلا تھا لیکن میں نے پھر بھی ہمیشہ ایک ان دیکھی حد بندی کا پاس کیا۔

ہاں نوین کے معاملے میں 'میں نے اس کی کسی روایت کا پاس نہیں کیا۔ انعام اور اخطب کی دفعہ مجھے بیٹی کی خواہش تھی۔ یہ آگے پیچھے پیدا ہوئے تھے۔ مجھے لگتا میری بیٹی اللہ نے منیر خان کو دے دی ہے۔ اس کا نام بھی میں نے ہی رکھا۔ وہ مجھے اتنی پیاری تھی اتنی پیاری کہ رات کو اگر اس کے رونے کی آواز سنائی دے جاتی تو میں بلا جھجک آواز لگا کر پوچھ لیتا کہ وہ کیوں رو رہی ہے۔

میری بے لوث شدید محبت کے آگے وہ ہار مان گیا۔ میرے اور نوین کے بیچ سے نکل گیا۔ میں تینوں کے سامنے ہنستا صوفیہ اور بھابھی بیگم اور نوین کے آگے۔۔۔ "اچھا ہے' صحیح وقت پر عقل کے ساتھ باز آ گیا ورنہ ایک دن اسے درمیان سے ہٹنا ہی تھا۔"

اور وہ دن میرے خیالوں میں آباد تھا۔ جب میں اسے اپنے گھر لے آتا ہمیشہ کے لیے انعش کی ماں کی حادثاتی موت اور۔۔۔ انعام کا امریکہ جا کر نیا جہاں بنا لینا۔ انعام کی نئی دنیا میں ہمارا کوئی حصہ تھا ہی نہیں۔۔۔

میں اور منیر خان جگری دوست تھے۔ اپنی سوچ و عادات سے قطع نظر ہماری بہت سی عادات ایک جیسی تھیں۔ پسند ناپسند۔۔۔ اکثر ہم دونوں ایک دوسرے کے لیے ایک جیسے گفٹ اٹھا لاتے۔ رنگ تو رنگ کمپنی بھی ایک۔۔۔"

دونوں چلتے ہوئے بہت دور نکل آئے تھے۔ اشتیاق احمد ماضی میں کھوئے ہوئے تھے۔ چہرہ کبھی مسکراہٹ دیتا۔ کبھی اداسی کبھی خوشی بلعض اوقات لگتا وہ خود کلامی کر رہے ہیں۔ کھو جاتے۔۔۔ قصے میں بے ربطی آ جاتی۔

"بچوں کے معاملے میں سخت مزاج تھا قطعی۔۔۔ اور روایتی مرد تھا سو زیادہ توجہ اور دلچسپی نعمان خان کی جانب تھی۔ وہ کئی سال لاڈلا اکلوتا رہا تھا۔ وہ خود پسند بھی ہو گیا تھا۔ اسکول' گھر پڑھائی۔۔۔ ماں' بہن کے ساتھ گھلنے ملنے والی فطرت نہیں تھی اس کی۔۔۔ اور رہی نوین۔۔۔ بھولی بھالی سیدھی سادی بچی۔۔۔ گھر میں منیر کا رعب دبدبہ تھا۔ نعمان کی ضدی طبیعت اور ان کے پیچھے ہلکان ہوتی بھابھی بیگم۔۔۔

نوین جیسے دب گئی تھی۔ وہ گھر میں ہوتے ہوئے بھی نظر نہیں آتی تھی۔ گھڑی کی ٹک ٹک کی طرح اپنے دائرے میں گھومتی لڑکی۔۔۔ بے ضرر دیوار پر ٹنگی تصویر لیکن وہ تھی تو ناں۔۔۔ ایک جیتا جاگتا ذی شعور انسان جس کی اپنی شخصیت تھی' اپنی دلچسپیاں' اپنی دنیا۔ وہ اچھا پڑھتی۔۔۔ اچھا لکھتی' نظمیں کہتی۔ ہر نظم پر انعام لاتی۔

منیر کے سامنے ٹیچر نے مدح سرائی کی تو دو ٹوک لہجے میں بولا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

"میں اسے اسکول لکھنے پڑھنے، علم حاصل کرنے بھیجتا ہوں۔ آپ اسے کس راستے پر لے جا رہی ہیں۔" بچی وہیں کی وہیں دب گئی۔ کہاں تو ٹیچر اس کی نظمیں چھپوانے لگی تھیں۔ "نظمیں اور شعر وغیرہ تو وہ اب بھی کہتی ہیں۔ چھپا کر رکھتی ہیں۔ مگر میں اب انہیں چھپوا کر رہوں گی۔" خاموشی سے سنتی نوال نے تیزی سے کہا تھا۔

"جیسے وہ تو بڑا دے ہی دے گی۔" وہ نوین کو جانتے تھے۔

"تو ان سے مانگ کون رہا ہے۔" اس نے بے فکری سے ایک پتھر پاؤں سے اڑایا۔ "جو چیز مانگے سے نہ ملے اسے ہم چھین لیا کرتے ہیں۔" اس نے رعب دار سا لہجہ اپنایا۔

اشتیاق احمد نے اس کی بے فکری اور تیقن کو دلچسپی سے دیکھا۔ یہ خود اعتمادی کہاں سے آئی ہوگی۔ وہ ذرا سا سوچنے لگے۔ جواب نہ ملا تو پوچھ ہی لیا۔ نوال نے اچنبھے سے ان کی صورت دیکھی۔

"آسان سی بات ہے دادا جان! گھر کے مرد یعنی باپ بھائیوں نے اعتبار کیا ہو۔ اعتماد دیا ہو اور کبھی کسی دوسرے کی عزت پر ہاتھ نہ ڈالا ہو تو نتیجہ نوال ضمیر جیسی بیٹی کی صورت نکلتا ہے۔"

"یعنی اعتبار ضروری ہے؟"

"زندگی کے ہر معاملے میں اعتبار پہلی شرط ہے۔ باقی صفحے تو یونہی کالے کیے جاتے ہیں دفتری اندراج کے لیے۔" وہ ہنس دی۔

"آپ وہ رشتے والی بات بتائیے۔۔۔ مجھے صرف یہ معلوم ہوا ہے کہ نانا جان نے صاف انکار کر دیا تھا قطعی انکار جس میں گنجائش نام کو نہیں تھی۔ وہ دندناتے ہوئے گھر کے اندر گھوم رہے تھے اور کبھی پشتو میں اور کبھی اردو میں تیز لہجے میں کچھ کہتے تھے۔ جس کا ایک حرف کسی کے پلے نہیں پڑتا تھا۔"

"وہ۔۔۔" اشتیاق احمد نے لمبا سانس لیا۔ "تمہیں بتا رہا ہوں۔۔۔ یعنی تم وہ تھرڈ مین ہو گی جو اس اندر کی بات کو جانے گی۔ اب پتا نہیں صحیح کروں گا یا غلط۔"

"آپ تھرڈ امپائر کی اہمیت سے انکار نہیں کر سکتے۔ جب سب اپنا اپنا راگ سنا کر دعوے دار ہو جاتے ہیں کہ میں سچا۔۔۔ اور تو جھوٹا۔۔۔ تب تھرڈ مین کا کمال حرف آخر ہوتا ہے۔ آپ بس بتاتے جائیے۔" نوال مسکرائی۔ "اخطب ان لوگوں میں سے تھا جو جہاں ہوتے ہیں وہاں چھا جاتے ہیں۔ نوین نے یونی ورسٹی ختم کر لی تھی اور اب وہ گھر میں رہتی تھی۔ اخطب بھی فراغت کے بعد اب غم روزگار کی تلاش میں۔۔۔ اخطب کے باہر جانے کا معاملہ اٹھا تو مجھے خیال آیا۔ رشتہ دے کر اس کی موجودگی میں ہی یہ کام ہو جائے۔ میں اتنا بااعتماد اور بے فکر تھا کہ جیسے بس تاریخ مانگنی ہو اور میرج لان ڈیسائڈ کرنا ہو۔۔۔ باقی کسی بھی شرط یا فارملیٹی کی کوئی ضرورت ہی نہیں تھی۔ میرے دل میں، ہم گھر کے افراد میں بغیر کہے سنے طے تھا کہ نوین ہی کو ادھر آنا ہے۔

"تمہیں اس ظالم جادوگر کی قید سے چھڑانے کے لیے شہزادے کا والد آج آ ہی گیا؟" میں نے گھر میں داخل ہو کر سلام کے جواب میں کہا تھا۔ وہ پہلے کچھ سمجھی نہیں پھر شرمیلی مسکان لبوں پر بکھر گئی۔

"شیر کی کچھار میں شہزادے خود منہ دیا کرتے ہیں۔۔۔ والد کو تو میں نے آج تک جاتے نہیں سنا۔" اس کے مزاج میں شوخی و برجستگی تھی۔ جو ماحول کے باعث دبی دبی سی رہتی۔

"شہزادہ روایتوں کا پاس دار ہے لڑکی۔۔۔ وہ تو ننگی تلوار لیے آ رہا تھا۔ میں نے ہی اپنے ارمانوں کا واسطہ دیا۔ تمہارے ساتھ مل کر ہی تو آٹھ آٹھ آنے والی ساری کہانیاں اس نے پڑھی تھیں۔ کیا بھول گئیں۔"

اور وہ ہنستے ہوئے کچھ شرماتے ہوئے چلی گئی۔ مگر وہ کمرے کی کسی کھڑکی سے لگی کھڑی تھی۔ مجھے معلوم تھا۔ اور منیر نے۔۔۔ وہ خوشگوار موڈ میں تھا اور مجھے دوستوں کے ایک پرانے گروپ کے بارے میں بتا رہا تھا اور پھر ان کے حوالے سے یادوں پر قہقہے لگا رہا تھا جب مدعا سن کر۔" اشتیاق احمد رک سے گئے۔

"میں بھونچکا رہ گیا تھا نوال۔۔۔ وہ یوں کھڑا ہوا جیسے اسے بچھو نے ڈنک مار دیا ہو۔ اس کی سانس بھڑک اٹھی۔۔۔ نتھنے پھولنے پچکنے لگے۔ آنکھوں میں خون اتر آیا۔ اور اس نے میرا گریبان پکڑ لیا۔ وہ پتا نہیں کیا کہہ رہا تھا میں سن کم رہا تھا اور دیکھنے اور سمجھنے کی کوشش زیادہ کر رہا تھا۔ وہ مجھے نقب زن کہہ رہا تھا اور یہ کہ میں نے سوچ بھی کیسے لیا کہ ایک غیرت مند پختون کی بیٹی ایک سراسر غیر برادری میں دی جائے گی۔ غیر زبان غیر لوگ اور میں جو اسے ہمیشہ سے جانتا ہوں میں نے اس کا مذاق اڑانے کے لیے یہ شوشہ چھوڑا اور اس نے گھر میں گھسا کر بہت غلطی کی۔"

"ہم سب کی خوشی ہے منیر! بھڑک مت مار۔۔۔ ٹھنڈے دل سے سوچ، تجھے ہو کیا گیا ہے۔۔۔ دوست ہے، اس لیے دوستی کے نام پر اطلاع دینا چاہتا تھا۔ تیری بھابھی پورے چاؤ چونچلے، عزت احترام کے ساتھ آئے گی جیسے کسی کی بیٹی کا ہاتھ مانگنا چاہیے اس طور طریقے سے۔ جھولی پھیلا کر گڑگڑا کر مانگنے۔"

"روک کر رکھ اپنی بیوی کو۔۔۔ دوستی کے نام پر میرے منہ پر طمانچہ مارا۔۔۔ ایک پختون کے لیے یہی بہت بڑی گالی ہے کہ اس کی بیٹی کے لیے غیر جگہ سے رشتہ ہی کیوں آیا۔ اگر جو کوئی سنے تو تھو کے میرے منہ پر۔۔۔ اور یہ میں ہی ہوں جس نے صرف گریبان پکڑا ہے۔ یہی اگر میرے دادا پردادا ہوتے تو دونالی اب تک دیوار پر ننگی ہوتی، سمجھے! ہم بیٹیاں گھر میں بٹھا کر رکھ لیتے ہیں مگر کبھی غیروں کو نہیں دیتے۔"

بہت لمبی کہانی ہے بچے۔۔۔ وہ کہتا تھا اور میں حق دق سنتا تھا۔

وہ وہی تھا روایتی قبائلی پختون علم اور ڈگری اور شہری بود و باش نے صرف اس کے ظاہر کو بدلا تھا۔" اشتیاق احمد کا لہجہ مدہم اور دکھ سے بوجھل ہو گیا۔

"پھر اس نے نوین کے لیے دھڑا دھڑ رشتے دیکھنے شروع کیے۔ مگر ناکامی ہوئی۔ میں نے گریبان پکڑنے سے لے کر لعنت ملامت کے حصے تک حذف کر کے باقی دو جہات اخطب اور صوفیہ کو بتا ڈالیں اور کہا کہ تھوڑے کہے کو بہت جانیں۔۔۔ یہ بھی ایک لمبی مصیبت رہی۔ حقیقت بتائے بنا انہیں باز رکھنے کی کوشش۔۔۔ کہ بس یہ قصہ ختم۔۔۔ اخطب نے ناکام ہو کر اعلان کر دیا۔ "اسے شادی نوین ہی سے کرنا ہے۔۔۔ وہ نہیں تو کسی اور کا نام نہ لیا جائے۔" اور وہ اپنے عہد پر قائم ہے۔"

"لیکن اب تو نانا جان نہیں رہے۔ راستہ صاف ہے۔" نوال کی آواز کسی کنویں سے برآمد ہوئی۔ وہ ششدر تھی۔

"ہاں اب وہ نہیں رہا۔" اشتیاق احمد۔۔۔ زہر خند ہنسی ہنس دیے "مگر نوین ہے ناں؟"

کیا مطلب؟"

"اسی کی بیٹی ہے ناں۔" کہتی ہے جب ایک چیز کو میرے باپ نے پسند نہ کیا تو میں اب ان کے نہ ہونے پر اسے کیسے اپنا سکتی ہوں اور دنیا کی کوئی مثال۔۔۔ کوئی عقل۔۔۔ کوئی راہ اسے ضد کی اس راہ سے پلٹا نہیں سکتی۔ اسے شادی ہی نہیں کرنی۔ باپ کی روح کو شرمندہ نہیں کر سکتی۔ ادھر اخطب بیٹھا ہے اس کی ضد اور انکار کے پیڑ کو تناور دیکھنے کے لیے۔"

"پھر کیا نانا جان آپ سے کبھی نہیں ملے؟"

"نہیں وہ میرے گھر نہیں آیا اور نوین اور بھابھی بیگم نے بھی آنا چھوڑ دیا اور اخطب نے بھی۔۔۔ صوفیہ آتی جاتی تھی مگر منیر اس کا سامنا بھی نہ کرتا۔ سلام بھی نہ کرتا۔۔۔ نگاہ ملائے بغیر جواب دیتا تھا۔ ہم سات سال ایک دوسرے سے نہیں ملے۔"

"سات سال۔۔۔" نوال نے دہرایا۔ "لیکن وہ انعش تو آتا جاتا رہا ہاں ناں؟"

"ہاں وہ بچہ تھا اور منیر کا لاڈلا بھی۔۔۔"

"پتا ہے نعمان تک نے خالص امریکی انگلش میں نوین اور منیر خان کے فیصلے کو ربش قرار دیا تمہارے خاندان کی کتنی ہی لڑکیاں۔۔۔ اعلیٰ تعلیم کے بعد اعلیٰ عہدوں پر فائز ہیں اور اپنے من پسند پارٹنر کے ساتھ کامیاب زندگیاں گزار رہی ہیں۔ مگر نوین کے لیے کوئی مثال قابل تقلید نہیں۔ وہ ضد میں باپ سے بھی آگے

WWW.PAKSOCIETY.COM

ہے۔"
اشتیاق احمد اور نوال چلتے چلتے گاڑی تک آ گئے تھے۔ نوال قصے کی تفصیل سن کر گنگ تھی۔ وہ سو دلائل دے سکتی تھی۔ معرکے کر سکتی تھی مگر ابھی نہیں
"تمہیں ایک بات بتاؤں نوال!"
گاڑی گھر کے گیٹ پر روکتے ہوئے کھوئے سے لہجے میں اسے پکارا۔
"جس رات منیر موت و حیات کی کشمکش میں تھا۔ اس نے مجھے بلا کر کہا تھا۔
"یہ میری زندگی کی آخری شام ہے اشتیاق! تم سے معافی نہیں مانگوں گا' کیونکہ جانتا ہوں' تم عناد پالنے والے شخص ہو ہی نہیں۔۔۔ تمہیں لوگوں کو' رویوں کو' وجوہات کو انڈر اسٹینڈ کرنا آتا ہے۔ بس۔۔۔ میرے بعد۔۔۔ نوین کا دھیان رکھنا۔۔۔ تم سے اچھی اور کوئی اس کی دیکھ بھال نہیں کر سکتا۔ میں نے کوشش تو کی مگر وہ مجھ سے پوری نہ ہو سکی۔ تم سمجھ رہے ہو ناں۔ وہ۔۔۔ واقعی تمہاری بیٹی ہی تھی۔۔۔ میرے گھر غلطی سے آ گئی تم اپنی بیٹی واپس لے لو۔"
نوال کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔
"تت۔۔۔ تو یہ تو واضح پیغام تھا اقرار کا۔۔۔ تو پھر آپ کس چیز کا انتظار کر رہے ہیں؟" وہ چلائی۔ "جائیے اور ہاتھ پکڑ کر خالہ کو باہر لے آئیں۔"
نوال کے تو جسم میں چونٹیاں رینگنے لگیں کوئی گھڑی جاتی کہ وہ خود یہ کام کر گزرتی۔ اشتیاق احمد کے لبوں پر زخمی مسکان آ کر دم توڑ گئی۔ انہوں نے ٹھنڈی سانس بھری۔
"یہ اقرار اس نے صرف میرے سامنے کیا تھا۔ نوین وہاں موجود نہیں تھی۔ اسے صرف انکار یاد ہے اور وہ ہر شے بھلا چکی ہے؟"

☆ ☆ ☆

"آئی ایم ان لو۔۔۔ خالہ۔" بہت جھجکے' مدہم لہجے میں نگاہیں چرا کر یہ نوال ضمیر خان کا سا انداز تو نہیں تھا۔
وہ پڑھائی میں بے حد مصروف رہتی تھی۔ سب شوخیوں شرارتوں کے ساتھ۔
سنجیدہ ہو یا لاپرواہ مگر اس کی موجودگی گھر کے ہر حصے پر چھاپ چھوڑتی تھی۔ وہ گھر میں نہ ہوتی تو صاف پتا چل جاتا۔۔۔ گھر میں اگر کمرہ بند کر کے سوچ بھی رہی ہو تو ایک خوش کن احساس ہمراہ رہتا کہ یہیں کہیں ہے نوال ضمیر خان۔
مگر پچھلے کچھ دنوں سے بظاہر وہ سب کے درمیان تھی۔۔۔ وہی اس کے روزمرہ کے اعمال مگر پھر بھی ایک عجیب سا احساس کہ نوال نہیں ہے گم ہے' نے نوین کو مجبور کر دیا کہ وہ بے ساختہ پوچھ بیٹھی۔
"تمہیں کیا ہو گیا ہے نوال۔۔۔ تم میں کچھ تبدیلی سی محسوس کر رہی ہوں۔ بہت چپ چپ ہو کھوئی کھوئی سی۔۔۔ یہاں ہوتے ہوئے یہاں نہیں ہوتیں۔"
"آں۔۔۔ ہاں۔۔۔ نہیں خالہ! وہم ہے آپ کا۔" وہ چونکی ٹھٹکی اور مکر گئی۔
"اوں ہوں۔۔۔ نہ نظر کم ہے نہ عقل۔۔۔ صاف دکھ رہا ہے۔ یونیورسٹی میں کوئی پرابلم ہے۔ گھر یاد آ رہا ہے؟ کسی نے کچھ کہا؟"
نوال نے ہونٹ بھینچ کر نفی میں زور زور سے سر ہلا دیا۔
"بتانا نہیں چاہتیں۔ لیکن شاید کہہ دینے سے مسئلہ حل ہو جاتا۔"
نوال نے چونک کر سر اٹھایا اور اس کی آنکھوں میں جھانکتے رہنے کے بعد ایک بار پھر نفی میں سر ہلا دیا۔
"منہ سے بول دو نوال۔۔۔ کسی نے کچھ کہہ دیا ہے۔ ہماری کوئی بات بری لگی۔ انعشق نے کچھ کہا۔ لیکن تم انعشق کے کہنے سننے کو کب خاطر میں لاتی ہو۔ بلکہ موقع ڈھونڈتی ہو۔ وہ کچھ کہے اور تم نچے جھاڑ کر اس کے پیچھے پڑ جاؤ۔ سچی بات ہے کہ وہ تم سے بچ بچا کر چلتا ہے۔" نوین کے جملے کا اختتام مسکراہٹ پر ہوا۔
نوال نے مزید حد کر دی۔ جواب کے بجائے چہرے پر زخمی مسکان بکھیر دی کہ مقابل کا دل اتھل پتھل ہو

جائے۔ نوین کا بھی یہی حال ہوا ہاتھ پیر پھول گئے۔
"گھر یاد آ رہا ہے؟" اس نے پچکارا۔
"آپ نے کسی سے کبھی پیار کیا خالہ۔۔۔ میرا مطلب آپ کو کوئی اچھا لگا کبھی؟" اس نے ہونٹ مزید لٹکا کر جواب کے بجائے سوال جڑ دیا۔ اور نوین کے اڑتے رنگ سے نگاہیں چرا کر کہہ دیا۔
"آئی ایم ان۔۔۔ لو خالہ۔"
نوین کے دیوتا کوچ کر گئے۔ اسے اپنی سماعتوں پر شک ہوا۔
"کک۔۔۔ کک کون ہے۔ وہ وہاں۔۔۔ یونی ورسٹی میں۔۔۔" اس کا فوری دھیان ممکنہ جگہ پر گیا۔ "کلاس فیلو؟"
"لو خوامخواہ۔۔۔" اداس' دل گرفتہ جھجکی نوال بھڑکی۔ چمک کر بولی "وہاں ہے ہی کون۔۔۔ میرے کلاس فیلوز۔۔۔ ہنہ سات لڑکے ٹوٹل۔۔۔ جو صرف نام کو لڑکے ہیں۔ ایک انکل ہیں جو ڈگری لے کر سروس بک میں لگائیں گے تو سیلری بڑھے گی۔"
اسے آگ ہی لگ گئی۔
"ایک وکیل صاحب کو جرنلزم میں اسکوپ نظر آ رہا ہے۔ ایک اور انکل ہیں جو کراچی کے خراب حالات کے باعث بڑھاپے کی اکلوتی اولاد کو اکیلے یونی ورسٹی بھیجنے سے گھبراتے ہیں۔ سو انہوں نے ساتھ ہی ایڈمیشن لے لیا۔ اور جنہیں لینے اکثر آنٹی آتی ہیں۔ باقی رہ گئے دو رنڈوے۔۔۔ ایک لڑکا ہے' وہ اپنی بہن کے ساتھ آتا ہے۔ تو سب کو بہن ہی سمجھتا ہے۔"
اس نے سب کے بخیے ادھیڑ دیے۔
"تت۔۔۔ تو پھر کون؟" نوین ہکلائی۔
"کون ہو گا۔" نوال نے ہچکی بھری۔ "اخطب چاچا۔۔۔ اوہ۔" وہ گڑبڑائی "میرا مطلب ہے اس پورے محلے بلکہ اس شہر میں ان کے علاوہ اور کوئی ہے جس کے لیے لڑکی اپنے منہ سے کہہ دے کہ میں۔"
اس نے قصداً "جملہ ادھورا چھوڑا" ان کہتے ہوئے لہجے میں مٹھاس بھی گھل گئی تھی اور آنکھیں پٹپٹاتے ہوئے وہ واقعتاً "باربی ڈول ہی لگی تھی۔
نوین کا دل رکا اور پھر اتنی زور سے دھڑکا کہ اس نے سینے پر ہاتھ رکھ لیا۔
"تت۔۔۔ تو اب؟" وہ بہت دیر بعد لب کھول سکی۔
"تو کیا۔۔۔" نوال کہہ دینے کے بعد گویا اب شانت تھی۔ اپنے فطری جارحانہ انداز میں شانے اچکائے "وہ مجھے پہلی نظر میں اچھے لگے۔ پھر بہت اچھے لگنے لگے اور اب دنیا کی ہر شے زہر لگنے لگی ہے ماسوائے ان کے۔ صبح دوپہر شام ہر جگہ وہ ہی نظر آتے ہیں اور سچ فلموں میں جو کچھ ہوتا ہے ناں۔۔۔ وہ حقیقت میں بھی ہو جاتا ہے اگر آپ کو سچا پیار ہو۔" میں نے اس محبت کے کارن۔" اس نے ہچکی لی اور پلکیں زور زور سے جھپکیں۔ "ٹریفک سارجنٹ کو محبت پاش نظروں سے دیکھا کیونکہ وہ بھی سفید پینٹ میں تھا اور اس دن اخطب نے بھی سفید پینٹ پہنی تھی۔
مجھے زندگی میں پہلی بار جینٹلمین اچھا لگنے لگا۔ سفید وردی پہنا ہیرو۔۔۔ آہ۔۔۔" اسے جیسے خود پر افسوس تھا "مگر محبت کی مجبوریاں۔۔۔ محبت کی دی گئی ذلالت۔۔۔ آہ۔
میں نے پروفیسر غائب دماغ کا پونے دو گھنٹے کا لیکچر پلکیں جھپکائے بنا سن لیا۔ جو "چینلز کی بھرمار اور" اداکاروں کا فقدان جیسے اہم ٹاپک کو ڈسکس کرتے کرتے وینا ملک کی جامہ زیبی و خوش ذوقی۔ وسیم اکرم کی شادی اور مارننگ ہوسٹ میں طلاقوں کی بڑھتی شرح کی وجوہات پر سیر حاصل گفتگو کر رہے تھے اور آپ کو پتا ہے' وہ لیکچر کیسے دیتے ہیں۔ جیسے خود کلامی کر رہے ہوں مگر میں نے انہیں سنا ہے صرف اس لیے کہ ان کے پاس گاڑی کا وہی میک ہے "جوان" کے پاس ہے۔ یہ سب محبت نہیں ہے تو اور کیا ہے خالہ۔"
اس نے دونوں ہاتھوں سے نوین کے شانے جھنجھوڑ دیے جو سکتے کی سی کیفیت میں تھی۔ اس نے آئی ایم ان لو اور اخطب لفظ کے علاوہ جیسے اور کچھ سنا ہی نہیں تھا۔
"تت۔۔۔ تو اب تم کیا کرو گی؟"
"کرنا کیا ہے۔ ایسی ہی دو چار علامتیں اور ظاہر ہو

WWW.PAKSOCIETY.COM

لئیں تو صاف صاف جا کر کہہ دوں گی کہ۔" اب وہ زندگی میں پہلی بار شرمائی۔ زبان جو داب لی تھی۔

"خود ہی۔۔۔ کہہ دو گی؟" نوین نہیں جانتی تھی۔ وہ کیا کہہ رہی تھی۔ اس کے دل و دماغ میں جھکڑ چل رہے تھے۔

"ہاں تو خود ہی کہنا پڑتا ہے خالہ۔۔۔ خط کا زمانہ نہیں۔۔۔ اور فون پر کہوں تو ان کا چہرہ کیسے دیکھوں۔۔۔ آپ نے تو دیکھا ہے ناں خالہ۔۔۔ وہ کتنے خوب صورت ہیں۔ زندگی کا 75 حصہ انہیں دیکھتے ہوئے گزارا جا سکتا ہے۔ میں تو پہلی نظر میں۔۔۔ سمجھیں۔" اس نے دونوں آنکھیں بند کیں اور بیڈ پر گر سی گئی۔

"وہ۔۔۔ تم سے بہت بڑے نہیں ہیں؟"

"بالکل نہیں ہیں۔" وہ اچھل کر سیدھی ہوئی۔

"اور اگر ہوں بھی تو۔۔۔ محبت جمع تفریق سے الگ چیز ہوتی ہے۔"

"وہ۔۔۔ وہ مان جائیں گے؟"

"مجھے منوانا آتا ہے خالہ۔۔۔ بھلا کوئی محبت کو بھی انکار کرتا ہے۔" اس نے جیسے اس کی کم عقلی پر حظ اٹھایا تھا۔

"اور۔۔۔ اور ضمیر بھائی۔۔۔ اور باقی؟" نوال کے اظہار نے نوین کو زمین میں گاڑ دیا تھا۔ اس کے مصمم ارادے جیسے جملے ہر بار مٹھی بھر کے مٹی تھے۔ جن میں نوین کا وجود چھپتا ہی جا رہا تھا۔

ایسے بھی ہوتا ہے۔ ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟

اپنے انکار کے قلعے پر ہر روز ضد کی نئی دیوار کھڑی کرتے ہوئے ہاتھ کپکپاتے نہیں تھے۔ ہاں کا منتظر ایک شخص گردن اٹھائے ہر آن بلند ہوتی دیوار کو صبر سے دیکھتا تھا۔

وہ دشمن جان تھا مگر اس کی "نظر" ہمت تھی کہ وہ ہے اور دیکھ رہا ہے۔

یہ تو کبھی سوچا ہی نہیں کہ وہ اتنی بلندی سے جب ایک تسبیح نیچے جھانکے گی تو وہاں کوئی منتظر ہو گا ہی نہیں۔

ایسا خیال تو کبھی آیا ہی نہیں ایک روز وہ شخص نہیں ہو گا یا ہو گا تو الوداعی ہاتھ ہلاتے ہوئے یا فقط جتاتے ہوئے۔ یا سب سے دل چیر دینے والا خیال۔

"کسی اور کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر جاتے ہوئے۔"

آہ۔۔۔

"ضمیر اپنے ضمیر کے خلاف کبھی نہیں جاتا۔۔۔ اور نوال ضمیر کبھی وہ کام کرتی نہیں جس کی ضمیر اجازت نہ دے سکے۔"

کہہ دینے سے نوال اب ہلکی پھلکی دکھائی دیتی تھی۔ بڑے دنوں کی اداس کیفیت ختم ہو چکی تھی۔ اس نے اپنے مخصوص انداز میں بشاشت سے جواب دیا تھا۔ اس کی سنہری آنکھوں کی شفاف چمک عود کر آئی تھی۔ اس نے پوٹی کو کسا اور جست بھر کے باہر نکلی۔

نوین نے جبڑے بھینچ لیے۔ وہ اتنی بری طرح کپکپانے لگی تھی کہ لگتا تھا برف کی سل پر کھڑی ہو اور پلکیں آنکھیں رہی ہوں۔ کمال ہے۔

☆ ☆ ☆

زمانے گزرے اس دشمن جان کو روبرو دیکھے۔ اپنے اوپر کڑا پہرہ لگا لیا۔ خود سے نظر اٹھا کر دیکھنا چھوڑ دیا اور ساتھ ہی اس رستے کو بھی چھوڑ دیا جہاں سے گمان بھی گزرے کو وہ اسے دیکھ لے گا۔

نوین سات سال سے خود ساختہ نظر بندی کے ساتھ جی رہی تھی۔ تو ادھر بھی پاس اسیری۔۔۔ احترام اسیری کا پورا پورا خیال رکھا گیا تھا۔

رہو تم لاکھ پردوں کی اوٹ میں۔۔۔
کس نے کہا محبت کھلی آنکھوں سے دیکھنے کا تماشا ہے۔

اور محبوب کا روبرو ہونا شرط ہے۔
محبت پٹی بندھی آنکھوں کے ساتھ اونچے نیچے راستوں، گھاٹیوں، کانٹوں کا سفر ہے۔
نہ بھٹکتے نہ گرتے ہیں نہ راہ بدلتے ہیں۔
نشانِ منزل ہو نہ ہو۔۔۔ راہ نما کا ساتھ ملے نہ ملے۔
منزل کبھی کھوٹی نہیں ہوتی

اور یہاں تو بس یہ ہوا تھا کہ نوین منیر خان چھپ کر بیٹھی تھی۔ مگر وہاں موجود تو تھی۔

محبت کے لیے یہ احساس کافی تھا کہ محبت دیوار کے اس پار ہے۔

اخطب کی طمانیت کی حد کوئی نہ۔۔۔

لیکن۔۔۔ نوین منیر خان کا چین رخصت ہوا۔ قرار ختم۔

وہ وہیں ہے اور کہیں نہیں جانے والی۔۔۔ یہ اخطب اشتیاق کی بے فکری تھی۔

وہ بھی وہیں ہے۔۔۔ لیکن اب شاید وہاں نہ رہے۔ نوین منیر خان کا غم

ہاں نوین منیر خان۔۔۔ تم نے قسم کھائی تھی۔ وہ نہیں ملا تو کسی اور کو بھی قبول نہیں کرو گی۔ تم نے اسے تو ایسے کسی پیمان میں نہیں باندھا۔ وہ تو آزاد ہے۔

زمانے گزرے اس سے مکالمہ کیے ہوئے اور جب بات ہوتی تھی تو کیا؟ آتے جاتے، چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے، بس ایک دوسرے کو دیکھتے ہی تو تھے۔

وہ کن اکھیوں سے دیکھ لیتا تھا۔ یہ جان جاتی۔

کبھی اپنے مردانہ زعم میں آنکھوں میں جھانک لیتا تو جھیل جاتی یا پلکیں گرا کر سانسیں بحال کرتی۔ بس اتنی سی تھی جان پہچان کی کہانی۔

اور اس اتنی سی آشنائی نے زندگی کو اتنا مشکل بنا دیا۔

اگر جو عہد و پیمان کیے ہوتے تب؟

"ہاں تو پھر ٹھیک ہے۔" رات کے سناٹے میں خود شناسی کے مراحل سے گزرتے ہوئے نوین نے اپنے نہ تھمنے والے آنسوؤں کو رگڑا۔ "جب ایسا کچھ تھا ہی نہیں۔۔۔ تو حق ہے تمہیں اپنے لیے نئے راستے تلاش لو اور خوش رہو۔۔۔ میں خود پر جبر کر رہی ہوں۔۔۔ تمہیں کون کہتا ہے کہ تم صبر سے میری حد کا انتظار کرو۔ اچھی ہے بہت اچھی ہے نوال۔۔۔"

وہ با آواز خود سے ہمکلام تھی۔ بولتے بولتے آنسو رکاوٹ بنتے تو گلے میں آنسوؤں کا پھندا بن جاتا، ہچکی پر ہچکی۔۔۔ وہ کبھی سختی سے انگلیاں گالوں پر رگڑتی۔۔۔ کبھی ہتھیلی کی پشت۔۔۔ کبھی گھٹنوں میں سر دے کر جیسے ہار جاتی۔

اخطب اور نوال کے چہرے گڈمڈ ہوئے۔

نوال کے رنگ ڈھنگ۔

نوال نے اپنے سارے مخصوص لباس جیسے کہیں پھینک دیے تھے۔ جاگرز، بدشکل بوٹ، آوٹ پٹانگ شرٹس۔۔۔ ٹائٹس اور جینز۔۔۔

چوڑی دار پاجاموں کے ساتھ کرتے اور لمبی قمیصیں۔۔۔ بڑے دوپٹے، چنے دوپٹے۔

زینت بیگم کی خوشی کی حد نہ رہی۔ اس نے ان سے کہا۔

"آپ ہی تو کہتی تھیں۔ ایسے رہا کروں۔۔۔"

البتہ نوین کے سوالیہ استعجاب پر۔۔۔ مینا کماری کو مات دیتے ہوئے وہ شرمائی۔ دوپٹے کا پلو دانتوں میں دابا (بعد میں دیکھا تو وہ جگہ جگہ سے چبا ہوا تھا۔ دراصل وہ جانتی نہیں تھی۔ شرماتے ہوئے صرف دانت میں دابنے کو شو کرنا ہوتا ہے، دانتوں سے اس کا ناس نہیں مارتے)

"انہیں مشرقی حلیے کی لڑکیاں پسند ہیں خالہ! تو میں نے سوچا کہ۔۔۔ مجھے ایسے ہی رہنا چاہیے۔"

نوال بھاڑ منہ کھول کر ہنسنے کے بجائے نظریں جھکا کر ہونٹوں پر ہاتھ رکھ کے مسکرائی۔

"یہ تم سے اس نے کہا؟" نوین نے لہجہ سرسری

WWW.PAKSOCIETY.COM

بنایا۔
"نہیں ..... وہ منہ سے کب کچھ کہتے ہیں مگر میرا تو فرض ہے ناں کہ میں ویسی بنوں جیسی وہ پسند کرتے ہیں۔"

"تمہارے کیریر کا کیا ہوگا نوال!"
"لو تو وہ کوئی مجھے پڑھنے سے روکیں گے تھوڑی ..... اب تو وہ مجھے یونیورسٹی بھی چھوڑنے کا کہہ رہے ہیں کہ میں صبح کہاں خوار ہوتی ہوں' وہ جاتے ہوئے چھوڑ دیں گے۔"

بڑے بہانوں سے اخطب چاچا کی باقاعدہ منت کی تھی۔ اگر آپ مجھے دو تین ہفتے چھوڑ دیں۔ دراصل مجھے تھرڈ پریڈ میں جانا ہوگا اور ٹریفک کا انتشار ہو جاتا ہے بس میں لٹکنے کی جگہ بھی نہیں ملتی۔

چنگ چی بھی خالی نہیں ملتے ..... چنگ چی والا کہنے لگا' میرے موٹر سائیکل پر پیچھے میری طرح ہی بیٹھ کر چلی چلو۔" اس نے از حد معصومیت سے پلکیں پٹپٹائیں۔

اخطب سارا قصہ بھول گئے۔ دھاڑ لگائی۔
"تھا کون وہ چنگ جی والا .....؟"

☆ ☆ ☆

نوال اپنی سرگرمیوں میں مصروف تھی۔ پڑھائی اور پھر ڈراما ..... جس کی کرتا دھرتا وہ خود تھی۔ سارے کردار ہی اسے خود بنانے تھے۔ ایکٹر ..... ڈائریکٹر ..... رائٹر

اسے کسی اور چیز کی ہوش ہی نہ تھی۔

بے خود کو اس سے بہت سی شکایتیں تھیں۔ موبائل لے کر دینے والا وعدہ پورا نہ کیا ..... اور سب سے بڑھ کر بقر عید سر پہ آگئی۔ مگر نوال کی جانب سے کوئی گرم جوشی ہی نہیں۔

"اشتیاق دادا جان لے کر آجائیں گے جانور۔"
"لیکن ہم خود کیوں نہیں لائیں گے ..... جیسے پچھلی بار لائے تھے۔" بے خود کی زندگی کا ناقابل فراموش واقعہ تھا وہ۔

"بھئی۔ اس وقت تو اس انخفش سے انتقام لینا تھا ناں ..... اور پھر چانس لگ گیا تھا۔ اب اس بار تو دادا جان ہیں ناں ..... میں ان سے کہوں گی۔ تمہیں لانڈی ساتھ لے کر جائیں۔"

"تو آپ بھی تو ساتھ چلنا ناں ....." وہ بضد ہوا۔
"میں مصروف ہوں بے خود ..... ! میں بہت بڑے بڑے کام کر رہی ہوں' تم سوچ بھی نہیں سکتے۔" اس کے چہرے کے قریب منہ کر کے اس نے پراسراریت سے کہا۔

بے خود کی آنکھیں پھیلیں۔ "تو مجھے کیوں نہیں ملایا؟" وہ دھاڑیں مار کر رونے والا ہو گیا۔

"ابھی تمہاری باری نہیں آئی۔ تم بس دعا کرو میں کامیاب ہو جاؤں۔ پھر تمہارا نمبر آئے گا کام ہی کام۔"

دو دن بعد وہ پھر حاضر تھا۔ "انخفش بھائی جان کے جانور آگئے ہیں۔"

"تو ہمارے کیوں نہیں آئے؟" نوال چونکی۔
"وہ تو صرف دو بکرے ہوں گے ناں' دادا جان بولتے ہیں۔ دو تین روز پہلے ہی لائیں گے۔"

"تو وہاں کیا آیا ہے؟"
"دو بیلوں کی جوڑی ہے۔ ابھی باہر ٹینٹ لگے گا۔ پھر انخفش بھائی اس کی سجاوٹ کرے گا۔ دو دن بعد پھر سب کو بلا کر جانور دکھائے گا۔ ابھی تو کہیں رکھوا کر آئے ہیں۔" بے خود بہت اداس تھا اور جانوروں کے لیے بے چین بھی .....

"پچھلی بار تو ایسے نہیں کیا تھا۔" وہ سوچنے لگی۔
"تو وہ سب گھر والے حج پر گئے تھے۔ پیچھے اکیلا انخفش بھائی تھا تو اس لیے۔"

"اوہ ....." نوال نے آنکھیں گھمائیں۔
"ٹھیک ہے ..... تم رونے والی صورت مت بناؤ ..... آج نہیں تو کل ہم جانور دیکھ ہی لیں گے۔" اس نے پچکارا۔

وہ بھی سر ہلانے لگا۔ دل البتہ بجھا بجھا سا ہی تھا۔

☆ ☆ ☆

"حملہ کرنے کے اصول ہوتے ہیں اور اگر ارادہ

جیت کا ہو۔ تو پھر چاروں جانب سے گھات لگا کر باقاعدہ منصوبہ بندی سے ہر قدم اٹھانا ہوتا ہے۔ پھر چوکنا سے چوکنا بندہ بھی دام میں آجاتا ہے اور ان کی بے خبری تو آج کل عروج پر ہے۔" رات میں نوال گلال سے اسکائپ پر گفتگو کر رہی تھی۔

"وہ اداس' ویران صورت' خالی آنکھیں بے یقینی کی تصویر ..... اتنی غم زدہ ہیں کہ غم غلط کرنے کو نہ تو اولڈ گانے سنتی ہیں اور نہ وہ کلیجہ شق کر دینے والی شاعری کر رہی ہیں۔ بھٹکی روح بن کر گھومتی ہیں۔ ٹھنڈی آہیں بھرتی ہیں۔ مجھے تو سچ بعض اوقات ترس آجاتا ہے۔"

منہ سے کچھ نہیں کہتیں ..... اور ان ہی کو کیا دوش ..... وہ جو دوسرے ہیں جناب اخطب چاچا' میرے جیسی حسین ..... لڑکی کے ہمراہ بیٹھ کر بھی ناک کی سیدھ میں چلتے ہیں۔ مجھے نہیں لگتا انہیں پتا ہے کہ میری آنکھیں سنہری ہیں یا بھینگی۔ ہونہہ۔" اس نے گلال کو آنکھیں بھینگی کر کے دکھائیں۔

گلال جھرجھری لے کر ہنس دی۔ اتنی مضحکہ خیز صورت۔

"اتنی پاکیزہ محبت تو 1616ء میں بھی نہیں کی جاتی ہوگی۔ اللہ توبہ۔" اس نے منہ بنا لیا۔

"اخطب صاحب کو نہیں پتا کہ تم ان کی ناک کے نیچے کیا کھیل رہی ہو۔"

"لو جی ..... ناک کے نیچے کی کیا بات ..... میں ان کے سامنے وینا ملک کی طرح ڈائننگ ٹیبل پر چڑھ کر رقص بھی شروع کر دوں تو انہیں پتا نہ چلے ..... میں نے کہا ناں ..... وہ عشق کی اس منزل پر ہیں جہاں سے بس ایک صدا آتی ہے۔

تجھے دیکھا ہے۔ اب بھلے تیشہ لے کر آنکھیں پھوڑ دے۔

نوال نے جل کر کہا۔
"تم لوگ پہنچ جاؤ گے ناں .....؟"
"ہاں کل سیٹس کنفرم ہوں گی ..... نانو کو تو ہماری آمد کا سبب پتا ہے ناں؟"

"نانو کو پتا ہے مگر انتا اور ویسا ہی جیسا میں ضروری سمجھوں گی۔ ہاں خالہ جانتی ہیں' میرے ڈیڈ میری خاطر "ان" سے ملنے آرہے ہیں۔ تین دن سے بی پی لو چل رہا ہے۔" وہ لاپروائی سے کہہ رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

نوال کے موبائل کا چارجر خراب ہو گیا تھا۔ وہ گھر بھر سے پرانے چارجرز کا ڈھیر اکٹھا کر کے بیٹھی تھی۔ ہر چارجر سے صحیح اور قابل استعمال چیز نکال کر اسے فوری طور پر ایک نیا چارجر بنانا تھا۔

ذرا فاصلے پر انخفش انعام براجمان تھا۔ کیونکہ نوین اس کے گھر جاتی نہیں تھی سو وہ اپنے قدموں چل کر اپنی خیریت بتانے آیا تھا۔ ہاتھ کا پلاستر کھل گیا تھا۔ فزیوتھراپسٹ کے پاس جانا تھا کچھ دن تک ..... البتہ ٹانگ ہنوز پلستر میں جکڑی ہوئی تھی۔

نوال کو دھیان آیا۔ جس دن سے وہ اسی حال میں تھا۔ کھلے پائنچے کی برمودا (گھٹنوں تک کا نیکر) میں ملبوس ہوا کرتا تھا۔ اوپر ٹی شرٹ یونی ورسٹی جاتے وقت بھی یہی حلیہ ..... ہاں یونی ورسٹی والے برمودا کی لمبائی گھٹنوں سے نیچے ہوتی تھی۔

"کیا ضرورت ہے ..... اتنی محنت کرنے کی ..... ڈیڑھ سو روپے کا نیا چارجر ملتا ہے۔ بے خود کو بھیج کر منگوا سکتے ہیں۔ مگر نہیں جی۔ ہم نے تو اپنی مہارت دکھانی ہے۔ موقع کیسے جانے دیں۔"

یہ بات نوال بخوبی جانتی تھی۔ مگر ایک تو اس کا موبائل بند ہو گیا تھا دوسرے وہ کسی چکر میں یہاں بیٹھی تھی۔ (نعمان بھائی کی امریکہ سے کال کسی بھی وقت متوقع تھی)

"ضرورت کی بھی خوب کہی ..... انسان کب سمجھتا ہے اپنی اصل ضرورتوں کو۔ ایک تو ایکسیڈنٹ کروا کے شاندار One Two five کا بیڑا غرق کیا۔ دوسرے عرصہ دراز سے ناکارہ ہو کر گھر میں پڑے ہو۔ لباس کے نام پر نیا خرچ ..... ان برمودا اور شارٹس سے بھر لیں تم نے الماریاں ..... ضرورت ہی کیا تھی۔ سب پرانی شلواروں کے پائنچوں کی سلائی گھٹنوں

WWW.PAKSOCIETY.COM

تک کھول لیتے۔ یہ کڑا وقت بھی گزر جاتا اور بچت کی بچت۔" اس نے حساب برابر کیا۔

انخفش اول تو سمجھا نہیں پھر شاید تصور کی آنکھ سے خود کو دیکھا اور سمجھا تو چہرہ لال بھبھوکا ہو گیا لیکن اس سے پہلے کہ منہ کھولتا نوال نے لب کھولے۔

"پائنچے کی سلائی کھولنی نہیں آتی تو۔۔۔ گھٹنے تک شلوار کاٹ لیتے کیوں خالہ۔۔۔ آپ نے تو اولڈ انڈین اور پاکستانی فلموں کے ہیرو دیکھ رکھے ہوں گے۔۔۔ بس وہی حلیہ بن جاتا اور تمہارے ہونٹ مارے خوشی ہی کے کپکپا رہے ہوں گے؟ ہے ناں کہاں تم۔۔۔ اور کہاں دلیپ کمار اور ندیم اور علاؤالدین جیسے مہان کلاکار 'ویسے وزن کم کر کے شیو بڑھا لو اور قلمیں الٹے سوالیہ نشان کی طرح رکھ لو تو تھوڑی بہت مشابہت آ ہی جائے۔"

وہ ہر بار اسے بولنے کا موقع دیے بغیر خود ہی شروع ہو رہی تھی اور ہر بار نئی لن ترانی۔۔۔

وہ مٹھیاں بھینچا کھڑا ہوا ہی تھا کہ ریسور کان سے لگائے زینت بیگم کی ہلکی سی چیخ سنائی دی۔۔۔ ان کے ہونٹ کپکپا رہے تھے۔ ایک ہاتھ دل پر دھرا تھا۔ اور عجب شادیٔ مرگ کے عالم میں وہ سن رہی تھیں۔ یہ تینوں ہی ان کی طرف بھاگے۔

"نو۔۔۔ ما۔۔۔ ن۔۔۔ آ رہا ہے عید پر 'بیوی بچوں کے ساتھ۔"

"نعمان بھائی!" نوین کے منہ سے جملہ اور آنکھ سے آنسو ایک ساتھ ہی برآمد ہوئے۔ وہ فرط مسرت سے ماں سے لپٹ گئی۔

انخفش کو بھی بھول گیا۔ ابھی اس کی کتنی گت بنائی تھی نوال نے۔۔۔

نوال نے چارجر لگا کر دیکھا۔ ریڈ بلب آن ہو گیا تھا۔ یعنی الرٹ۔۔۔

او کے (سب کچھ پلان کے مطابق اب تک ٹھیک جا رہا تھا)

☆ ☆ ☆

"کیا پہلے بھی ایسے ہی کرتا تھا؟" نوال کا اشارہ ٹینٹ اندر کی گئی سجاوٹ کی جانب تھا۔

"ہاں۔۔۔ مگر اس بار تو حد ہی کر دی ہے۔" بے خود حاسد نگاہ سے ہر چیز کو دیکھتا تھا۔ "اللہ پوچھے گا۔ قربانی کا مطلب ایسے تو نہیں ہوتا ناں۔"

وہ انخفش کو گناہ گار ثابت کرنا چاہتا تھا۔ نوال نے سر زور زور سے ہلا کر تائید کی۔ بے خود کے چہرے کی حد تک سکون پھیلا۔

"تم۔۔۔ تم بھی اندر جا کر بیٹھ جاؤ ناں۔۔۔" (دونوں ایک جھری سے اندر دیکھ رہے تھے)

"وہ نہیں بیٹھنے دے گا۔" بے خود بولا۔

بے حد خوب صورت 'سفید براق 'تندرست 'توانا بیلوں کی جوڑی۔ اتنے خوب صورت جانور تھے کہ نظر ٹھہرنی مشکل تھی۔ ان کی سب سے نمایاں خوبی ان کا ہم شکل ہونا تھا۔ دونوں کے چاروں پاؤں 'کھر سے ایک بالشت اوپر تک سیاہ تھے۔

بڑی بڑی آنکھیں اور حد سے زیادہ معصوم چہرے۔۔۔ ان کے قد چھوٹے تھے اور جسم بے حد توانا۔۔۔ چلو یہ تو اللہ کی صناعی تھی۔

اب آگے انخفش صاحب کی کارکردگی۔۔۔ اس نے شامیانے کے اندر کرسیاں لگوا رکھی تھیں۔ درمیان میں ریڈ کارپٹ بچھا تھا۔ جس پر بیل کو واک بھی کروائی جاتی تھی۔ بیلوں کو چلتا دیکھنا بہت دلچسپ تھا۔ ان سے اپنا بوجھ اٹھانا مشکل تھا۔ وہ یوں چلتے تھے جیسے منوں بوجھ لدا ہو۔ مغرور۔۔۔ ارد گرد سے بے نیاز۔۔۔ دھرتی کا بوجھ سا لگتے تھے۔

ٹھنڈے پانی کے کولر۔۔۔ پنکھے اور قمقموں کی سجاوٹ بہت اعلیٰ۔

فوٹو سیشن ہو چکا تھا۔ بے زار لالا اور اخطب نے دو سیکورٹی گارڈز کا بندوبست بھی کر دیا۔ بیلوں کی نمائش صرف چار سے سات بجے ہوتی۔ وہ بھی انخفش کے زیر نگرانی۔۔۔ وہ دونوں بیلوں کے درمیان ان ہی جیسی مغرور 'خفا خفا سی چال چلتا ہوا ان ہی کا تیسرا بھائی معلوم ہوتا۔

اگر جو ماتھے پر ستاروں سے سجی سرخ تکونی پٹی باندھ

بیلوں کی سجاوٹ اور انداز کے مغرور تاثر سے یوں لگتا جیسے تک چڑھا دولہا اسٹیج پر براجمان ہو اور سالیوں کے کسی مذاق پر بھی اسے ہنسی نہ آتی ہو۔ دفع۔۔۔

"تم کیا چاہتے ہو بے خود؟" اس نے سیدھا سوال پوچھا۔

"میں۔۔۔ میں بس یہ چاہتا ہوں 'ہر وقت ان بیلوں کے ساتھ بیٹھا رہوں۔ مگر وہ سیکورٹی گارڈ مجھے گھسنے بھی نہیں دیتا۔ دادا (بے زار خان) بھی نہیں جانے دیتے۔"

وہ روہانسا ہو گیا۔

"اچھا میں کہوں گی انخفش سے۔" نوال نے تشفی کروائی۔

"ہمارے بکرے بھی نہیں آئے۔" وہ رونے ہی لگا۔ "کب آئیں گے؟"

"اب نعمان بھائی ہی لائیں گے۔ وہ آ رہے ہیں پرسوں۔۔۔"

"مجھے بھی ساتھ لے کر جائیں گے؟ اور آپ بھی چلیں گی؟"

"تمہیں لازمی لے کر جائیں گے۔۔۔ میرا البتہ مشکل ہے۔ میں بہت ضروری مشن پر ہوں بے خود۔۔۔ بہت زیادہ ضروری ہے۔"

اس نے اس کے کندھے پر تھپکی دی۔ وہ اس کا اترا چہرہ تو درست نہ ہوا مگر سر ہلانے لگا۔

☆ ☆ ☆

ڈرائنگ روم کی رونق عروج پر تھی۔ خالی گھر بھر چکا تھا۔

ضمیر خان بمعہ اہل و اعیال۔

نعمان خان۔۔۔ امریکی بیوی بچوں کے ہمراہ۔

اور ابھی ابھی آ کر بیٹھے اشتیاق احمد 'صوفیہ اور انخفش۔۔۔ ان کے ہمراہ ڈھیروں مٹھائی اور فروٹس کے ٹوکرے تھے۔ کچھ گفٹ پیکس بھی۔۔۔

اس نے نعمان خان کو سب کچھ تفصیل سے بتا دیا تھا اور سمجھا دیا تھا۔ گلال بھی واقف حال تھی۔

نعمان نے آج صبح لان میں ٹوتھ برش کرتے ہوئے جب وہ صبح سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ پاکستانی اور قبائلی روایات کو بھی اسی گھاس کی طرح روند دیا جس پر وہ چل رہے تھے۔ بڑے مزے سے اشتیاق انکل کو مخاطب کیا اور پوچھا۔

"وہ پرپوزل لے کر شام ہی کو کیوں نہیں آ جاتے۔۔۔ اور انہیں کوئی اعتراض نہیں۔۔۔ پہلے ہی دیر ہو گئی ہے۔"

زینت بیگم کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ "کوئی اپنے منہ سے بھی ایسے کہتا ہے۔"

مگر نوال کو بڑا مزہ آیا۔ بعض معاملات میں امریکی ہونا زبردست ہوتا ہے یہاں سب یہ جانتے تھے کہ آج اخطب اور نوین کا نکاح کر دیا جائے گا۔ ماسوائے نوین کے۔۔۔

(آج اخطب اور نوال کا رشتہ طے ہونا ہے۔ نوین کی خبر یہ تھی)

وہ دل پر صبر کا پتھر رکھے۔۔۔ ہونٹوں پر ایثار پسندانہ مسکان لیے خود کو کاموں میں الجھائے ہوئے تھی۔ یہاں کسی کو اس کی پروا نہیں تھی۔ ہر جگہ نوال ہی کا ذکر تھا۔ جو شام ہی سے لال سرخ جوڑا چڑھا کر بیٹھ گئی تھی۔ لال سرخی بھی لگالی۔

ایک دو سیر ابندہ بھی نوال سے زیادہ ایکسائیٹڈ اور تیار شیار تھا۔ وہ تھی نعمان کی امریکی موٹی بیوی۔۔۔ وہ پہلی بار پاکستان آئی تھی اور اس نے خود ہی سے فرض کر لیا تھا کہ اسے دلہن کی طرح رہنا ہے۔

اس نے کسی برائیڈل شاپ سے پانچ سات بھاری کامدار جوڑے خرید لیے تھے۔ جنہیں وہ صبح اٹھ کر نہاتے ہی پہن لیتی۔ اپنے دس دس سال کے بیٹوں کا بھی کوئی خیال نہیں۔

زینت بیگم کے دیے زیور بھی تن پر سجے ہوتے۔ جس میں ماتھا پٹی 'گلوبند اور جھمکے سب شامل تھے۔

اس وقت بھی وہ میرون لہنگے میں سارے زیورات کے ساتھ سب کی توجہ کا مرکز تھی۔ نیلی سمندر آنکھوں کے پپوٹوں پر ڈارک میرون آئی کلر

WWW.PAKSOCIETY.COM

تھا۔ گال اور ہونٹ بھی۔۔۔

دونوں بچے ماں کے دائیں بائیں بیٹھ جاتے اور چہرے کے تاثرات یوں ہوتے جیسے یہ فخریہ پیش کش ہماری طرف سے ہے۔

نوال نے نوین کو بھی اپنے جیسا سرخ کام دار سوٹ پہنا دیا تھا۔

"میری خوشی کے لیے خالہ۔۔۔ بس مجھے اچھا لگ گیا۔ اور آپ کون سی ابھی بوڑھی ہیں۔۔۔ کیا آپ میری خاطر یہ بھی نہیں کر سکتیں۔"

اور نوین نے عہد کیا تھا۔ وہ اپنے کسی بھی عمل سے بھنک بھی نہیں پڑنے دے گی کہ۔۔۔ اور پھر اس وقت نوال کی خاطر وہ بہت کچھ پہنے بیٹھی تھی۔

نوال کا پلان بے عیب تھا۔ لیکن نوین جیتا جاگتا انسان تھی اور نکاح کے وقت وہ اس کے منہ پر پٹی تو باندھ نہیں سکتی۔ جب ماں راضی۔۔۔ بھائی راضی۔ گردو پیش کا ہر بندہ راضی۔۔۔ اور راضی لڑکی بھی تھی مگر فضول کی ضد۔ بلاوجہ کی بحث۔۔۔ زندگی برباد کرنے کا عزم۔ ہنہ۔۔۔

آخری پل میں نوال کے ہاتھ پیر پھولنے لگے۔

ٹینشن کے عالم میں ہر بندے کو اپنا باپ ہی یاد آتا ہے۔ نوال کا دل کرلایا۔

"ڈیڈ۔۔۔!" اگلے ہی پل وہ ڈیڈ کے روبرو تھی اور پھر منہ کاٹیپ ریکارڈ تڑتڑ بج رہا تھا

ممی اور ڈیڈ کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

"وہ جیتا جاگتا انسان ہے نوال۔۔۔ تم نے اسے پرزہ سمجھ لیا۔ غلط تار جوڑنے سے تو ویسے ہی دھماکا ہو جاتا ہے تم۔۔۔"

"میں صحیح تار جوڑ رہی ہوں ڈیڈ!"

"مگر طریقہ غلط ہے۔" وہ تیزی سے بولے۔

"اور اب ہمیں یہ سب بتا رہی ہو۔۔۔ غضب خدا کا لڑکی کو خبر تک نہیں کہ آج اس کا نکاح ہے۔۔۔" ممی کو ہول اٹھنے لگے۔

"ایک تو مجھے یہ عورتوں کی ہائے وائے بہت آگ لگاتی ہے۔" اس نے یوں کہا جیسے خود مرد ہو۔۔۔

"دیکھیے!" ذرا توقف کے بعد وہ تحمل سے گویا ہوئی۔ "غور سے سنیے اور سمجھیے میرے دائیں بائیں سے ڈرا جان اور اخطب چاچا ہوں گے۔ آپ خالہ سے دائیں بائیں جا کر بیٹھ جائیے گا۔ جب ہاں کا مرحلہ آئے تو۔۔۔ ایک ہاتھ شانوں پر رکھ دیجیے گا اور دوسرے سے ان کا ہاتھ دبائیے گا اور کہیے گا پولو بیٹا قبول ہے سچویشن ایسی ہے کہ انہیں ہاں کہنی ہی ہوگی۔

"وہ ناں کہہ کر گھونگھٹ پلٹ بھی سکتی ہے۔" ممی کی آواز پھٹ جانے والی تھی۔

"نہیں کہیں گی۔۔۔ میں نے کہا نا وہ پیور مشرقی لڑکی ہیں۔ جان جائے پر آن نہ جائے۔ اور۔۔۔ اور نعمان بھائی اور نانو (زینت بیگم) فقط یہ جانتی ہیں کہ نوین کا رشتہ ہو رہا ہے اور ان کے لیے یہی کافی ہے۔ نعمان بھائی کو البتہ سب علم ہے۔ وہ ہاں لیے بغیر نہ اٹھیں گے نہ اٹھنے دیں گے۔"

"نوال! تم پاگل ہو چکی ہو۔" ممی ہراساں تھیں۔

"پاگل میں نہیں خالہ ہیں۔" وہ ذرا اونچی بولی۔ "ایک شخص اگر کنوئیں میں گر رہا ہے تو کیا ہم اسے گرنے دیں گے۔ نہیں ناں۔۔۔ بس۔" وہ ہاتھ اٹھا کر قطعیت سے بولی۔

"اور اگر بالفرض وہ مشرقی لڑکی نہ بنیں اور پھر بھی اڑی کی کوشش کی تو؟"

"نعمان بھائی ہاتھ دبا کر آنکھ کے اشارے سے سامنے پڑی بندوق کو دیکھیں گے اور ویسے بھی جتنا مرضی لبرل بن جائیں۔ امریکن نیشنلٹی ہولڈر۔۔۔ جبرا" نکاح پڑھانے کے خیال سے ان کی قبائلی انا کو جو تسکین ملنی ہے ناں، وہ اس کے لیے سب کچھ کر گزریں گے۔"

"اور اگر وہ پھر بھی نہ مانی۔۔۔ تو کیا رہتی دنیا کے لیے تماشا چھوڑ جاؤ گی۔ نکاح کا مولوی بھی سامنے ہوگا۔ زبان ذد عام ہو جائے گا قصہ۔" ممی کو دنیا کی سب نزاکتوں کی خبر تھی۔

نوال خاموش ہو گئی۔ ہاں یوں بھی ہو سکتا ہے لیکن

وہ نوین کو جانتی تھی۔

"تو پھر کیا۔۔۔ میں ہوں ناں۔۔۔ میرا نکاح پڑھا دیجیے گا۔"

اس نے ہونٹ لٹکا کر آخری حل پیش کیا۔ مگر ماں باپ کے سٹپٹا کر دیکھنے پر تیر کی طرح سیدھی ہوئی۔

"میرا مطلب ہے نیکسٹ اینڈ لاسٹ آپشن۔۔۔ آخر خاندان کی عزت کسی نے تو سنبھالنی ہے ناں۔

قانونی و فوجداری زبان میں اس عمل کو کہتے ہیں خود سے پیش ہو کر۔۔۔ اقبال جرم کرنا وغیرہ وغیرہ۔۔۔" ڈیڈ زور سے ہنس دیے۔ ممی کا سر ہاتھوں پر گرا تھا۔

☆ ☆ ☆

زینت بیگم نوال کی ممی اور گلال کے ساتھ صوفے پر بیٹھی تھیں۔ ان پر شادی مرگ طاری تھی۔ بیٹے نے بتایا تھا۔ "پہلے تو صرف یہ خیال تھا کہ رشتہ قبولا جائے۔ مگر میں نے ابھی ابھی فیصلہ کیا ہے۔ نکاح کر کے پکا بندوبست کر دیتا ہوں۔"

"نن۔۔۔ نوین مان جائے گی؟" وہ اڑی رنگت والی بیٹی کو دیکھ رہی تھیں۔

"اوہاں۔۔۔" وہ لاپروائی سے ہاتھ ہلا کر چلے گئے۔

دائیں جانب دلہن کی طرح تیار امریکی ممی نے پاکستانی بہو بننے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا رکھا تھا۔

بائیں جانب اشتیاق احمد کے ساتھ نوال براجمان تھی۔

"تمہاری کہی باتوں کے زیر اثر ہم آگئے ہیں۔ صبح بس نعمان نے بھی یہی ٹائم دیا تھا۔ مولوی بھی لائے ہیں لیکن یہاں کیا نعمان کی چوتھی کی رسم بھی ہو رہی ہے؟" وہ امریکی بہو کو دیکھ رہے تھے۔

"ہم تو ایسے ہی سادہ حلیے میں آگئے۔" ان کے لہجے میں قلق تھا۔

سفید شلوار۔۔۔ تلے والا کھسہ۔۔۔ پیلا کرتا، جس کی آستین پر سنہری باریک کام تھا۔ سرمے سے کالی آنکھیں۔۔۔ نوال نے چونک کر اور پھر جل کر ان کی بہو کی کو دیکھا۔

"اور یہ، جو نوین ہے۔ مجھے تو اب بھی لگتا ہے نہیں مانی ہے۔ کیا تم لوگ جبرا" نکاح پڑھا رہے ہو۔ کتنا بے رنگ چہرہ ہے۔ ویران اجڑی پچڑی۔۔۔ مجھے تو روئی روئی لگتی ہے۔"

اب وہ نوین کو دیکھتے ہوئے نوال کے کان میں گھسے تھے۔ نوال ان کے تجزیے پر عش عش کر اٹھی، مگر بولی کچھ نہیں۔

سب کچھ ٹھیک چل رہا تھا۔ مگر اسے کچھ گھبراہٹ ہونے لگی تھی۔ اگر ایک جانب ڈیڈ کا ہمت دلاتا چہرہ تھا اور نعمان کا قطعیت سے بھرپور انداز تو دوسری جانب ممی نے آنکھیں اس حد تک پھیلا رکھی تھیں کہ اب مزید گنجائش نہیں تھی۔

نوال نے پہلی بار سوچا۔ اگر وہ سب ویسا نہ ہوا جیسا کہ اس نے سوچ رکھا ہے تو۔۔۔ پہلی بار اس کی ہتھیلیوں اور ماتھے سے پسینہ پھوٹا اور ایک فق تاثر چہرہ پر آن رکا۔

"اور تم اتنا تیار کیوں ہو؟ دلہن ہی لگ رہی ہو اور وہ نوین تو بالکل دلہن نہیں لگ رہی۔" اشتیاق احمد نے اب اسے جانچا تھا۔

سرخ کامدار جوڑے کا کام سے بوجھل دوپٹا اس نے سر سے گزار کر دونوں پلو سیدھے سامنے ہی چھوڑ دیے تھے۔ ٹیکہ تک لگایا ہوا تھا۔ مہندی، چوڑیاں۔۔۔

"نکاح سے پہلے لڑکیاں ایسی ہی ہو جاتی ہیں۔ اداس، ملول، بے رنگ اور۔۔۔ آخر آپ ایک لڑکی پر کنسنٹریٹ کیوں نہیں کرتے۔"

اس نے جل کر ٹوک دیا مگر اشتیاق احمد پر ذرا جو اثر ہوا ہو۔

"کیسے کروں۔۔۔ اتنے رنگ تو گرگٹ نہیں بدلتا، جتنے تم لوگ بدل رہی ہو اور سب ایسے چپ ہیں جیسے کوئی جرم ہو رہا ہو۔"

"یا اللہ! انہیں بھی پلان میں شامل کر لیتی، آخر یہ کیسے چپ ہوں گے؟" نوال نے سوچا۔

اس نے گھبراہٹ کے عالم میں دوپٹا کانوں کے پیچھے اڑس لیا تھا اور بہت عجیب دکھائی دیتی تھی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

تب اخطب اور انخفش ہمراہ مولوی اندر تشریف لے آئے۔ نوین نے کتنے عرصے بعد اس شخص کو دیکھا تھا۔ وہ ویسا ہی سحر تھا۔ مگر وہ کتنا خوش لگ رہا تھا۔ اس نے قسم کھائی تھی کہ وہ اسے دوبارہ کبھی دیکھے گی۔ نہ ہی اپنی صورت دکھائے گی۔

وہ اس کے لیے تو نہیں آیا تھا۔ نہ اسے دیکھنے۔ نہ دکھانے۔ وہ تو اب کسی اور کے لیے یہاں تھا اور اسی کو مسکرا کر دیکھ رہا تھا۔ مگر دل میں اتنا شدید درد کیوں۔ یہ آنکھوں کے آگے دھند کیسی؟

ضمیر بھائی کا ہاتھ اس کے شانے کے گرد نرمی سے کسا تھا اور نعمان بھائی نے اس کا ہاتھ تھام کے دبایا اور صوفیہ بیگم کی وہیل چیئر اس کے عین سامنے آ رکی تھی۔

کیا دکھ اور کشمکش، احساس زیاں اتنا حاوی ہو گیا کہ سب اپنے اپنے طور تسلی دینے آگے بڑھ آئے تھے۔

"کہو بیٹا! قبول ہے؟" اس کی آنکھیں بند تھیں۔ اس کی سماعتوں سے جملہ ٹکرایا۔

تو یوں لگا کسی نے دل میں دودھاری خنجر اتار دیا ہو۔

"کہو نوین۔ صرف ہاں بول دو۔" یہ صوفیہ بیگم کی آواز تھی۔

"نوین! مولانا صاحب منتظر ہیں۔" یہ نعمان بھائی کی دوٹوک آواز تھی۔ ساتھ ہی ہاتھ کی گرفت پر سختی کا سا احساس۔ اس نے چونک کر آنکھیں کھولیں اور سر اٹھا دیا۔

نوال شدید اضطراب کے عالم میں ہاتھ مسلتی کھڑی ہو چکی تھی۔ زینت بیگم بھی کھڑی تھیں۔

نوال کی ممی اور گلال آنے والے وقت کے خوف سے لرزہ براندام تھیں۔

امریکی بھابھی اور بچے پہلی بار پاکستانی نکاح دیکھنے کے اشتیاق میں اس کے سر پر ہی چڑھے آ رہے تھے۔ دائرہ اتنا تنگ ہو گیا تھا کہ مولوی صاحب اسٹول سے گرنے والے ہو رہے تھے۔ ضمیر خان کا سہلاتا ہوا ہاتھ اور نعمان بھائی کی گرفت۔

صوفیہ بیگم کی آنکھ سے گرتے آنسو۔ سب کی سانس رکی ہوئی تھی۔

"کہو ہاں۔۔۔!" نعمان خان کی آواز بلند ہوئی۔

وہ سب بھول گئی۔ سیکنڈوں کا وقفہ۔ بس منٹوں سے نکل گیا۔

"ہاں۔۔۔!"

"یاہو۔۔۔" سب سے بلند آواز نوال کی تھی۔

اور پھر مبارک سلامت کا شور۔

نعمان خان کے کرخت چہرے پر نرمی اور پدرانہ جذبات امڈ کر آئے تھے۔ انہوں نے گڑیا جیسی نازک نوین کو اپنے بازوؤں میں یوں سمویا کہ وہ دکھائی ہی نہ دیتی تھی۔ سب اپنی اپنی بولیاں بول رہے تھے۔

آنسوؤں کی زبان۔ خوشی کا اظہار۔

"آپ کی جگہ میں ہوتی نا تو اب تک بھنگڑے ڈال ڈال زمین پلپلی کر دیتی۔ ارے آپ کو تو یہ بھی نہیں پتا کہ یہاں ہوا کیا ہے۔" وہ سنجیدہ و متین اخطب کے سر پر پہنچی۔ اخطب نے ایک گہری سنجیدہ نگاہ اس پر ڈالی۔

"تو دیر کس بات کی۔" کلاہ صوفے پر پٹخا۔

"شروع ہو جاؤ۔" نعرے کے ساتھ ہی وہ اندھا دھند ناچنا شروع ہو چکے تھے۔

"ہاہ!" نوال نے منہ پر ہاتھ رکھا۔

☆ ☆ ☆

اتنا بڑا۔ اتنا مشکل کام۔ اتنی آسانی (چال بازی) سے ہو گیا۔ دنیا میں کبھی ایسا بھی ہوا ہے؟ لیکن ہو گیا تھا۔

نوال نے سر پر جمایا دوپٹا نوچ کر کندھے پر ٹکایا اور دھپ سے صوفے پر گر گئی۔ اسے نوین نظر نہیں آ رہی تھی۔ کیونکہ میزیں کھسکا کر انخفش صاحب کا ڈانس، اخطب صاحب بے خود ڈانس اور اشتیاق انکل خٹک ڈانس کے اسٹیپ لے رہے تھے۔

ایک ہاہا کار میں امریکی بچے فیوژن پیش کر رہے تھے۔ لگتا تھا ان کے جسم میں ہڈی ہی نہیں ہے۔ امریکی بہو تالیاں پیٹ رہی تھی۔

ایک ہنسی کا طوفان تھا۔ تب ہی گلال نے نوال سے کہا۔

"یہ شو ساری شام چلے گا۔ ایسا نہ ہو نوین گھونگھٹ الٹ کر دھاڑ ماریں اور ہر بندہ اسٹاپ ہو جائے۔ انہیں تو اندر لے کر چلو، اب اللہ جانے گھونگھٹ کے اندر خوشی کے مارے ہانپ رہی ہیں یا غصے کے مارے کانپ رہی ہیں۔"

"ہانپیں یا کانپیں۔ اب یہ ہمارا دردِ سر نہیں۔ اور میں نہیں لے کر جا رہی اندر۔ ایسی لائیو پرفارمنس کوئی روز، روز دیکھنے کو ملتی ہے؟" نوال کی نظریں پرفارمرز پر تھیں۔ صفا جواب دے دیا۔

"یوں بھی اس وقت میں ان کے سوالوں کے جواب نہیں دے سکتی۔ اتنے دن کی ٹینشن کے بعد ابھی ہی تو ملا ہے ریلیکس۔ آپ ہی لے جایئے۔ آپ کے سامنے کچھ نہیں کہہ سکیں گی۔"

نوال کو پتا نہیں کس چیز نے روک رکھا تھا ناچنے سے، مگر وہ بیٹھے بیٹھے ہی ڈانس کے وہ وہ اسٹیپ لے رہی تھی کہ کیا کہنے۔

گلال مایوس اٹھی اور اپنی ممی کے کانوں میں گھس گئی۔

اگلے منٹ میں ممی اور گلال، نوین کو سہارا دیے اندر کی جانب بڑھ رہی تھیں۔ جو سچ مچ لاش کی طرح گھسٹتی جا رہی تھیں۔

"کیا پھپھو کو کوئی میڈیکل پرابلم ہو گیا ابھی ابھی، جو انہیں سب سہارا دے کر لے جا رہے ہیں۔"

امریکی بھائی نے دفعتاً اپنے دوسرے امریکی بھائی سے امریکی پر تشویش لہجے میں دریافت کیا۔ دوسرا بھائی بھی حیرت سے کمرے سے نکلتی پھپھو کو دیکھ کر شانے اچکا گیا۔ مگر سب متوجہ ہو گئے تھے۔ لہٰذا نوال کو ایک بار پھر میدان میں کودنا پڑا۔

"بے وقوفو! پاکستانی دلہن دھڑ دھڑ کرتی قلانچیں نہیں بھرتی۔ اسے ایسے ہی فرینڈز نکاح کے بعد سہارا دے کر لے جاتی ہیں۔"

"کیوں۔ نکاح کے بعد کیا اسے کوئی میڈیکل پرابلم ہو جاتا ہے؟ ادھر ہمارے ہاں تو برائیڈ خوب ہنستی ہیں اور ڈانس کرتی ہیں۔ پھپھو نے تو ڈانس بھی نہیں کیا۔ کیا وہ خوش نہیں ہیں؟"

"ہائے یہ امریکی بچے۔" نوال نے مدد طلب نظروں سے سب کو دیکھا، کوئی تو ہو جو۔ مگر سب ہی انگشت بدنداں تھے۔ بچے دوٹوک تھے اور اس شرمیلی صورت حال کو ہضم نہیں کر پا رہے تھے۔

"بیٹا! ایسٹرن برائیڈ کے دل میں لڈو پھوٹتے ہیں۔ وہ بند کمرے میں بھنگڑے ڈالتی ہے۔" صوفیہ بیگم نے دریا کو کوزے میں بند کر دیا۔ سب کے ہونٹوں پر مسکان آ گئی۔

"لڈو۔۔۔" دونوں بچوں نے حیرت سے لفظ دہرایا۔ ایک دوسرے کو دیکھا۔ "واٹ۔۔۔ لڈو۔۔۔"

ضمیر خان اور نعمان خان نے بلند آہنگ قہقہہ لگایا۔

"اب لڈو دکھایا بھی جائے اور کھلایا بھی جائے۔ اور چلو یہ تو پاسبل ہے۔ مگر اس چیز کو کیسے ایکسپلین کیا جائے لڈو پھوٹنا۔ نپٹے اب نوال ہی۔۔۔" مگر بچوں کی روا گلے جملے نے پلٹ دی۔

"یو مین، پھپھو اس وقت بند کمرے میں بھنگڑا ڈال رہی ہیں، واؤ۔۔۔" دونوں نے شریر انداز میں ایک دوسرے کو دیکھا۔ "لیٹس گو۔۔۔" وہ سرپٹ دوڑے۔ بند کمرے میں سرخ جوڑے میں ملبوس پھپھو ناچ رہی ہوں گی۔

ان کے بھاگتے قدموں کو گلال اور ممی نے روکا۔ وہ نوین کو چھوڑ کر آ رہی تھیں۔

"اے خبردار۔ وہ کپڑے چینج کر رہی ہیں۔"

"نہیں۔۔۔ او نو۔۔۔" بچے اور اخطب اشتیاق ایک ساتھ ہی چونکے۔

"ابھی تو فوٹو سیشن بھی نہیں ہوا۔" وہ انخفش کے کان میں بڑبڑائے تھے۔

دونوں کی نظریں گلال اور نوال کی سمت گھومیں۔

"آپ دونوں اپنی ڈانس پرفارمنس پر ہی دھیان دیں تو بہتر ہو گا۔ کہیں فوٹو سیشن کے شوق میں فٹ

WWW.PAKSOCIETY.COM

سیشن (باؤں) نہ شروع ہو جائے' ہونہہ۔"

"لیکن وہ میری بیوی ہے۔" اخطب کو کچھ سمجھ میں نہ آیا تھا مگر سینہ ٹھونک کر حق ملکیت دائر کرنے میں بڑا لطف ملا۔

نوال اور گلال نے ان کی خود اعتمادی اور بے خبری کو گھور کر دیکھا تھا مگر اگلے ہی پل دونوں بری طرح ہنس دیں۔

نوین سے ملاقات اس نے سب کے جانے کے بعد باقاعدہ تیاری سے کرنا تھی۔

☆ ☆ ☆

لیکن نوال کا یہ اندازہ غلط ثابت ہوا کہ اسے نوین کو اکیلے ہی جھیلنا ہوگا۔ نکاح کے بعد کھانا اور کھانے کے بعد جیسے باراتی گھر جانا بھول گئے۔ ہنسی' مذاق' قہقہے' رات ڈھائی بجے ان کے رخصت ہونے کے بعد سب جہاں کہیں لڑھکنے کے مصداق پڑ گئے تھے۔ بے ہوشی کی نیند۔ مگر۔

ہلکی ہچکیاں' دبی سسکیاں۔ جو شور و غوغا میں کسی کے کان نہ پڑی تھیں۔ سناٹے میں سب کو بیدار کر گئیں۔ مندی آنکھوں چکرائے سروں اور لڑکھڑاتے قدموں' سب آوازوں کے تعاقب میں جب نوین کے کمرے تک پہنچے تو منظر حیران کن تھا۔ وہ اسی سرخ سوٹ میں ملبوس تھی۔ دوپٹا پیروں پہ پڑا تھا اور گھٹنوں میں منہ کر کے روئے چلی جاتی تھی۔

اس کے رونے کی وجہ سے سب واقف ہی تھے۔

2013ء میں ایک پڑھی لکھی لڑکی کی زندگی کا اتنا اہم ترین فیصلہ ایسے طریقے سے کیا جانا تو نہیں چاہیے تھا' مگر سب جانتے تھے وہ راضی تھی۔ منہ سے بس "نہ" نکلتی تھی۔

ضمیر خان اور ممی کے مطابق نوین کو سمجھایا جا سکتا تھا۔

نعمان خان کے پاس وقت نہیں تھا۔ وہ نوین کے فرض سے فارغ ہو کر ماں کو ساتھ لے جانا چاہتے تھے۔ اگر کچھ اور عرصے یہ کشمکش جاری رہتی تو صوفیہ اپنی معذوری و بڑھاپے کے واسطے دے کر بیٹے کو سیدھے راستے کی نشان دہی کر دیتیں اور ماؤں کو آخر کب تک ٹالا جا سکتا ہے۔

رہی نوال ضمیر خان۔ اس کی زندگی میں کم پڑھے لکھے تک پہنچا دینا' سب سے اہم مشق تھا۔ جو بھی جب' کب۔ بس نتیجہ حسب منشاء ہونا چاہیے سو اس کی عقل اور فیصلے۔ کچھ دیر تک حیرت سے کھڑے سب لوگ اسے دیکھتے رہے۔ زینت منیر خان اب تک کچھ نہ سمجھی تھیں وہ بس خوش تھیں۔ بیٹی گھر کی ہو گئی اور گھر والا بھی پسندیدہ۔ لڑکیاں ایسے مرحلوں پر روتی ہی ہیں مگر نعمان خان نے ایک کرسی کھینچی اور نوین کے عین سامنے بیٹھ گئے۔

"سب جانتے ہیں نوین۔ تمہیں اس رشتے پر کوئی اعتراض نہیں تھا۔ نہیں ہے۔" ان کی آواز واضح دو ٹوک اور بے لچک تھی۔ "وہ وہی ہوا جو تم چاہتی تھیں جس کے پیچھے تم کسی بھی اور راستے کی چاہ نہ کر سکیں اور۔ اور۔"

"لیکن بابا کو اعتراض تھا بلکہ شدید اعتراضات۔" اس کا جواب ترنت اور نعمان خان سے زیادہ قطعی تھا۔

"تو تمہارے خیال میں ایک بے وقوفی بابا کر گئے اور ایک بے وقوفی کرنے کے لیے تمہیں آزاد چھوڑ دیا جاتا۔" نعمان خان تاؤ کھا گئے۔

"مجھے اس سے کوئی غرض نہیں کہ وہ بے وقوفی تھی یا کیا؟ مجھے صرف بابا کے فیصلے کا احترام کرنا تھا۔" وہ اپنی سوچ میں پختہ تھی۔

"مرے باپ کی خواہش کا اتنا احترام۔ اور زندہ ماں کی فکر و پریشانی کا کوئی احساس نہیں۔ تمہیں احساس ہے تمہاری بے جا ضد نے کیسے ان کے بیمار دل بوڑھے جسم اور لڑکھڑاتے اعصاب کو ختم کیا ہے؟" وہ بلند آواز میں بولے تھے۔ "ہر روز۔ ہر پل۔ تمہیں زندہ ماں کی ذرا پروا نہیں اگر ہوتی تو کب کی گھر بسا کر انہیں سکون سے مرنے کی اجازت ہی دے دیتیں۔ تمہارا رونا تب سمجھ میں آتا جب ہم واقعی جبر کرتے اور

کسی بھی بندے کو پکڑ لاتے مگر ہم نے وہی کیا جو تمہاری بھی خواہش تھا۔"

نوین نے پہلی بار ظاہری و باطنی دونوں آنکھیں کھول کر بھائی اور ماں کو دیکھا۔

زینت منیر خان جو حواس باختہ تھیں اور نا سمجھی میں آنسو بہا رہی تھیں۔ اور نعمان خان جو سخت بدمزہ تھے۔ حاضرین کے چہرے نعمان خان کی تائید پر مائل تھے۔

"لیکن۔ بابا کی خواہش۔"

"بابا مر چکے ہیں نوین۔ اپنی سوچ' اپنے وقت' اپنے مزاج' اپنی خودی کے سارے روپ ان کے ساتھ دفن ہو چکے تھے۔ زندہ انسانوں کو زندگی اپنے حساب سے گزارنی ہوتی ہے۔ بزرگوں کی خواہشات و خوابوں کا احترام واجب ہوتا ہے مگر اس وقت جب وہ شریعت' اللہ رسول کے فیصلوں سے نہ ٹکرائیں۔

بابا کا فیصلہ اپنے وقت کے حساب سے تھا۔ صحیح یا غلط لیکن اب وقت بدل چکا ہے۔"

"تو۔ تو کیا بابا غلط تھے؟" وہ ان کی بات کاٹ کر تیزی سے بولی تھی۔

"نہیں۔ مگر جو آج ہم نے کیا' وہ بھی غلط نہیں۔" نعمان خان نے جمائی لی۔ انہیں اب اور کچھ نہیں کہنا تھا۔ سننا بھی نہیں تھا۔

نوین کا چہرہ متزلزل تھا۔ وہ صحیح اور غلط کا فرق نہیں کر پا رہی تھی۔

ضمیر خان کو اس پر ترس آیا۔ پیار آیا۔ اپنی وہیل چیئر کو ذرا سی حرکت دے کر وہ نعمان خان کے برابر آ رکے۔ "مرنے والے کی خواہش سے زیادہ زندہ رہنے والے اہم ہوتے ہیں نوین! میرا کہنے کا مقصد فقط یہ ہے کہ زندہ انسانوں کو زندہ فیصلے کرنے چاہئیں جو زندگی کے لیے ضروری ہوں۔"

سب کان کھول کر سن رہے تھے اور نوال منہ کھول کر۔

"مگر یہ نوال تو کچھ اور کہہ رہی تھی۔" نوین نے یک دم اونچی آواز میں کہا اور نوال کو بغور دیکھا۔ نوال بری طرح سٹپٹائی "اب کیا۔ یہ۔ وہ سب کہہ دیں گی۔"

"لو جی۔ میرے کہے پر کان دھریے آپ نے۔ میرے کہے کو کبھی اہمیت نہ دیں۔ بس میرے کہے پر دھیان دیں اور میں تو کچھ بھی کہتی رہتی ہوں۔ ہے نا گلال۔ ہے نا ڈیڈ؟"

ضمیر خان کچھ نہ بولے۔ بیگم نے ان کی وہیل چیئر کو سہارا دیا۔ وہ باہر نکلے تو سب ہی باہر کو نکلے۔ نوال وہیں کارپٹ پر ڈھے گئی۔ گلال بھی' اب خطرہ نہیں تھا۔ کمرے میں یک دم خامشی چھا گئی نوین کا چہرہ پر سوچ تھا۔ نوال اور گلال جمائیاں لے رہی تھیں۔

"لیکن تم نے تو کہا تھا کہ تم۔" وہ اخطب کہنے سے جھجکی۔ "یعنی تم ان سے۔" نوال نے بھاڑ منہ کی جمائی روکی۔

"وہ تو میں آپ کو چیک کر رہی تھی کہ سچ مچ راہ بدل کر سرپٹ دوڑ پڑی ہیں یا پیچھے مڑ کر بھی دیکھتی ہیں۔ پتا لگا' آپ فقط الو بناتی ہیں' نہ صرف سب کو۔ بلکہ اپنے آپ کو بھی۔" اس نے تائید طلب نگاہوں سے گلال کو دیکھا جو مسکرا رہی تھی۔

"اور مجھے کیا کالے کتے نے کاٹا ہے کہ میں ان سے۔۔۔ دفع دور! جو بندہ پہلے ہی کسی کے عشق میں عاشق صادق بنا گھومتا ہو اس سے دل لگا کر مجھے کیا ملے گا۔

اور رہا ان کا التفات۔" نوال نے سرد آہ کھینچی۔ چہرے پر افسردگی چھا گئی لہجہ ملال سے پر۔ "اور رہی میں۔ ان کی نظر میں ہاہ۔ ملتے بھی تھے' باتیں بھی کرتے تھے۔ خیال بھی رکھتے' آئس کریم بھی کھلائی' گانے بھی سنوائے۔ مگر مثال میری وہی تھی کہ "سگ لیلیٰ بھی پیارا ہوتا ہے" میں تو خیر لیلیٰ کی سگی بھانجی تھی۔"

نیند سے کسی قدر ڈھیلی ہوتی گلال کا رواں رواں تن گیا وہ تکیے کو بھینچے بھینچے ہنسی سے دہری ہو گئی۔ سانس تک رکنے لگی۔ جبکہ نوین کی گویا قوت گویائی کھو گئی۔ کوئی بھلا اپنے آپ کو یوں بھی کہتا ہے وہ فقط لاحول کہہ پائی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

صبح بہت دیر سے ہوئی۔ ناشتے کے بعد کا موضوع شادی کی تیاری تھا' جو عید کے چوتھے روز رکھ دی گئی تھی سب کی اپنی رائے اور فیصلے۔۔۔

ایک چیز کا ذکر کرتے پھر دوسری کا۔۔۔ ضروری غیر ضروری۔۔۔ سب جان بوجھ کر موضوع کو طول دیتے بلکہ یوں لگتا جیسے چاہتے ہی نہیں کہ ٹاپک بدلا جائے۔

لیکن نوال کی ایک دھاڑ کے ساتھ سب چونکے۔ وہ نوین کو کچھ دکھا رہی تھی اور کچھ کہہ رہی تھی۔ نوین کے چہرے پر حیرت' بے یقینی نے عجیب خوف زدہ سے تاثرات پھیلا دیے۔ اس کے ہاتھ میں کچھ تھا اور ایک ڈھیر سا ٹیبل پر۔۔۔ سب نے آگے بڑھ کر اس گٹھڑ کو کھول کر ایک ایک کتاب اٹھالی۔

"سایہ۔" نوین منیر خان کا شعری مجموعہ۔

انتساب "نوال ضمیر کے نام"

"ہائیں۔۔۔ ارے۔۔۔ ہائیں۔۔۔ یہ کب ہوا؟"

"ارے نوین! تم پوئٹری بھی کرتی ہو۔" الگ الگ تبصرے اور اچنبھے بھرے جملے۔ نوین کیا جواب دیتی وہ خود ایک شاک کے زیر اثر تھی۔

وہ سرورق پر انگلیاں پھیر رہی تھی۔ سیاہ سرورق پر دھیرے دھیرے معدوم ہوتے سائے کا عکس تھا' مگر جہاں جا کر سایہ ختم ہوتا وہاں سے اچانک روشنی پھوٹتی محسوس ہوتی تھی۔

یعنی مایوسی میں کرن یعنی خاتمے کے گمان پر یقین کا آغاز۔ بہت خوب۔ نوین کو اپنی زندگی کی کہانی لگا سرورق۔

نوال شاہانہ بے فکر انداز میں یوں بیٹھی تھی جیسے اس منظر سے قطعاً" دلچسپی نہ ہو۔ یا وہ کچھ جانتی ہی نہ ہو۔

زینت منیر عجب نا سمجھی کے عالم میں کتاب کو تھامے بیٹھی تھیں۔ بیٹی کا استعجاب نگاہوں کے سامنے تھا' مگر آنکھوں سے چھلکتی شادی مرگ کی سی کیفیت۔

نعمان خان نے کتاب کو کھولے بنا آگے پیچھے سے گھما کر دیکھا اور "گڈ" کہہ کر بات ختم کی۔

امریکن بھابھی اپنی ٹوٹی پھوٹی اردو میں با آواز بلند اشعار پڑھ رہی تھیں اور جو اثر سننے والوں پر پڑ رہا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلنا تھا کہ سامعین اور شاعر خود بھی کچھ پل جاتے کپڑے پھاڑ بال نوچ جنگلوں میں جا نکلتے۔

بھابھی بھی ہر شعر کے اختتام پر داد طلب نگاہوں سے سب کو دیکھتیں۔ نوال پر نگاہ پڑتی تو اسے پوری پوری داد بھی دینی پڑتی اور ساتھ کیپ اٹ اپ کا اشارہ بھی۔۔۔

"بابا کو پسند نہیں تھا یہ سب۔" بہت دیر بعد بولی۔

"چھوڑیں جی۔ آخر انہیں پسند تھا کیا؟" نوال جی بھر کے بدمزہ ہوئی۔ "اب انہیں چوڑی دار پاجامے کرتا اور چنا ہوا دوپٹا کب پسند ہوگا اپنے لیے' مگر آپ بنے پھرتی ہیں نا۔ خالہ! آپ سمجھ کیوں نہیں لیتیں کہ کچھ چیزیں انسان کی اپنی ذات کے لیے ہوتی ہیں۔"

نوال نے اپنے انداز سے وضاحت کی۔ نعمان خان اور ضمیر خان کا مشترکہ قہقہہ کمرے میں گونجا۔ نوین کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

"بند کریں اسے مکھیاں گھسیں گی اندر۔" اس نے ڈپٹا۔

سب ورق گردانی کر رہے تھے۔ نوین کے حیران چہرہ پر اب خوشی چمک' فخر بیدار ہونا شروع ہوا۔ زینت بیگم اور نوال اسی کو دیکھ رہی تھیں۔

نوین کا ایک نیا دمکتا چہرہ۔۔۔

☆ ☆ ☆

نکاح جیسے اہم معاملے کو حل کر لینے کے بعد اب نوال کے پاس بظاہر کوئی کرنے والا کام نہیں تھا۔ تب ہی بے خود چلا آیا۔

"آپ مجھے بس ان بیلوں کے پاس بٹھا کر آجائیں اور اخفش بھائی جان سے کہہ دیں کہ یہ یہاں سے ہلے گا بھی نہیں۔ قربانی کے دن تک۔"

"کل آ تو رہے ہیں ہمارے بکرے۔۔۔" نوال پر سستی سوار تھی۔

"وہ تو آئیں گے ہی' مگر مجھے ان بیلوں کے ساتھ رہنا ہے ہر وقت۔ اتنی شوماری ہے میں نے اپنے

اسکول کے لڑکوں کے سامنے۔ وہ سب دیکھنے کے لیے آنا چاہتے ہیں۔"

"تو لے آؤ نا اس میں کیا مسئلہ ہے؟"

"مسئلہ یہ ہے کہ جب میں ان سب کو لے آؤں اور ادھر بھائی جان نے مجھے سب کے سامنے ڈانٹ کر بھگا دیا تب میری کتنی عزت خراب ہوگی۔"

"تو اتنے جھوٹ بولنے کی ضرورت کیا تھی؟" نوال کو اس کا رونا بے چین کر گیا۔

"آپ کی وجہ سے۔۔۔" اس نے ہچکی لی۔ "آپ سب کر سکتی ہیں نا۔"

"اچھا!" نوال نے ہار مان لی۔ "تو چلو آؤ پھر ابھی چلتے ہیں۔"

تیز میوزک ٹینٹ کے اندر سے ابھر رہا تھا۔ ایک شور کا عالم۔۔۔

"تم تو کہہ رہے تھے شام کے وقت لوگ آکر دیکھتے ہیں۔ یہاں تو صبح گیارہ بجے ہی انتارش ہے۔"

بے خود لاعلم تھا اس نے کندھے اچکا کر نفی میں گردن ہلائی۔

"اوہ۔۔۔" نوال کے ہونٹ سیٹی کے سے انداز میں سکڑے۔ یہ ہاہا کار اخفش انعام کے دوستوں نے مچا رکھی تھی۔ نوال نے واپسی کا سوچا۔ اسے یاد آگیا اخفش نے پہلے اس کے دوستوں کے سامنے آجانے پر کس قدر برا مانا تھا' پھر نانو بھی خفا ہوئی تھیں۔

لیکن اس سے پہلے کہ وہ واپسی کے لیے قدم بڑھاتی اخفش انعام کی دھاڑ نے قدم روک دیے۔

"تم۔۔۔!" نوال کو جواب نہ سوجھا۔

"تمہارے بیل دیکھنے آئے ہیں۔ تم نے تو ایک بار بھی دعوت نہ دی۔" وہ دوستانہ انداز میں شکوہ کناں ہوئی۔

"تمہیں دعوت کی کیا ضرورت۔۔۔ چوری چھپے دیکھ تو رہی تھیں اس دن۔" اس کے جملے میں طنز کی آمیزش تھی۔ نوال ٹھٹکی۔

"نوال! اندر میرے دوست ہیں۔" وہ مصالحانہ انداز میں بولا۔ نوال کے عزائم چہرے سے جھلک رہے تھے۔

"ہاں دوست ہی ہوں گے۔ دشمنوں کو تو تم نے باہر کھڑا رکھا ہے۔"

"ایسی بات نہیں ہے' تم بعد میں آنا۔" وہ اسے جلد از جلد رخصت کر دینا چاہتا تھا۔ مبادا کوئی باہر آئے جبکہ نوال کو اس کے صبر کو آزمانے میں مزہ آرہا تھا۔

"اور تم نے اس بچے بے چارے سے کا ہے کی دشمنی پال لی۔ اسے اندر کیوں نہیں آنے دیتے؟"

اخفش نے بے خود کو گھورا جو اپنی طاقت (نوال) کے سہارے بڑے انداز سے کھڑا تھا۔ وفاداریاں بدل لینے والا غدار۔ اخفش نے اسے معاف تو نہیں کیا تھا نوال کو باجی بنا لینے کے بعد۔ بھائی جان والا ورق جیسے پھاڑ چکا تھا۔

"شام کو آیا کرے نا۔"

"تم بھی تو سارا دن یہیں ہوتے ہو۔"

"اس لیے کہ یہ میرے بیل ہیں۔"

"ایک بچہ اگر محض سامنے بیٹھ کر دل خوش کرے گا تو کیا تمہارا ثواب کم ہو جائے گا۔۔۔"

اندر سے اخفش کے نام کی پکار پڑ رہی تھی۔ یہ نوال کی بچی اگر اب بھی نہ گئی اور اگر کوئی باہر آگیا تو۔۔۔

"اب تم جو بھی سمجھو۔۔۔" وہ ہٹ دھرمی سے بولا۔

"اور پلیز جاؤ۔ خود خرید کر لاؤ بکرے اور کرواؤ اس سے چاکری۔۔۔"

"وہ تو ہم لے ہی آئیں گے۔ ہمیں کون سی نمود و نمائش کرنی ہے۔ ہم تو اللہ کی خوشنودی کے لیے۔۔۔"

اخفش نے چہرے پر ایسے تاثرات جمائے جیسے سن ہی نہ رہا ہو۔ نوال سب سمجھ رہی تھی' وہ بس اسے وہاں سے رخصت کرنا چاہتا تھا۔

"آؤ بے خود۔۔۔!" اس نے بے خود کا ہاتھ تھاما اور واپسی کی راہ لی۔

"لیکن میرے دوست!" وہ منمنایا۔

"تم آؤ تو۔۔۔ اخفش کو یہ حرکت بہت مہنگی پڑے گی۔ تم کل اپنے دوستوں کو بلا لینا۔ باقی مجھ پر چھوڑو۔"

WWW.PAKSOCIETY.COM

☼ ☼ ☼

واپس گھر آکر اس نے نوین کے سامنے خوب شور مچایا۔

"بس آپ نے پہلا کام یہ کرنا ہے۔ ایک بری چاچی بن کر سب سے پہلے اس اخفش کا پتا صاف کرنا ہے نکال دینا گھر سے باہر۔ اس بن ماں کے بچے کو۔"

"اس کے دوست تھے نوال! اب ہر طرح کی سوچ رکھنے والے ہوسکتے ہیں۔ کس کس کو وضاحتیں دیتا کہ ایک اتنی خوب صورت لڑکی اتنے لوگوں میں۔۔۔"

"اس نے اس بار مجھ سے ڈائریکٹ پنگا لیا ہے نانی جان۔۔۔!"

"چھوڑو بیٹے۔۔۔ اتنا پیارا بچہ ہے۔ پتا نہیں تم نے اول روز سے اس سے کیسا بیر باندھا۔ اسے عورتیں ڈھکی چھپی پسند ہیں' لجائی شرمائی۔ تم اس کی سوچ کا الٹ نکلیں بااعتماد' اپنے قوت بازو پر بھروسہ کرنے والی اور۔۔۔"

"نانو۔۔۔!" نوال حلق کے بل چلائی۔ "زیادہ طرف داری مت کریں۔ آپ فیصلہ کریجئے۔ آپ نے مجھے رکھنا ہے یا اسے؟"

"دونوں کو۔۔۔؟" زینت بیگم نے مسکرا کر فیصلہ سنایا۔

"ایک میان میں دو تلواریں نہیں رہ سکتیں۔" وہ قطعی پن سے بولی۔

"تو تلوار بننے کی کیا ضرورت ہے۔ پھول بن جاؤ۔ ایک گلدان میں دو پھول تو رہ سکتے ہیں نا بلکہ گلدستہ۔"

نانو نے لاجواب کردیا۔ وہ چند پل کو چپ کی چپ رہ گئی۔ پھر دھیان آیا۔

"یہاں بھی آپ غلط ہیں۔ پھول تو میں ہوں اور وہ۔۔۔" اس نے قصداً" جملہ ادھورا چھوڑا اور گال پھلا لیے بساط بھر۔

"پھول ہے وہ بھی' مگر آپ نے کبھی گوبھی کے پھول کو گلدان میں سجا دیکھا ہے۔"

نانو کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

نوین کی جلترنگ ہنسی نے نوال کو چونکایا۔ ہنسی میں ایسی کھنک پہلے نہیں تھی زینت بیگم نے بھی اس پل یہ احساس کیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"تمہارے دوست تو نہیں ہیں نا اندر۔۔۔ کیا ہم اب آسکتے ہیں؟"

آج پھر نوال دست سوال دراز کیے ٹینٹ کے باہر کھڑی تھی۔ بے خود اس کے بالکل پیچھے تھا۔ ذرا سی گردن نکال کر آس امید بھری نگاہوں سے اخفش کو دیکھ لیتا جو فیصلہ اب وہ سنائے۔

دونوں کے چہروں پر اتنی سادگی' شرافت اور عاجزی تھی کہ اخفش شرم سے پانی پانی ہوگیا۔ اسے اپنے کل کے رویے کی بدصورتی کا بخوبی احساس تھا' مگر اس کے دوست کتنے کمینے اور خبیث تھے۔ وہ اس بات کو بھی بخوبی جانتا تھا۔

"آئی ایم سوری۔" اس کے منہ سے نکلا۔

"اٹس اوکے۔۔۔ میں سمجھ سکتی ہوں۔" نوال تو کھلی جارہی تھی۔

اخفش نے راستہ چھوڑ دیا۔ دونوں ریڈ کارپٹ پر چلتے بیلوں کی جوڑی تک آگئے۔

جانور بے پناہ خوب صورت تھے اور ان کی قیمت لاکھوں روپوں تک تھی۔ اخفش کے پاپا سالوں سے وعدہ کررہے تھے کہ وہ اس بار لازماً" عید اس کے ساتھ کریں گے' مگر وہاں امریکا میں ان کی پوری فیملی تھی۔ ہر بار معذرتی کال آجاتی۔ اس بار اپنی غیر حاضری کو بہت سارے نوٹ بھیج کر بھرنے کی کوشش کی تھی۔ اخفش خوش تھا بہت زیادہ۔۔۔ ماں کی اچانک موت۔۔۔ باپ کا نئے ملک میں نئی دنیا بسا لینا اور اسے بھول ہی جانا۔ اس کے دل کے زخم تھے۔ اس کے بھاری بھرکم وجود میں ایک دل تھا' جو حساس تھا نازک اور بے قرار۔۔۔

بے خود نے تو بیلوں سے لپٹ کر چوم چوم کر اپنی پسندیدگی محبت اور بے خودی کا اظہار کیا جبکہ نوال نے ایک طویل تعریفی پیراگراف پڑھ کر سنایا جس کے ہر جملے پر اخفش کے چہرے پر ایسے تاثرات پھیل جاتے' جیسے اس کی تعریف کی جارہی ہو۔ رنگ سرخ۔ آنکھوں میں چمک اور تناسینہ' واہ۔

"تم نے آنی کو کیسے منالیا نوال؟" وہ قطعاً" نہیں پوچھنا چاہتا تھا مگر ذہن و دل میں ٹکراتا سوال اسے سامنے دیکھ کر خود بخود منہ سے نکل گیا اور جملہ پورا ہوتے ہی اس نے خود کو لتاڑا۔ اب نوال کے چہرے کے فخریہ تاثرات خود ستائشی والے جملے سننے پڑیں گے۔

لیکن نہیں۔ وہ نوال کو ابھی جانتا نہ تھا۔ نوال آج کسی اور ہی مشن پر تھی۔

"میں نے کیا منانا۔ بس سب نے سمجھایا ہی تھا۔ انکار کی بھی تو ایک حد ہوتی ہے۔ مجھے تو بس یہ خوشی ہے کہ کہانی کا اینڈ بھی ہے۔" وہ متانت کی تصویر بنی ہوئی تھی۔

"تم آج شاپنگ پر جاؤ گے اپنے چاچو کے ساتھ۔" اس نے جیسے یک دم یاد آنے پر پوچھا تھا۔

"جانا تو چاہتا تھا مگر یہاں بیلوں کے پاس میری زیادہ ضرورت ہے۔" اس کے دوستانہ انداز پر اس نے بھی اپنا مسئلہ بیان کردیا۔

"دراصل میں شہ بالا بنوں گا نا۔" وہ خوشی اور فخر سے بولا۔

نوال نے فوراً" اپنی نگاہیں بیلوں کے گوبر پر ٹکا دیں شہ بالا بنے اخفش کو دیکھنے سے جو گدگدی ہوئی تھی۔ اس کے تاثرات چہرے سے نہ چھلکیں لہٰذا کسی الٹ شے کو دیکھا جائے۔

"یہ تو بہت ہی اچھی بات ہے۔ تو تم جاؤ نا۔ یہاں سیکورٹی گارڈز ہیں اور بے زار لالا دادا جان کو بھی بلا لیتے ہیں۔ پھر بے خود اور میں بھی یہیں ہیں میرا تو ہلنے کو دل نہیں کررہا۔ اتنے تو یہ پیارے ہیں۔ دل کرتا ہے بس دیکھتی ہی رہوں۔"

نوال نے لہجے میں بے حد اشتیاق محبت اور بے بسی شامل کرلی۔ وہ دونوں ہاتھ ایک دوسرے میں پھنسا کر دہری ہی ہوگئی تھی۔

اس کی مجبوری نے اخفش کا دل موم کردیا۔

"ہاں۔۔۔ ہاں تم تو رہو نا ادھر ہی رہو۔ دن کے وقت تو ادھر کسی کو آنے کی اجازت نہیں ہے۔ شام ہی میں آتے ہیں لوگ۔۔۔"

"تو تم بھی اپنی شاپنگ کر آؤ نا۔ میں ہوں نا ادھر۔۔۔"

اخفش نے سر ہلایا نوال کی موجودگی اطمینان کا باعث تھی۔

☼ ☼ ☼

عید کا دن واقعی عید بن کر دونوں گھروں میں اترا تھا۔ در و دیوار تک سے خوشی کے رنگ پھوٹ رہے تھے۔ ہر چہرہ دمک رہا تھا۔ ہر دل دھڑک رہا تھا طمانیت سے۔۔۔

زینت بیگم کی خوشی کا عالم۔۔۔ پچھلے برس آنکھیں دکھ سے بہتی تھیں اس بار خوشی سے چھلکتی تھیں۔ اتنی رونق' اتنی آوازیں' قہقہے' بیٹا' بہو' پوتے' بھانجا' بھانجی بمعہ فیملی اور نوین کی صورت اس نے ایک بار بھی قہقہہ نہیں لگایا تھا۔ نہ وہ بہت زیادہ بول رہی تھی۔ مگر ایک خوش گوار دل موہ لینے والی تحریر تھی جسے سب ہی پڑھ رہے تھے۔ نوین کی ہنسی بے آواز تھی' آنکھوں سے چھلکی پڑتی تھی۔

اتنے بڑے جانوروں کے ذبح ہونے کا منظر دیکھنے کے لیے ایک جم غفیر اکٹھا تھا۔ لڑکیاں بھی سب ٹیرس پر کھڑی تھیں۔ پروفیشنل قصائی آئے تھے' مگر اشتیاق احمد اور اخفش بھی فل فارم میں تھے۔

بیل بے حد تندرست اور جان دار تھے۔ چہروں پر معصومیت اور شرافت تھی' مگر شرافت سے نیچے گر کر ذبح ہونے کو تیار نہیں تھے۔ اسے باندھنے کے بعد سب نے زور بازو آزمایا' مگر گرتی ہوئی دیوار کو آخری دھکا اخفش ہی نے دیا۔

سب خواتین کی آنکھوں میں ستائش آن رکی۔

"ہونہہ۔۔۔ بیل نے بیل کو گرایا۔ کون سا کمال

WWW.PAKSOCIETY.COM

دکھایا؟" نوال کی اپنی قطعی سوچ تھی۔
نوین نے اس کی پسلی میں چٹکی کاٹی۔ "میرے جملوں پر کان کھڑے کرنے کے بجائے اپنی آنکھیں کھول کر ادھر دیکھیں، جہاں آپ کے موصوف فوڈ انسپکٹر بن کر محض جائزہ ہی لے رہے ہیں۔" نوال کا اشارہ اخطب اشتیاق کی طرف تھا۔
"مجھے کیا ضرورت ہے دیکھنے کی۔" وہ مکر گئی۔
"ساری عمر جو دیکھنا ہی ہے۔" گلال نے ٹکڑا جوڑا۔
"وہ ملنے کو بے تاب ہیں۔" نوال نے یاد دلایا۔
"جب اتنے عرصے صبر کیا تو بیچ میں چار دن ہی تو رہ گئے ہیں۔" گلال نے کہا۔
"وہ کہتے ہیں چار دن بعد تو پھر آوازیں لگا کریں گی۔ نوین! میرے موزے لاؤ اور چائے۔ بیوی تو پھر بیویوں جیسی ہی ہوگی۔ بتیس سال پرانے عشق کی یادگار ایک جملہ تک نہیں۔"
نوین نے دہل کر اس کے منہ پر ہاتھ رکھا۔

☆ ☆ ☆

نوال نے ہانپتے ہوئے اور جھنجھلائے انداز میں آکر نوین کو پکارا۔
"میری سم نہیں مل رہی۔ اب آپ ڈھونڈ کر دیں۔" وہ اتنی پریشان دکھائی دے رہی تھی کہ نوین فوراً" مدد کو آئی۔
"تم نے نکالی ہی کیوں تھی؟"
"پہلے چارجر خراب ہوا۔ اب فون بھی تنگ کر رہا ہے۔ اس کو ہلا جلا کر دیکھ رہی تھی۔ بیڈ پر گری یا کارپٹ پر کچھ خبر نہیں ہوئی۔" نوال بے زار تھی۔
"تو تمہارا کمرا بھی تو کباڑ خانہ ہے، ہر چیز بے جگہ۔ سوتے وقت بستر تک تم جھاڑتی نہیں بس جہاں نیند آئی اٹا غفیل۔۔۔" نوین بولتے ہوئے اندر داخل ہوئی۔
"تم بیٹھی کہاں تھیں، جب سم گری ہے۔"
"وہیں بیٹھی تھی جہاں اب آپ کے "وہ" بیٹھے ہیں۔" نوال کی آواز میں عجلت تھی اور ساتھ ہی دروازہ بولٹ ہوگیا۔
"نوال۔۔۔" نوین نے تیزی سے مڑ کر دروازہ اپنی جانب کھینچا اور دھڑ دھڑایا۔
"آجاؤں گی پندرہ منٹ بعد۔۔۔ زیادہ شور نہ کریں ایسا نہ ہو سارا گھر ادھر آکر پندرہ منٹ گزرنے کا انتظار کرنے لگے۔" نوال کی آواز گم ہو رہی تھی۔ وہ شاید پلٹ گئی تھی۔
نوین کچھ نہ سمجھی اور جو سمجھ میں آیا تھا۔ اس کے پیروں سے زمین سرکنے لگی۔ اپنی پشت پر جمی پرشوق نگاہوں کی تپش تن من کو پھونکنے والی تھی۔ اس نے دوسرا ہاتھ بھی لاک پر رکھ لیا۔
اخطب بیڈ پر پاؤں زمین پر جمائے بیٹھے تھے۔ دونوں کہنیاں گھٹنوں پر ٹکی تھیں۔ ہاتھ ایک دوسرے میں پھنسائے وہ ذرا سی ترچھی گردن کر کے اسے سراپا دیکھ رہے تھے۔
اخطب ذرا سا جھکے بیٹھے تھے اور نگاہ پیروں پر پڑتی تھی۔
سلور انگوٹھے والی چپل۔۔۔ سلور نیل پالش۔
ہلکا گلابی چوڑی دار پاجامہ، نگاہ کا سہل پسند سفر قمیص کے دامن پر پہنچا۔ سلور بیل گلابی رنگ پر بہار دکھا رہی تھی۔ نازک کمر پر جھولتی چوٹی، کان کا گول سلور چوڑی برابر کا آویزہ تک ساکت تھا۔ جارجٹ کا سلور بیل لگا دوپٹا شانے پر سمٹا تھا۔
"جتنے سال تمہاری قسم کی پاس داری میں تمہیں نہیں دیکھا۔ اس سے ڈبل وقت میں تمہیں اسی طرح بیٹھ کر دیکھتے ہوئے گزار سکتا ہوں نوین! مگر نوال نے صرف پندرہ منٹ دیے ہیں۔"
نوین کچھ نہ بولی۔ اس کا دل بہت زور سے اچھلا اور آنکھ سے بہنے لگا۔ اس کے اندر رخ موڑنے کی طاقت تھی ہی نہیں۔
"تمہیں خبر ہے، میں نے تمہارا کتنا انتظار کیا۔ یقین کے ہمراہ کسی اور جانب دھیان گیا ہی نہیں۔"
ہنوز خاموشی۔۔۔
"کیا اب بھی کسی قسم نے تمہیں روک رکھا ہے، جو

جنبش پر بھی آمادہ نہیں۔۔۔ اگر ایسا ہے تو مجھے بتا دو یار۔۔۔ تمہیں شاید اب تک میرے ضبط کا اندازہ نہیں ہوا۔"
اخطب کے لہجے میں افسوس گھل گیا۔
نوین نے لاک کو اتنی مضبوطی سے تھام رکھا تھا کہ نرم ہاتھوں کی رگیں تک ابھر آئی تھیں۔ وہ اس کا سامنا کرنے کی خود میں ہمت نہیں پاتی تھی۔ یہ شرم "حیا" کے خانے میں نہیں بیٹھتی تھی، یہ شرم "ندامت" کے زمرے میں آتی تھی۔
"میں جانتی تھی اخطب! آپ جمے رہیں گے اور ڈٹے رہیں گے۔ میرے قدم مضبوطی سے جمے تو وہ آپ کی موجودگی کا احساس ہی تو تھا کہ آپ ہیں اس طرف۔۔۔" نوین کی آنکھیں بہہ رہی تھیں اور دل کہہ رہا تھا۔
"میری ضد نے آپ کو کس کس طرح آزمایا ہوگا۔ ہے اندازہ مجھے۔۔۔ میں خود کو شرمسار پاتی ہوں اخطب! آپ سے سامنا کرنے میں۔۔۔ ورنہ مجھ میں ایسا کچھ نہیں تھا کہ میری خاطر۔۔۔"
اس کے دل سے اٹھتے جملے اس کے لیے تکلیف دہ تھے۔ ایک سسکی سے ابھری اور اخطب کی سماعتوں سے ٹکرا کر انہیں بے تاب کر گئی۔
"بہت من مانیاں کرلیں تم نے نوین منیر خان۔۔۔ ان آنسوؤں کو پونچھنے کے لیے اب بھی کیا میں تمہاری اجازت کا انتظار کروں گا۔" وہ کچھ جارحانہ انداز میں دھمک پیدا کرتے ہوئے کھڑے ہوئے تھے۔
تب ہی چارجٹ کا دھیمی حرکت سے سرکتا دوپٹا شانے سے دامن تک پھسل گیا اور اگلے پل۔۔۔ زمین بوس ہوگیا۔
نوین نے ذرا غصیلہ لہجہ حیرت سے سنا تھا اور بیڈ کے چرچرانے کی آواز بھی وہ کرنٹ کھائے انداز میں گھومی تھی۔
اخطب ایسا کیسے کر سکتے ہیں۔ اس کا دوپٹا۔۔۔ اور۔۔۔ ابھی تو اپنے صبر اور ضبط کا قصہ سنا رہے تھے اور۔۔۔ لیکن نہیں دوپٹا تو خود ہی سرکا تھا۔ اخطب جارحانہ انداز میں اٹھے ضرور تھے، مگر اپنی جگہ سے ہلے نہیں تھے۔ نوین کے اندر اتنی سکت بھی نہ رہی کہ وہ ذرا جھک کر دوپٹا اٹھا لے۔
وہ پورے قد سے پوری رعنائیوں کے ساتھ عین سامنے تھی۔
اخطب تین قدموں میں اس تک پہنچے تھے۔ نوین کو سب بھول گیا۔ رات دن عہد، قسم، رشتے ناتے، کیوں، کب، کیسے کے مسائل۔۔۔
یہ اتنی بڑی زمین تھی اور آسمان۔ اور اس میں بستے بس یہی دو انسان۔۔۔ باقی سب چھو منتر ہوگیا تھا۔ کچھ رہا تو صرف لفظ محبت، احساس محبت، انجام محبت۔
وہ حالت تک کو بھول گئی تھی۔ بس حال نظر آرہا تھا۔ جو زمین پر ذرا سا جھکا گلابی سلور پھولوں سے بوجھل دوپٹا اٹھا رہا تھا۔
اخطب نے دوپٹا ذرا سا جھاڑا، پھیلایا اور بہت لگاؤ سے اس کے سر پر اوڑھا دیا۔ نوین کی ٹھوڑی سینے سے چپک گئی تھی۔
"تمہیں گمان ہوا میں نے تمہارا دوپٹا کھینچا ہے نوین! میں سارے حقوق لے کر آیا ہوں۔" نوین کی آنکھیں جھر جھر بہنے لگیں۔ اس نے ہونٹ کاٹتے ہوئے نفی میں گردن ہلائی تھی زور زور سے۔
اخطب نے اس کا بازو شانے کے پاس سے پکڑا۔
"ایک لفظ نوین۔۔۔ فقط ایک لفظ۔" دوسرے ہاتھ کی شہادت کی انگلی ہوا میں اٹھا کر ملتجی لہجے میں۔۔۔ جیسے ہار گئے تھے۔
ان کے لہجے میں کچھ تھا، نوین نے نگاہیں اٹھائیں، اس کا رونا اب با آواز ہوگیا تھا۔
"ایک جملے کی گزارش ہے۔ آواز بھولا نہیں ہوں۔۔۔ بس یاد تازہ کرنا چاہتا ہوں۔" گہری خوب صورت آنکھیں اس کے تر بتر چہرے پر جمی تھیں۔
"یقین تھا آپ پر۔۔۔ خود سے زیادہ۔۔۔" نوین کی جھجکی ڈری مدھم ٹوٹی آواز ابھری۔ "اچھی طرح جانتی تھی آپ کو۔۔۔ جب ہی تو اتنا بڑا داؤ کھیل گئی۔"
"ہاں۔۔۔ نوین۔۔۔!" اخطب نے لمبا سانس لے کر

WWW.PAKSOCIETY.COM

چھت کو دیکھا۔ ان پر اتنا گہرا یقین۔

اعتراف کا پل۔۔۔ اظہار کا وقت۔۔۔ دیر۔۔۔ کہاں کی دیر کیسی دیر۔۔۔ محبت میں دیر نہیں ہوتی۔ اخطب کچھ کہہ رہے تھے۔ جذب دل کی شدتیں' نارسائی کا کرب' اک نگاہ کی حسرت۔۔۔ نوین کچھ نہیں کہہ رہی تھی۔

وہ محض سن رہی تھی اور اخطب مسلسل بول رہے تھے۔ نجانے کیا؟

☆ ☆ ☆

"اگر تم پندرہ منٹ اور دلوا دو تو۔۔۔" اخطب نوال سے کہہ رہے تھے۔

"چچ چچ۔۔۔" نوال نے تاسف سے سر ہلایا۔ "آپ کو پوری زندگی دے دی گئی ہے۔ اتنی چھوٹی بات مت کریں۔"

"اور بائی داوے کہنے کیا گئے تھے اور کیا سن کر آئے۔ ماتھا واتھا تو سلامت ہے؟"

اخطب زور سے ہنس دیے اور دھیرے سے اس کے سر پر چپت لگائی۔

"تم بڑی چیز ہو نوال۔۔۔!"

"آپ ابھی آدھا سچ جانتے ہیں جناب خالو صاحب۔۔۔!" نوال کو یاد آیا۔ نوین کا جبری نکاح اخطب کے علم میں اب تک نہیں تھا۔

"خالو۔۔۔!" اخطب کو انداز تخاطب بڑا ہی مضحکہ خیز لگا۔

ان کی بگڑی صورت پر نوال قہقہہ لگانے والی تھی' مگر یہ۔۔۔ انعش انعام کی دھاڑ تھی اور ساتھ بے خود کی منمناتی آواز۔۔۔

وہ ذبح کیے بکرے کی طرح ڈکرایا تھا اور بمشکل باریک آواز میں پکار سکا تھا۔

"نوال باجی۔۔۔!" دونوں آوازیں۔۔۔ اور ساتھ دیگر آوازیں کچھ غیر فطری تھیں کہ نوال سرپٹ دوڑی۔ اخطب بھی چند لمحے ٹھہرے اور تیز قدموں سے نیچے چلے۔

نیچے کا منظر عجیب و غریب تھا۔ بے خود گلا پھاڑ پھاڑ کر چیخ رہا تھا کیونکہ انعش نے اسے گریبان سے پکڑ کر زمین سے کافی اونچا اٹھا رکھا تھا۔

اور باقی حاضرین۔۔۔ ششدر تھے۔ اتنے کہ انعش کو منع بھی نہیں کر پاتے تھے۔

نوال کی صورت دیکھ بے خود کے چلانے میں اور شدت آگئی۔ وہ انعش کے سامنے بے بس تھا' لیکن اب جیسے ہمت عود کر آئی۔ اس نے پوری طاقت لگائی اور خود کو چھڑاتا بھاگا ہوا آیا اور نوال کے پیچھے چھپ گیا۔ انعش بھی اس قدر تیزی سے بھاگا تھا اور نوال کو دیکھ کر بمشکل رک سکا۔ اب وہ اس انتظار میں تھا کہ نوال درمیان سے ہٹے اور ایک بار پھر یہ بے خود اس کے ہاتھوں میں ہو۔

"ارے کوئی بتائے ہوا کیا ہے۔ کیوں بچے کے پیچھے پڑے ہو؟" نوال نے چیخ کر کہا۔

"بچہ۔۔۔ بچہ ہے یہ۔۔۔ پیٹ میں داڑھی ہے اس کی۔" وہ حلق کے بل چلایا اور مزید آگے ہوا کہ ایک بار ہاتھ آجائے۔ وہ اور بے خود زگ زیگ ہو رہے تھے۔ درمیان میں نوال سیسہ پلائی دیوار تھی گویا۔

"لیکن ہوا کیا ہے؟" وہ ذرا اونچی آواز میں چلائی تھی۔ تب سب ہی اپنی اپنی بولیاں بولنے لگے۔ اوپر سے چلتائی وی۔۔۔

"اسے تو بند کریں۔۔۔ مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آرہا۔"

آگ لگاتے لہجے میں تیز تیز بولتا نیوز اینکر اسے برا لگا۔ اس نے دیکھا سب پوری طرح نیوز اینکر کی سننے لگے۔ انعش اور بمشکل منہ نکال کر بے خود بھی دیکھ رہا ہے۔

اخطب کی "ارے" پر کچھ بولنے کے لیے منہ کھولتی نوال کا منہ بند ہوا اور پھر دوبارہ کھل گیا۔

"ہائیں!" یہ تو کچھ جانا پہنچانا منظر تھا۔ "اوہ۔۔۔" وہ سب سمجھ گئی۔ ساتھ ہی ہونٹوں پر مسکان آن رکی۔

وہ انعش کے بیلوں کی جوڑی تھی جن کی خوب صورتی بے مثال تھی۔ ٹی وی کے رنگوں میں وہ اور

پیارے دکھتے تھے۔ ان کا ٹی وی پر آنا حیران کن نہیں تھا۔ کئی چینل والے آکر فوٹیج بنا کر لے گئے وہ انعش انعام۔ جو بیلوں کی رونمائی کے بعد فلسفہ قربانی پر ایک چھوٹی سی تقریر بھی کرتا تھا۔

لیکن اس بار منظر کچھ الگ تھا۔ بیلوں کی فوٹیج کے ہمراہ بے خود خان پر کیمرہ جاتا تھا۔

اور پٹر پٹر چلتی نیوز اینکر کی زبان۔۔۔

"مگر ناظرین آپ اس بچے کو دیکھیے۔ یہ کتنی مہارت سے اندر آتے دیگر بچوں اور بڑی عمر کے لوگوں سے بیلوں کو دکھانے کے پیسے بٹور رہا ہے اور بچے کی کاروباری ذہنیت کا اندازہ لگائیے کہ دیکھنے کے دس اور ہاتھ لگانے کے پندرہ اور تصاویر بنانے کے پچاس روپے طے کر رکھے ہیں۔ اور ناظرین۔۔۔ لوگ خوشی خوشی بغیر کسی بارگیننگ کے جیبیں خالی کر رہے ہیں۔ ناظرین۔۔۔ ہمارا اندازہ ہے کہ اگر قربانی میں محض چند دن اور رہتے تو یہ بچہ جانور دکھا دکھا کر ان بیلوں کی قیمت جو کہ لاکھوں میں ہے' پوری کر لیتا۔"

ایک گھنٹے میں چار بار چلنے والی یہ خبر۔۔۔ اب تک نیل کے ساحل سے لے کر تابۂ خاک کاشغر تک پھیل چکی ہوگی۔

"یہ کب ہوا؟" نوال نے دانت پیس کر بے خود سے پوچھا۔

"میرے کو نہیں پتا۔۔۔" بے خود لاعلم تھا۔

خبر دلی تو سب ایک بار پھر بے خود کی جانب متوجہ ہوئے جن میں سب سے اشتعال انگیز توجہ انعش انعام کی تھی۔

وہ کسی ریسلر کی طرح اسے دونوں ہاتھوں میں اٹھا کر پٹخنیاں دینا چاہتا تھا اور اینا کونڈا کی طرح نگل کر اگل دینا اور سرما بنا دینا۔

مگر اب سب بڑے جو پہلے انگشت بدنداں تھے دھیرے دھیرے بے دار ہونا شروع ہوئے۔

"میرے کو موبائل لینا تھا۔" وہ ہچکیوں سے رو پڑا۔

"تو تم کسی سے بھی کہہ دیتے۔۔۔ کون منع کرتا۔" اخطب پر موٹی آنکھوں کے آنسوؤں کا اثر ہوا۔

سب ہاں میں ہاں ملانے لگے۔

"نوال باجی نے کہا تھا کہ۔۔۔ مانگ کر چیز لینے سے عزت نفس مجروح ہوتی ہے۔" اس نے اٹک اٹک کر مشکل لفظ کہا۔ "اس لیے اپنے ہاتھ کی کمائی پر بھروسہ کرنا چاہیے۔" اس نے آستین آنکھوں پر رگڑیں۔

"تو یہ تیرے اپنے ہاتھ کی کمائی تھی سالے۔۔۔!" انعش کا دماغی توازن الٹ گیا۔ "میری ساری قربانی خراب کر دی۔ تجھے تو آج میں۔۔۔"

بے خود سچ مچ ڈر گیا۔ اس کی گھگھی بندھ گئی۔ اس نے نوال کو دیکھا جو مزے سے کھیر کا پیالہ بھر کے بیٹھی تھی۔

"محنت کی حق حلال کی کمائی کے لیے تجھے میرے ہی بیل نظر آئے۔"

"نوال باجی۔۔۔!" بے خود کی بھنچی آواز نکلی۔

"تو اتنا ننھا سا تیرہ برس کا بچہ اب کہاں محنت مزدوری کرنے جاتا' اسی لیے میں نے کہا کہ شروعات اپنے گھر سے چھوٹے پیمانے سے کرو۔"

نوال نے ایک بڑا سچ منہ بھر کے بولنا شروع کیا۔

"اب کہیں باہر جاتا تو چائلڈ لیبر کا کیس نہ بن جاتا۔"

انعش غش کھائے انداز میں صوفے پر گرا تھا۔ اخطب کے ہاتھ سے بھی بے خود کا ہاتھ چھوٹا تو وہ تیر کی طرح دوبارہ نوال کے چرنوں میں جا بیٹھا۔

"اب تک پورے ملک میں یہ گھٹیا خبر پھیل چکی ہوگی کہ انعش انعام نے اپنے جانوروں کی قیمت رکھی ٹکٹ لگا کر۔۔۔" وہ شدت غم و شرم سے مرجانے کو تھا۔

"تم کہو تو میں سارے ملک کی کیبل وائر اڑا دوں ایک بم دھماکے سے۔۔۔"

"نوال!" ضمیر خان کی آواز گونجی۔ "اس بار زیادہ ہو گئی کہو سوری۔۔۔"

"سوری فار واٹ۔" وہ اچھلی۔

"ڈیڈ! آپ کو پتا ہے اس نے اس دن ہماری کتنی انسلٹ کی تھی۔ میں تو بڑے فرینڈلی موڈ میں جانور دیکھنے گئی تھی۔ خود تو اسے توفیق ہوئی نہیں کہ کہہ دیتا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

آؤ نوال میرے بیل دیکھو۔ اسی وقت فیصلہ کرلیا تھا اسے سبق سکھانے کا۔۔۔ نوال ضمیر خان سے پنگا۔۔۔ اوہ۔۔۔" نوال نے خود ہی جھرجھری لی۔

"بے خود تو بس ایک سبب بن گیا۔ ورنہ میرے پاس تو اور بھی پلان تھے۔ سستے میں چھوٹ گئے انعش انعام! ورنہ میں بھتہ خور بن کر تم سے پیسے لوٹتی۔۔۔ یا پھر۔۔۔"

"اب بس کرو نوال۔۔۔" ممی نے اسے ٹوکا۔ "تم نے زیادتی کی ہے' سوری کہو۔"

"سوری کہنے سے کیا میری بے عزتی کم ہوجائے گی۔" انعش کے لہجے میں ہار آگئی۔ وہ نوال سے نہیں جیت سکتا تھا۔

"مگر تمہاری انا کو تسکین ضرور پہنچے گی۔" نوال نے کولڈ ڈرنگ گلاس میں انڈیلی۔

نوال کے اشارے پر بے خود دھیرے دھیرے کمرے سے سرکا۔

ٹی وی پر ایک بار پھر وہی خبر چل رہی تھی۔ سب متوجہ ہوئے اور پھر اشتیاق احمد کے فلک شگاف مسلسل قہقہے نے سب کو چونکایا اور جیسے سب کے ہنسنے کی راہ ہموار کردی۔

"ادھر آؤ ذرا تم۔" اشتیاق احمد نے اپنے پاس جگہ بناتے ہوئے اسے پکارا۔

"یہ تمہارے پاس اس قسم کے آئیڈیاز آتے کہاں سے ہیں؟"

"کہاں سے آتے ہوں گے۔ دراصل میرے سارے ایکشن' ری ایکشنز ہوتے ہیں۔ جب اس طرف سے ایسی کمینگی آتی ہے۔" اس نے انعش کی جانب دیکھا۔

"اور تم اس سارے عرصے میں کیا کرتی رہیں۔" گلال نے پوچھا تھا۔

"میں نے کیا کرنا تھا۔ باہر نظر رکھ کر بیٹھی تھی۔ سیکورٹی گارڈز کو چائے' ناشتے کے بہانے باتوں میں الجھا کر رکھا۔ بس گڑبڑ یہ ہوئی۔" نوال کے چہرے پر الجھن پیدا ہوئی۔ "یہ میڈیا والے وہاں کیسے پہنچے؟"

"میڈیا نہیں پہنچا۔۔۔ کسی نے اپنے موبائل سے ویڈیو بنا کر بھیجی ہے۔" انعش کی دل جلی آواز گونجی۔

"اوہ۔۔۔" نوال سمجھی اور ساتھ ہی زور سے ہنس دی۔ اس کی ہنسی جیسے اشارہ تھی۔ پورا کمرہ قہقہوں سے گونج اٹھا۔ ہنسی چھوت کی بیماری ہوتی۔ سخت سے سخت جان بندے کو بھی لگ جاتی ہے۔

انعش پکا منہ کرکے بیٹھا تھا۔ مگر ایک' دو تین۔۔۔ تناؤ والا چہرہ دھیما ہوتے ہوئے مسکان لے آیا اور پھر سب سے بلند آہنگ قہقہہ خود اسی کا تھا۔ سب نے دلچسپی سے اسے دیکھا۔

اور اس نے نوال کو۔۔۔ وہ واقعی نوال کے ذہن تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔ اس نے سوچا تھا۔ نوال بیلوں کے ساتھ پہ وہ۔۔۔ وہ سب کرسکتی ہے' یا اس کے ساتھ (پچھلے برس کا بدلہ لینے کے لیے۔۔۔) لیکن جو اس نے کیا تھا۔ وہ اس کے سان و گمان میں بھی نہیں آیا۔

دل کو تھوڑا سا بڑا کرکے مسکرا دینے سے زندگی کتنی خوشگوار اور آسان ہوجاتی ہے۔

انعش نے سوچا۔ اس نے بہت طمانیت سے براجمان اپنے چچا کو دیکھا اور وہیں کونے میں ذرا سا سمٹی اپنی آنی نوین کو۔۔۔

نوال نے خوشگوار اینڈ لکھنے کا دعوی کیا تھا۔ کچھ لوگ اپنے زور بازو اور قوت فیصلہ اور صحیح ہونے پر ڈٹ جانے پر کس قدر یقین رکھتے ہیں۔

نوال ضمیر خان ان ہی میں سے ایک تھی۔

انعش نے اسکرین پر نظر آتے بے خود خان پر نظریں جمائیں۔ جو دونوں ہاتھوں سے نوٹ بٹور رہا تھا۔

اس نے نوال کا بڑھایا کھیر کا پیالہ تھام لیا۔ دونوں کی نظریں ملیں تو چند لمحے کے توقف کے بعد ایک بے ریا ہنسی کمرے میں گونج اٹھی۔ جس میں سب کے قہقہے بھی شامل ہوگئے۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

دُخسانہ نگار عدنان

ایک تھی مثال

عدیل اور فوزیہ نسیم بیگم کے بچے ہیں۔ بشریٰ ان کی بہو ہے اور ذکیہ بیگم کی بیٹی ہے۔ عمران بشریٰ کا بھائی ہے۔ مثال ذکیہ بیگم کی نواسی اور نسیم بیگم کی پوتی ہے۔ بشریٰ اور نسیم بیگم میں روایتی ساس بہو کا تعلق ہے۔ نسیم بیگم منصلۂ بیٹا بہو سے لگاوٹ دکھاتی ہیں۔ دوسری طرف ذکیہ بیگم کا کہنا ہے۔ ان کی بیٹی بشریٰ کو سسرال میں بہت کچھ برداشت کرنا پڑتا ہے۔ پانچ سال کی مسلسل کوششوں کے بعد بشریٰ کی نند فوزیہ کا بالآخر ایک جگہ رشتہ طے پاجاتا ہے۔ نکاح والے روز بشریٰ دولہا ظہیر کو دیکھ کر چونک جاتی ہے۔

عدیل سے شادی سے قبل ظہیر کا بشریٰ کے لیے بھی رشتہ آیا تھا مگر بات نہ بن سکی تھی۔ نکاح والے دن زاہدہ اور ذکیہ بیگم بھی ایک دوسرے کو پہچان لیتی ہیں۔ بشریٰ اپنی ماں سے یہ بات چھپانے کے لیے کہتی ہے مگر عدیل کو پتا چل جاتا ہے۔ وہ ناراض ہوتا ہے مگر فوزیہ اور نسیم بیگم کو بتانے سے منع کردیتا ہے۔ بشریٰ اور عدیل ایک ہفتے کے لیے اسلام آباد جاتے ہیں۔ وہاں انہیں پتا چلتا ہے کہ بشریٰ کے ہاں سات سال بعد پھر خوش خبری ہے۔

عفان اور عاصمہ اپنے تین بچوں اور والد کے ساتھ کرائے کے گھر میں رہتے ہیں۔ عفان کے والد فاروق صاحب سرکاری نوکری سے ریٹائر ہوئے ہیں۔ گریجویٹی اور گاؤں کی زمین فروخت کرکے وہ اپنا گھر خریدنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ڈیڑھ کروڑ میں زمین کا سودا کرکے وہ عفان کے ساتھ خوشی خوشی شہر آرہے ہیں۔ عاصمہ کو فون کے ذریعے کوئی اطلاع ملتی ہے، جسے سن کر وہ بے ہوش ہوجاتی ہے۔

فون پر پتا چلتا ہے کہ شہر آتے ہوئے عفان اور فاروق صاحب ڈکیتی کی واردات میں قتل ہوگئے۔ عفان کے قریبی دوست زبیر کی مدد سے عاصمہ عفان کے آفس سے تین لاکھ روپے اور فاروق صاحب کی گریجویٹی سے سات لاکھ روپے

وصول کرپاتی ہے۔ زبیر گھر خریدنے میں بھی عاصمہ کی مدد کررہا ہے۔
اسلام آباد سے واپسی پر عدیل دونوں متوقین کو دیکھتا ہے۔ زاہدہ، نسیم بیگم سے بیس لاکھ روپے سے مشروط فوزیہ کی رخصتی کی بات کرتی ہیں۔ وہ سب پریشان ہوجاتے ہیں۔ عدیل بشریٰ سے ذکیہ بیگم سے تین لاکھ روپے لانے کو کہتا ہے۔
حمیدہ خالہ، عاصمہ کو سمجھاتی ہیں کہ عدت میں زبیر کا اکیلے اس کے گھر آنا مناسب نہیں ہے۔ لوگ باتیں بنارہے ہیں جبکہ عاصمہ کی مجبوری ہے کہ گھر میں کوئی مرد نہیں۔ اس کا بیٹا ابھی چھوٹا ہے اور سارے کام اس کو خود کرنے ہیں۔ وہ جلد از جلد اپنا گھر خریدنا چاہتی ہے۔ عاصمہ کے کہنے پر زبیر کسی مفتی سے فتویٰ لے کر آجاتا ہے کہ وہ انتہائی ضرورت کے پیش نظر گھر سے نکل سکتی ہے بشرطیکہ مغرب سے پہلے واپس گھر آجائے، سو وہ عاصمہ کو مکان دکھانے لے جاتا ہے۔
رقم مہیا نہ ہونے کی صورت میں فوزیہ کو طلاق ہوجاتی ہے۔ نسیم بیگم جذباتی ہوکر سوا اور اس کے گھر والوں کو مورد الزام ٹھہرانے لگتی ہیں۔ اسی بات پر عدیل اور بشریٰ کے درمیان خوب جھگڑا ہوتا ہے۔ عدیل طیش میں بشریٰ کو دھکا دیتا ہے۔ اس کا ابارشن ہوجاتا ہے۔ عدیل شرمندہ ہوکر معافی مانگتا ہے مگر وہ ہنوز ناراض رہتی ہے اور اسپتال سے اپنی ماں کے گھر چلی جاتی ہے۔
اسی اسپتال میں عدیل عاصمہ کو دیکھتا ہے جسے بے ہوشی کی حالت میں لایا گیا ہوتا ہے۔ عاصمہ اپنے حالات سے تنگ آکر خودکشی کی کوشش کرتی ہے تاہم بچ جاتی ہے۔ نو سال بعد عاصمہ کا بھائی ہاشم پریشان ہوکر پاکستان آجاتا ہے۔ عاصمہ کے سارے معاملات دیکھتے ہوئے ہاشم کو پتا چلتا ہے کہ زبیر نے ہر جگہ فراڈ کرکے اس کے سارے راستے بند کردیے ہیں اور اب مفرور ہے۔ بہت کوششوں کے بعد ہاشم، عاصمہ کو ایک مکان دلا پاتا ہے۔ بشریٰ اپنی واپسی الگ گھر سے مشروط کردیتی ہے۔ دوسری صورت میں وہ علیحدگی کے لیے تیار ہے۔ عدیل سخت پریشان ہے۔

دسویں قسط

فوزیہ نے فکرمند نظروں سے تھرمامیٹر کو دیکھا اور دوسری نظر نیم بے ہوش سرخ چہرہ لیے مثال پر ڈالی۔
"کیا ہے؟" نسیم بیگم لٹھ مارسے انداز میں بولیں۔
"دکھاؤ مجھے۔" عدیل بڑھی ہوئی شیو کے ساتھ گم صم سا بیٹھا تھا۔ فوزیہ کو تھرمامیٹر ہاتھ میں لیے دیکھ کر چونکا۔
"ایک سو تین سے ٹمپریچر کم ہی نہیں ہورہا۔" فوزیہ دکھی لہجے میں بولی۔
"میرے اللہ! رحم کر معصوم بچی پر۔" نسیم دہائی دینے والے انداز میں بولیں۔
"کہا تھا میں نے ابھی اسے ماں سے دور نہ کرو بہت پلی ہوئی ہے بشریٰ سے۔ اتنی آسانی سے نہیں سنبھلے گی مگر مجھ خبطن کی سنتا کون ہے اس گھر میں۔" نسیم جلے کٹے انداز میں کہہ رہی تھیں۔
عدیل نے عجیب سی نظروں سے ماں کو دیکھا۔
"ابھی بھی آپ کو یہ گلہ ہے؟" اس کا لہجہ استہزائیہ تھا جیسے خود پہ زور سے ہنسا ہو۔
نسیم اور فوزیہ نے بے ساختہ ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ فوزیہ نے نظریں چرالیں۔ نسیم کو غصہ تو بہت آیا اور سخت سست سنانے کو جی بھی چاہا مگر فوزیہ نے ماں کا ارادہ بھانپتے ہوئے آنکھوں کے اشارے سے منع کردیا۔
بھلی گھڑی تھی جو نسیم کو بھی یہ تنبیہہ سمجھ میں آگئی جواب میں وہ آہ سی بھر کر چپکی رہیں۔
"ماما... ماما... ماما! مجھے ماما پاس... ماما!" مثال نیند میں رک رک کر کراہتے ہوئے بول رہی تھی۔
نسیم نے فتح مند نظروں سے عدیل کو دیکھا۔
"دیکھا! میں نہیں کہتی تھی، یہ بھی یہاں ٹکنے والی نہیں۔"

عدیل بے بسی سے مثال کا ماتھا سہلانے لگا۔
"اسے دوبارہ لے کر جاؤں ڈاکٹر کے پاس۔ بخار تو کسی طرح کم ہی نہیں ہورہا اس کا۔" وہ کس کو بھی مخاطب کیے بغیر بولا۔
"حالانکہ میں نے تو باقاعدگی سے دوا دی ہے مثال کو کم از کم بخار تو اترنا چاہیے اس کا۔" فوزیہ نرم لہجے میں بولی۔
"ارے کم بخت لٹیرے ہیں یہ آج کل کے ڈاکٹر سارے۔ اب اگر پھر سے لے کر جاؤ تو نئے سرے سے فیس لیں گے۔ انہیں کوئی خوف خدا تھوڑی آئے گا اور جی میں آیا تو چھ چار ٹیسٹ بھی لکھ ڈالیں گے۔ اپنی کوتاہی تھوڑی مانیں گے کہ ان کی لکھی دوا نے خاک اثر نہیں کیا۔" نسیم کوفت بھرے انداز میں بولتی چلی گئیں۔
یوں بھی خس کم جہاں پاک تو ہوچکا تھا مگر رات سے جو اس باکشت بھر کی لڑکی نے مفت کی پریڈ کرا رکھی تھی۔ اس سے جی خوب ہی بے زار تھا۔
ذرا جو اس شان دار فتح کی خوشی منائی جاسکی ہو۔ فی الحال جان چھڑانے کا اور کوئی رستہ بھی نہیں سوجھ رہا تھا۔
"کیا ہوا امی!" فوزیہ تشویش سے بولی۔
عدیل نے بھی چونک کر ماں کو دیکھا، ورنہ وہ بہت دیر سے یک ٹک صرف اپنی لاڈلی کو ہی دیکھے جارہا تھا، جو رات بھر میں نچڑ کر آدھی بھی نہیں رہ گئی تھی۔ گالوں کی گلابیاں پیلاہٹ میں بدل گئی تھیں۔ آنکھوں کے گرد سیاہی ابھر آئی تھی۔ سوکھے خشک ہونٹ، بکھرے بے رونق بال اور یوں بے ہوش۔
عدیل کا دل کٹا جارہا تھا۔
"امی! ٹھیک ہیں نا آپ؟" چہرے پر تکلیف کے آثار لیے ہولے ہولے بائیں طرف سے ایک سینہ اور بازو دبا رہی تھیں۔
"امی... کیا بات ہے؟" عدیل کو بھی پوچھنا پڑا۔
"ٹھیک ہوں میں۔" نسیم جیسے کراہ کر دکھی آواز میں بولیں۔
"آپ رات بھر سو بھی نہیں سکیں۔ بے آرامی کی وجہ سے آپ کی طبیعت نہ بگڑ جائے۔ آپ جاکر آرام کرلیں۔" فوزیہ تشویش سے بولی۔
"نہیں۔ میں ٹھیک ہوں۔ بس اللہ میری مثال کو جلدی سے اچھا کردے پہلے کی طرح ہنستا کھلکھلاتا۔ کیسے تتلی کی طرح میری بچی اس آنگن میں اڑی پھرتی تھی۔ رات بھر میں مرجھایا پھول بن کر رہ گئی۔" نسیم کو سسکی سی لے کر رندھی آواز میں بولیں۔
"فوزیہ! امی نے دوا لی ہے آج؟" عدیل ماں کو دیکھ کر فکر سے بولا۔
"جی بھائی!" فوزیہ ایک دم سے ہی بہت سعادت مند، فکر کرنے والی، خیال رکھنے والی بہن اور بیٹی بن گئی تھی بشریٰ کے جاتے ہی۔
"امی! آپ جاکر آرام کریں۔" عدیل نرمی سے بولا۔
"ماما!" مثال پھر کراہی۔
"میری بچی... میری گڑیا!" نسیم تڑپ کر بولیں۔
"جا عدیل! اسے ڈاکٹر کے پاس لے جا۔ آنکھیں کھولے یہ۔" وہ زمانے بھر کی محبت، تڑپ لہجے میں سمو کر بولیں۔
"مثال... میری بچی دادی کی جان! آنکھیں کھول کر ایک بار تو دیکھ ہم تینوں رات بھر سے تیرے لیے کتنے

WWW.PAKSOCIETY.COM

پریشان ہیں۔ تیری اس سنگدل ماں کی طرح نہیں، جو تجھے چھوڑ چھاڑ کر گئی تو پلٹ کر خبر بھی نہیں لی اس نے۔ گویا بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا۔" وہ مثال پہ جھکی اسے پیار کرتے ہوئے کہے جا رہی تھیں۔ عدیل نے کچھ ناگواری سے ماں کی طرف دیکھا۔

"امی! آپ کچھ دیر جا کر سو جائیں۔" فوزیہ نے فوراً عدیل کے چہرے کے بگڑتے زاویے دیکھ کر کہا۔

"میں کہاں سو سکوں گی، میری شہزادی اس حال میں پڑی ہے۔" نسیم آنکھیں صاف کرتے ہوئے بولیں۔

عدیل گھڑی دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔

"فوزیہ! میں گاڑی نکالتا ہوں۔ تم مثال کو لے کر آجاؤ۔ ڈاکٹر پانچ بجے تک کلینک آجائے گا تو ایک بار پھر چیک اپ کروا لیتے ہیں بلکہ شاید وہ اسے ایڈمٹ کر لے۔" کہہ کر تیزی سے باہر نکل گیا۔

فوزیہ اور نسیم کو فت سے اسے جاتا دیکھتی رہ گئیں۔

☆ ☆ ☆

"لیکن میڈم میں نے تو چھٹی کی درخواست بھیجی تھی۔" عاصمہ کے چہرے پر پریشانی اور گھبراہٹ تھی۔

میڈم کے چہرے کے تاثرات اسے بہت کچھ سمجھا رہے تھے۔

"کتنی بار... درخواست تھی یہ آپ کی پورے مہینے ہیں۔" میڈم نے کرسی ذرا سی گھماتے ہوئے عاصمہ کے چہرے پر نظریں جما کر طنز سے کہا۔

عاصمہ نظریں جھکا کر اپنی سرد پڑتی انگلیوں کو آپس میں جکڑ کر خود کو سنبھالنے کی سعی کرنے لگی۔

"میری مجبوری تھی میڈم کہ..." اب کوئی تو بات کرنی تھی اسے بات کو آگے بڑھانے کے لیے۔

"اور میری مجبوری یہ ہے مس عاصمہ! کہ مجھے اس اسکول کو چلانا ہے۔ آپ صرف مجھے جواب دہ ہیں اور میں اس اسکول میں موجود ڈھائی سو بچوں کے والدین کے سامنے جواب دہ ہوں جن کو ہفتے میں تین دن اپنے بچوں سے یہ سننے کو ملتا ہے کہ ان کی ٹیچر آج ایب سینٹ تھیں۔" وہ سارا لحاظ مروت اخلاق بالائے طاق رکھ کر زور سے بولیں۔

"میڈم! میری بیٹی بیمار تھی تو مجھے بہت مجبوری میں..." عاصمہ کی آواز کوشش کے باوجود رندھ گئی۔

"تو ایک کام کرتے ہیں مس عاصمہ! جس سے آپ کی اور میری مجبوری آرام سے ختم ہو سکتی ہے۔" وہ آگے ہو کر سرد لہجے میں بولیں۔

عاصمہ کو میڈم کی سرد سی مسکراہٹ جواب میں مسکرانے پر مجبور نہیں کر سکی۔

"میڈم! میں کوشش کروں گی آئندہ چھٹی نہ ہو۔" عاصمہ نے جلدی سے کہا۔ مبادا کوئی خوفناک بات نہ اسے سننی پڑ جائے۔

"میں جانتی ہوں آپ یہ سب کچھ اپنے شوق سے نہیں کرتیں لیکن میں بھی مجبور ہوں۔ میں اسکول شوقیہ کھول کر نہیں بیٹھی ہوں۔ میں اگر بچوں کے والدین سے فیس لیتی ہوں تو مجھے انہیں مطمئن بھی کرنا ہوتا ہے۔ گزشتہ چھ ماہ میں آپ نے ہر ہفتہ ایک سے دو چھٹیاں کیں۔ چلیں، میں وہ بھی برداشت کر گئی لیکن ہر ہفتے تین چھٹیاں۔"

"میڈم! میں..."

"سوری مس عاصمہ... آپ جا کر کیشیر سے اپنا حساب کر لیں۔ فی الحال ہمیں آپ کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ بے لچک لہجے میں بولیں۔

عاصمہ تو جیسے لمحہ بھر میں پتھر کی ہو گئی۔

"میڈم... اس بار... صرف اس بار آپ معاف کر دیں... پرامس۔" وہ سخت پریشانی میں بے ربط ہو گئی۔ اس کی آنکھوں میں نمی ہلکورے لے رہی تھی۔

ہم نے کل ہی آپ کی جگہ کسی اور ٹیچر کو اپائنٹ کر لیا ہے۔" میڈم نے اس کے سامنے ایک اور دھماکا کر دیا۔

وہ ساکت سی دیکھتی رہ گئی۔

"اور آپ جانتی ہیں۔ میں کوئی صاحب ثروت تو ہوں نہیں کہ ایک آپ کی چھٹیوں کے لیے ایکسٹرا ٹیچر رکھ لوں۔ میرے بھی دس ہزار اخراجات ہیں، پھر اس اسکول کی مینٹیننس، بہت سی میری بھی مجبوریاں ہیں جنہیں یہاں دہرانا بیکار ہے۔ نہ میرے پاس اتنا وقت ہے نہ آپ کو اس میں دلچسپی ہو گی... سو آئی ایم سوری۔" وہ کندھے اچکا کر دو ٹوک لہجے میں بولیں۔

میڈم! آپ جانتی ہیں میرے بچوں کا آسرا یہی جاب ہے۔"

"اگر آپ اس بات کو سمجھتیں تو اس قدر غیر ذمہ داری کا ثبوت نہیں دیتیں۔ میں نے بھی یہی کچھ سوچ کر آپ کو جاب دی تھی۔" وہ جتا کر طنز سے بولیں۔

میڈم! میری بچی کو ڈبل نمونیہ ہو گیا تھا جس کی وجہ سے..."

"آپ پلیز اب جا سکتی ہیں۔ مجھے کچھ اہم کام نپٹانے ہیں۔ آپ کیشیر سے اپنا حساب لے کر جائیں۔" وہ اپنے آگے پڑی فائل کھولتے ہوئے روکھے لہجے میں بولیں۔

"میڈم پلیز! ایسا نہیں کریں۔ میں کیا کروں گی۔" وہ آخر میں گڑگڑا ہی بیٹھی۔

کل ہی تو اوپر سے کرائے دار بھی چلے گئے تھے۔ اس ماہ کرایہ ملنے کی بھی امید نہیں تھی۔ اگر نوکری بھی چلی جاتی۔ جو کہ جا ہی چکی تھی تو وہ پورا مہینہ کیا کرے گی، وہ بے اختیار رونے لگی بے بسی سی بے بسی تھی۔

اسے خود پر ترس آنے لگا۔ ایسا تو اس نے کچھ نہیں سوچا تھا۔ چند ہزار کی معمولی اسکول ٹیچر کی نوکری کے لیے اسے یوں منتیں کرنا ہوں گی۔

"میں آپ کا نام فیکسٹ، کمنگ ٹیچرز میں رکھ رہی ہوں جیسے ہی ہمیں آپ کی ضرورت ہو گی۔ ان شاء اللہ میں سب سے پہلے آپ کو کال کروں گی۔ آپ بلاشبہ ایک محنتی ٹیچر ہیں اور بچے بھی آپ سے جلد مانوس ہو جاتے ہیں۔ میں ضرور آپ کو کال کروں گی۔ اب آپ جا سکتی ہیں۔"

انہوں نے بہت طریقے سے بات ختم کر دی۔ وہ دیکھتی رہ گئی۔

"وش یو بیسٹ آف لک۔" میڈم نے الوداعی مصافحے کے لیے اس کی طرف ہاتھ بڑھا دیا۔ عاصمہ نے اپنا ٹھنڈا یخ ہاتھ ان کے ہاتھ میں ذرا سا دیا۔

"اللہ حافظ!" وہ کہہ کر فون پر کوئی نمبر ملا کر بات کرنے میں مصروف ہو گئیں۔

عاصمہ چند لمحے بے بس سی بیٹھی اپنے ہونٹ چباتی رہی، پھر آہستگی سے اٹھ کر باہر نکل گئی۔

دروازے کے پاس پہنچ کر اس نے آس بھری نظروں سے مڑ کر دیکھا اور میڈم کا منہ دوسری طرف دیکھ کر اپنا چہرہ صاف کرتی باہر نکل گئی۔

☆ ☆ ☆

"امی! میں نے قسم کھائی ہے جب تک میری مثال مجھے نہیں مل جاتی۔ میں ایک لقمہ نہیں کھاؤں گی۔ اس دنیا کی ہر نعمت مجھ پر حرام ہے۔"

WWW.PAKSOCIETY.COM

بشریٰ نے کھانے کی ٹرے اتنی زور سے پرے کی کہ سالن ٹرے میں گر گیا اور ذکیہ تو کچھ بول ہی نہ سکیں۔
"تین دن ہو گئے ہیں میری بچی! تجھے آج کچھ کھائے پیے۔ ہر دو گھنٹے بعد تو بے ہوش ہو جاتی ہے ڈاکٹر ابھی کہہ کر گیا ہے۔ اگر تو نے کچھ کھایا نہیں تو۔۔۔"
"مروں گی پھر بھی نہیں امی! میں بہت سخت جان ہوں۔ بہت ڈھیٹ مجھے موت نہیں آنے والی۔ مجھ جیسی ماؤں کو موت آیا بھی نہیں کرتی۔ میری غلطی جو میں اس رات اپنی بچی ان وحشیوں کے پاس چھوڑ کر چلی آئی۔۔۔ مثال میری بچی میری گڑیا۔۔۔ ہائے تین دن سے تین راتوں سے میں نے اسے نہیں دیکھا اسے نہیں چھوا' اس کو نہیں چوما۔۔۔ مثال میری گڑیا مثال۔۔۔ مثال' مثال۔" وہ پاگلوں کی طرح منہ اونچا کیے آنکھیں بند کیے گلا پھاڑ پھاڑ چیخنے لگی۔
ذکیہ اسے سنبھالتے خود بھی بکھرنے لگیں۔
"مثال۔۔۔ مثال کہاں ہے مجھے کیوں نظر نہیں آتی۔ میری گڑیا۔۔۔ میری بچی۔" وہ اردگرد سے بیگانہ ہر احساس سے ماورا صرف مثال کے لیے چیخ رہی تھی' رو رہی تھی۔
ذکیہ اسے سنبھالنے میں نڈھال ہو چکی تھیں۔ جب عمران کمرے میں بھاگتا ہوا آیا۔
"آپی۔۔۔ آپی خدا کے لیے ہوش کریں۔ کچھ نہیں ہوتا مثال کو۔۔۔ میں لے کر آؤں گا اسے۔ آپ ہوش کریں۔ خود کو سنبھالیں۔" وہ اسے بازوؤں سے پکڑ کر روکنے لگا۔
وہ بغیر دوپٹے' جوتوں کے پھرسے گھر سے باہر بھاگ رہی تھی چیختے ہوئے۔ بالکل کوئی پاگل دیوانی لگ رہی تھی۔
"مجھے صرف میری بچی لا دو۔ مجھ سے سب کچھ لے لو۔ میری مثال میری گڑیا مجھے لا دو۔ میں مر جاؤں گی اس کے بغیر۔ میں خود کو ختم کر لوں گی۔" وہ ایک دم سے لاؤنج کے ستون سے پاگلوں کی طرح سر ٹکرانے لگی تھی۔
عمران مرد ہو کر اس کی وحشت کو قابو نہیں کر پا رہا تھا۔ خون بھل بھل اس کے ماتھے اور سر سے بہنے لگا۔ ذکیہ کی چیخیں نکل گئیں۔
عمران جب تک بشریٰ کو سنبھالتا' وہ چیختی ہوئی بے ہوش ہو چکی تھی اور اب فرش پر بے دم پڑی تھی۔ بادامی چکنی ٹائلوں پر اس کا سرخ خون پتلی سی لکیر بناتا ہوا جا رہا تھا۔ ذکیہ خاتون کا جیسے دل ہی بیٹھنے لگا۔
"میری بچی' میری بشریٰ مر جائے گی عمران! اسے لے چل کہیں۔
بلا ڈاکٹر' جلدی کر مر جائے گی۔ اسے کچھ ہو جائے گا۔" ذکیہ نے خود ہاتھ پاؤں چھوڑ دیے تھے۔
عمران نے بہ دقت بشریٰ کو بازوؤں میں بھرا اور باہر جانے لگا۔
"امی! میں آپی کو گاڑی میں ڈال رہا ہوں۔ آپ پلیز جلدی سے لاک لگا کر آجائیں باہر۔" وہ جاتے ہوئے پکارا۔

بشریٰ کی ایسی حالت تو ان تین دنوں میں کبھی نہیں ہوئی تھی۔ وہ پہلے دو دن تو جیسے سکتے میں رہی تھی۔ ذکیہ اسے رلانے اور بہلانے کی کوشش کرتی رہیں۔ تیسرے دن اسے بار بار طلاق کا یاد دلا کر رلانے کے جتن کرتی رہیں۔ مگر بشریٰ رات کے آخری پہر کہیں واش روم گئی اور وہاں اس نے مثال کا خوب صورت سا ہیر بینڈ اور پونی دیکھی' جو اس نے اس عید پر بہت ضد کر کے لیے تھے۔ بشریٰ اس کی ساری شاپنگ پہلے ہی کر چکی تھی اس لیے یہ دونوں چیزیں لے کر دینے کے حق میں نہیں تھی مگر عدیل نے یہ دونوں چیزیں بہت آرام سے خرید لیں اور آخری بار وہ یہ دونوں چیزیں نانی کے گھر بھول گئی کہ اسے ان سے اتنا لگاؤ نہیں رہا تھا۔
اس گلابی رنگ کے ہیر بینڈ اور پونی کو ہاتھ میں لیے بشریٰ ساکت سی انہیں دیکھتے ہوئے' بہت کچھ یاد کرتی رہی۔ مثال یہ پہن کر کیسی لگتی تھی۔ جیتی جاگتی ہنستی کھیلتی کودتی پیاری سی بارلی ڈول۔

اسے بے اختیار وہ ظالم شام یاد آئی جب طلاق کے بعد مثال اس کے ساتھ جانے کے لیے تڑپ تڑپ کر لپٹ کر چیختی ہوئی روئے جا رہی تھی۔
"مجھے مما کے پاس جانا ہے۔ مجھے مما کے ساتھ جانا۔۔۔ مما۔۔۔ مما۔" بشریٰ کی سماعتیں اس کی معصوم فریادوں سے ہلنے لگیں۔ سب کچھ جیسے اس کی نظروں کے سامنے کسی فلم کی طرح چلنے لگا۔ عدیل کا وحشی روپ اور طلاق کے الفاظ۔۔۔ کیم اور فوزیہ کی فاتحانہ نظریں اور پیروں میں بکھری رنگ برنگی مٹھائی۔
اسے کسی بھی چیز نے اتنی اذیت' اتنا دکھ نہیں دیا۔۔۔ رات کے اس پہر جتنی تکلیف اسے مثال کی حالت یاد کر کے ہوئی۔
"مثال۔۔۔ مثال کہاں ہے؟" اس نے مٹھی میں دونوں چیزیں جکڑ کر یاد کرنے کی کوشش کی۔
"وہ تو۔۔۔ وہیں رہ گئی تھی۔" اس ظالم انسان نے اسے باہر دھکا دے کر مثال کو اپنے پاس اندر کھینچ لیا تھا اور وہ روئے جا رہی تھی۔ اسے پکار رہی تھی اور اب اتنے دنوں سے وہ کیسی ہو گی۔ وہ کبھی ٹھیک نہیں ہو گی۔
"مثال۔۔۔ مثال!" اور خود سے باتیں کرتے ہوئے پتا نہیں وہ کب چیخنے لگی۔
ذکیہ جن کی آدھی آنکھ لگی تھی۔ بشریٰ کی وحشت بھری چیخ سن کر دیوانہ وار باتھ روم میں آئیں۔ جہاں بشریٰ چیختے چیختے بے ہوش ہو چکی تھی۔ اور اب وہ زخمی حالت میں پیلی رنگت۔ کمزور چہرے اور لاغر جسم کے ساتھ ذکیہ کی گود میں پڑی تھی۔
اس کے سر پر دوپٹا کس کر باندھ دیا تھا مگر خون پھر بھی بہے جا رہا تھا۔ ذکیہ کے کپڑے بھی خون رنگ ہو چکے تھے۔ وہ خود بھی بری طرح روئے جا رہی تھیں اور ان کے آنسو بے ہوش بشریٰ کے چہرے پر گر رہے تھے۔
"جلدی کر عمران! خون بہے جا رہا ہے۔ اسے کچھ ہو نہ جائے۔" وہ پھٹی ہوئی آواز میں بولیں۔
عمران متفکر سا بے ہوش بشریٰ کو بیک ویو مرر میں دیکھ کر اور بھی تیزی سے گاڑی چلانے لگا۔

☆ ☆ ☆

"یہ ضروری ہے عدیل صاحب!" ڈاکٹر نے سنجیدگی سے کہا۔
"مگر ڈاکٹر صاحب! یہ ممکن نہیں ہے میرے لیے۔" وہ بہت دیر بعد آہستگی سے بولا۔
مثال چند ہی دنوں میں بہت بیمار اور قابل رحم نظر آنے والی بچی میں ڈھل گئی تھی۔ اس کی گلابی رنگت میں پیلاہٹ اتر چکی تھی اور خشک ہونٹ یوں ایک دوسرے میں پیوست تھے جیسے اس نے کبھی کسی سے بات نہیں کی۔ اس کی آٹھ سالہ معصوم شکل پر کیسی بوڑھوں جیسی سنجیدگی اور دکھ نظر آنے لگا تھا۔
"کیوں؟" ڈاکٹر کے اس استفسار پہ عدیل کو غصہ تو بہت آیا کہ یہ حق کسی ڈاکٹر کو نہیں ہے کہ وہ یوں آپ کی پرسنل لائف کے بارے میں سوال کرے۔
"میں مجبور ہوں عدیل صاحب! سوال آپ کی بچی کی زندگی کا ہے۔ خدانخواستہ اس کی یہ خواہش پوری نہ ہوئی تو یہ بخار اس کے دماغ کو متاثر کر سکتا ہے' جس کے بعد کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ آپ پڑھے لکھے سمجھ دار ہیں' اس بات کو سمجھ سکتے ہیں۔"
ڈاکٹر نے عدیل کی ناگوار نظروں پر فوری وضاحت دے ڈالی۔
عدیل گم صم سا ہو گیا۔
مثال کا بخار صرف ایک دو درجہ کم ہو رہا تھا بہت ٹریٹمنٹ کے بعد مگر چھ آٹھ گھنٹوں کے بعد وہ پھر اسی درجے پر آجاتا۔
مستقل سلگتا اس کا ننھا بدن جس تکلیف اور درد سے بے حال تھا' عدیل جیسے پیار کرنے والے باپ کے لیے یہ

WWW.PAKSOCIETY.COM

بہت بڑی اذیت تھی۔
"میں اپنی مسز کو ڈائی ورس دے چکا ہوں۔" وہ بہت ڈوبی ہوئی آواز میں بمشکل بول سکا۔
"تو بھی۔" ڈاکٹر بالکل نارمل رہا جیسے اسے معلوم تھا کہ عدیل اسے یہی وجہ بتائے گا۔
"تو بھی عدیل صاحب! اس بچی کا کچھ دنوں بلکہ کچھ مہینوں تک اپنی ماں کے پاس رہنا ضروری ہے۔" عدیل کچھ بول ہی نہیں سکا۔
"جب تک یہ ذہنی بلوغت آئی مین! جب تک یہ بچی ذہنی طور پر آپ دونوں کی اس علیحدگی کو تسلیم نہ کر لے۔"
"میں اپنی بچی کو خود سے ایک پل کے لیے بھی الگ نہیں کر سکتا ڈاکٹر صاحب!" وہ پست مگر حتمی لہجے میں بولا۔
"یہ بات تو آپ کو یہ انتہائی فیصلہ کرنے سے پہلے سوچنا چاہیے تھی۔" ڈاکٹر جتا کر بولا۔ "آپ اس بچی کی حالت دیکھ رہے ہیں۔ وہ آپ سے زیادہ حساس اور آپ سے زیادہ کمزور ہے۔ وہ کتنی تکلیف سہہ رہی ہے آپ اندازہ نہیں کر سکتے۔ آپ اگر اس بچی کے بغیر نہیں رہ سکتے تو یہ اپنی ماں کے بغیر نہیں رہ سکتی اور بلکہ میرا تو خیال ہے اسے آپ کی جدائی بھی بہت اذیت دے گی۔ اصل میں طلاق کے بعد آپ دونوں کی زندگی میں تو شاید اتنا فرق نہ آسکے مگر اس کے ننھے دل و دماغ کے لیے آپ نے ایک مستقل جہنم کا دروازہ کھول دیا ہے۔ اتنے لاڈ پیار کے بعد آپ نے ایک ہی جھٹکے میں اس کے ننھے جسم کی عمارت کو زلزلے کے جھٹکوں کی زد میں رکھ دیا ہے۔"
ڈاکٹر ضرورت سے زیادہ بول رہا تھا یا عدیل کو ہی اس کی اتنی زیادہ تنقید برداشت نہیں ہو رہی تھی۔
"اب اسے کب تک آپ کے پاس لے کر آنا ہوگا۔" وہ بمشکل منہ دبا کر بات ختم کرنے کو بولا۔
"میرے پاس اسے لانے کا کچھ خاص فائدہ نہیں ہوگا آپ کو۔" ڈاکٹر آگے پڑی فائل عدیل کی طرف کھسکا کر لاتعلق سے انداز میں بولا۔
"کیا مطلب؟" عدیل ناگواری سے بولا۔
یہ اس شہر کا سب سے بہترین اور مہنگا ترین چائلڈ اسپیشلسٹ تھا جب ہی عدیل اس کی اتنی تلخ باتیں سہہ گیا تھا۔
اس ڈاکٹر کے ہاتھ میں بہت شفا تھی اور عدیل کو وہی ہنستی کھیلتی مثال چاہیے تھی۔
اسے امید تھی یہ ڈاکٹر اس کی بچی کو بالکل ٹھیک کر دے گا وہ بالکل پہلے جیسی ہو جائے گی۔ اگرچہ یہ بھی اس کی خوش فہمی تھی کہ اب کچھ بھی پہلے جیسا نہیں ہو سکتا تھا۔
"اس بچی کی بیماری کا علاج صرف اس کی ماں کے پاس ہے۔ آپ اسے کچھ دنوں کے لیے ان کے پاس چھوڑ دیں۔ اسے تھوڑا نارمل ہونے دیں پھر دونوں فیملیز مل کر بیٹھیں اور کوئی فیصلہ کر لیں مگر اسی طرح اگر آپ اپنی محبت کا فلسفہ جھاڑ کر زبردستی رکھیں گے تو یہ کبھی ٹھیک نہیں ہوگی۔ اینڈ تھینک یو ویری مچ۔" کہہ کر اس نے پروفیشنل انداز میں انٹر کام پر اگلے مریض کو آنے کے لیے کہا۔
عدیل کچھ دیر یونہی بیٹھا رہا۔
مثال تو کسی بت کی طرح ساکت اور بے حس بیٹھی تھی جیسے اس نے ان دونوں کی گفتگو کا ایک لفظ نہیں سنا تھا۔
"شکریہ ڈاکٹر صاحب!" عدیل نے یک دم کہا اور مثال کا بازو پکڑ کر شکست خوردہ سا باہر نکل گیا۔
ڈاکٹر اسے جاتے ہوئے تاسف بھری نظروں سے دیکھتا رہا۔

☆ ☆ ☆

"اب کیسی طبیعت ہے وردہ کی؟" وہ تھکے ہوئے انداز میں چادر اتار کر ایک طرف بیٹھے واثق سے بولی جو

اسکول کا ہوم ورک کر رہا تھا۔
"سو رہی ہے؟" اس نے دو انگلیوں سے سر دبایا۔
"تم نے آتے ہی ہوم ورک شروع کر دیا۔ کھایا نہیں کچھ؟" وہ نڈھال سی اس کے پاس بیٹھ گئی۔
واثق ماں کے لہجے پہ ہاتھ روک کر جیسے غور کرنے لگا۔
"حمیدہ خالہ کب گئی تھیں؟" وہ خود ہی سوال پر سوال کیے جا رہی تھی اس دلچسپی کے بغیر کہ واثق نے اسے کسی سوال کا جواب نہیں دیا۔
"آپ جلدی کیوں آگئیں اسکول سے؟" واثق ماں کے سارے غیر ضروری سوال نظر انداز کرتے ہوئے بولا۔
عاصمہ جیسے مشکل میں پڑ گئی کہ وہ واثق کو کیا بتائے۔
"حساس بچہ ہے ساری مشکلیں ہی ابھی سے اس پہ ڈالے جا رہی ہوں۔ کہیں اس کا ذہن کہیں اور نہ لگ جائے۔" وہ واثق کو دیکھتے ہوئے سوچنے لگی۔
"یونہی بس کچھ زیادہ کام نہیں تھا اسکول میں۔" وہ نظریں چرا کر ٹالنے والے انداز میں بولی۔
واثق یک ٹک ماں کو دیکھتا رہا۔
"کب سے اسائنمنٹ ہو رہے ہیں تمہارے ایگزام؟" وہ اس کی کتاب اٹھا کر دیکھنے لگی۔
"اگلے ہفتے سے۔" وہ مختصراً بولا۔
دونوں خاموش ہو گئے۔
"اریبہ اور اریشہ کہاں ہیں؟ نظر نہیں آرہیں مجھے۔"
"سو گئی ہیں۔"
"کچھ کھائے بغیر؟" عاصمہ چونکی۔ اسے فکر سی لگ گئی۔ وہ بہت دیر یونہی اسکول کے گراؤنڈ میں بیٹھی سفید دودھیا دھوپ کو دیکھ کر سوچتی رہی کہ اب وہ کیا کرے گی۔
"نہیں! سالن گرم کر کے میں نے بازار سے انہیں روٹیاں لا دی تھیں۔ آپ کو بھوک لگی ہوگی۔ لے آؤں کھانا آپ کے لیے بھی۔" وہ کھڑا ہو گیا۔
"نہیں..... واثق مجھے بھوک نہیں ہے۔ تمہیں پکا دوں روٹی۔ تم بازار کی نہیں کھاتے ہو نا۔" وہ کھڑی ہو گئی۔
"مما! اسکول میں آج کیا ہوا ہے؟" واثق گہری سنجیدگی سے بولا تو عاصمہ جیسے ہار گئی کہ وہ مزید اپنے جھوٹ کو نہیں سنبھال سکے گی۔
"جاب سے فارغ کر دیا ہے میڈم نے مجھے۔" وہ پھر سے تھکی ہوئی بیٹھ گئی۔
واثق گم صم سا ہو گیا۔ اس کو ماں کا چہرہ دیکھ کر کچھ انہونی کا اندازہ تو ہو گیا تھا مگر جاب سے فراغت کا اس نے نہیں سوچا تھا۔
"کیا کریں گی اب آپ؟" وہ بہت دیر بعد بولا۔
"پتا نہیں۔" عاصمہ کو واقعی پتا نہیں تھا کہ اب اسے کیا کرنا ہے۔ کرایہ بھی اس ماہ نہیں ملنا تھا اور اسکول سے تنخواہ بھی نہیں۔ صرف تھوڑی سی ٹیوشنز تھیں جنہیں شام میں وہ اور واثق مل کر پڑھاتے تھے یا وہ تھوڑی بہت سلائی کر لیتی تھی۔ اور آج کل تو وردہ کی بیماری کی وجہ سے کچھ بھی نہیں کر پا رہی تھی۔
"میرے دوست کے ماموں کا اسکول ہے۔ انہیں بھی ٹیچرز کی ضرورت ہے۔ وہ مجھے بتا رہا تھا مما! آپ پریشان نہ ہوں۔ میں علی سے بات کروں گا۔ آج ہی بلکہ اسے فون کر کے پوچھتا ہوں پھر ہم وہاں جا کر دیکھ لیں گے۔"
اسے کبھی کبھی لگتا تھا واثق کے اندر کہیں نہ کہیں فاروق صاحب چھپے بیٹھے ہیں۔ ہمیشہ ہی ایسے ہوتا آیا تھا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

جب سے وہ بیاہ کر آئی تھی۔ عفان کی نوکری کا مسئلہ ہوتا یا گھر کا کوئی اور بظاہر نہ حل ہونے والا کوئی بھی گمبھیر مسئلہ، جسے سن کر فاروق صاحب بہت دیر تک یونہی خاموش ہو جاتے اور جب بولتے تو اس طرح کہ اس مسئلے کا کوئی نہ کوئی حل موجود ہوتا۔ عاصمہ حیرانی سے واثق کو دیکھنے لگی۔

"ہاں ناں مما! آپ بھی تو کہتی ہیں ایک در بند تو سو کھلے۔ یہ زندگی ہے اور مشکلات، مسائل اس کا حصہ۔" وہ بہت ہلکے پھلکے انداز میں بالکل دادا کی طرح بولا۔

عاصمہ بے اختیار ہنس پڑی۔ واثق حیران ساماں کو دیکھنے لگا۔ کہاں تو کچھ دیر قبل جیسے رو دینے کو تھیں اور اب ایک دم سے ہنس پڑیں۔

"آپ کیوں ہنسیں۔۔۔ آپ کو میری بات کا یقین نہیں تو میں ابھی علی کو فون کرتا ہوں آپ خود اس سے بات کر لیں۔" وہ معصوم سی خفگی سے بولا کہ ماں نے اس کی ذہانت پر شک کیا ہے۔

عاصمہ نے بے اختیار واثق کو اپنے ساتھ لگا لیا۔

"میری جان! مجھے خود پر تو شک ہو سکتا ہے مگر اپنے اس بہادر، عقل مند اور ہمت والے بیٹے پہ ہرگز شک نہیں ہو سکتا۔" وہ بہت حوصلہ مند آواز میں واثق کو گلے لگا کر بولی تھی۔

وہ جو کچھ گھنٹے پہلے تک اتنی مایوسی اور دل گرفتہ تھی صرف واثق کے ایک جملے نے اسے اپنے پورے قد پر کھڑا کر دیا۔

"یہ زندگی ہے اور مشکلات، مسائل اس کا حصہ۔" اس نے واثق کو کم سکھایا تھا، واثق اسے زیادہ سکھاتا ہے۔

عاصمہ کو یہی لگا۔

"ان شاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ ہم مل کر ساری مشکلوں پر قابو پا لیں گے۔ مجھے پورا یقین ہے۔" وہ واثق کا حوصلہ بڑھانے کو بڑے عزم سے بولی۔

"ان شاء اللہ امی!" وہ معصوم مسکراہٹ کے ساتھ کھل سا گیا۔

"اب ہم دونوں کھانا کھاتے ہیں، پھر جا کر الیاس انکل کو بلا کر لاؤ۔ حمیدہ خالہ کو ساتھ میں پیغام دے آنا کہ وہ بھی آجائیں تو ہم الیاس انکل کو کسی اچھے کرائے دار کے لیے کہہ دیں کیونکہ اس کے بغیر گزارہ مشکل ہے۔" عاصمہ آگے کا لائحہ عمل اسے بتاتے ہوئے بولی۔

کچھ دیر پہلے اسے اپنے آگے صرف گھٹا ٹوپ اندھیرا اور مایوسی اور مصائب کا پہاڑ نظر آرہا تھا۔ مگر اب جیسے کچھ بھی نہیں تھا۔ سب کچھ بھلانا مشکل ضرور تھا مگر ناممکن نہیں۔ وہ مطمئن سی روٹیاں ڈالنے کچن کی طرف بڑھ گئی۔

☆ ☆ ☆

"نہیں مجھے کچھ نہیں کھانا۔ میں اسی طرح مر جاؤں گی مگر اپنی مثال کو دیکھے بغیر میں کچھ نہیں کھاؤں گی۔" بشریٰ نے سوپ کا پیالہ سامنے دیوار پر دے مارا تھا۔

ملازمہ نے پیچھے ہٹ کر خود کو گرم سوپ سے بچایا۔

اور ذکیہ کو لگا وہ واقعی بشریٰ کے پاگل پن کے ہاتھوں یا تو پاگل ہو جائیں گی یا دنیا سے گزر جائیں گی۔

"میری بچی نے اتنے دنوں سے معلوم نہیں کچھ کھایا یا نہیں۔ اس کی کیا حالت ہو گی میرے بغیر۔ وہ کیسے رہے گی۔ وہ اتنا رو رہی تھی۔ اس کے آنسو اس کی چیخیں میں کچھ نہیں بھول سکتی۔" وہ تکیے پر سر پٹخنے لگی۔

ڈاکٹر نے ایک دن رکھ کر اسے ڈسچارج کر دیا تھا۔ زخم زیادہ گہرے نہیں تھے۔ مگر جو گھاؤ اس کے دل اور روح میں لگے تھے ان کا مرہم ذکیہ اور عمران کو کہیں سے نہیں مل رہا تھا۔

"لے آؤں گی اسے بھی ہم کچھ کھا تو لو۔ تمہاری طرف سے کچھ بے فکر ہوں تو ان بدبختوں سے جا کر دو دو ہاتھ کروں۔ میری بچی تم تو خود کو سنبھالو۔" ذکیہ نے پاس آکر اسے ساتھ لگا کر سمجھانے کی کوشش کی۔

وہ کچھ سننے کے لیے تیار نہیں تھی۔ "نہیں نہیں میں مثال کو دیکھوں گی تو مجھے قرار آئے گا ورنہ آپ مجھے مر جانے دیں امی!" وہ اتنی ضدی کبھی بھی نہیں تھی۔ آج چار دن سے اس نے کچھ نہیں کھایا تھا۔

ذکیہ کا دل سخت پریشان تھا۔ ڈاکٹر نے بھی ڈرایا تھا کہ اس کا کچھ کھانا ضروری ہے مگر بشریٰ۔۔۔ ذکیہ صدمے میں بیٹھی تھیں ملازمہ فرش صاف کرتے ہوئے دونوں کو دیکھ رہی تھی۔

"نہیں کھایا آپی نے کچھ؟" عمران دروازے کے پاس ہی رک کر کمرے کی حالت سے اندازہ لگاتے ہوئے بولا۔

ذکیہ نے لاچاری سے نفی میں سر ہلا دیا۔

بشریٰ دیوانوں کی طرح چھت سے نگاہیں ٹکائے خشک ہونٹوں کے ساتھ "مثال، مثال" پکارے جا رہی تھی۔

"یہ پاگل ہو جائے گی عمران! اسے کچھ ہو جائے گا۔ خدا کے لیے کچھ کرو۔" ذکیہ رونے لگیں۔ عمران مٹھیاں بھینچے کھڑا رہا۔ اس کے چہرے پہ سخت غصہ تھا۔

"میں آتا ہوں ابھی۔" وہ تیزی سے جانے لگا۔

"عمران! کہاں جا رہے ہو۔۔۔ مجھے کچھ بتا کر جاؤ۔" ذکیہ کو کسی خطرے کا احساس ہوا تو اس کے پیچھے جاتے ہوئے بولیں۔

"آرہا ہوں۔ پریشان نہ ہوں آپ آپی سے کہہ دیں۔ میں مثال کو لے کر آرہا ہوں۔" وہ کہہ کر ذکیہ کے پہنچنے سے پہلے گاڑی نکال لے گیا۔

"عمران! عمران! کوئی جھگڑا نہ کرنا میرے بچے! جلد بازی نہ کر۔ میں خود دیکھ لوں گی۔" وہ بے کار میں بولتی رہیں۔ عمران جا چکا تھا۔

"وہ بھی دفتر سے تھکا ہارا آیا ہے۔ خدا جانے غصے اور جوش میں کیا کر ڈالے۔ وہ وحشی عدیل بھی کچھ کم نہیں۔ اس کی ذلیل ماں نسیم کیڑے پڑیں قبر میں جو ظلم تو نے میری بیٹی کے ساتھ کیا ہے تیری اولاد اور تو کبھی سکھ نہ پائے۔"

ان چار دنوں میں وہ ان تینوں کو اتنی بددعائیں دے چکی تھیں کہ اب انہیں لگتا ان کی بددعائیں بھی کھوکھلی سی ہو گئی ہیں۔

☆ ☆ ☆

عدیل نے گاڑی گیٹ کے آگے روکی۔

وہ خود اتر کر گیٹ کھولنے لگا مثال گاڑی میں ہی بیٹھی تھی اسی طرح ارد گرد سے بے خبر لاتعلق، بخار میں سلگتی، جلایا چہرہ لیے۔ عدیل کو بیٹی پر بے تحاشا ترس آیا۔

"کاش! میں نے اتنی جلد بازی نہ کی ہوتی۔" اب تو اس کا دل کھل کر اسے ملامت کرنے لگا تھا۔ شاید یہ پچھتاوے اتنی جلدی شروع نہ ہوتے اگر مثال یوں مستقل بیمار نہ پڑتی۔ میں نے صرف امی اور فوزیہ کے جذبات کا خیال کیا۔ ایک بار بھی مثال کے بارے میں نہیں سوچا۔ ضد تھی انا تھی اور غصہ تھا کہ بشریٰ کی سب خواہشیں سب میں پوری کرتا ہوں تو اسے بھی میری ہر جا و بے جا خواہش آنکھیں بند کر کے پوری کرنی ہو گی۔

ضد، انا اور جلد بازی۔۔۔ گھر تو اجڑا ہی دل بھی برباد ہوا مگر یہ بچی اسی طرح اذیت جھیلے گی۔ میں نے ایک بار بھی کیوں نہیں سوچا۔ کاش میں صرف ایک بار سوچ لیتا۔ مجھے تو اندازہ بھی نہیں تھا کہ مثال بشریٰ کے بغیر رہ ہی نہیں سکتی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

میری محبت کا فیصلہ اب تو جیسے میری بچی کا دم گھونٹ رہا ہے۔ میں اسے اپنی مرضی سے سانس بھی نہیں لینے دے رہا۔

یہ کیسی محبت ہے۔" وہ ساکت سا گاڑی سے ٹیک لگائے سوچتا چلا جا رہا تھا اسے پتا بھی نہیں چلا۔ کب عمران کی گاڑی اس کی گاڑی کے برابر میں آکر رکی۔ عمران بجلی کی سی تیزی کے ساتھ اچھل کر گاڑی سے نکلا اور دوسرے لمحے اس نے عدیل کی گاڑی سے فرنٹ سیٹ پہ بیٹھی مثال کو کھینچا اور اپنی گاڑی میں بٹھانے لگا۔ عدیل جیسے کسی سحر سے جاگا۔ وہ تیزی سے عمران کی طرف لپکا۔ دوسرے لمحے دونوں گتھم گتھا ہو چکے تھے۔ مغلظات بکتے وہ دونوں ایک دوسرے کا شجرہ کھنگال رہے تھے۔

مثال سہمی ہوئی عمران کی گاڑی کے پاس کھڑی تھی پھر وہ یک دم چیخنے لگی۔ دونوں ایک دوسرے کا گریبان پھاڑ چکے تھے۔ مثال کی چیخوں پر دونوں جیسے ہوش میں آگئے۔

"تم میری بچی کو ہاتھ تو لگا کر دیکھو، میں تمہارے ہاتھ توڑ دوں گا۔" وہ عمران کو پرے دھکیل کر خونخوار لہجے میں بولا۔

"یہ صرف تمہاری بیٹی نہیں بے غیرت انسان! تم میں اتنی غیرت ہوتی تو تو طلاق دینے سے پہلے سوچتے۔" وہ بھی جواباً چلا کر بولا۔

"تو باپ لگتا ہے میرا؟" عدیل پہلے ہی ڈاکٹر کی باتوں سے تپا ہوا تھا۔ عمران کی بات اسے اور آگ لگا گئی۔

دونوں پھر گتھم گتھا ہو گئے۔

فوزیہ بھاگتی ہوئی باہر آئی اور باہر کا منظر دیکھ کر سکتہ میں آگئی دوسرے لمحے نسیم بھی ہانپتی کانپتی آپہنچیں۔ اردگرد کے گھروں کے گیٹ کھلنے لگے۔

اور وہ دونوں سب سے بے خبر لڑے جا رہے تھے۔ مثال اسی طرح چیخ رہی تھی۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔

"فوزیہ! جا جلدی سے اس مثال کو تو پکڑ کر لا۔ اس نے آسمان سر پر اٹھا رکھا ہے چیخ چیخ کر۔" نسیم گیٹ سے باہر نکلتے ہوئے بولیں۔ وہ عدیل کو کھینچنے لگیں۔ دونوں غصے میں بری طرح سے بپھرے ہوئے تھے انہیں الگ کرنا آسان نہیں تھا۔ ایسے میں محلے کے دو تین لوگ آگے بڑھے اور انہیں چھڑانے کی کوشش کرنے لگے۔ نسیم عدیل کو کھینچ کر دور لے جانے لگیں۔

عمران نے عدیل کو دھکا دیا اور دوسرے لمحے مثال کی گاڑی کا دروازہ کھول کر اس نے اپنی گاڑی میں پھینکا اور خود تیزی سے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔

عدیل اور دوسرے لوگوں کے راستہ روکنے سے پہلے وہ اندھا دھند گاڑی اڑاتا وہاں سے لے گیا۔

"میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ آج یہ نہیں بچے گا میرے ہاتھوں سے۔" عدیل پھٹے گریبان، زخمی چہرے کے ساتھ منہ سے کف اڑاتا گاڑی میں بیٹھنے لگا۔

نسیم چلا کر دہائی دینے لگیں۔ اور اس کے بازو سے لپٹ گئیں۔

"نہ میرا بچہ۔ اس وقت اس کے پیچھے نہیں جا۔ تیری حالت نہیں ایسی کہ گاڑی چلائے۔ کوئی حادثہ کر بیٹھے گا۔ میں بیوہ برباد ہو جاؤں گی۔ مثال کہیں نہیں جائے گی، تھوڑا حوصلہ کر۔"

وہ اسے اپنی طرف پورا زور لگا کر کھینچے ہوئے تھیں۔

"امی! چھوڑ دو مجھے جانے دو اس کے پیچھے میں مثال کو لے کر آؤں گا۔" وہ خود کو چھڑا رہا تھا۔

"بھائی صاحب! کیا ماجرا ہے، دو تین دن سے یہ ہنگامہ مچا ہے آپ کے گھر میں اگر کوئی جھگڑا ہے تو گھر میں بیٹھ کر نپٹا لیں۔ نہیں تو پولیس کو بلائیں۔" ایک بزرگ ذرا اکتائے ہوئے لہجے میں کہتے ہوئے ان کی طرف بڑھے۔

"چل اندر بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔ میں ابھی خود تیرے ساتھ جاؤں گی اور مثال کو لے آئیں گے۔" نسیم کہتے ہوئے اندر لے گئیں۔ محلے والے چہ مگوئیاں کر رہے تھے جب فوزیہ نے گیٹ بند کیا۔

☆ ☆ ☆

علی نے اسے ماموں سے فوراً ہی فون پر بات کرا دی۔

نعیم صاحب نے عاصمہ کو اگلے ہی دن آفس بلا لیا کہ وہ اس کا نارمل سا انٹرویو لیں گے اور اسے اپائنٹ کر لیں گے۔

انہوں نے یہ بھی وعدہ کیا کہ اس کی تنخواہ پہلی جاب کے مقابلے میں کافی اچھی ہوگی۔

عاصمہ کو لگا اس کے سر سے کوئی بھاری بوجھ اتر گیا ہو۔

نعیم صاحب کافی خوش اخلاق اور مہربان شخص لگتے تھے۔ عاصمہ کے حالات جان کر وہ اور بھی ہمدردی کا اظہار کرنے لگے تو عاصمہ کچھ ڈر سی گئی کہ پہلے اتنی ہمدردی اور مہربانی سے بہت بڑا نقصان اٹھا چکی تھی۔ اگلے دن آنے کا وعدہ کر کے اس نے فون رکھا ہی تھا کہ واثق پراپرٹی ڈیلر الیاس اور حمیدہ خالہ کو بلا لایا۔

حمیدہ خالہ نے ہی الیاس سے بات کی کہ اب کے وہ کیسے کرائے دار لے کر آئے "کرایہ اچھا دیں اور وقت پر دیں۔ یہ بہت ضروری بات ہے لیکن اس سے بھی ضروری ہے کہ وہ بہت شریف لوگ ہوں۔ اپنے رستے آئیں اپنے رستے جائیں۔ بہتر ہے بال بچے اور فیملی ہو۔" وہ الیاس سے خوب ٹھوک بجا کر بولیں۔

"میں پوری کوشش کروں گا خالہ جی! کہ جلد سے جلد انتظام کر سکوں۔ کیونکہ کل مجھے ہاشم بھائی نے بھی فون کر کے تاکید کی ہے۔ میں اپنی طرف سے کوئی کسر نہیں اٹھا رکھوں گا۔" الیاس، حمیدہ کی شرطوں سے کچھ اکتا کر بولا۔

اس کے خیال میں پہلے کرائے دار بھی حمیدہ خالہ کی روز، روز کی احتیاطی نصیحتوں اور سارے دن میں وقت بے وقت چھاپے مارنے سے بھاگے تھے۔

"بھابھی! جو بھی کوئی کرائے دار مجھے اچھا لگتا ہے۔ یہاں کے لیے مناسب۔ تو میں آپ کو پیغام بھجوا دوں گا۔ ابھی اجازت دیں۔ دکان اکیلی چھوڑ کر آیا ہوں۔" اس سے پہلے کہ حمیدہ خالہ مزید شرطیں بیان کرتیں، وہ وہاں سے نکل دیا۔

"میں بشیر سے کہتی ہوں، وہ ایسے کسی واقف ڈیلر سے بات کرے۔ مجھے تو یہ الیاس بھی ایویں سا لگتا ہے۔" حمیدہ خالہ، بیٹے کا حوالہ دیتے ہوئے غیر مطمئن سی بولیں۔

"الیاس بھائی اچھے ہیں۔ بھروسے کے لوگوں کو لے کر آتے ہیں خالہ۔" عاصمہ نے آہستگی سے کہا۔ حمیدہ خالہ نے اسے فہمائشی نظروں سے گھورا۔ جیسے کہہ رہی ہوں۔ "تم پھر اندھا اعتماد کرنے لگیں؟" عاصمہ نظریں چرا گئی۔

"اور میں نے سنا ہے تم نے نوکری بھی چھوڑ دی اسکول کی؟" انہیں یاد آیا تو فوراً بولیں۔

"میں نے نہیں چھوڑی۔ انہوں نے نکال دیا ہے۔" وہ تلخی سے بولی۔

"ہائیں! اچھا... میں بات کرتی ہوں ابھی جا کر۔ کیا تکلیف ہوئی ان کو بھلا تم سے... اچھا بھلا تو ذمہ داری سے پڑھا رہی تھیں تم۔" حمیدہ خالہ چیخ کر بولیں۔

"رہنے دیں خالہ! میں نے کافی کوشش کی۔ مگر میڈم نے معذرت کر لی۔ وردہ کی بیماری کی وجہ سے بہت چھٹیاں ہو گئی تھیں اس لیے۔"

WWW.PAKSOCIETY.COM

عاصمہ کا دل نہیں تھا کہ دوبارہ سے وہ کسی کی سفارش پہ جائے۔ اس لیے منع کرتے ہوئے بولی۔
"اے لو۔ اس میں کیا جھوٹ ہے بھلا۔ تم کوئی جان کر چھٹیاں کر رہی تھیں؟ بچی کو خدا نے دوسری زندگی دی ہے۔ ایسی ٹھنڈ لگی کہ اس کے بچنے کی امید کب تھی بھلا۔" حمیدہ خالہ اپنے انداز میں بولتی چلی گئیں۔
"خیر! آپ پریشان نہیں ہوں۔ ایک جگہ کل جا رہی ہوں انٹرویو کے لیے۔ اگر خدانخواستہ وہاں بات نہ بن سکی تو پھر آپ ہی سے کہوں گی۔" عاصمہ نرمی سے منع کرتے ہوئے بولی۔
"مما! کچن کا سنک سارا بھر گیا ہے۔ اس کا پائپ نیچے سے بند ہے گا۔" اریبہ اندر آ کر بولی۔
"اوفو! ایک تو یہ آئے دن کی مصیبت ہے۔ نیچے سے پائپ اتنا چھوٹا ہے۔ ذرا سا کچرا یا چکنائی چلی جائے فوراً بند ہو جاتا ہے۔ یہی حال غسل خانے کے پائپوں کا ہے۔" عاصمہ کوفت سے بولی۔
اسے تو یوں چند مہینوں میں اندازہ ہو گیا تھا کہ گھر چلانے کا مطلب صرف خرچ کے لیے پیسے فراہم کرنا یا اپنا گھر ہونا ہی کافی نہیں۔ چھوٹے بڑے ہزاروں اتنے مسائل ہوتے کہ وہ ذہنی اور جسمانی طور پر نڈھال ہو کر رہ جاتی۔ مگر مسئلے کم نہ ہوتے۔
"تو کسی پلمبر کو بلا کر ٹھیک کراؤ۔" حمیدہ خالہ نے مفت مشورہ جھاڑا۔
"خالہ بہت بار بلا چکی ہوں۔ وہ کہتے ہیں اندر والے پائپ چھوٹے ہیں اور پائپ بدلوانے میں سمجھیں لاکھ کا خرچ ہے۔" عاصمہ کوفت سے بولی۔
"خیر! اب تم اتنے لمبے بکھیڑوں میں مت الجھو۔ فی الحال گزارہ کرو اور پائپوں میں کوئی ایسی ویسی چیز ہی نہ پھینکا کرو۔" حمیدہ خالہ چادر ٹھیک کرتی جانے کو تیار تھیں۔
ورنہ عاصمہ کا دل تھا کہ وہ ان سے کہتی کہ اچھے ٹھیکے دار سے بات کر کے اس مسئلے کا کوئی حل نکال دیتیں۔ بشیر ان کا بیٹا، یہ کام کر سکتا تھا۔ اس کے کئی ٹھیکے دار واقف تھے۔
"چلتی ہوں میں۔ ابھی مجھے مرغی لینے جانا ہے۔ بشیر آج بریانی کی فرمائش کر کے گیا ہے۔ اور بیگم صاحبہ نے دو نوٹ میرے ہاتھ میں آتے ہوئے پکڑا دیے کہ آتے ہوئے مرغی لے کر آنا۔ ابھی ادھر جا کر کھڑا ہونا پڑے گا۔"
وہ دروازے تک ذرا سی دیر میں پہنچ بھی گئیں۔
"مما! کچن بھر رہا ہے پانی سے۔" اریبہ نے پھر آ کر اطلاع دی۔
"تو تم نے ٹونٹی کیوں کھولی؟ دماغ خراب ہے تمہارا۔" اسے ایک دم سے شدید غصہ آ گیا۔
"مما ٹونٹی تو بند ہے۔ مگر پانی۔" اریبہ ڈر گئی۔
"دیکھتی ہوں میں۔" اسے معلوم تھا اب پلمبر کو بلائے بغیر گزارہ نہیں اور اس کے پاس پیسے بھی کم تھے۔

☆ ☆ ☆

"انسپکٹر طارق بات کر رہے ہیں۔ جی۔ میں عدیل ہوں۔ جی۔ جی بالکل۔ آپ پولیس اسٹیشن ہی میں ہیں نا۔ میں آ رہا ہوں۔ تھوڑی دیر میں۔ جی! مسئلہ ہی ہے۔ میری بیٹی کو میری سابقہ بیوی کا بھائی اغوا کر کے لے گیا ہے۔ جی۔ تاوان کا بھی مسئلہ ہو سکتا ہے اور وہ مجرمانہ ذہنیت کا شخص ہے۔ میری بچی کو نقصان بھی پہنچ سکتا ہے۔ ٹھیک ہے! میں تھوڑی دیر میں آ کر تفصیل بتاتا ہوں اور ایف آئی آر کٹواتا ہوں۔ شکریہ! بس میں آ رہا ہوں۔" عدیل نے بات کر کے فون بند کر دیا۔
پیچھے کھڑی نسیم دھک سے رہ گئیں۔ یہ تو ان کے گمان میں نہیں تھا کہ یہ معاملہ پولیس میں بھی جا سکتا ہے۔
"بس آتا ہوں امی۔ ابھی۔" عدیل نے کپڑے بدل لیے تھے۔ مگر چہرے پر سختی، زخموں کی سوجن اور نشان اسی

طرح تھے۔
"عدیل بیٹا! بات سن میری۔" نسیم پریشانی سے بولیں۔
"امی! آپ کو جو بھی کہنا ہے۔ میں آ کر بات کروں گا۔ انسپکٹر صاحب چلے جائیں گے پھر۔" وہ کہہ کر جانے لگا۔
"اگر یہ چلا گیا تو۔۔۔" نسیم تیزی سے اس کے پیچھے لپکیں۔
"عدیل میرا بچہ۔۔۔ دو گھڑی صرف میری بات سن لے۔ پھر چلے جانا۔" وہ منت بھرے لہجے میں بولیں۔
"امی! جانے دیں مجھے۔۔۔ لیٹ ہو جاؤں گا۔" وہ چڑ کر بولا۔
"دیکھو عدیل! بہتر ہے یوں معاملہ تھانے کچہری میں لے جانے کی بجائے مل بیٹھ کر۔۔۔" نسیم نے پہلی بار جیسے ہوش کے ناخن لیے تھے۔ تھانے کچہری کا مطلب پورے محلے اور خاندان میں باتیں اور بدنامی تھی۔ پھر سب سے بڑھ کر انہیں ابھی فوزیہ کی شادی کرنی تھی اور عدیل کی بھی تو۔۔۔
"دیکھو بچہ۔۔۔ اس میں نقصان۔۔۔ تمہارا۔۔۔"
"میں کیوں۔۔۔ میں تو برباد کر دوں گا ان دو ٹکے کے لوگوں کو۔۔۔ میری بیٹی ان لوگوں کے پاس۔۔۔" وہ غصے میں بھڑک کر بولا۔
"عدیل۔۔۔ مثال کا سوچ۔۔۔" وہ اس کا بازو زور سے ہلا کر بولیں اور یہ بات نسیم نے اس وقت نہیں کہی تھی جب وہ مسلسل اسے بشریٰ کو طلاق دینے کا کہہ رہی تھیں۔ عدیل بھی ٹھٹک کر رہ گیا۔
"کیا مطلب؟" وہ ناگواری سے بولا۔ مثال کے نام پر وہ ہر بات سننے کے لیے تیار تھا۔
"میرا بچہ! اس بچی پر اور ظلم نہ کر۔۔۔ اسے تو ماں، باپ دونوں چاہئیں۔۔۔ تو اس طرح اسے تھانے کچہری میں لے کر جائے گا۔ اس کی ساری نفسیات تباہ ہو جائے گی اور پھر اگر تو تھوڑا بہت قانون پڑھ لے تو تجھے پتا چلے گا کہ قانون صرف ماں کی حمایت کرے گا۔ تو عدالتوں کچہری میں جائے گا۔ بچی بشریٰ کے پاس چلی جائے گی، جو سراسر نقصان ہی ہے۔" وہ نرم لہجے میں اسے سمجھا رہی تھیں۔
"اچھا تو آپ کا مطلب ہے میں ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھا رہوں۔ وہ بدمعاش میری آنکھوں کے سامنے میری بچی مجھ سے چھین کر لے گیا اور میں چوڑیاں پہن لوں؟" وہ بھڑک اٹھا۔
"تھوڑا صبر، تحمل سے کام لے۔ اگر ایسی بے صبری کرے گا تو مثال نہیں ملنے والی تجھے۔ پہلا حق ماں کا ہی ہے۔ بچی کے بالغ ہونے تک۔ یہ تو یاد رکھ۔ دنیا کی کسی بھی عدالت میں چلا جا۔ وہ فیصلہ ماں کے حق میں ہی کرے گی۔" نسیم نے پہلی بار اسے ایسی تلخ حقیقتوں سے آگاہ کیا۔
اور وہ تو جیسے ششدر سا ماں کو دیکھے ہی جا رہا تھا۔
"میں جانتی ہوں۔ تو اس سے کتنی محبت کرتا ہے۔ اکلوتی بیٹی ہے تیری۔ ایسا پیار ہونا بھی چاہیے اور جس طرح کی وہ بشریٰ اور اس کی ماں ہے۔۔۔ مثال کو تو میں بھی ان کے نرغے میں نہیں رہنے دوں گی۔" وہ مخصوص انداز میں بولیں۔
"تو کیا کروں پھر۔۔۔ میں اپنی بچی کے بغیر ایک منٹ نہیں رہ سکتا۔"
"تو یہ معاملہ مجھ پر چھوڑ دے۔ مثال کو وہ خود یہاں دے کر جائیں گے۔" نسیم عزم سے بولیں۔
"وہ کیسے؟" عدیل بے ہمت سا ہو گیا۔
"مجھ پہ چھوڑ دے۔۔۔ یہ کھیل جوش لڑائی اور جھگڑے سے نہیں۔۔۔ طریقے سے کھیلنا ہے۔" نسیم کے لیے پھر سے ایک محاذ کھل گیا تھا۔ ان کی آنکھوں میں مخصوص چمک تھی، جو ایسی صورت حال میں ہوتی تھی۔ عدیل ماں کو کوفت سے دیکھنے لگا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

"ابھی ایک' دو دن اسے ماں کے پاس رہنے دے۔"
"ایک دن بھی نہیں۔ بلکہ ایک گھنٹہ بھی نہیں۔" وہ بات پوری ہونے سے پہلے تڑپ کر بولا۔
"عدیل! مثال بیمار ہے۔ اس کا بخار ماں کے پاس جا کر ایک' دو دن میں کم ہو جائے گا... تو پھر میں اسے جا کر لے آؤں گی۔" وہ نرمی سے سمجھانے لگیں۔
"آپ کے خیال میں وہ آپ کو مثال کو دے دے گی؟" وہ طنز سے بولا۔
"ماں پر بھروسا تو کر کے دیکھو۔" نسیم اسے بچے کی طرح پچکار کر بولیں۔
"امی! میں جا رہا ہوں۔ اب آپ مجھے نہیں روکیں گی۔" اس نے ماں کا ہاتھ جھٹکا اور اٹھ کر جانے لگا۔
"اچھا... سن چلا جا... میں تیرے ساتھ جاؤں گی۔" وہ تیزی سے بولیں۔ عدیل نے ماں کو یوں دیکھا۔ جیسے ان کا دماغ چل گیا ہو۔
"امی... میں تھانے جا رہا ہوں... پولیس اسٹیشن... آپ کیا کریں گی جا کر۔" وہ چڑ کر بولا۔
"وہ انسپکٹر جس سے تو ابھی بات کر رہا تھا۔ تیرا جاننے والا ہے کوئی؟" نسیم اس کی بات ان سنی کرتے ہوئے بولیں۔
"دوست ہے میرا۔" وہ بے زاری سے بولا۔
"بس! پھر کوئی مسئلہ ہی نہیں۔ اب تو میری بات غور سے سن اور درمیان میں اچھل اچھل کر بولیو نہیں۔" نسیم شاطرانہ انداز میں بولیں۔
"امی... مجھے کچھ نہیں سننا۔" وہ پھر رسی تڑا کر جانے لگا۔
"سن لے بات۔ دل کو نہ لگے تو بھلے سے چلے جانا۔ میں نہیں روکوں گی تجھے... سن تو لے۔" وہ اسے کچھ ایسے طریقے سے روکتے ہوئے بولیں کہ عدیل گہری سانس لے کر رہ گیا۔
نسیم کو انسان کو راہ پر چلانا اور راہ سے بھٹکانا' دونوں ہی خوب آتا تھا۔ اس نے دل میں ماں کی اس صلاحیت کا اعتراف کیا اور صوفے پر بیٹھ گیا۔
"میں فون کرتی ہوں ابھی تیری سسرال۔"
"نہیں ہے وہ اب میری سسرال۔" وہ تلخی سے تیز لہجے میں بولا۔ نسیم بھی لمحہ بھر کو خاموش سی ہو گئیں۔ بات تو دکھ کی تھی۔ بشریٰ جیسی بھی سہی' ان کے لیے۔ بیٹے کا گھر تو اجڑ گیا نا۔ نسیم دکھ بھری نظروں سے دیکھ کر رہ گئیں۔

☆ ☆ ☆

بشریٰ پاگلوں کی طرح مثال کو گلے سے بھینچے اسے بار بار چومے جا رہی تھی۔ ہاتھوں میں اس کا چہرہ لے کر اسے دیکھے جاتی اور پھر سے اسے چومنے لگتی اور چومتی چلی جاتی۔ اسے یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ مثال اس کے پاس ہے۔ اس کی بانہوں میں۔ اس کے بہت قریب۔
"میری بچی... میری گڑیا۔ میری جان! تو نہ آتی تو تیری ماں مر جاتی تیرے بغیر... میری مثال... میری جان۔" وہ پھر اسے گلے لگا کر بھینچنے لگی۔
"مما... مما... مجھے آپ کے ساتھ رہنا ہے۔ مجھے اب واپس نہیں جانا۔ میں آپ کے پاس رہوں گی۔ مجھے دادو اور پھپھو کے پاس نہیں جانا۔" مثال کی آنکھوں سے بہت دنوں کے بعد ایسے گرم گرم آنسو نکلے تھے۔ بشریٰ اسے چومنے لگی۔

"میری جان! اب تجھے کوئی ہاتھ بھی نہیں لگا سکتا۔ کوئی تجھے مجھ سے دور نہیں لے جا سکتا۔ میں اپنی جان کو کہیں نہیں جانے دوں گی۔ اب تم میرے پاس ہی رہو گی میری جان۔"
"آپی! بس کرو نا۔ کیوں اپنی بچی کو اور پریشان کر رہی ہو؟" عمران جو ماں' بیٹی کی ایسی پاگلوں سی محبت کافی دیر سے دیکھے جا رہا تھا۔ اسے ٹوک کر بولا۔
"عمران... میرے بھائی! میں کس طرح' کس زبان سے تمہارا شکریہ ادا کروں... تم نے میرے ساتھ جو نیکی کی ہے... میری مثال کو میرے پاس لے کر آئے۔" بشریٰ مغلوب سی ہو کر رونے لگی۔
عمران اٹھ کر بہن کے پاس آ گیا۔ "آپی! کیوں مجھے شرمندہ کر رہی ہو؟ میرے لیے تو یہ شرمندگی کیا کم ہے کہ میری وجہ سے آپ کا گھر برباد ہو گیا۔" وہ شرمندگی سے بولا۔
"تمہاری وجہ سے نہیں... اور میرا گھر تو جیسے پانی پر بنا تھا۔ ایک نہ ایک دن اسے ٹوٹنا ہی تھا۔ بس! میری مثال میرے پاس رہے... مجھ سے دور نہ رہے اور کچھ نہیں چاہیے۔" وہ پھر سے مثال کو پیار کرنے لگی۔
"مثال... جانو... تمہیں بخار ہے؟" وہ چونک کر اس کی کمر پر ہاتھ پھیر کر بولی اور پھر اس کے جسم کے مختلف جگہوں پر چیک کرنے لگی۔
"کب سے بخار ہے تمہیں؟" وہ پریشان ہو اٹھی۔
"بہت دنوں سے مما... جب سے آپ مجھے چھوڑ کر آئیں۔" مثال رونے لگی۔
بشریٰ نے اسے اپنے ساتھ بھینچ لیا۔
"ڈاکٹر کو نہیں دکھایا کسی نے تمہیں؟" وہ مغلوب لہجے میں بولی۔
"بہت بار... آج بھی جب مجھے ماموں لینے گئے تو پاپا مجھے ڈاکٹر کے پاس سے لے کر آئے تھے۔ پاپا بہت پریشان تھے۔ وہ ساری رات میرے ساتھ جاگتے تھے۔" وہ ایک طرف بیٹھے عمران کو کن انکھیوں سے دیکھ کر بولی۔
"تو پھر بخار کیوں نہیں اترا تمہارا؟" وہ اسے چھوتی جا رہی تھی اور پریشان ہوتی جا رہی تھی۔
"مما... پاپا..." وہ ماں کی بات جیسے سن نہیں رہی تھی۔ جھک کر بولی تو بشریٰ نے کچھ چونک کر اسے دیکھا۔
"کیا... ہوا تمہارے پاپا کو؟" بشریٰ نے بڑی مشکل سے "تمہارے پاپا" زبان سے ادا کیا۔
"پاپا اور ماموں... میں ابھی بہت لڑائی ہوئی تھی۔ پاپا کے چہرے پر... مما... پاپا مجھ سے بہت پیار کرتے ہیں۔ وہ بہت پریشان تھے اور..." اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیسے اپنے احساس کو بیان کرے۔
"میری جان! اگر تمہارے باپ کو تم سے پیار ہوتا' تمہارا احساس ہوتا... تو کیا وہ یوں تمہیں' مجھے خود سے کاٹ کر پھینک دیتا... ان دو کمینی عورتوں کے کہنے پر۔" بشریٰ نفرت سے بولی۔
"بشریٰ! بس کرو بیٹا! اب مثال کو تھوڑا آرام کرنے دو اور تم بھی آرام کرو۔ اتنا نہ تھکاؤ خود کو۔" ذکیہ شکرانے کے نفل پڑھ کر اندر آئیں۔ دونوں پر دم کرتے ہوئے پھونک ماری اور دونوں کو گلے لگا کر پیار کرتے ہوئے نرمی سے بولیں۔
"امی! دیکھیں مثال کو۔ اتنا تیز بخار ہے۔ وہ بھی اتنے دنوں سے۔" وہ روہانسی ہو کر ماں سے بولی۔ ذکیہ' مثال کو چھو کر دیکھنے لگیں۔
"تمہاری جدائی کا بخار ہے۔ ان شاء اللہ ابھی کچھ دیر میں اتر جائے گا۔ اس کی تم فکر نہیں کرو۔ آؤ مثال! تمہیں لٹاؤں میں تمہارے بستر پر۔" ذکیہ مثال کو لے کر جانے لگیں۔
"نہیں امی! اسے میرے پاس رہنے دیں۔ یہ میرے پاس لیٹے گی۔ آپ اس کے کھانے کے لیے کچھ بنوا دیں۔ کیا کھائے گی میری جان؟" وہ مثال کو اپنے ساتھ لٹا کر پیار کرتے ہوئے بولی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

"ممما! ابھی کچھ بھی نہیں۔" وہ ماں کو قریب دیکھ کر گھبرائے جا رہے تھے۔
بہت دنوں بعد تو اسے ماں کی آغوش میسر آئی تھی۔ اس نے دونوں بانہیں بشریٰ کے گرد پھیلا دیں اور آنکھیں موند لیں۔
"ممی بھی اسے گرم دودھ دے دو۔ کچھ دیر سوئے گی تو پھر اٹھ کر کچھ کھالے گی۔" ذکیہ کہنے لگیں اور دودھ کے لیے ملازمہ کو آواز دینے لگیں۔
"عمران! تمہیں عدیل سے جھگڑا نہیں کرنا چاہیے تھا۔" ذکیہ نے عمران سے کہا۔
مثال بے اختیار آنکھیں کھول کر نانی اور ماموں کو دیکھنے لگی۔
"امی... پلیز۔" بشریٰ نے اشارے سے ماں کو اس موضوع پر بات کرنے سے منع کیا۔
"ہاں! وہ تو جیسے بڑے پیار سے مثال کو مجھے دے رہا تھا۔ جھگڑا نہ کرتا تو اور کیا کرتا۔" عمران بڑبڑا کر باہر نکل گیا۔

☆ ☆ ☆

"کیا آپ سچ کہہ رہی ہیں؟" نسیم فون کان سے لگائے بے پایاں خوشی کا اظہار کرتے ہوئے بولیں۔ ٹی وی چینل بدلتی فوزیہ نے چونک کر ماں کو دیکھا۔
"نہیں... نہیں... بالکل نہیں... بے یقینی کی بات نہیں... جی... آپ نے ٹھیک کہا... بالکل۔" وہ ایسے تابع داری سے سر ہلائے جا رہی تھیں۔ جیسے دوسری طرف کوئی بادشاہ وقت ہو۔ فوزیہ نے ٹی وی کی آواز کم کر دی۔
"جی بالکل... کوئی مسئلہ نہیں۔ آپ آجائیں کل کسی بھی وقت۔ نہیں، نہیں... مجھے کہاں جانا ہوتا ہے۔ اس بیماری نے تو بس گھر میں بٹھا دیا ہے۔ اللہ مجھے میری بیٹی کے فرض سے سبکدوش کرے تو پھر کوئی لالچ نہیں۔ بھلے ملک الموت آئے اور اس مٹی کے ڈھیر کو لے کر چلتا بنے۔" وہ انتہائی عاجزی اور مسکینی سے کہہ رہی تھیں۔ فوزیہ مسکرا کر رہ گئی۔
"قسم سے امی! آپ اگر ایکٹریس ہوتیں تو پرائیڈ آف پرفارمنس تو آپ کا پکا تھا۔" فوزیہ ہنس کر آہستہ سے بولی۔
نسیم نے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور الوداعی کلمات بول کر فون رکھ دیا۔
"کیا ہوا؟ کون تھا؟" فوزیہ کو سخت بے چینی لاحق تھی۔ فوراً پوچھنے لگی۔
نسیم جوش بھرے انداز میں اٹھ کر فوزیہ کے پاس آئیں اور اسے گلے لگا کر خوب پیار کرنے لگیں۔
"امی! اس بے موقع پیار کی وجہ تو بتا دیں۔" وہ ماں کے اس عجیب انداز پر کچھ بوکھلا کر بولی۔ وہ کب عادی تھی ایسے والہانہ پیار کی۔
"میرے اللہ نے میری سن لی فوزیہ... میری بچی... اللہ نے ہماری سن لی۔ مجھے تو یقین ہی نہیں آرہا۔" وہ خوشی سے سرخ چہرہ لیے ہوئے بے ربطگی سے بولی۔
"امی! ہوا کیا ہے۔ بتا تو دیں کچھ۔" فوزیہ کا دل عجیب سے انداز میں دھڑکنے لگا۔
"وہ کل خالد کی ماں اور خالہ نہیں آئی تھیں تجھے دیکھنے... یاد ہے نا تجھے کہ نہیں؟" وہ خوشی کے عالم میں اوٹ پٹانگ بولے جا رہی تھیں۔
"امی! کل کی بات کون بھول سکتا ہے اور کیا ٹھس عورتیں تھیں وہ بھی... آپ نے کسی قدر دکھی انداز میں میری طلاق کا قصہ سنایا اور انہوں نے نہ ہمدردی کی... نہ کوئی لفظ بولا۔ چائے پی اور خاموشی سے اٹھ کر چل دیں۔"

WWW.PAKSOCIETY.COM

فوزیہ برے برے منہ بنا کر بولی۔
"وہ دونوں عورتیں حلیمے اور چہروں سے بس اچھے گھر کی تھیں۔ شریف، کم گو اور کچھ گھنی سی۔" فوزیہ نے بڑے کوفت کے عالم میں ان کی مدارات کی تھی۔۔۔ اور سچی بات' اسے وہ دونوں عورتیں کچھ اچھی بھی نہیں لگی تھیں اور کل سے ابھی تک اس نے ان کے بارے میں کچھ نہیں سوچا تھا۔
"تم انہیں پسند آگئی ہو اپنے بیٹے کے لیے۔ فوراً" شادی کرلیں گی مہینے بھر کے اندر۔ کویت میں ہوتا ہے ان کا بیٹا۔ اسی ہفتے چھٹی پر آرہا ہے۔ اس کے آتے ہی شادی کردیں گی وہ۔ میرے اللہ! مجھے تو لگتا ہے' میرا تو دل خوشی سے بند ہو جائے گا۔" نسیم واقعی خوشی سے بے ہوش ہونے کو تھیں۔
اور شادی مرگ تو جیسے فوزیہ پر بھی ہو گیا۔ اس کے تو گمان میں بھی یہ معجزہ نہیں تھا اور طلاق کا داغ لگنے کے بعد تو بالکل بھی نہیں۔ وہ یوں ماں کو دیکھتی رہ گئی۔ جیسے اسے ماں کے اس مذاق پر سخت غصہ آرہا ہو۔
"میری بھی یہی حالت ہوئی تھی فوزیہ! جب اس غزالہ بہن نے مجھ سے یہ کہا۔ تسم سے مجھ سے تو بہت دیر تک کچھ بولا نہیں گیا۔ بول! ہے نا معجزہ؟ میری دعائیں اللہ نے سن لیں۔ آخری بیٹا ہے۔ جس کی شادی کرنی ہے اور سب سے بڑی بات' وہ تجھے ساتھ لے کر جائے گا۔ ایک مہینے کی چھٹی کے بعد چلا جائے گا اور وہاں جاتے ہی تجھے بلا لے گا۔ فوزیہ۔۔۔ میری بیٹی کے ایسے بھاگ کھلیں گے۔ میں نے تو کبھی سوچا نہیں تھا۔" وہ اسے ساتھ لگا کر چٹ چٹ پیار کرنے لگیں تو فوزیہ بھی یقین کرتے ہوئے شرما سی گئی۔ اس نے بھی یہ سب کچھ سوچ رکھا تھا۔ اس کی آنکھیں بہت دنوں بعد نئے خواب بننے لگیں۔ نسیم کیا بول رہی ہیں' اب اسے کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

مثال بشریٰ کے ساتھ لیٹی گہری نیند سو رہی تھی۔
ذکیہ رات کے وظائف ختم کرنے کے بعد مصلے سمیٹتی اٹھیں اور اندر آکر دونوں پر دم کرتے ہوئے کچھ سوچنے لگیں اور پھر جیسے دل تھام کر بیٹھ گئیں۔
"ابھی بشریٰ کی عمر ہی کیا ہے۔ اس اکتوبر میں انتیس کی ہوگی۔ اس عمر میں تو لڑکیاں اپنے گھروں کی ہوتی ہیں اور اس کا گھر بس کرا جڑ بھی گیا۔ کیا کرے گی میری بچی اب باقی کی عمر بھر۔۔۔ بچی کا ساتھ۔۔۔ میرے اللہ! رحم فرما میری بشریٰ پر۔" بے اختیار ذکیہ کا دل بھر آیا۔ بہت دنوں بعد تو انہیں یوں فرصت سے اس سانحے پر رونے کا موقع ملا تھا۔
باہر ڈور بیل زور سے بجی۔
ذکیہ نے جلدی سے آنسو پونچھ لیے۔ عمران لاؤنج میں ہی لیپ ٹاپ لیے بیٹھا تھا۔ اٹھ کر دروازہ کھولنے چلا گیا۔
کسی خیال کے تحت ذکیہ بھی اٹھ کر اس کے پیچھے چلی گئیں۔
"تو وہ تم ہو جس نے عدیل صاحب کے گھر کے باہر سے ان کی کم سن بیٹی کو اغوا کیا ہے۔ گرفتار کروا ہے۔" باہر سے آتی رعب دار آواز نے ذکیہ کے ہوش اڑا دیے۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

مرے جنوں کو کیا ہوا، وہ وحشتیں کہاں گئیں
ہم اہلِ اضطراب کی وراثتیں کہاں گئیں

وہی ہوا کی برہمی، وہی جہاں کی سرکشی
مگر وہ اپنے حوصلے، وہ جرأتیں کہاں گئیں

دوام جن کی جستجو، قیام جن کی آرزو
وہ مے گسار کیا ہوئے، وہ حالتیں کہاں گئیں

کبھی تو شہر کی سنو، کبھی تو یہ حساب دو
گلی گلی جو عام تھیں، وہ قربتیں کہاں گئیں

چلیں تو منظر رواں، رکیں بہار کا سماں
نہ جانے شام اس برس وہ قامتیں کہاں گئیں

محمود شام

بچ بچا کر تو ہم چلے تھے بہت
پھر بھی قسمت میں حادثے تھے بہت

ہم تری رہ گزر پہ کیوں آئے
زندگانی کے راستے تھے بہت

تُو نے آتے ہی ختم کر ڈالے
آرزوؤں کے سلسلے تھے بہت

بات کچھ خاص ہو گئی ہوگی
میری جانب وہ دیکھتے تھے بہت

وقتِ رخصت وہ دیکھ ہی نہ سکے
میری پلکوں پہ آئنے تھے بہت

ان سے ہونا پڑا جُدا باقی
ان کے نزدیک آگئے تھے بہت

باقی احمد پوری

WWW.PAKSOCIETY.COM

لطیفوں کی سالگرہ

صبا سحر

ادیب

ایک شخص نے اپنے دوست سے پوچھا۔ "اور سناؤ تمہارے باقی دو بھائی کیا کر رہے ہیں آج کل؟"

"میرا ایک بھائی تو ادیب ہے۔" اس نے فوراً جواب دیا پھر گہری سانس بھر کر دوبارہ بولا۔ "اور دوسرا بھی بے کار ہے۔"

افشاں۔ عبداللہ آباد

موردِ الزام

ایک صاحب نے اپنے دفتر کے ساتھی سے پوچھا۔ "آپ کی بیوی سے آپ کی پہلی ملاقات کس نے کروائی تھی؟"

ساتھی نے طویل آہ بھرتے ہوئے کہا۔ "بس سمجھ لو خود ہی ہو گئی تھی۔ میں کسی کو موردِ الزام نہیں ٹھہرانا چاہتا۔"

شگفتہ فیاض۔ مشی گن امریکا

اطمینان

وہ دونوں اتوار کا سارا دن ساحل سمندر پر گزار کر واپس آ رہے تھے کہ لڑکے نے لڑکی سے پوچھا۔

"تم پکنک کے سارے واقعات اپنی ممی کو تو نہیں بتاؤ گی نا؟"

"ارے نہیں!" لڑکی نے اطمینان بھرے لہجے میں کہا۔

"میری ممی تو ذرا پروا نہیں کرتیں۔ وہ تو میرا شوہر ہی ہے جسے طرح طرح کے سوال کرنے کی عادت ہے۔"

یاسمین مغل۔ کاٹھمنڈو

فی الحال

"تم بتاؤ، تم مجرم ہو یا نہیں؟" جج نے غصے سے کٹہرے میں کھڑے ملزم سے دریافت کیا۔

"جنابِ والا! فی الحال میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔" ملزم نے عاجزی سے جواب دیا۔ "ابھی میں نے وکیلوں کے دلائل نہیں سنے۔"

صائمہ عمران۔ لاہور

رہنمائی

ایک نجی محفل کے اختتام پر ایک صاحب جانے کے لیے اٹھے تو میزبان انہیں چھوڑنے دروازے تک آیا۔ وہ صاحب لڑکھڑاتے ہوئے دروازے سے نکلنے لگے تو میزبان نے کہا۔

"جب تم قریبی چوراہے پر پہنچو گے تو تمہیں دو ٹیکسیاں نظر آئیں گی۔ جو تمہارے بالکل قریب ہو، اس میں بیٹھ جانا۔ اس کے برابر والی میں بیٹھنے کی ہرگز کوشش مت کرنا کیونکہ وہ وہاں موجود ہی نہیں ہو گی۔"

شہلا اظہر۔ وہاڑی

بوجھ

بیٹے کی پچیسویں سالگرہ پر باپ نے اس سے کہا۔

"بیٹا! اب تم جوان ہو گئے ہو میں چاہتا ہوں کہ اب تم میرا کچھ بوجھ اٹھاؤ۔"

"ضرور ابا جان! آپ بتائیے میں کیا کروں۔" بیٹے نے سعادت مندی سے کہا۔

"بیٹا! تمہاری پیدائش کے وقت اسپتال کے

اخراجات کے لیے ہم نے بینک سے کچھ قرضہ لیا تھا۔ میں چاہتا ہوں کہ اس کی آخری تین قسطیں تم ادا کر دو۔"

عائشہ غلام۔ سرجانی ٹاؤن

احترام

ایک اطالوی موسیقار کے بارے میں دو باتیں مشہور تھیں۔ ایک اس کی بدصورتی اور دوسرے خواتین کے لیے اس کا محترم رویہ۔ ایک مرتبہ وہ اوپیرا کے لیے ریہرسل کروا رہا تھا جس میں اطالوی جوان ساز بجا رہا تھا اور ایک امریکی لڑکی گا رہی تھی۔ وہ بار بار بے سُری ہو جاتی تھی۔ موسیقار کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا مگر وہ اپنی عادت سے مجبور صنفِ نازک کے لیے سخت کلمہ نہیں کہہ سکتا تھا۔ چنانچہ وہ زیرِ لب بڑبڑایا۔

"کرسٹوفر کولمبس پر لعنت ہو، جس نے امریکہ دریافت کیا۔"

ارم کمال۔ فیصل آباد

اسمگلنگ

ایک پولیس مین نے ٹرک والے کو روکا اور تلاشی لی مگر کچھ نہیں ملا۔ پولیس والے نے پوچھا۔

"میں حیران ہوں۔ تم روزانہ گزرتے ہو اور ٹرک میں کچھ نہیں ہوتا۔ کیا وجہ ہے آخر تم کیا کرتے ہو۔"

ٹرک والے نے جواب دیا۔ "اسمگلنگ۔۔۔۔"

پولیس والے نے زچ ہو کر پوچھا۔

"مگر مجھے تو کوئی ایسی چیز نہیں ملتی۔"

ٹرک والے نے پولیس والے کو ایک پرچی دی اور کہا۔

"اسے میرے جانے کے بعد کھولنا۔"

پولیس والے نے اس کے جانے کے بعد پرچی کھولی تو اس میں لکھا تھا۔ "میں ٹرک اسمگل کرتا ہوں۔"

مسرت الطاف احمد۔ کراچی

نسلی برتری

ایک سفید فام سیاح گھومتا گھامتا ایک ایسے گاؤں میں جا نکلا جہاں تمام تر آبادی سیاہ فاموں پر مشتمل تھی۔ وہ شراب خانے میں داخل ہوا تو سیاہ فام بارمین نے اسے دیکھا اور پوچھا۔ "کیا نسلی برتری پر یقین رکھتے ہو؟"

"ہرگز نہیں!" سیاح نے جواب دیا۔

"مگر ہم یقین رکھتے ہیں۔" سیاہ فام بارمین چلایا۔ "یہاں سے فوراً دفعان ہو جاؤ۔"

جیا ممتاز۔ گلستان جوہر

سادگی

کھلاڑی ریس میں دوڑ رہے تھے۔ ریس دیکھتے ہوئے سردار صاحب نے پاس کھڑے ہوئے آدمی سے پوچھا۔

"انعام کس کو ملے گا؟"

"سب سے آگے والے کو۔" آدمی نے جواب دیا۔

"تو پھر پیچھے والے کیوں بھاگ رہے ہیں؟" سردار نے حیرت سے پوچھا۔

آمنہ اجالا ڈھرکی

ایڈیٹر

ایک اخبار کے مالک نے ایڈیٹر کے منصب کے لیے آئے ہوئے امیدوار سے کہا۔

"یوں تو آپ پڑھے لکھے اور قابل آدمی لگتے ہیں لیکن مجھے اپنے اخبار کے لیے ایک بے حد ذمہ دار ایڈیٹر کی ضرورت ہے۔ کیا آپ کامیابی سے اخبار چلا سکیں گے؟"

"بالکل جناب!" امیدوار نے اعتماد سے کہا۔ "یہاں آنے سے پہلے میں اپنے مالک کی پندرہ لاکھ کی کار چلاتا تھا تو کیا آپ کا پندرہ روپے کا اخبار نہیں چلا سکوں گا۔"

صائمہ عمران، سرجان ٹاؤن

☆

WWW.PAKSOCIETY.COM

شگفتہ جاہ

یادِ الٰہی سے خوش حالی

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

حضرت عبداللہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"جو شخص کسی کی موت پر) اپنے رخسار پیٹے، گریبان پھاڑے اور عہدِ جہالت کی سی باتیں کرے، وہ ہم میں سے نہیں ہے۔"

تشریح:۔ اس میں نوحہ کی حرمت بیان کی گئی ہے یعنی نوحہ کرنے کا عمل اُن لوگوں جیسا ہے جو غیر مسلم ہیں یا یہ کہ وہ ہماری اُمت سے خارج ہے۔

(ابن ماجہ)

ظرف،

ایک نوجوان یروشلم کی ایک گلی سے گزر رہا تھا، اچانک ایک شخص نے اس کی راہ روک کر اسے بُرا بھلا کہنا شروع کر دیا۔

"اے بے دین و گمراہ! تو ہمیں اپنے آباؤ اجداد سے منحرف کرنا چاہتا ہے۔ اللہ تجھے ذلیل و خوار کرے۔"

نوجوان نے مسکرا کر اسے دعائیں دینا شروع کر دیں وہاں موجود ایک شخص نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا اور بولا

"یہ شریر شخص تمہیں بُرا بھلا کہہ رہا ہے، گالیاں دے رہا ہے اور تم اسے دعائیں دے رہے ہو۔ آخر تم اسے جواب کیوں نہیں دیتے؟"

شریف نوجوان نے جواب دیا۔ "جس کے پاس دینے کے لیے جو کچھ ہوتا ہے، وہ دوسروں کو وہی کچھ دیتا ہے۔ اس کے پاس گالیاں تھیں، لہٰذا اس نے مجھے گالیاں دیں اور میں نے دعا دی۔"

یہ شریف نوجوان حضرت عیسیٰ علیہ السلام تھے۔

حضرت علیؓ نے فرمایا،

"جاہل کے سامنے عقل کی بات مت کرو کیونکہ پہلے وہ بحث کرے گا اور پھر اپنی ہار دیکھ کر آپ کا دشمن بن جائے گا۔"

دعوتِ امام حسینؓ

سیدنا امام حسینؓ ایک مرتبہ کچھ مساکین کے پاس سے گزرے جو اکٹھے زمین پر بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو لجاجت سے عرض کی۔

"حضرت! تشریف لائیے، ہمارے ساتھ کھانے میں شرکت فرمائیے۔"

سیدنا حسینؓ سواری سے نیچے اُترے، ان کے ہمراہ زمین پر بیٹھے اور یہ کہتے ہوئے ان کے ساتھ کھانے میں شریک ہو گئے۔

"اللہ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔"

ان کے ساتھ کھانا کھا کر فارغ ہوئے تو نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ اظہارِ یکجہتی کرتے ہوئے فرمایا۔

"میں تو آپ لوگوں کی دعوت قبول کر چکا اب آپ لوگ بھی میری دعوت قبول کریں۔"

ان کے لیے اس سے بڑھ کر اعزاز و اکرام کی کیا بات ہو سکتی تھی۔ یک زبان ہو کر بولے۔

"ہاں ہاں، ہم آپؓ کی دعوت قبول کرتے ہیں۔"

سیدنا حسینؓ ان کو ہمراہ لیے ہوئے گھر تشریف لائے اور پھر تاریخ نے آپ کے یہ الفاظ اپنے سینے میں محفوظ کر لیے۔ آپؓ نے اپنی زوجہ محترمہ "رباب"

سے فرمایا۔

"اپنی جمع شدہ پونجی نکال لاؤ۔"

پھر اس مال کو مساکین میں تقسیم کر دیا۔

مسئلہ کا حل،

امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں آیا ہے کہ جب کسی مسئلے کا حل انہیں نہیں ملتا تھا تو وہ دو تین قرآن ختم کر ڈالتے اور مسئلے کا حل انہیں سوجھ جاتا تھا۔

(شاہنواز فاروقی۔ اُمت)

اولیاء کا احترام،

سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاء دہلوی

حضرت مولانا ضیاء الدین سنامی کی عیادت کو گئے جو سخت بیمار تھے اور اطلاع کرائی۔

مولانا نے فرمایا۔ "میں دین میں نئی بات نکالنے والوں سے نہیں ملتا ہوں۔"

نظام الدین کبھی کبھی سماع میں شریک رہتے اور مولانا اس کو بدعت اور ناجائز سمجھتے تھے۔

حضرت نظام الدین نے کہا۔ "مولانا سے عرض کرو، میں نے سماع سے توبہ کر لی ہے۔"

یہ سنتے ہی مولانا نے فرمایا۔

"میرے سر کا عمامہ اُتار کر بچھا دو اور سلطان المشائخ سے کہو کہ اس پر پاؤں رکھتے ہوئے تشریف لائیں۔"

اپنی قوم سے دشمنی،

ایک مرتبہ مولانا اشرف علی تھانوی سے کچھ لڑکوں نے سوال کیا کہ کتے کو ناپاک قرار دیا گیا ہے حالانکہ یہ بڑا وفادار جانور ہے۔ رات کو چوکیدار کا کام سرانجام دیتا ہے۔ شکار میں مدد دیتا ہے۔"

مولانا نے جواب دیا۔ "کتے میں بہت سی خوبیاں ہیں لیکن ایک عادت بڑی خراب ہے کہ اپنی ہی قوم کا دشمن ہے، اپنی ہی قوم سے لڑتا ہے۔"

پیٹ بھر کر کھانا،

حضرت یحییٰ بن ذکریا نے شیطان کو بہت سے پھندے اٹھائے ہوئے دیکھا۔ آپ نے پوچھا۔

"یہ کیا ہے؟"

شیطان بولا۔ "یہ شہوات ہیں۔ ان سے ابنِ آدم کو قید کرتا ہوں۔"

آپ نے دریافت کیا۔ "کیا میرے لیے بھی کوئی ہے؟"

شیطان نے کہا۔ "ایک رات آپ نے پیٹ بھر کر کھانا کھا لیا جس سے نماز میں سستی پیدا ہو گئی۔"

آپؑ نے فرمایا۔ "میں آئندہ کبھی پیٹ بھر کر نہیں کھاؤں گا۔"

شیطان نے جواباً کہا۔ "میں آئندہ کسی کو نصیحت نہیں کروں گا۔"

فانی،

ایک دن خلیفہ سلیمان بن عبدالملک نے سبز خلعت اور سبز عمامہ پہنا اور آئینہ دیکھا۔ اسے اپنی وجاہت بہت بھلی معلوم ہوئی کہنے لگا۔

"میں کیا خوبرو اور نوجوان بادشاہ ہوں۔"

پاس ہی اس کی خادمہ کھڑی تھی۔ خلیفہ نے دیکھا کہ اس کی بات پہ لونڈی کے ہونٹ ہلے ہیں۔ وہ پوچھنے لگا۔

"بتاؤ تم نے کیا کہا ہے؟"

وہ بولی۔ "اچھی بات ہی کہی ہے۔"

سلیمان نے اصرار کیا۔ "ان الفاظ کو ذرا زور سے ادا کرو۔"

خادمہ نے چند اشعار پڑھے جن کا مفہوم یہ تھا۔

"تو بہترین اثاثہ ہے، کاش باقی رہتا مگر کوئی انسان باقی نہیں رہ سکتا۔ جہاں تک میں جانتی ہوں تجھ میں کوئی عیب نہیں سوائے اس کے کہ تو فانی ہے۔"

اس واقعے کے بعد سلیمان صرف ایک ہفتہ زندہ رہا۔ بخار آیا اور یہی بخار اس کی موت کا سبب بنا۔

ملیحہ صدیقی۔ کراچی

حادثے،

حادثے زندگی میں بڑی آہستگی، بڑی خاموشی سے دبے پاؤں آ کر چپ چاپ گزر جاتے ہیں۔ جلتے جلتے مڑ کر بھی نہیں دیکھتے، دم بھر کے لیے ٹھہرتے بھی

WWW.PAKSOCIETY.COM

نہیں یہ دیکھنے کے لیے جس کی زندگی میں آکر وہ واپس جا رہے ہیں۔ اس کے دل کی دنیا میں کتنی ہلچل مچ گئی ہے۔ اس کی روح کو وہ کس طرح سسکتا ہوا چھوڑ کر آگے بڑھ گئے ہیں۔

مسرت الطاف احمد۔ کراچی

انمول موتی،

☆ ہر جدا ہونے والا شخص بے وفا نہیں ہوتا۔ اسی طرح ہر قریب رہنے والا شخص اپنا نہیں ہوتا۔

☆ اعتبار کی مالا کو کبھی ٹوٹنے مت دو کہ اس انمول مالا کے موتی بکھر جائیں تو تلاش کے باوجود دوبارہ نہیں ملتے۔

☆ کسی سے تلخ ہوتے ہوئے اتنی گنجائش ضرور رکھو کہ اگر واپس آنا پڑے تو راستہ کٹھن ثابت نہ ہو۔

☆ شک ایک آگ کی طرح ہے۔ جو اچھی سے اچھی چیز کو جلا کر راکھ کر دیتا ہے۔

☆ بعض رشتوں کو برقرار رکھنا، ان کو توڑ دینے سے زیادہ اذیت ناک ہوتا ہے۔

نازیہ رئیس۔ نواب شاہ

عورت،

عورت کا مطلب ہے "چھپی ہوئی چیز"، لہٰذا جتنا چھپ کر رہے گی اتنی ہی "اسمِ بامسمّیٰ" ہوگی۔

اور بات،

" بصد مجبوری عورت کا مرد کے پاس سے گزر کر جانا یا اس کے ساتھ کام کرنا اور بات ہے۔ اس کی صحبت اختیار کرنے کے لیے ایسا کرنا دوسری بات۔

" ایک نظر دیکھ کر یا ضروری سوال و جواب کر کے جیون ساتھی منتخب کرنا اور بات ہے۔ محبت کا ڈھونگ رچانا دوسری بات۔

" کسی کے قول پڑھ کر عمل کرنا اور بات ہے، اپنے تجربات کا مشاہدہ کرنا دوسری بات۔

کوثر خالد۔ جڑانوالہ

اثاثہ،

مسلمان جہاں بھی گئے یہ اثاثہ اُن کے ہمراہ تھا۔

○ ایک روشن اور سیدھا سادا دین، جس کی ہر ہدایت کا لازمی نتیجہ فلاح، سعادت اور کامرانی تھا۔

○ ایک عادلانہ نظامِ حکومت جو شاہ و گدا میں کوئی امتیاز نہیں رکھتا تھا اور جو ہر قسم کے استحصال سے پاک تھا۔

○ ایک ایسا پیغام جو اُن کی اخلاقی اور روحانی زندگی کا ضامن تھا۔

○ ایک ایسا علم جس کی روشنی سے زندگی کی شاہراہ چمک اُٹھی تھی اور اجالے حدِ امکان تک پھیل گئے تھے۔

○ ایک ایسی تہذیب جس کی بنیاد طہارت و تقدس پر ڈالی گئی تھی۔

○ ایک ایسا نظامِ عبادت جس نے بندوں میں ذوقِ خدائی پیدا کر دیا تھا اور اُن کے دستِ بازو میں بجلی جیسی قوت بھر دی تھی۔

(ڈاکٹر غلام جیلانی برق)

صومیہ نذیر، شمائلہ نذیر۔ ہری پور ہزارہ

شجرۂ نسب،

ایک بار کسی نے حضرت سلمان فارسیؓ سے اُن کے خاندان کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا۔

"مسلمان ابنِ اسلام"

نمرہ، اقراء۔ کراچی

*

WWW.PAKSOCIETY.COM

خالدہ جیلانی

ہلتا کیوں نہیں میرے دل کا معاملہ

قرۃ العین طاہرہ ——— پسرور
کہاں جاؤ گے مجھے چھوڑ کے میں یہ پوچھ پوچھ تھک گیا
وہ جواب مجھ کو نہ دے سکا، وہ تو خود سراپا سوال تھا
وہ ملا تو صدیوں کے بعد بھی میرے لب پہ کوئی گلہ نہ تھا
اُسے میری چپ نے رُلا دیا جسے گفتگو میں کمال تھا

فرحت اشرف جٹ ——— بصیر والا
وہ دل کی بازی جہاں مجھ سے جیتنا چاہے
میں مان لوں گا وہیں مات اس سے کہہ دینا
وفا کی راہ میں، میں آج بھی اکیلا ہوں
کوئی نہیں ہے میرے پاس اس سے کہہ دینا

ثمرین اکرام ——— میرپور خاص
آج یوں موسم نے دی جشنِ محبت کی خبر
پھوٹ کر رونے لگے ہیں میں محبت اور تم
ہم نے جونہی کر لیا محسوس منزل ہے قریب
راستے کھونے لگے ہیں میں محبت اور تم

ارم کمال ——— فیصل آباد
اس شخص کی چاہت بھی عجب ہے کہ ہمیشہ
خاطر میں نہ لانا، مدارت میں رہنا

حرا قریشی ——— ملتان
شامِ سفر کا اور اثاثہ ہی کچھ نہیں
اک تیری بے چراغ ہتھیلی ہے، ایک تو

رمشا عظمت ——— بوسال قصور
شکستہ آئینوں کی کرچیاں اچھی نہیں لگتیں
مجھے وعدوں کی خالی سیپیاں اچھی نہیں لگتیں
گزشتہ رت کے رنگوں کا اثر دیکھو کہ اب مجھ کو
کھلے آنگن میں اُڑتی تتلیاں اچھی نہیں لگتیں

خاسلیم اعوان ——— گاؤں آخون بانڈی
یہاں منظر سے پس منظر تک حیرانی ہی حیرانی ہے
کبھی اصل کا بھید نہیں کھلتا، کبھی سچا خواب نہیں ہوتا

کنزیٰ شاہین اعوان ——— گاؤں آخون بانڈی
چند خوابوں کے عطا کر کے اُجالے مجھ کو
کر دیا دُنیا نے وقت کے حوالے مجھ کو
جن کو سورج میری چوکھٹ سے ملا کرتا تھا
اب وہ خیرات میں دیتے ہیں اُجالے مجھ کو

صومیہ نذیر ——— ہری پور ہزارہ
بات ٹھہری جو عدل پہ واعظ
پھر یہ منت، یہ التجا کیا ہے
انہیں چاند سا جب کہا تو کہنے لگے
چاند کہیے نا، یہ چاند سا، کیا ہے

سمیعہ احسان ——— عبدالحکیم
یہ تم سے کہہ دیا — کس نے کہ بازی ہار بیٹھے ہیں
ابھی تم پہ لٹانے کو ہماری جان باقی ہے

نوشابہ منظور ——— بھریا روڈ
مجھے ہر کیفیت میں کیوں نہ سمجھے
وہ میرے سب حوالے جانتا ہے
میں اس کی دسترس میں ہوں مگر وہ
مجھے میری رضا سے مانگتا ہے

سدرہ وزیر ——— (پیل) خوشاب
اک بار وہ ملا تھا مجھے بے رُخی کے ساتھ
اس دن سے دل کا شہر برابر اُداس ہے
دیکھی ہے اُس کی آنکھ میں پہلی دفعہ نمی
یوں لگ رہا ہے جیسے سمندر اُداس ہے

ثوبیہ نذیر ——— بھائی وال فیصل آباد
ہم بھی تو قرار و قول بھولے
کون اپنا کہا نباہتا ہے
اب یاد نہ آ کہ کچھ دنوں سے
دل کسی اور کو چاہتا ہے

ہما شہزاد ——— چک ۱۰۵ سرگودھا
کر و پھر سے کوئی وعدہ کبھی نہ بچھڑنے کا
تمہیں کیا فرق پڑتا ہے بچھڑنے میں بکھرنے میں

نمرہ اقرا ——— کراچی
بہت اسرار پوشیدہ ہیں اس تنہا پسندی میں
یہ مت سوچو کہ دیوانے جہاندیدہ نہیں ہوتے
تعجب کیا اگر اقبال دُنیا مجھ سے ناخوش ہے
بہت سے لوگ دُنیا میں پسندیدہ نہیں ہوتے

شبنم شمشاد ——— کیپٹل کالج یزمان
زندگی تو کب کی ہو گئی خاموش
دل تو بس عادتاً دھڑکتا ہے

ثمینہ احمد شہناز گل ——— بستی نرالا والا
زندگی اب کے میرا نام نہ شامل کرنا
گر یہ طے ہے کہ یہی کھیل دوبارہ ہو گا

سونیا حسن ——— نامعلوم
جو آنا چاہو رستے ہزار نہ آنا چاہو عذر ہزاروں
مزاج برہم طویل راستہ برستی بارش خراب موسم

اقرا اکرم ——— گاؤں سلیاں شریف
اب کہاں ایسی طبیعت والے
چوٹ کھا کر جو دُعا کرتے تھے
ترکِ احساسِ محبت مشکل
ہاں مگر اہلِ وفا کرتے تھے

انیقہ انا ——— چکوال
شاید اسے عشق بھی نہ سمجھے
جس کرب میں عقل مبتلا ہے

ماریہ چودھری ——— ڈوگہ گجرات
اتنی کاوش بھی نہ کر میری اسیری کے لیے
تو کہیں میرا گرفتار نہ سمجھا جائے

سونیا رانی ——— قاضیاں محلہ بالا
تمہارے ذہن میں جو بھی ہے صاف صاف کہو
منافقت کا نشاں ہے اگر مگر کرنا

ہنا مغل ——— فیصل آباد
معرکہ اب کے ہوا بھی تو پھر ایسا ہو گا
تیرے دریا پہ میری پیاس کا پہرہ ہو گا
یا مسیحائی اُسے بھول گئی ہے محسن
یا پھر ایسا ہے میرا زخم ہی گہرا ہو گا

ساجی عاصم ——— ٹنڈو آدم
میری آوارگی میں کچھ دخل تمہارا بھی ہے محسن
جب یاد تمہاری آتی ہے تو گھر اچھا نہیں لگتا

کوثر خالد ——— جڑانوالہ
چمن والو خدا حافظ قفس میں لے چلی گردش
وطن میں گر اندھیرا ہو تو گھر میرا جلا دینا

نیلم شہزادی ——— کوٹ مومن
توڑ دیے ہیں میں نے گھر کے سب ہی آئینے
پیار میں ہارے ہوئے لوگ مجھ سے دیکھے نہیں جاتے

مبین اختر ——— سوہا
اس سے جُدا تو ہو گیا پر یوں لگا مجھے
جیسے جہاں میں کوئی دوسرا نہیں رہا
وہ بے وفا نہیں مگر اتنا ضرور ہے
پہلے وہ جس طرح کا تھا ویسا نہیں رہا

عنوی اکرم ——— لیاری کراچی
فقط باتیں اندھیروں کی، فقط قصے اُجالوں کے
چراغِ آرزو لے کر نہ تم نکلے، نہ ہم نکلے

عابدہ غوری ——— کوٹ چھٹہ
کسی بھی درد کی حد سے ذرا گزرنے تک
میں خود کو جوڑتا رہتا ہوں پھر بکھرنے تک

بیگم ظفر چوہدری ——— خانیوال
خواب، خواہش، واہمہ ہے زندگی
ایک بھیانک حادثہ ہے زندگی
آج تک یہ مسئلہ سلجھا نہیں
میں خفا ہوں کہ خفا ہے زندگی

عائشہ خان ——— ٹی آئی پی۔ ہری پور
یہ تھا میرا ہی حوصلہ محسن
حال کو حسبِ حال رہنے دیا

سدرہ بتول ——— ملتان
وہ مجھے اپنے ساتھ قید کر کے لے جاتے
خدا کرے کوئی ایسا قصور ہو مجھ سے

صدیقہ، انیقہ ملک ——— سمندری
یہ مجھے چین کیوں نہیں پڑتا
ایک ہی شخص تھا جہاں میں کیا

WWW.PAKSOCIETY.COM

شاعری سچ بولتی ہے

سعدیہ ریاض

شاعری خوبصورت احساسات و جذبات کو الفاظ میں بیان کرنے کا نام ہے۔ کبھی کسی نظم، غزل یا شعر کو پڑھ کر ایسا لگتا ہے جیسے شاعر نے ہمارے دل کے حال کو زبان دے دی ہو۔ ہماری کیفیت کو بیان کر دیا ہو تو شاعری غمگسار کی کیفیت دھار لیتی ہے۔

اب اپنا تعارف کروا دوں۔ میرا نام سعدیہ ریاض ہے۔ شاعری سے میرا گہرا لگاؤ ہے۔ میرا تعلق کراچی سے ہے۔ جس کو پہلے روشنیوں کا شہر کہا جاتا تھا۔ جس کے لیے فیض احمد فیض نے کہا ہے۔

؎ رفتہ رفتہ سوکھ رہی ہے پھیکی زرد دوپہر
دیواروں کو چاٹ رہا ہے تنہائی کا زہر
دور اُفق تک گھٹتی بڑھتی اٹھتی گرتی رہتی ہے
لہر کی صورت بے رونق دردوں کی گدلی لہر
بستا ہے اس کہر کے پیچھے روشنیوں کا شہر
اے روشنیوں کے شہر...!

ابن انشاء کی شاعری کا انداز مجھے سب سے مختلف، منفرد اور اچھا لگتا ہے۔ ان کی ایک دل کے تاروں کو چھو جانے والی نظم جسے بار بار پڑھنے کو دل چاہتا ہے۔

سب مایا ہے سب ڈھلتی پھرتی چھایا ہے
اس عشق میں ہم نے جو کھویا جو پایا ہے
جو تم نے کہا ہے، فیض نے جو فرمایا ہے
سب مایا ہے
ہاں گاہے گاہے دید کی دولت ہاتھ آئی
یا ایک وہ لذت نام ہے جس کا رسوائی
بس اس کے سوا تو جو بھی ثواب کمایا ہے
سب مایا ہے

اک نام تو باقی رہتا ہے، گر جان نہیں
جب دیکھ لیا اس سودے میں نقصان نہیں
تب شمع پہ دینے جان پتنگا آیا ہے
سب مایا ہے
معلوم ہمیں سب قیس میاں کا قصہ بھی
سب ایک سے ہیں، یہ رانجھا بھی، یہ انشا بھی
فرہاد بھی جو اک نہر سی کھود کے لایا ہے
سب مایا ہے
کیوں درد کے نامے لکھتے لکھتے رات کرو
جس سات سمندر پار کی نار کی بات کرو
اس نار سے کوئی ایک نے دھوکا کھایا ہے
سب مایا ہے
جس گوری پر ہم ایک غزل ہر شام لکھیں
تم جانتے ہو ہم کیونکر اس کا نام لکھیں
دل اس کی بھی چوکھٹ چوم کے واپس آیا ہے
سب مایا ہے
وہ لڑکی بھی جو چاند نگر کی رانی تھی
وہ جس کی الہڑ آنکھوں میں حیرانی تھی
آج اس نے بھی پیغام یہی بھجوایا ہے
سب مایا ہے
جو لوگ ابھی تک نام وفا کا لیتے ہیں
وہ جان کے دھوکے کھاتے ہیں، دھوکے دیتے ہیں
ہاں ٹھوک بجا کر ہم نے حکم لگایا ہے
سب مایا ہے
جب دیکھ لیا ہر شخص یہاں ہرجائی ہے
اس شہر سے دور اک کٹیا ہم نے بنائی ہے
اور اس کٹیا کے ماتھے پر لکھوایا ہے
سب مایا ہے

جون ایلیا میرے پسندیدہ شعراء میں سے ایک ہیں۔ ان کے کلام میں محسوس کیا جانے والا سوز و گداز ہے اور وہ اپنے جذبات کو بڑی خوبصورتی سے بیان کرتے ہیں۔

؎ نہ ہوا نصیب قرار جاں، ہوس قرار بھی اب نہیں
تیرا انتظار بہت کیا، تیرا انتظار بھی اب نہیں

تجھے کیا خبر مرو سال نے ہمیں کیسے زخم دیے یہاں
تری یادگار تھی اک خلش، تری یادگار بھی اب نہیں

نہ گلے رہے نہ گمان رہے، نہ گزارشیں ہیں نہ گفتگو
وہ نشاط وعدہ وصل کیا، ہمیں اعتبار بھی اب نہیں

کسے نذر دیں دل و جاں بہم کہ نہیں وہ کاکل خم بہ خم
کسے ہر نفس کا حساب دیں کہ شمیم یار بھی اب نہیں

وہ ہجوم دل زدگاں کہ تھا، تجھے مژدہ ہو کہ بکھر گیا
تیرے آستانے کی خیر ہو، سر رہ غبار بھی اب نہیں

وہ جو اپنی جاں سے گزر گئے انہیں کیا خبر ہے کہ شہر میں
کسی جانثار کا ذکر کیا کوئی سوگوار بھی اب نہیں

نہیں اب تو اہل جنوں میں بھی وہ جو شوق شہر میں عام تھا
وہ جو رنگ تھا کبھی کو بکو، سر کوئے یار بھی اب نہیں

انسان جس سے محبت کرتا ہے، اُس پر اپنا حق اور مان سمجھتا ہے۔ لیکن اگر کبھی یہ مان ٹوٹ جائے تو اس کی کرچیاں دل کو زخمی کرتی رہتی ہیں۔

امجد اسلام امجد کی یہ نظم بھی اسی طرح کے جذبات کی عکاسی کرتی ہے۔

ساتھ ٹوٹ جاتے ہیں، بھیڑ میں زمانے کی ہاتھ چھوٹ جاتے ہیں
دوست دار لہجوں میں سلوٹیں سی پڑتی ہیں
اک ذرا سی رنجش سے، شک کی زرد دھتی پر
پھول بدگمانی کے اس طرح سے کھلتے ہیں
زندگی سے پیارے بھی، اجنبی سے لگتے ہیں، غیر بن کے ملتے ہیں
عمر بھر کی چاہت کو آسرا نہیں ملتا، وحشت بے یقینی میں راستہ نہیں ملتا
خامشی کے وقفوں میں بات ٹوٹ جاتی ہے اور سرا نہیں ملتا
معذرت کے لفظوں کو روشنی نہیں ملتی، لذت تلافی پھر کبھی نہیں ملتی
پھول رنگ وعدوں کی منزلیں سکڑتی ہیں، راہ مڑنے لگتی ہے
بے رخی کے گارے سے، بے دلی کی مٹی سے فاصلے کی اینٹوں سے اینٹ جڑنے لگتی ہے، خاک اڑنے لگتی ہے
خواب ٹوٹ جاتے ہیں، واہموں کے سائے سے عمر بھر کی محنت کو، پل میں ٹوٹ جاتے ہیں
اک ذرا سی رنجش سے، ساتھ چھوٹ جاتے ہیں
بھیڑ میں زمانے کی، ہاتھ چھوٹ جاتے ہیں
ساتھ ٹوٹ جاتے ہیں

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف
سے بہنوں کے لیے خوبصورت ناول

قیمت -/300 روپے

منگوانے کا پتہ:
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37، اردو بازار، کراچی
فون نمبر:
32735021

WWW.PAKSOCIETY.COM

شعاع کے ساتھ

ادارہ

اقصیٰ مریم ملغانی.... کوئٹہ

1 ۔ رواں سال کے کیلنڈر کو چار سال پیچھے کی جانب لے کر جاؤں تو چار سال بنتے ہیں۔ جی ہاں شعاع سے تعلق کو چار سال کا عرصہ بیت چکا ہے۔ تب میں نائنتھ کلاس کی طالبہ تھی اور اب تھرڈ ایئر میں ہوں۔ شعاع کی سب سے اچھی بات جو مجھے لگتی ہے' یہ وہ رسالہ ہے جو نہ صرف شہروں تک رسائی رکھتا ہے۔ بلکہ اس کی پہنچ کچی پکی بستیوں' دیہاتوں تک بھی ہے اور یہی اس کی شہرت کی اصل وجہ بھی ہے۔ دیہات کی کم پڑھی لکھی لڑکیاں بھی جب شعاع پڑھنے بیٹھتی ہیں تو اسے اپنی اولین درس گاہ سمجھتی ہیں۔ اس لیے کہ شعاع زندگی کے اونچے نیچے ٹیلوں سے گزرنے کا ہنر سکھاتا ہے۔

2 ۔ صبح کا آغاز تو جناب امی صاحبہ کی ڈانٹ سے ہی ہوتا ہے۔ "دن چڑھ گیا' سورج نکل آیا اور ابھی تک گھوڑے بیچ کے سو رہی ہو"۔ تو جناب جب ہماری امی کا پارہ تھوڑا زیادہ اوپر کو چڑھنے لگتا ہے تو رضائی پھینک کر منہ پر ہاتھ رکھے جمائیاں روکنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ناشتا عموماً" امی ہی تیار کرتی ہیں اور میں پکانے ڈکارنے کا ہنر خوب جانتی ہوں۔ ہاہاہا۔۔۔ ساتھ ساتھ چھوٹے بھائی بہنوں کے ہمراہ ہنسی مذاق ہلا گلا تو چلتا ہی ہے۔

پھر ناشتے کے برتن میں ہی دھوتی ہوں۔ فراغت کے بعد فٹ سے یونیفارم پہنا' جوتے پہنے' بیگ لٹکائے صحن میں آکر ٹہلنے لگے اور وین والے کے ہارن کا انتظار کرنے لگے جیسے ہی پوں' پوں ہوئی میں بھاگتی امی کی دعائیں لیتی وین میں سوار ہو جاتی ہوں۔

پھر کیا ہوتا ہے۔ مہینہ کا آغاز ہو تو پیاری سی کزن آسیہ قادر شعاع نکال کے بیٹھ جاتی ہے اور وین میں ہی ٹائٹل' نئے سلسلوں اور کہانیوں پر بحث شروع۔

کالج پہنچ کر بھی جیسے ہی کوئی فری پیریڈ ملا تو شعاع سے لطف اندوز ہونے لگے۔ میری عموماً" ساری کلاس فیلوز شعاع کی ہاٹ فینز ہیں۔

کالج سے واپسی پہ کھانا کھایا اور پھر سے میٹھی نیند اوڑھ کے سو گئے۔ جیسے ہی شام ہوئی تو ممانی جان جو قریب ہی رہتی ہیں آجاتی ہیں۔ کیونکہ انہیں میرے ہاتھ کی چائے بہت پسند ہے۔ چائے کے ساتھ پکوڑوں یا سموسوں سے بھی پیٹ کی خاطر تواضع کی جاتی ہے۔ پھر آہستہ آہستہ شام کے سائے ڈھلنے لگتے ہیں تو مغرب کے فوراً" بعد ہی روٹی پکاتی ہوں۔ ابا عشاء کی نماز پڑھنے کے بعد آتے ہیں تو امی کے ساتھ ادھر ادھر کی باتوں میں مشغول اور میں اس دورانیے میں نو بجے سے پہلے پہلے ڈرامہ دیکھ لیتی ہوں۔ جوں ہی گھڑی نے نو بجائے ٹی وی لاؤنج میں دسترخوان لگتا ہے اور ابا خبریں سنتے ہیں' ساتھ ہی ہم سب بھی۔۔۔

کھانے کے فوراً" بعد میں کافی یا چائے لازمی پیتی ہوں۔ جھٹ پٹ چائے بنائی' ٹہلو اٹھائی اور اپنے کمرے میں۔ پھر شعاع ہوتا ہے' میں ہوتی ہوں اور کہانیوں کے ساتھ ہنسنا کھیلنا رونا دھونا۔۔۔ چلتا رہتا ہے۔ ہے ناں مزے کی بات۔

3 ۔ جی ہاں۔۔۔ بہت سے کرداروں میں اپنی جھلک نظر آئی۔ عمیرہ احمد کے ناول "ایمان" امید اور محبت کی ایمان مجھ سے بہت ملتی ہے۔ بہت ہی حساس لڑکی ہوں' منہ پھٹ ہوں' مذاق مذاق میں اپنے دل کی

بھڑاس بھی نکال لیتی ہوں اور بہت کچھ سنا بھی دیتی ہوں۔ لیکن حیرت کی بات تو یہ ہے سامنے والا چاہے جو بھی ہو' اسے میری بات ذرا بری نہیں لگتی۔ پسندیدہ تحریریں کوئی ایک ہو تو مصحف' مرگ برگ' جو چلے تو جاں سے گزر گئے' آئینوں کا شہر' پیر کامل' ایمان امید اور محبت' رقص جنوں' سفال گر' مرگ وفا اور بھی کئی ہیں' لکھنے بیٹھوں تو صفحے کم پڑ جائیں۔ پسندیدہ مصنفات میں عمیرہ احمد' فرحت اشتیاق' نمرہ احمد بہت پسند ہیں اور نئی لکھنے والیوں میں نایاب جیلانی اور سائرہ رضا اول نمبر پر۔ سائرہ رضا کا انداز تحریر بہت پسند ہے۔ باریک سے باریک موضوع کو بھی اتنی عمدگی سے لکھتی ہیں کہ پڑھنے والا کئی ہفتے سحر سے نکل ہی نہیں پاتا۔ اس کے علاوہ سمیرا حمید' شازیہ جمال' سدرہ سحر عمران' عنیقہ محمد بیگ بھی خوب ہیں۔

4 ۔ خوبیاں تو دوسرے ہی بتائیں تو بہتر۔ خامیاں نہ پوچھو جی (کوئی بک ہووے تے دساں) ہاہاہا۔۔۔ اجنبی لوگوں پر اعتبار کر لیتی ہوں' مات بھی کھا جاتی ہوں' غصہ بہت ہے' منہ پھٹ ہوں۔ روتی بہت ہوں۔ بنا سوچے سمجھے فیصلے کرنے کی عادی ہوں۔ ہر وقت خوب سے خوب تر کی تگ و دو میں رہتی ہوں۔ بولتی بہت ہوں۔ جھوٹ تو اللہ معافی۔۔۔ تعریف آنکھوں کی بہت ہوتی ہے۔ اکثر کالج کی لڑکیاں میری ڈارک براؤن بڑی آنکھوں کی فین ہیں۔

5 ۔ بارش' کیا پوچھ لیا ہائے۔ بارش میں نہاتے نہاتے تھکتی نہیں اور لبوں پر رقصاں گیت "ساون میں مورنی بن کے میں تو چھم چھم ناچوں" بارش کو اکیلے انجوائے کرنے کا اپنا مزہ ہے یا زیادہ سے زیادہ فرینڈز کو ساون اور بارش کے میسج کر دیے بس کافی نہیں۔

6 ۔ لطیفے سرے سے پسند نہیں۔ ہاں شعر پسند ہیں۔ کیا کیا سناؤں جی۔ بہت سے اشعار پڑھ کر ڈائری میں محفوظ کر لیتی ہوں۔

Art With You

Paint with Water Color & Oil Colour

First Time in Pakistan
a Complete Set of 5 Painting
Books in English

Art With You
کی پانچوں کتابوں پر حیرت انگیز رعایت

Water Colour I & II
Oil Colour
Pastel Colour
Pencil Colour

فی کتاب -/150 روپے
نیا ایڈیشن بذریعہ ڈاک منگوانے پر ڈاک خرچ
-/200 روپے

بذریعہ ڈاک منگوانے کے لئے
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37 اردو بازار، کراچی۔ فون: 32216361

WWW.PAKSOCIETY.COM

بندھن

صبا فیصل ہمراہ فیصل سلیم

شاہین رشید

صبا فیصل کا نام لیتے ہی ایک خوب صورت چہرہ نظروں کے سامنے آجاتا ہے۔ جو ماں، بڑی بہن اور بھابھی کے رول بڑی مہارت سے ادا کرتی ہیں۔ صبا فیصل کا ٹی وی سے رشتہ بہت پرانا ہے۔ نوجوانی کے دور سے وہ ٹی وی سے وابستہ ہیں۔ پہلے بحیثیت نیوز کاسٹر کے۔ پھر بحیثیت اداکارہ کے۔

بندھن کے سلسلے میں اس بار ہمارا انتخاب یہی خوبصورت فنکارہ ہیں۔

"جی صبا فیصل! کیسی ہیں؟ آج کل اسکرین پہ کچھ کم نظر آرہی ہیں۔۔۔ وجہ؟"

"نہیں! ایسا تو نہیں ہے۔ مراۃ العروس کو ہی دیکھ لیں۔ ختم ہونے کے دو تین ماہ بعد ہی دوبارہ دکھایا جارہا ہے اور کچھ اور سیریلز بھی آن ایر ہیں۔ کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ سارے تیار شدہ سیریلز ایک ساتھ چلنا شروع ہوجاتے ہیں تو ایسا لگتا ہے کہ جیسے ہم ہی ہم ہیں اور جب گیپ آجاتا ہے تو لگتا ہے کہ جیسے ہمارے پاس کام ہی نہیں ہے۔"

"آج کل کہاں قیام ہے آپ کا؟ کراچی میں یا لاہور میں؟"

"یہ تو چلتا ہی رہتا ہے۔ کبھی کراچی تو کبھی لاہور۔ ویسے جب کوئی خاص موقع یا تہوار ہوتا ہے تو پھر لاہور میں ہی ہوتی ہوں۔ کیونکہ لاہور میں میری فیملی ہے۔"

"آپ کو یقیناً" اسکول کالج کے زمانے سے غیر نصابی سرگرمیوں میں حصہ لینے کا شوق ہوگا۔ تب ہی آپ اس فیلڈ میں آئیں؟"

"جی بالکل! آپ نے ٹھیک جج کیا اور زمانہ طالب علمی سے ہی میری خواہش تھی کہ میں کوئی ایسا کام کروں کہ میرا نام ہو اور میں عام لوگوں میں پہچانی جاؤں تو بس مجھے ٹی وی ہی ایک ایسا ذریعہ لگتا تھا کہ جہاں میں اپنی صلاحیتیں دکھا سکتی تھی۔ چنانچہ میں نے سب سے پہلے اناؤنسر کے لیے آڈیشن دیا اور کامیاب ہوگئی پھر دل چاہا کہ کچھ اور بھی کرنا چاہیے۔ نیوز ریڈر کے لیے آڈیشن دیا تو اس میں بھی کامیاب ہوگئی۔ تب میں نے اناؤنسر کی جاب چھوڑی اور نیوز کاسٹر بن گئی۔ پھر نیوز رپورٹنگ کا شوق آیا تو نیوز رپورٹر بن گئی اور اب اداکارہ ہوں۔"

"گڈ۔۔۔ شادی سے پہلے اس فیلڈ میں آئیں یا بعد میں؟"

"شادی سے بہت پہلے یوں سمجھیں کہ جب میٹرک میں تھی تو ٹی وی جوائن کرلیا تھا اور ساتھ ہی ساتھ پڑھائی بھی کرتی تھی۔ ٹی وی میں کام کرتے کرتے ہی گریجویشن کیا میں نے۔"

"اور شادی کب ہوئی؟ اور آپ کی پسند کو کتنا عمل دخل ہے؟"

"ماشاء اللہ تقریباً" انتیس سال ہوگئے ہیں اور میرے تین بچے ہیں۔ ایک بیٹی اور دو بیٹے۔ میرے میاں جن کا نام فیصل سلیم ہے۔ وہ چونکہ میرے ماموں کے بیٹے ہیں تو ہم ایک دوسرے کو جانتے تھے ایک دوسرے کے لیے پسندیدگی بھی تھی۔ شاید والدین نے اس بات کو محسوس کیا یا پھر ہمارا جوڑ بنا ہوا تھا آسمانوں پر کہ دونوں گھروں کی رضا مندی سے ہمارا رشتہ ہوگیا۔"

"آج کل کا ماحول کافی آزاد ہے۔ آج کل تو خواہ رشتے داروں میں ہو شادی یا برادری سے باہر۔ لڑکے لڑکی کا ملنا اور پسند کرنا رواج بن گیا ہے۔ کیا آپ اس کے حق میں ہیں؟"

"میں ارینج میرج اور والدین کے فیصلوں کو کبھی غلط نہیں کہوں گی۔ کیونکہ کچھ بھی ہو، ان کے فیصلے ہمارے لیے ہر حال میں بہتر ہوتے ہیں۔ لیکن اب زمانہ پہلے جیسا نہیں رہا۔ اب ماحول بدل گیا ہے۔ سوچ بدل گئی ہے۔ اس لیے بہتر ہے کہ لڑکا لڑکی ضرور پہلے ایک دوسرے سے ملیں اور ایک دوسرے کے مزاج کو سمجھیں۔ آج کے دور میں یہ بہت ضروری ہے۔"

"پہلے زمانے میں جوائنٹ فیملی سسٹم ہوتا تھا تو سب کچھ ٹھیک رہتا تھا۔ مگر اب جوائنٹ فیملی کا رواج بہت کم ہوگیا ہے۔"

"یہ تو ہے۔ میں جب بیاہ کر آئی تھی تو جوائنٹ فیملی میں ہی آئی تھی اور تقریباً" گیارہ سال جوائنٹ فیملی میں رہی اور بہت پیار محبت کے ساتھ ہمارا وقت گزرا۔ فیملی بھی زیادہ بڑی نہیں تھی۔ والدین، ایک بھائی اور دو نندیں تھیں۔ اب تو واقعی جوائنٹ فیملی کا رواج کم ہوتا جارہا ہے۔"

"شادی سے پہلے آپ اپنے کزن فیصل کو کتنا جانتی تھیں؟"

"شادی سے پہلے بھی فیصل کے ساتھ بہت دوستی اور بے تکلفی تھی۔ مگر بے تکلفی حدود میں رہ کر تھی۔ جس طرح کزنز میں دوستی ہوتی ہے اور شادی کے بعد تو ہم دوستوں کی طرح ہی رہے اور رہ رہے ہیں۔ ہم دونوں میں بہت اچھی انڈراسٹینڈنگ ہے۔"

"آپ کے میاں صاحب آپ کے کام میں کبھی رکاوٹ بنے؟"

"بالکل نہیں۔ کبھی نہیں۔ بلکہ میں تو کہوں گی کہ شادی سے پہلے اپنے والدین کی رضامندی سے اس فیلڈ میں آئی اور شادی کے بعد اپنے شوہر کی رضامندی سے۔ شادی سے پہلے تو بہت کم وقت اس فیلڈ میں گزارا۔ زیادہ وقت تو میں نے شادی کے بعد گزارا ہے اور گزار رہی ہوں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اگر میرے میاں اجازت نہ دیتے تو میں نے کب کام کرنا تھا کیونکہ میں سمجھتی ہوں کہ اگر بیوی کو اپنے شوہر کی حمایت حاصل نہ ہو تو وہ کبھی بھی کچھ نہیں کرسکتی۔"

WWW.PAKSOCIETY.COM

"شوہر نے تو اجازت دی۔ مگر جوائنٹ فیملی میں رہ کر تو پھر سب کو دیکھنا پڑتا ہے' سب کا خیال رکھنا پڑتا ہے؟"

"جی بالکل! ایسا ہے۔ مگر میری خوش قسمتی یہ تھی کہ مجھے بیاہ کر اپنے ماموں کے گھر ہی آنا تھا اور ہم سب میں آپس میں بہت پیار تھا۔ یوں سمجھئے! کہ ایک میکے سے نکل کر دوسرے میکے میں آگئی تھی تو مجھے کوئی پریشانی نہیں ہوئی اور میرے سسرال والے بہت ہی اچھے ہیں۔ انہوں نے کبھی مجھے روکا ٹوکا نہیں۔ تب ہی تو گاڑی اچھی چل رہی ہے۔"

"شادی دھوم سے ہوئی تھی؟ آپ نے خود انجوائے کیا تھا؟"

"جی بالکل۔۔۔ بہت دھوم دھام سے ہوئی تھی اور خود میں نے بھی بہت انجوائے کیا تھا۔ چونکہ ہم پنجابی ہیں تو آپ کو پتا ہی ہے کہ پنجابیوں میں کتنے مزے مزے کی رسمیں ہوتی ہیں تو میں نے بھی ساری مزے سے انجوائے کیں۔ کیونکہ میں کسی پرائے گھر تو جا نہیں رہی تھی۔ اپنے ماموں کے گھر ہی جا رہی تھی اس لیے کوئی ڈر' خوف نہیں تھا۔"

"بے شک آپ اپنے ماموں کے گھر جا رہی تھیں۔ لیکن آج کے زمانے کی شادی اور گزرے وقت کی شادیوں میں بہت فرق ہوتا تھا۔ آج لڑکی خود ناچ رہی ہوتی ہے۔ جبکہ پہلے ایسا نہیں تھا؟"

"پہلے بہت شرم و حیا ہوتی تھی۔ اب ایسا نہیں ہے۔ بے شک میں نے رسمیں انجوائے کی تھیں۔ مگر ایسا نہیں تھا کہ میں اتنی مگن ہو گئی تھی کہ پتا ہی نہیں چل رہا تھا کہ دلہن کون سی ہے۔۔۔ میں نے ساری رسمیں بیٹھ کر دیکھیں۔ مگر ناچ گانا نہیں کیا تھا۔"

"آپ نے کہا کہ ماموں کے گھر جا رہی تھی۔ اس لیے خوف ڈر نہیں تھا۔ مگر پھر بھی میکہ چھوڑتے وقت کیا احساسات تھے آپ کے؟"

"بھئی! آپ یقین کرو کہ میرے تو آنسو ہی نہیں تھم رہے تھے۔ بہت زیادہ روئی تھی۔ کیونکہ میں گھر میں اپنے والدین اور بھائیوں کے بہت قریب تھی۔ میرے لیے رخصتی کا وقت بہت مشکل وقت تھا۔ لفظوں میں بیان نہیں کر سکتی۔"

"صبا! آپ اب بھی بہت چارمنگ ہیں تو نوجوانی میں تو بہت ہی خوب صورت ہوں گی۔ دلہن بن کر کیسی لگ رہی تھیں؟"

"اپنے منہ سے تعریف ہو جائے گی۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ میں بہت خوب صورت لگ رہی تھی۔ میرا میک اپ بھی بہت خوب صورت کیا گیا تھا اور میرا ڈریس بھی بہت خوب صورت تھا۔ سچ! میں بہت حسین لگ رہی تھی۔"

"سسرال کتنا بھی اچھا ہو' لڑکیوں کو اپنے میکے کا بڑا مان ہوتا ہے۔ کچھ رعب ڈالا اپنے میکے کا اور کبھی ناراض ہو کر میکے گئیں؟"

"ہاں! سسرال میں میکے کا مان تو ہوتا ہے لڑکی کو۔ سوچ لینا چاہیے کہ وہ جس گھر میں بیاہ کر جا رہی ہے۔ اب وہ ہی اس کا اصلی گھر ہے اور اسے اپنے کردار سے اپنے اخلاق سے سسرال والوں کو اپنا بنانا ہے۔ میکے میں تو ہم مہمان ہوتی ہیں۔ جہاں ہم نے اٹھارہ یا بیس سال گزارنے ہوتے ہیں۔ مگر مجھے لڑکیوں کی یہ بات بری لگتی ہے کہ وہ چھوٹی چھوٹی بات پر روٹھ کر میکے چلی جاتی ہیں۔

"شادی کو کامیاب بنانے کے کیا گر ہیں؟"

"کمپرومائز' انڈراسٹینڈنگ' بہت ضروری ہے۔ لڑائیاں تو ہر گھر میں ہوتی ہیں تو کیا ہم گھر چھوڑ کر چلے جاتے ہیں؟ سسرال بھی ہمارا گھر ہے۔ اگر اونچ نیچ ہوتی ہے تو ہمیں وہاں رہ کر ہی سارے حالات کو بہتر کرنا چاہیے۔ کہ بات بات پر روٹھ کر میکے جانا چاہیے۔"

"اچھا تو لڑائی تو آپ کی بھی ہوتی ہو گی۔ پہلی لڑائی یاد ہے؟"

بے ساختہ ہنستے ہوئے۔ "اتنی پرانی بات آپ نے پوچھ لی۔ یہ پوچھیں کہ آخری لڑائی کب اور کس بات پر ہوئی تھی۔ جب بھی ہم دونوں میں لڑائی ہوتی ہے صلح میں پہل میں ہی کرتی ہوں۔"

"غصے کے تیز ہیں فیصل کیا؟ اچھی اور بری عادتیں

بتائیں؟"

"جی! فیصل غصے کے تیز ہیں۔ جبکہ میرا غصہ بہت کم ہے۔ بلکہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ بری عادت تو غصے والی ہے اور اچھی عادت یہ ہے کہ بہت خیال رکھتے ہیں۔ بہت رومانٹک ہیں۔ بہت سی خوبیاں ہیں فیصل میں۔"

"آپ نے بتایا کہ آپ فیصل کو بہت حسین لگتی ہیں۔ گویا دل کھول کر تعریف کرتے ہیں؟"

"جی! دل کھول کر تعریف کرتے ہیں۔ لیکن مزے کی بات یہ کہ میں انہیں میک اپ میں حسین نہیں لگتی بلکہ ان کا دل چاہتا ہے کہ میں سادہ رہوں۔ بقول ان کے کہ میں انہیں گھر میں ایک گھریلو عورت کے حلیے میں زیادہ اچھی لگتی ہوں۔ ان کا کہنا تو یہ بھی ہے کہ سجنے بننے کے لیے ٹی وی کافی ہے۔"

"اچھا یہ بتائیں کہ منہ دکھائی میں کیا ملا تھا؟"

"منہ دکھائی میں اللہ کے نام کا لاکٹ تھا۔ سونے کی موٹی سی چین میں اللہ لکھا تھا اور قرآن بنا ہوا تھا۔ بہت خوب صورت گفٹ تھا۔"

"ہنی مون کہاں منایا؟"

"کہیں نہیں۔ کراچی کی سڑکوں پر موٹر بائیک پہ گھومتے تھے اور وہ ہی ہمارا ہنی مون تھا۔"

"آپ نے بتایا کہ آپ انہیں گھر کے حلیے میں اچھی لگتی ہیں تو آپ کتنی گھریلو ہیں؟"

"بہت زیادہ گھریلو ہوں۔ اگر آپ کے کہنے کا مقصد ہے کہ مجھے گھرداری کتنی آتی ہے تو اللہ کا بڑا شکر ہے کہ ماہر ہوں گھرداری میں۔ سب کچھ پکا لیتی ہوں اور بہت اچھا پکا لیتی ہوں۔ سلائی کڑھائی میں ماہر ہوں۔ جب بچے چھوٹے تھے تو ان کے کپڑے بھی خود ہی سلائی کر لیتی تھی۔ اور اپنے کپڑے بھی خود ہی سلائی کر لیتی تھی۔"

"مہنگی شاپنگ کرتی ہیں یا بارگیننگ کرتی ہیں؟"

"بارگیننگ کرتی ہوں۔ مگر میں کنجوسی نہیں دکھا سکتی۔ کیونکہ میں اس فیلڈ میں ہوں اور مجھے ہر وقت چیزوں کی ضرورت رہتی ہے۔ ایک گھریلو عورت تو چند جوڑوں اور جوتیوں میں گزارہ کر سکتی ہے۔ مگر ایک شوبز کی عورت ایسا نہیں کر سکتی۔ اس لیے میں اگر خرچ کرتی ہوں تو بچت بھی ضرور کرتی ہوں۔"

"مطلب آپ فیلڈ میں ہیں تو "ڈیزائنر" چیزوں کو اہمیت دیتی ہیں؟"

"نہیں! ایسا کچھ نہیں ہے کہ مجھے "ڈیزائنر" چیزیں ہی چاہئیں۔ ڈیزائنر چیزیں بہت مہنگی ہوتی ہیں۔ مجھے اچھی چیز چاہیے ہوتی ہے۔ خواہ وہ چار سو کی ہو یا اس سے زیادہ۔۔۔ اور اگر کوئی میری چیز دیکھ کے کہتا ہے کہ یہ ڈریس اچھا لگ رہا ہے یا یہ جوتا اچھا لگ رہا ہے تو میں اس کی صحیح قیمت بتا دیتی ہوں۔ یہ نہیں کہتی کہ یہ بہت مہنگا ہے۔"

"شادی کے بعد کبھی مشکل وقت دیکھا؟"

"مشکل وقت دیکھا۔ مگر ایسا نہیں کہ خدانخواستہ اس کی وجہ سے کوئی لڑائی جھگڑے ہوئے ہوں۔ جب شادی ہوئی تو فیصل جاب کرتے تھے۔ ان کی جدوجہد کا پیریڈ تھا۔ وہ اپنی تنخواہ مجھے لا کر دیتے تھے اور میں بہت سنبھال کر ان کو رکھتی تھی اور بہت خیال سے خرچ کرتی تھی۔ پھر جب دوسری تنخواہ پر پہلی تنخواہ کی بچت دیکھتی تھی تو اچھی خاصی ہوئی ہوتی تھی۔ اگر عورت سلیقہ مند ہوتی ہے تو ہر حال میں گزارہ کر لیتی ہے۔ جب پیسہ کم تھا تو اسی حساب سے خرچ کرتی تھی اور اب پیسہ زیادہ ہے تو اسے اسی حساب سے خرچ کرتی ہوں۔ مگر بچت ہر حال میں کرتی ہوں۔"

"تحفے کے معاملے میں سرپرائز دیتے ہیں یا خود شاپنگ کراتے ہیں اور پہلے سے بتا دیتے ہیں؟"

"فیصل نے جب مجھے کچھ دینا ہوتا ہے تو تحفہ خرید کر نہیں دیتے۔ بلکہ مجھے کیش دے دیتے ہیں کہ اپنی پسند سے خرید لو۔۔۔ اور جب ہم ایک ساتھ شاپنگ پہ جاتے ہیں تو پھر سارا خرچ یہ خود ہی کرتے ہیں۔"

WWW.PAKSOCIETY.COM

تبصیر نشاط

کہانیاں سچی کہانیاں

پہلی نظر

پہلی نظر کی محبت پر بہت کم لوگ یقین رکھتے ہیں۔ اکثر لوگوں کے خیال میں پہلی نظر میں صرف پسندیدگی ہی ہوتی ہے۔ پھر محبت تو آہستہ آہستہ چند ملاقاتوں کے بعد ہی جنم لیتی ہے۔ مگر جناب! کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ جن کے نزدیک پہلی نظر ہی سب کچھ ہوتی ہے۔ وہ کسی پر پہلی نظر پڑتے ہی اسے زندگی بھر کا ساتھی بنانے کا فیصلہ کر بیٹھتے ہیں۔

معروف اینکر پرسن اور ماڈل کرن خان اپنی ایک دوست کے ساتھ ریسٹورنٹ میں لنچ کرنے گئیں۔ ابھی انہیں وہاں بیٹھے تھوڑی دیر ہی ہوئی تھی کہ انہیں محسوس ہوا کوئی انہیں گھور رہا ہے۔ انہوں نے ادھر ادھر دیکھا تو کچھ فاصلے پر بیٹھے ہوئے ایک شخص کو مسلسل اپنی طرف متوجہ پایا۔ کرن کو برا لگا۔ کرن کی دوست کو ان صاحب کی نظریں کچھ میٹھی میٹھی سی محسوس ہوئیں۔ انہوں نے کرن کی توجہ اس طرف دلائی تو کرن نے انہیں جھاڑ دیا اور انہیں وہاں سے اٹھنے کو کہا۔ لنچ کے بعد دونوں کا شاپنگ کا پروگرام تھا۔ لہٰذا دونوں اٹھ کر ایک قریبی شاپنگ سینٹر چلی گئیں۔ انہوں نے دیکھا کہ وہ صاحب بھی اٹھ کر ان کے پیچھے آگئے ہیں۔ کرن نے شاپنگ سینٹر پہنچ کر پارکنگ ایریا میں گاڑی پارک کی اور خود دوست کے ساتھ اندر چلی گئیں۔

تقریباً" دو گھنٹے کے بعد وہ شاپنگ کر کے لوٹیں تو

انہوں نے ان صاحب کو کرن کی گاڑی سے ٹیک لگائے کھڑا پایا۔ انہیں دیکھ کر کرن تو تھوڑی دور پر ہی ٹھہر گئیں۔ تاہم ان کی دوست نے ان صاحب سے پوچھا کہ "کیا بات ہے؟"

ان صاحب نے بتایا کہ "مجھے آپ کی دوست پسند آئی ہیں۔ مجھے ان سے شادی کرنی ہے۔"

پھر انہوں نے کرن کی دوست کو اپنا رابطہ کارڈ دیا کہ وہ اس پر انہیں کرن کا جواب بتادیں۔ کرن کی دوست نے کارڈ لے لیا اور بعد میں کرن کے "نہ نہ" کرنے کے باوجود علی ناصر کو فون کر کے کرن کی تفصیلات اور رابطہ نمبر دے دیا۔ علی صاحب نے کرن کو فون کرنے شروع کردیے۔ مگر کرن پھر بھی نہ مانیں۔ علی صاحب نے اپنی والدہ کو کرن کا پروگرام دکھایا اور کہا کہ "میں اسے آپ کی بہو بنانا چاہتا ہوں۔ مگر یہ نہیں مانتی۔ اب اسے منانا آپ کا کام ہے۔"

پھر جب علی صاحب کی والدہ نے کرن سے بات کی تو دونوں کی فوراً" ہی دوستی ہوگئی۔ کرن نے سوچا کہ یہ صاحب باقاعدہ فیملی والے ہیں۔ اس لیے ان سے رشتہ کیا جاسکتا ہے۔ یوں علی صاحب کی والدہ کی وجہ سے کرن نے ہاں کردی۔ علی صاحب کو کرن کی "ہاں" پر اعتبار نہیں تھا یا شاید کچھ زیادہ ہی جلدی تھی کہ انہوں نے جھٹ نکاح بھی کر ڈالا۔ کرن کو اتنی مہلت بھی نہ دی کہ وہ نکاح کے لیے کوئی جوڑا خرید سکیں یا اپنی دوستوں ہی کو مدعو کر سکیں۔

(کرن جی! آپ کو ڈھیروں مبارک باد اور زندگی کا سفر خوش گوار رہنے کی دعائیں۔ قابل تعریف بات یہ ہے کہ آپ نے شوبز سے وابستہ ہونے کے باوجود فیصلہ کرتے وقت فیملی اور رشتوں کو اہمیت دی۔ ورنہ اب تو ہمارے معاشرے میں بدقسمتی سے فیملی اور رشتوں کو دیوار سے لگا دینے کا چلن عام ہوگیا ہے۔)

کچھ ادھر ادھر سے

مشرف صاحب کے وکیل اور معتمد خاص احمد رضا قصوری نے دلیل دی ہے کہ جنرل صاحب نے خود تو کسی کو قتل نہیں کیا۔ احمد رضا قصوری صاحب کو یہ دلیل اس وقت یاد نہ آئی۔ جب انہوں نے اپنے والد صاحب کے قتل کی ایف آئی آر میں وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو کو نامزد کر کے انہیں پھانسی کی سزا دلوائی۔ اس وقت عدالت میں یہ کیوں نہیں کہا کہ بھٹو نے اپنے ہاتھ سے گولی نہیں چلائی۔

(اطہر ہاشمی۔۔۔ بین السطور)

☆ دکھ کی بات ہے کہ جن بہادر پولیس افسران نے کراچی آپریشن میں حصہ لیا تھا۔ انہیں پرویز مشرف کے دور میں چن چن کر قتل کیا گیا اور ریاست چپ چاپ ان کے قتل ہونے پر خوشیاں مناتی رہی۔ اس کے بعد کون ریاست کے ساتھ کھڑا ہو کر شہریوں کو بچانے کی کوشش کرتا۔

(رؤف کلاسرا۔۔۔ رازونیاز)

☆ کراچی میں 19 ہزار اسلحہ سے بھرے کنٹینر غائب ہونے کا مسئلہ کئی سال پرانا ہے۔ اسلحہ کے کنٹینر سابق وزیر پورٹ اینڈ شپنگ کے دور میں آئے۔ اب یہی اسلحہ کراچی میں استعمال ہو رہا ہے اور شہر جل رہا ہے۔

(ڈی جی رینجر سندھ۔ جنرل رضوان کا عدالت میں بیان)

☆ میڈیا کے سارے ارسطو اور سقراط یک زبان ہو کر کہے جا رہے ہیں کہ اگر شاہ رخ کو پھانسی ہو جاتی تو قاتلوں کے لیے عبرت کا سامان ہو جاتا۔ عبرت۔۔۔؟ کس کے لیے عبرت۔۔۔؟ ان کے لیے جو چیف جسٹس اور آرمی چیف کے ہوتے ہوئے شہر کے بیچوں بیچ لاشیں گرا رہے ہوتے ہیں۔ ان کے لیے عبرت جو تمام گواہوں اور ثبوتوں کی موجودگی میں رہا ہو جاتے ہیں؟

(محمد فرنور عالم۔۔۔ حرف آزاد)

☆

WWW.PAKSOCIETY.COM

امت الصبور

تاریخ کے جھروکوں سے

حضرت زینب بنت علی رضی اللہ عنہا

تاریخ میں جب بھی شہدائے کربلا کا تذکرہ آتا ہے تو زینب بنت علی رضی اللہ عنہا کے حالات و واقعات بھی سامنے آجاتے ہیں۔ زینب بنت علی رضی اللہ عنہا آنحضور کی نواسی، شیر خدا علی المرتضیٰؓ اور خاتون جنت فاطمۃ الزہراؓ کی نور نظر اور شہید کربلا امام حسین بن علی رضی اللہ عنہا کی بہادر اور جرات مند بہن تھیں۔ یہی نہیں بلکہ وہ عون اور محمد کی والدہ بھی ہیں جو اپنے عظیم ماموں حسین بن علی رضی اللہ عنہا کے ساتھ میدان کربلا میں خلعت شہادت سے سرفراز ہوئے۔

حضرت زینب کی ولادت 4 ہجری میں ہوئی۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے وقت ان کی عمر 6 سال سے کچھ زائد تھی۔

حضرت زینبؓ کی ولادت کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم جہاد کے لیے مدینہ سے باہر تشریف لے گئے تھے۔ جب مدینہ منورہ پہنچے تو آپ نے اپنی نومولود نواسی کو گود میں اٹھالیا۔ لعاب مبارک اس کے منہ میں ڈالا اور کھجور چبا کر کھلائی۔ پھر فرمایا۔

"یہ مجھے بہت پیاری لگ رہی ہے۔ یہ اپنی نانی خدیجہؓ سے بہت مشابہت رکھتی ہے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بڑی بیٹی کے نام پر اپنی اس نواسی کا نام بھی زینب رکھا۔ 6 سال کی عمر میں حضرت زینبؓ نے اپنے والدین کے علاوہ اپنے نانا جان سے اس قدر تربیت حاصل کرلی تھی کہ اپنی بے مثال ذہانت و فطانت کی وجہ سے وہ اسلام کے بنیادی عقائد و ایمانیات پر بہت اچھی گفتگو کرلیتی تھیں اور اپنی گفتگو میں بر موقع اشعار بھی پڑھتی تھیں۔ انہیں آنحضور کے ساتھ پانچ سال کی عمر میں حج کرنے کی سعادت بھی ملی۔ ان کی والدہ حضرت فاطمہؓ بھی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے چھ ماہ بعد انتقال فرما گئیں۔ یوں حضرت زینبؓ بہت چھوٹی تھیں۔ جب ماں کی ممتا سے محروم ہو گئیں۔ حضرت علیؓ نے اپنی بیٹی کی بہت اچھی تربیت کی۔ ان کی شادی آپ نے اپنے بھتیجے حضرت عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب سے کردی۔ ان ہی سے ان کے بیٹے عون اور محمد پیدا ہوئے۔

بہن کی بھائی کے ساتھ محبت

حضرت علیؓ کی شہادت کے موقع پر حضرت زینبؓ بہت غمزدہ ہوئیں اور انہوں نے اپنے محبوب والد کا مرثیہ بھی کہا۔ حضرت زینبؓ کی زندگی اول و آخر عظمتوں کی داستان ہے۔ مگر میدان کربلا اور اس کے بعد کی منزلوں میں ان کا جو کردار سامنے آتا ہے اس کی بہت کم مثالیں انسانی تاریخ میں ملتی ہیں۔ میدان کربلا میں 9 محرم کو صورت حال دیکھ کر ان کی زبان پر دردناک اشعار آئے۔ حضرت زینبؓ کے اشعار کا مفہوم یوں تھا۔

"اے کاش میں یہ منظر دیکھنے کے لیے زندہ نہ رہتی، جب میرا بھائی اور پورا خاندان ظالموں کے نرغے میں آگئے ہیں۔ نانا ابو، والدہ محترمہ، بابا جان اور برادر بزرگ حسن سب کی جدائی پر دل پھٹ گیا تھا۔ مگر

ان سب کے بعد جس سے آنکھیں ٹھنڈی ہوتی تھیں اور جو میرے دل کا قرار تھا، اب وہ بھی مجھ سے چھن جائے گا۔ اے کاش میں اس کے بدلے میں اپنی جان قربان کردیتی اور اسے گزند نہ پہنچتا۔"

ان جذبات میں کوئی تصنع ہے، نہ کسی قسم کی غیر فطری بات۔ یہ فطرت انسانی کے عین مطابق ہیں اور ان میں کوئی مبالغہ بھی نہیں۔

استقامت کے کوہ گراں

اس موقع پر حضرت امام حسینؓ نے عزیمت کا پہاڑ بن کر اپنی بہن کو نہایت بلیغ انداز اور پر عزم الفاظ میں صبر کی تلقین فرمائی۔ انہوں نے فرمایا۔

"اے میری بہن! صبر کو اپنی ڈھال بناؤ۔ اللہ سے لو لگاؤ۔ اللہ کے ذکر سے تسکین حاصل ہوتی ہے۔ اللہ کو بقا ہے، باقی ساری کائنات کا مقدر فنا ہے۔ ساری کائنات سے اعلا و ارفع اور مقدس ہستی ہمارے نانا جان کی تھی۔ (وہ بھی دنیا میں ہمیشہ نہیں رہے) ہمیں ان ہی کے اسوہ حسنہ کی پیروی کرنا ہے۔ اے میری پیاری بہن! میری بات سنو۔ میں تمہیں اللہ کا واسطہ دیتا ہوں کہ میں راہ حق میں شہادت پا جاؤں تو گریبان نہ پھاڑنا، نہ بین کرنا، نہ چہرے اور بالوں کو نوچنا۔"

میدان کربلا کا معرکہ گرم ہوا تو سب سے پہلے حضرت زینبؓ کے نوعمر بیٹے عون اور محمد بن عبداللہ یزیدی فوجوں کے مقابلے پر نکلے۔ وہ بڑی بہادری سے لڑے اور جام شہادت نوش کیا۔ ان کے دادا جعفر اور والد عبداللہ بن جعفر بھی شیر دل تھے اور وہ خود تو شیر خدا کے نواسے تھے۔

واقعات کربلا کا دل دوز واقعہ جس طرح رونما ہوا۔ وہ ایک المناک تاریخ ہے۔ شہادت اہل بیت اور امام حسین رضی اللہ عنہ کے بعد صرف خواتین اور بچے ہی بچے تھے۔ ان کے خاندان اور قافلے کی خواتین کو قیدی بنایا گیا۔ پورے قافلے میں سے صرف آپ کے ایک نوعمر بیٹے علی بن حسین المعروف زین العابدین، جو شدید بیمار تھے، بچ پائے۔ کچھ بدبختوں نے زین العابدین پر ہتھیار اٹھانا چاہے، مگر حضرت زینب ان کے سامنے کھڑی ہو گئیں اور فرمایا۔

"خدا کی قسم جب تک میں زندہ ہوں، میرے بیمار بھتیجے کو کوئی قتل نہیں کرسکتا۔"

حضرت زینبؓ نے غم والم کے اس موقع پر اپنے نانا محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی روح کو خطاب کیا اور میدان جنگ کا دردناک نقشہ کھینچا، جہاں اہل بیت کے لاشے بکھرے پڑے تھے اور جہاں آپ کے محبوب نواسے کا بے سر جسم پڑا تھا۔ بس پھر کیا تھا دشمن اپنی دشمنی کے باوجود بے ساختہ رونے لگے۔

شیر خدا کی شیر دل بیٹی

یہ سارے مناظر دل فگار تھے۔ مگر اگلی منزلیں مشکل تر تھیں۔ قافلہ اہل بیت کو یزید کے دربار میں لے جانے کے لیے کربلا سے دمشق کی جانب سفر شروع ہوا تو یزیدی فوجوں کے حصار میں اسیران اہل بیت کو پہلے کوفے کے ظالم گورنر عبیداللہ بن زیاد کے دربار میں پیش کیا گیا۔ قافلے کا گزر کوفہ کے بازاروں میں سے ہوا تو بے وفا کوفی ہزاروں کی تعداد میں اس منظر کو دیکھنے کے لیے گھروں سے نکل آئے۔ اس موقع پر حضرت زینبؓ سے کوفیوں کی عہد شکنی اور غداری پر خاموش نہ رہا گیا۔ انہوں نے ان کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔

"اے دھوکے بازو! بدعہدی کرنے والو! اللہ تمہیں کبھی سکون عطا نہ کرے۔ تم نے میرے بھائی کے ساتھ جو غداری کی اس نے ثابت کردیا کہ تمہارے خمیر میں خیر نہیں۔ تم خوشامدی اور بزدل ہو۔ نواسۂ رسول کے قتل میں تم بالواسطہ شریک ہو۔ تم نے بیعت کرکے توڑ دی اور حمایت کا اعلان کرکے پیٹھ پھیر گئے۔ یاد رکھو تم اللہ کے قہر سے نہ بچ سکو گے۔"

دمشق پہنچنے سے پہلے کوفہ کے گورنر عبیداللہ بن زیاد نے کوفہ میں دربار منعقد کیا اور اسیران کربلا اس

WWW.PAKSOCIETY.COM

کے سامنے پیش کیے گئے۔

بدبخت عبید اللہ بن زیاد نے اس مصیبت زدہ اور غم سے چور خانوادہ رسول کے قافلے کو اذیت پہنچانے کے لیے بہت بے ہودگی اور یاوہ گوئی کا مظاہرہ کیا۔ اس نے جو الفاظ کہے وہ الفاظ تاریخ کے صفحات میں خود تاریخ کے لیے اذیت کا باعث ہیں۔

شیر خدا کی بیٹی اس دہشت گردی کے عالم میں بھی بے خوف کلمۂ حق بلند کرتے ہوئے بولیں۔

"تعریف اور حمد و شکر ہے اس ہستی کے لیے جس نے اپنے محبوب رسول کے ذریعے ہمیں عزت بخشی۔ ان شاء اللہ فاسق رسوا اور ذلیل ہوں گے اور ان کے نظریات لعنت زدہ قرار پائیں گے۔" یہ گفتگو بڑی طویل تھی۔ عبید اللہ بن زیاد جب زچ ہو گیا تو اس نے علی بن حسین (امام زین العابدین) کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"اس لڑکے کو کیوں قتل نہیں کیا گیا؟ اسے میرے سامنے قتل کر دیا جائے۔"

حضرت زینبؓ اپنے بھتیجے سے لپٹ گئیں اور فرمایا۔ "پہلے مجھے قتل کرو، پھر اسے قتل کرنا۔"

کوفہ سے شام روانگی

آخر ابن زیاد نے اپنا فیصلہ بدل لیا اور یہ قافلہ کوفہ سے شام کی طرف سرکاری دستوں کے محاصرے میں روانہ کر دیا گیا۔ کئی دنوں کی مسافت کے بعد یہ مظلوم یزید کے دربار میں پیش کیے گئے۔ نواسۂ رسول کا مبارک سر جسے آنحضور پیار سے بوسہ دیا کرتے تھے۔ نیزے کی انی پر پرویا ہوا تھا۔ یزید کے دربار میں ان مظلوموں کو پیش کیا گیا تو اس نے امام کا سر دیکھ کر کہا کہ میں نے اسے نیزے پر پرونے کا حکم نہیں دیا تھا۔

یہاں بھی یزید کے ساتھ جو مکالمہ ہوا، اس میں حضرت زینبؓ نے کمال حکمت و دانش اور جرات و بہادری کے ساتھ اس کے تمام اعتراضات و خرافات کا بھرپور جواب دیا۔ یزید کے دربار میں حضرت زینبؓ نے ایک مؤثر اور دردناک خطاب فرمایا۔ اس میں انہوں نے یزید کو باور کرایا کہ اپنے زعم میں وہ سمجھ رہا ہے کہ اسے کامیابی مل گئی اور اہل بیت سرنگوں ہو گئے، مگر حقیقت میں اہل بیت کا کوئی نقصان نہیں ہوا، بلکہ یزید اور اس کے پورے ٹولے نے اپنے آپ کو تباہ و برباد کر لیا ہے۔

قتل حسین اصل میں مرگ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

سفر جانب مدینہ

کچھ دن یزید نے ان لوگوں کو دمشق میں ٹھہرائے رکھا، پھر اس نے حکم دیا کہ ان خواتین کو سواریوں پر سوار کیا جائے اور مدینہ تک بحفاظت پہنچایا جائے۔ یزید نے صحابی رسول حضرت نعمان بن بشیر انصاری کو جو دمشق میں مقیم تھے۔ ذمہ داری سونپی کہ وہ اپنی نگرانی میں قافلے کو مدینہ تک پہنچائیں۔ اونٹوں پر محمل رکھے گئے تھے۔ حضرت زینبؓ نے فرمایا کہ "محملوں پر سیاہ چادریں ڈال دی جائیں، اس لیے کہ محملوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیاں سوار تھیں اور سفر لمبا تھا۔ ان کو یہ سفر پردے میں کرنا تھا کہ ان پر کسی کی نظر نہ پڑے۔ یہ خاتون جنت کی بیٹیاں تھیں جنہوں نے فرمایا تھا کہ ان کے جنازے کے وقت چشم فلک بھی ان کے کفن کو نہ دیکھ سکے۔ واقعاتِ کربلا کی خبر مدینہ منورہ پہنچ چکی تھی۔

جب یہ قافلہ مدینہ کے قریب پہنچا تو مدینہ میں موجود صحابہؓ و تابعین اور اہل مدینہ بڑی تعداد میں ان کے استقبال کے لیے شہر سے باہر نکلے۔ مشہور صحابی حضرت جابر بن عبد اللہ انصاریؓ سب سے آگے آگے تھے اور ان کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ وہ فرما رہے تھے کہ

"یہ قوم اپنے نبی کو روز قیامت کیا منہ دکھائے گی۔"

اپنے غم خوار رشتے داروں اور نانا حضور کے جانثار صحابہ کو دیکھ کر۔ حضرت زینبؓ بھی رونے لگیں۔

حضرت جابرؓ کو خطاب کر کے کہا۔

"اے میرے نانا کے صحابی! آپ نے جس بچے کو اپنے ہاتھوں سے اپنے آقا کے مبارک کندھوں پر کئی بار بٹھایا تھا، اس کا جسد اطہر گھوڑوں کے سموں سے کچلا گیا اس کا سر نیزے کی نوک کی زینت بن گیا۔"

اور اس کے ساتھ ہی حضرت زینبؓ پر بے ہوشی طاری ہو گئی اور وہ گر گئیں۔ یہ پہلا موقع تھا کہ جب حضرت زینبؓ فرط غم سے غش کھا گئیں۔ انہیں اٹھا کر ان کے گھر لایا گیا۔ پورے مدینہ پر غم کی چادر تن گئی اور ہر گھر میں بڑے چھوٹے، مرد و خواتین سب ہی زار و قطار روئے۔ اگلے دن حضرت زینبؓ مسجد نبوی میں تشریف لے گئیں۔ آنحضور کے روضۂ مبارک پر حاضر ہوئیں اور صلوٰۃ و سلام عرض کرنے کے بعد اس پورے منظر کو بیان کیا۔ جس سے آل رسول دوچار ہوئی تھی۔ اس موقع پر بھی سب لوگ رونے لگے، مگر حضرت زینب نے آج اسی انداز میں لوگوں کو صبر کی تلقین کی جس انداز میں شب کربلا میں ان کے محبوب بھائی نے انہیں تلقین فرمائی تھی۔

عظمت ہی عظمت

بنات اہل بیت کا ایک واقعہ بعض مورخین نے حضرت زینبؓ کی سیرت میں بیان کیا ہے۔ جو اہل بیت کی عظمتوں کو مزید واضح کرتا ہے۔ حضرت زینبؓ اور ان کی دوسری بہنوں نے صحابیٔ رسول حضرت نعمان بنؓ بشیر کو بلایا۔ ان کے حسن سلوک اور غم خواری کا شکریہ ادا کیا اور دوران سفر ان کی خدمات کے اعتراف کے طور پر اپنی چوڑیاں اتار کر پیش کر دیں۔ ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ "اس وقت ہمارے پاس کچھ اور ہوتا تو وہ بھی آپ کی خدمت میں پیش کر دیا جاتا۔" حضرت نعمان بن بشیر یہ بات سن کر زار و قطار روئے اور کہا۔

"اے بنات رسول صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ کی قسم میں تو آپ کی خدمت کو اپنے لیے توشۂ آخرت سمجھتا ہوں۔ اگر میں نے دنیا کے لالچ میں یہ کام کیا ہو تو مجھے قیامت کو کیا اجر ملے گا۔ اللہ آپ کے غموں کا مداوا فرمائے۔ آپ اپنی چوڑیاں اپنے پاس رکھیں۔"

قافلہ کربلا اور حضرت زینبؓ کی یہ داستان خونچکاں طویل ہے۔ واقعات اتنے اندوہناک ہیں کہ انسان کو ہلا کر رکھ دیتے ہیں۔ امت مسلمہ کا المیہ دیکھیے کہ خانوادہ رسول کے ساتھ یہ ظلم ڈھانے والے اسی رسول کا کلمہ پڑھتے تھے۔

(بہ شکریہ معارف اسلامی لاہور)

☆

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے
بہنوں کے لیے خوبصورت ناول

کتاب کا نام	مصنفہ	قیمت
بساط دل	آمنہ ریاض	500/-
زرد موسم	راحت جبیں	750/-
زندگی اک روشنی	رخسانہ نگار خان	500/-
خوشبو کا کوئی گھر نہیں	رخسانہ نگار خان	200/-
شہر دل کے دروازے	شازیہ چودھری	500/-
تیرے نام کی شہرت	شازیہ چودھری	250/-
دل ایک شہر جنوں	آسیہ مرزا	450/-
آئینوں کا شہر	فائزہ افتخار	500/-
بھول بھلیاں تیری گلیاں	فائزہ افتخار	600/-
پھلاں دے رنگ کالے	فائزہ افتخار	250/-
یہ گلیاں یہ چوبارے	فائزہ افتخار	300/-
عین سے عورت	غزالہ عزیز	200/-
دل اُسے ڈھونڈ لایا	آسیہ رزاقی	350/-
بکھرنا جائیں خواب	آسیہ رزاقی	200/-

ناول منگوانے کے لئے فی کتاب ڈاک خرچ -/30 روپے منگوانے کا پتہ
مکتبہ خواتین ڈائجسٹ -37 اردو بازار کراچی۔
فون نمبر: 32216361

WWW.PAKSOCIETY.COM

موسم کے پکوان

خالدہ جیلانی

فالودہ

اجزا :

دودھ	ایک کلو
لال شربت	آدھا کپ
رنگین سویاں	ایک کپ
جیلی	آدھا پیکٹ
پستے/بادام	دو کھانے کے چمچے
اناس کے ٹکڑے	ایک کپ
چینی	آدھا کپ
ونیلا آئس کریم	حسب ضرورت

ترکیب :

دودھ کو پکا کر تین پاؤ کرلیں، پھر چینی ڈال کر ٹھنڈا کریں اور لال شربت مکس کرکے فریزر میں رکھ دیں۔ سویاں ابال لیں۔ بادام پستے کترلیں۔ جیلی جما کر چھوٹے چھوٹے چوکور ٹکڑے کرلیں۔ گلاسوں میں پہلے سویاں اور ۔۔۔ اناس کے ٹکڑے ڈالیں پھر ٹھنڈا دودھ، تین بڑے چمچے آئس کریم کے ڈالیں۔ آخر میں سب سے اوپر بادام پستے چھڑک کر ٹھنڈا ٹھنڈا پیش کریں۔

نوڈلز کباب

اجزا :

ابلے ہوئے نوڈلز	ایک پیکٹ
گوشت	آدھا کلو
انڈے	دو عدد
آلو	ایک عدد
لیموں کا رس	دو کھانے کے چمچے
سویا ساس	ایک کھانے کا چمچہ
ڈبل روٹی کا چورا	دو کپ
لہسن ادرک پیسٹ	دو کھانے کے چمچے
ہلدی/سرخ مرچ	آدھا آدھ چائے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
تیل	حسب ضرورت

ترکیب :

گوشت میں لہسن ادرک پیسٹ، ہلدی، مرچ اور نمک ڈال کر گلالیں۔ الگ کڑاہی میں تیل گرم کرکے گوشت اور ابلے ہوئے آلو ڈال کر فرائی کریں ٹھنڈا کرکے میش کرلیں (پیسنا نہیں ہے) اب اس میں سویا ساس، چلی ساس، اجینو موتو، لیموں کا رس، پسی کالی مرچ اور نوڈلز ڈال کر مکس کریں اور کسی بھی شیپ میں کباب بنالیں۔ انڈوں میں ڈبو کر ڈبل روٹی کا چورا لگائیں اور تھوڑی دیر فریج میں رکھنے کے بعد گہرے تیل میں تلیں اور کیچپ کے ساتھ پیش کریں۔

نورتن پلاؤ

اجزا :

چاول	ایک کلو
لہسن ادرک پیسٹ	دو کھانے کے چمچے
یخنی	ڈھائی کپ
مکس خشک میوے	چار کھانے کے چمچے
پھول گوبھی	ایک کپ
پھلیاں	پانچ عدد
گاجر	ایک عدد
آلو	دو عدد
بے بی کارن	آدھا کپ
فوڈ کلرز	ایک ایک چٹکی
چھوٹی الائچی	چار عدد
تیزپات	ایک بڑا پتا
نمک	حسب ذائقہ
تیل	حسب ضرورت

تیل گرم کرکے لونگ، الائچی، تیزپات، زیرہ اور لہسن ادرک پیسٹ ڈال کر بھونیں، پھر چوکور کٹی گاجر، ابلی ہوئی پھلیاں، پھول گوبھی، آلو اور بے بی کارن مکس کریں۔ اس کے بعد یخنی اور نمک ڈال کر ابلنے دیں چاول ڈال کر درمیانی آنچ پر پکائیں۔ پانی خشک ہو جائے تو ہلکے ہاتھ سے مکس کرکے فوڈ کلرز (سرخ، سبز، زرد) الگ الگ چھڑک دیں۔ میوہ ڈالیں اور دم پر رکھ دیں۔ سلاد اور رائتے کے ساتھ گرم گرم پیش کریں۔

کوکمبر بیف رول

قیمہ	ایک پاؤ
کھیرے	دو عدد
لہسن پیسٹ	ایک چائے کا چمچہ
پیاز	ایک عدد
ٹماٹو کیچپ	آدھا کپ
کٹی سرخ مرچ	ایک چائے کا چمچہ
پراٹھے	چار عدد
کریم	حسب ضرورت
نمک	حسب ذائقہ
تیل	حسب ذائقہ

پیاز چوپ کرکے سنہری کریں پھر لہسن پیسٹ اور قیمہ ڈال کر مکس کریں۔ گل جائے تو نمک، ٹماٹو کیچپ اور کٹی مرچ ڈال کر بھون لیں۔ پراٹھے پر قیمہ، کریم اور ایک کش کیا ہوا کھیرا رکھ کر رول کریں اور ٹوتھ پک (تیلی) لگا کر کنارے بند کرلیں۔ دوسرے کھیرے کے چھلکے سمیت لمبائی میں کٹے سلائس اور چلی گارلک ساس کے ساتھ پیش کریں۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیش کش

(WWW.PAKSOCIETY.COM)

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے آپ کیلئے پیش کیا۔

ہم خاص کیوں ہیں؟؟؟؟؟

یہ واحد ویب سائٹ ہے جہاں سے تمام ماہنامہ ڈائجسٹ، ناول، عمران سیریز، شاعری کی کتابیں، بچوں کی کہانیاں، اور اسلامی کتابیں ڈائریکٹ ڈاؤن لوڈ کرنے کے ساتھ ساتھ آن لائن پڑھ بھی سکتے ہیں۔

fb.com/paksociety

twitter.com/paksociety1

ہائی کوالٹی پی ڈی ایف

اگر آپ کو ویب سائٹ پسند آئی ہے تو پوسٹ کے آخر میں اپنا تبصرہ ضرور دیں۔

اپنا تبصرہ صرف پوسٹ تک محدود رکھیں۔ درخواست کے لئے رابطہ کا صفحہ استعمال کریں۔

اپنے دوست احباب کو بھی پاک سوسائٹی کے بارے میں بتائیں۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی انتظامیہ سے مالی تعاون کیجئے۔ تاکہ یہ منفرد ویب سائٹ آپ کیلئے جاری رکھی جاسکیں۔

پاکستانیوں کی ویب سائٹ

WWW.Paksociety.Com

Library For Pakistan

خوبصورتی کے قدرتی ماسک

قدرت نے پھلوں اور سبزیوں میں کچھ ایسے قدرتی خواص رکھے ہیں جو بالوں اور چہرے کی خوبصورتی اور دلکشی بڑھانے میں بے حد معاون ہیں۔ کیلا صرف کھانے ہی میں خوش ذائقہ نہیں۔ بلکہ حسن و دلکشی حاصل کرنے کا قدرتی ذریعہ بھی ہے۔ اس میں ایسے اجزاء شامل ہیں، جو جلد کو نمی فراہم کرتے اور داغ دھبے دور کرتے ہیں۔ نیز یہ بالوں کے لیے بھی بے حد فائدہ مند ہے۔

☆ چہرے کی رنگت نکھارنے کے لیے کیلے کے سبز پتوں کا عرق دس قطرے، لیموں کے رس کے دس قطرے اور عرق گلاب کے پانچ قطرے لے کر انہیں ملالیں۔ اس محلول کو رات سونے سے پہلے چہرے پر لگالیں۔ صبح کسی اچھے صابن سے منہ دھولیں۔

☆ کیلے کے پتوں کا عرق اور گریپ فروٹ کا رس برابر مقدار میں لے کر اس میں تھوڑی سی پسی ہوئی دار چینی ملائیں۔ اسے چہرے پر لگالیں۔ تقریباً بیس منٹ کے بعد سادہ پانی سے منہ دھولیں۔ یہ چہرے کے لیے بہترین ماسک ہے۔

☆ کچے کیلے کو ململ کے صاف کپڑے پر رکھ کے کچل لیں۔ پھر اس کی پوٹلی سی بنا کر اسے چہرے پر اچھی طرح ملیں۔ دس منٹ بعد سادہ پانی سے منہ دھولیں۔ یہ عمل چہرے کے لیے کلینزنگ کا کام کرے گا۔ باقاعدگی سے کرنے پر اس سے چہرے کے داغ دھبے بھی دور ہو جاتے ہیں۔

☆ پکے ہوئے کیلے کا گودا چہرے پر ملیں۔ تیس منٹ بعد سادہ پانی سے منہ دھولیں۔ اس ماسک کو بھی باقاعدگی سے لگانے سے چہرے کے داغ دھبے دور ہوتے ہیں اور رنگت نکھر جاتی ہے۔

☆ اگر آپ کے سر میں خشکی ہے تو سرسوں کے تیل میں کیلے کے تنے کا عرق کافی مقدار میں، ایک انڈا اور تھوڑی دہی پھینٹ کر شامل کرلیں۔ اسے سر پر لگائیں۔ پھر کوئی کپڑا یا اسکارف لے کر اسے سر پر باندھ لیں۔ ایک گھنٹے بعد عام طریقے سے سر دھولیں۔ کچھ ہی عرصے میں بالوں کی خشکی سے نجات مل جائے گی۔

☆ اگر بال گرتے ہوں تو آدھا پاؤ دہی، ایک پاؤ دودھ اور آدھا لیٹر کیلے کے تنے کا عرق لے کر انہیں اچھی طرح ملالیں۔ پہلے اس سے سر دھوئیں اور آدھے گھنٹے بعد سادہ پانی سے سر دھولیں۔ یہ عمل ایک مہینے تک روزانہ کرنے سے بال گرنا بند ہو جاتے ہیں۔

☆ بالوں کو لمبا اور گھنا کرنے کے لیے کیلے کی جڑوں کا عرق ایک لیٹر، چقندر کا عرق ایک لیٹر، خشک آملہ ایک پاؤ، مہندی کے پتے آدھا پاؤ لیں۔ انہیں ایک برتن میں ڈالیں اور چولہے پر چڑھا دیں۔ آنچ دھیمی رکھیں۔ جب عرق آدھا رہ جائے تو اس میں چار چھٹانک تلوں کا تیل بھی شامل کردیں۔ جب پک پک کر سارا عرق جل جائے اور صرف تیل ہی باقی بچے تو اسے چھان کر کسی بوتل میں رکھ لیں۔ یہ تیل باقاعدگی سے استعمال کرنے سے بال لمبے اور گھنے ہو جاتے ہیں۔

☆

WWW.PAKSOCIETY.COM